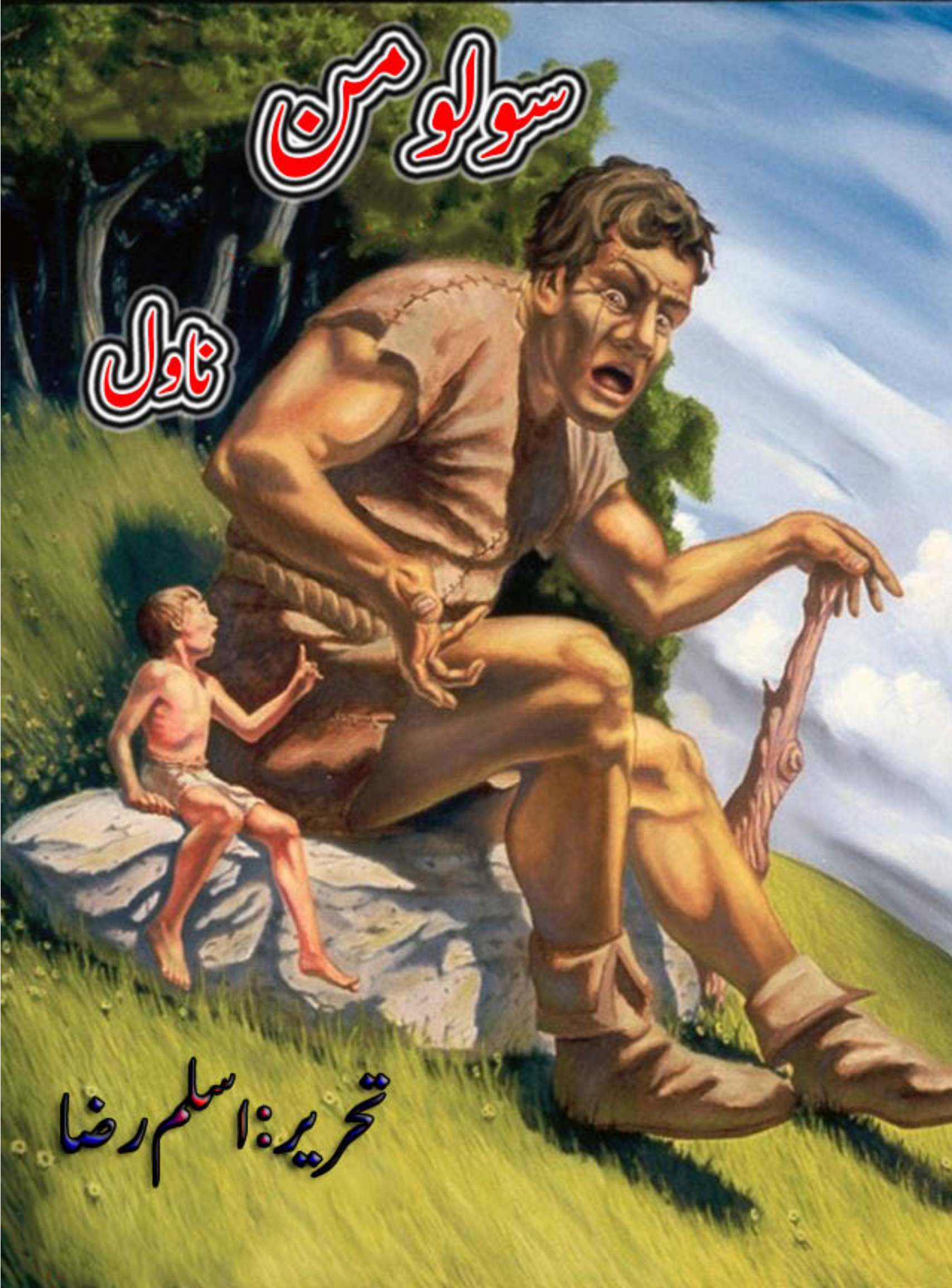


سولو مسی

ناول

تحریر: اسلم رضا





میں نے اپنی ہوش ایک غریب خاندان میں سنبھالی تھی۔ میرے والد صاحب، رحمت علی، کراچی کے ایک علاقے کورنگی میں جنرل سٹور چلاتے تھے۔ میں ان کا اکلوتا بیٹا تھا۔ وہ زیادہ پڑھے لکھے نہیں تھے۔ ان کے والد نے ان کو صرف چند جماعتیں پڑھنے دی تھیں۔ تاہم ان کو پڑھنے لکھنے کا بہت شوق تھا۔ مگر حالات کی تنگی کی وجہ سے وہ اپنے اس شوق کو عملی جامہ نہیں پہنا سکے۔ اب ان کا سارا شوق مجھے اعلیٰ تعلیم دلوانے میں صرف ہو رہا تھا۔ میٹرک تک تو آسانی سے پہنچ گیا مگر اس سے آگے کے اخراجات برداشت کرنا میرے والد صاحب کے بس کی بات نہ تھی۔ لیکن انہوں نے کسی نہ کسی طرح قرضہ لے کر مجھے ایف۔ اے۔ کے لیے ایڈمیشن لے دیا۔ مجھے پڑھائی سے کوئی خاص شغف نہیں تھا۔ سہی پوچھیں تو میں صرف والد صاحب کی خوشی

کے لئے ہی پڑھتا تھا اور اتنی ہی محنت کرتا تھا کہ بس پاس ہو جاؤں تاکہ والد صاحب کی رقم جو انہوں نے میری تعلیم پر خرچ کی ہوتی تھی وہ ضائع نہ ہو سکے۔ بقول میرے اساتذہ میرا ذہن بہت اچھا تھا۔ جو چیز ایک بار مجھے بتادی جاتی تھی وہ کبھی نہیں بھولتی تھی۔ تاہم میری ایک خامی سے سب ہی تنگ تھے۔ وہ یہ کہ جب میں کوئی کام پوری توجہ سے کر رہا ہوتا تھا تو مجھے اپنے ارد گرد کی کوئی ہوش نہیں ہوتی تھی۔ ارد گرد جو کچھ بھی ہو جائے مجھے پتہ نہیں چلتا تھا۔ مثال کے طور پر مجھے بچپن سے ہی کارٹون دیکھنے کا بہت شوق تھا۔ جب بھی ٹیلی ویژن پر کارٹون لگتے تو میں اتنا مگن ہو جاتا کہ والدین بلا تے رہ جاتے اور مجھے ان کی آواز تک سنائی نہیں دیتی تھی۔ ایک دفعہ کارٹون دیکھتے ہوئے میری والدہ نے گرم گرم چائے مجھے پینے کے لیے دی۔ میں کارٹونوں میں اتنا مگن ہوا کہ مجھے چائے کا پتہ ہی نہ

چلا۔ جب کارٹون ختم ہوئے تو میں نے اپنی والدہ سے بہت احتجاج کیا کہ انہوں نے چائے تو رکھ دی مگر مجھے نہیں بتایا جس کی وجہ سے وہ ٹھنڈی ہو گئی۔ انہوں نے بہت کہا کہ انہوں نے مجھے آواز دی تھی مگر میں نہ مانا۔ اسی طرح سے اکثر اسکول میں پڑھتے ہوئے مجھ سے میرے دوستوں نے کئی بار یہ شکایت کی کہ جب میں کچھ لکھ رہا ہوتا ہوں تو اکثر ان کی بات کا جواب تک نہیں دیتا۔ میں خود بھی اپنی اس خامی سے تنگ تھا۔ اس کی وجہ سے مجھے بہت خفت کا سامنا کرنا پڑتا تھا جب لوگ مجھ پر ہنستے تھے اور مجھے بالکل بھی یاد نہیں آتا تھا کہ میں نے ان کی آواز سنی ہو۔

میرے والد صاحب بہت مذہبی شخص تھے۔ وہ ایک بزرگ برکت شاہ صاحب کے مرید تھے۔ برکت شاہ صاحب سلسلہ قادریہ کے خلیفہ تھے۔ اسی سلسلہ میں ایک تعویذ میرے گلے میں ہر وقت پڑا رہتا تھا۔



مجھے نہیں یاد کب پہلی بار اس کو میں نے دیکھا تھا۔ شاید یہ میری  
پیدائش کے وقت مجھے پہنا دیا گیا تھا۔ مگر والد صاحب کی سخت تاکید  
تھی کہ میں اس کو اپنے سے جدا ہرگز نہ کروں۔ وہ ہر جمعرات کو شاہ  
صاحب کے پاس حاضری کے لئے جاتے تھے۔ شاہ صاحب بھی  
بہت نیک انسان تھے میں نے ان کو ہمیشہ نیک کام کرنے کی نصیحت  
کرتے سنا تھا۔ وہ کسی سے بھی میانہ نہیں لیتے تھے بلکہ اکثر غریبوں کی  
مدد کرتے تھے۔ مجھے اتنا یاد ہے کہ ہمارے گھر میں کوئی بھی بڑا کام شاہ  
صاحب کی رائے لئے بغیر نہیں ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ میرا نام بھی شاہ  
صاحب نے ہی تجویز کیا تھا۔ یہاں یہ بات بھی بتاتا چلوں کہ شاہ  
صاحب کو مجھ سے خاص انس تھا۔ میں جب بھی والد صاحب کے  
ساتھ ان کے پاس جاتا وہ مجھے اپنے پاس بلا کر اپنے بالکل قریب بٹھا  
لیتے اور بہت پیار کرتے۔ یہ انہی کی خاص شفقت کا نتیجہ تھا کہ میں

اپنے والدین کا ایک فرماں بردار بیٹا تھا اور اکثر نماز بھی پڑھ لیا کرتا تھا۔

میں اپنی داستان کی ابتداء اس خواب سے کروں گا جہاں سے میری نئی زندگی شروع ہوئی۔

یہ اس دن کی بات ہے جس دن میں پہلی دفعہ کالج گیا تھا۔ میں بہت خوش تھا کیونکہ عارف جو میرے بچپن کا دوست تھا اتفاق سے اس کا سیکشن بھی وہی تھا جو مجھے ایلو کیٹ ہوا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ ہم دونوں کالج میں بھی اکٹھے رہ سکتے تھے۔ اس رات میں کچھ جلدی سو گیا تھا تا کہ صبح وقت پر اٹھ کر کالج جاسکوں۔ اس رات میں نے وہ خواب دیکھا۔ ایک بہت ہی بزرگ ہستی جن کی داڑھی ناف سے بھی نیچے تک جارہی ہے مجھے بڑی توجہ سے دیکھ رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں۔ ”بیٹا!۔۔۔ ہم کو تم سے بہت امیدیں ہیں۔ اتنی ساری قربانیاں



ضائع مت ہونے دینا۔ وہ کام تمہی کو کرنا ہے اور کوئی نہیں کر سکتا۔ ایسا نہ ہو کہ تم اپنی زندگی میں اتنا ملن ہو جاؤ کہ سب کچھ ضائع ہو جائے۔“

ابھی میں ان کی بات پر غور کر رہا ہوتا ہوں کہ ایک بہت بڑی کالی چمگاڈرتیزی سے آتی ہے اور اس بزرگ کو اٹھا کر لے جاتی ہے۔ میں ہکا بکا دیکھتا رہ جاتا ہوں۔ بس یہ بات یاد رہ جاتی ہے کہ بزرگ کی آنکھوں میں بڑی بے بسی ہوئی ہے جیسے وہ کچھ کہنا یا کرنا چاہ رہے تھے مگر اس حملے کی وجہ سے نہ کر سکے۔ اسی کے ساتھ ہی میری آنکھ کھل گئی۔

اسی وقت فجر کی اذان میرے کانوں میں پڑی۔ میں نماز کا پابند تو نہ تھا مگر جب کبھی فجر کے وقت آنکھ کھل جاتی تو نماز ضرور پڑھ لیتا تھا۔

اسی خواب کے بارے میں سوچتے ہوئے میں نے وضو کیا اور نماز پڑھی۔ مجھے اتنا معلوم تھا کہ جو خواب صبح کو فجر کی نماز کے وقت آتا ہے

وہ سچا ہوتا ہے مگر اس خواب کی کوئی تعبیر مجھے سمجھ نہیں آرہی تھی۔ کچھ دیر تک میں اس کے بارے میں سوچتا رہا اور پھر میرے دماغی روکالچ کی طرف چلی گئی۔ آج کالج میں دوسرا دن تھا اور مجھے کالج کی آزادی بہت اچھی لگی تھی۔ جس مرضی کلاس کو چاہو چھوڑ دو۔ کوئی سختی نہیں تھی۔ آج میرا پروگرام دوست کے ساتھ کلفٹن جانے کا تھا۔ گھر والے یہی سمجھتے کہ ہم کالج ہیں اور ہم لوگ کالج کی اسمبلی اٹینڈ کر کے نکل جاتے۔ حقیقت میں یہ پروگرام عارف کا تھا۔ میں نے تو صرف ساتھ دینے کی حامی بھر لی تھی۔ مگر میں اس کے بارے میں بہت پر جوش تھا۔ بڑی بے چینی سے کالج کے وقت کا انتظار کیا اور پھر ناشتہ کر کے کالج کی طرف چل پڑا۔ ماں نے حسب معمول جاتے ہوئے ایک روپے کا ایک نوٹ میرے جیب میں ڈال دیا۔ مجھے پیسوں کی کبھی پرواہ نہیں ہوتی تھی۔ مجھے صرف اپنے سائیکل کی مرمت وغیرہ



کے لئے اس کی ضرورت پڑتی تھی۔ میں نے عارف کے گھر کا رخ کیا اور اس کو ساتھ لیکر کالج چل پڑا۔ حسب پلان نو بجے کی اسمبلی کی بعد ہم باہر نکل آئے۔ ہمارا ایک دوست کلاس میں ہماری پراکسی اٹینڈنس کے لئے تیار تھا۔ اس لئے اب کالج کی ہمیں کوئی فکر نہ تھی۔ کلفٹن جاتے ہوئے رستے میں عارف نے کہا۔

”سلیمان!۔۔ تم کبھی ساحل سمندر گئے ہو؟“

”ایک بار۔۔ والد صاحب کے ساتھ۔“ میں نے جواب دیا۔

”کیا تمہیں معلوم ہے کہ ساحل پر مغربی سمت میں ایک چھوٹی سی کٹیا

ہے؟ کبھی دیکھی ہے وہ؟“ عارف نے سوالیہ لہجے میں پوچھا۔

”نہیں یار“ میں نے جواب دیا ”تمہیں معلوم ہے بابا کو سیر و

سیاحت کا بالکل بھی شوق نہیں ہے وہ تو اماں نے کہا کہ بچے کو سمندر ہی

دکھا دو تو بابا مجھے یہاں لے آئے تھے۔ بس کچھ دیر سمندر دکھایا کہ ایسا

ہوتا ہے اور بس۔“

میرے جواب پر عارف مسکرا نے لگا۔ پھر بولا۔

”لو اب جی بھر کر دیکھ لینا۔“

جب ہم کلفٹن پہنچ گئے تو سائیکل ایک سٹینڈ پر لگا کر ہم لوگ ساحل پر نکل پڑے۔ سمندر بہت بھلا لگ رہا تھا۔ سمندر کی لہریں اپنی سرکشی دکھا رہی تھیں۔ تھوڑی دیر ایسے ہی نظارہ کرنے کے بعد عارف نے مجھے اشارہ کیا اور ہم لوگ مغربی سمت چل پڑے۔ میری آنکھیں اس کٹیا کو تلاش کر رہی تھیں اور میں سوچ رہا تھا کہ اس میں دیکھنے والی کیا چیز ہو سکتی ہے۔ کچھ دیر چلنے کے بعد ہمیں وہ کٹیا نظر آ گئی۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ اس کٹیا کے باہر کچھ لوگ بڑے نیاز مندا نہ انداز میں کھڑے تھے۔ عارف نے ان کو دیکھتے ہی کہا۔

”وہ دیکھو کٹیا۔۔۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ سب باتیں سچ ہیں۔“



”کوئی باتیں؟“ میں نے حیرت سے پوچھا۔

”سلیمان!۔۔ میں نے سنا ہے کہ اس کٹیا میں ایک بزرگ بابا رہتا ہے اور کبھی کبھی موج میں آ کر وہ کچھ کرامات دکھاتا ہے۔ جیسے جن حاضر کرنا، جنوں سے باتیں کرنا، کسی بھی ایک شخص کے بارے میں اس کے ماضی اور مستقبل کی باتیں وغیرہ وغیرہ۔“ عارف نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

www.define.pk

”بابا کب باہر آئے گا؟“ میں نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

”ہوں!۔۔ کوئی نہیں جانتا۔“ عارف نے جواب دیا۔ ”بابا اپنی

مرضی کا مالک ہے۔ کوئی اسے مجبور نہیں کر سکتا۔ لوگ یہاں پر اپنی اپنی

مرادیں اور خواہشیں لے کر آتے ہیں اور باہر بیٹھ کر انتظار کرتے

ہیں۔ بابا خود ہی باہر آتا ہے اور جس کی مراد یا خواہش وہ چاہے پوری

کرتا ہے۔“

ہم لوگ تقریباً دو گھنٹے تک وہاں انتظار کرتے رہے اور پھر واپس آ گئے۔ اس طرح آزادی سے گھومنا مجھے بہت اچھا لگا تھا خاص طور پر کالج کے سٹڈی ٹائم میں۔

اس رات پھر میں نے وہی خواب دوبارہ دیکھا۔ حیرت کی بات یہ تھی میں سارا دن اس خواب کو بھولے ہوئے تھا اور رات کو سوتے ہوئے بھی میرے ذہن کے کسی گوشے میں اس کے بارے میں کوئی سوچ نہیں تھی مگر پھر بھی وہ خواب پھر آیا اور اسی طرح صبح فجر کی اذان پر میری آنکھ کھل گئی۔ اس دن اور کوئی خاص بات نہ ہوئی۔ کالج میں بھی روٹین میں کلاسیں پڑھیں کیونکہ کوئی خاص پروگرام نہیں تھا۔ مگر دن میں کئی دفعہ میں اس خواب کے بارے میں سوچنے پر مجبور ہو گیا۔ مگر میرے پاس اس کی کوئی تعبیر نہیں تھی۔ ایک دفعہ دل میں آیا کہ والد صاحب سے اس کا ذکر کروں مگر پھر سوچا ایسے ہی وہ سنجیدہ ہو



جائیں گے کہ شاید کوئی بزرگ حقیقت میں مجھے بلا رہا ہو وغیرہ وغیرہ۔

اس رات میں خاص طور پر اس خواب کے بارے میں سوچ رہا تھا اور میرا خیال تھی کہ وہ خواب آج پھر آئے گا۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔

اگلے دن عارف نے اسمبلی کے بعد پھر نکلنے کا کہا۔ چونکہ مجھے سمندر پر

جانا اچھا لگا تھا اس لیے میں پھر ساتھ ہو گیا۔ کلفٹن پہنچ کر اس بار ہم

قمیض اتار کر پانی میں گھس گئے۔ بڑا لطف آیا۔ چونکہ کپڑے گیلے

ہو گئے تھے اس لئے اس کو سوکھانے کے لئے ہم ایسے ہی ساحل پر

گھومنے لگے۔ اچانک ہم نے اس کٹیا کو دیکھا۔ وہاں ایک مجمع اکٹھا

ہوا ہوا تھا۔ ہم سمجھ گئے کہ آج بابا جی باہر آئے ہوئے ہیں۔ ہم فوراً

ادھر پہنچ گئے۔ اس اجتماع میں زیادہ لوگ بڑی عمر کے تھے اس لئے

ہمیں اگلی سطر پہنچنے میں کوئی زیادہ زور آزمائی نہیں کرنا پڑی۔

بابا جی کسی شخص سے اس کی پیتا سن رہے تھے۔ اچانک انہوں نے

اونچی آواز میں کہا۔

”بس!۔۔۔ ہم سب سمجھ گئے۔“ ان کے آواز میں ایک جلال

تھا۔ ”یہ ایک جن کا کام ہے۔ تم دس ہزار کا بندوبست کرو۔ اس اتوار کو

ہم تمہارے گھر آئیں گے اور اس جن کو پکڑ کے لے جائیں گے۔“

مجھے بابا جی کو دیکھ کر کچھ تعجب ہوا۔ پہلی بات تو یہ کہ ان کی داڑھی کچھ

عجیب سی تھی جیسے خود ہی بڑھی ہوئی ہو اور بے ڈھنگے سے انداز میں

بکھری ہوئی تھی۔ دوسری بات یہ کہ جس انداز میں انہوں نے پیسے

مانگے تھے اس سے ایسا لگتا تھا کہ ان کو اس سائل کے پر اہلم سے زیادہ

دلچسپی ان پیسوں سے ہے۔

”جی حضور!۔۔۔ میں آپ کا احسان ساری زندگی نہیں بھولوں گا۔“

اس فریادی نے بڑی عاجزی سے جواب دیا۔

”بس بس۔۔۔ اب ہماری ریاضت کا ٹائم ہو گیا ہے۔“ بابا جی نے

رعب دار انداز میں کہا۔ اسی وقت ایک نوجوان شخص نے اونچی آواز میں کہا۔

”باباجی!۔۔۔ آج کچھ نہیں دکھائیں گے؟“ اس کی آواز میں لجاجت تھی۔ ”ہم بڑی دور سے آئیں ہیں۔“

”کیا دیکھو گے؟“ باباجی نے مسکراتے ہوئے بڑے شاہانہ انداز میں کہا۔

www.define.pk

”جو حضور چاہیں۔“ اسی نوجوان نے پھر عاجزی سے کہا۔

”اچھا بولو!۔۔۔ کس شخص کے بارے میں بتائیں۔ سب کچھ۔ ماضی، حال اور مستقبل۔“ باباجی نے اسی شاہانہ انداز میں پوچھا۔

سب لوگ خاموش تھے۔ سب کو پتہ تھا کہ جس شخص کو بھی آگے کیا گیا اسے سب کے سامنے اپنا ماضی، حال اور مستقبل سننا پڑے گا۔ اس لئے کوئی بھی خود کو پیش کرنے میں ہچکچا رہا تھا۔



”بولو بھی!۔۔۔ کس کو سننا ہے۔“ باباجی نے سارے مجمع کی طرف دیکھا۔ مگر کوئی نہ بولا۔ باباجی کی نظریں اسی نوجوان کی طرف اٹھ گئی نوجوان سمجھ گیا کہ فال اسی کے نام کی نکلے گی اس لئے اس نے جلدی سے کہا۔

”باباجی!۔۔۔ کسی کو پرندہ بنا کر دکھائے۔“ نوجوان کا مقصد شاید اپنی جان چھڑانا تھا یا پھر وہ واقعی امتحان لینے پر اتر ا ہوا تھا۔ باباجی نے منہ ہی منہ میں کچھ پڑھا اور اسی کی طرف بھونک دیا۔ اگلے لمحہ سب کے لئے بہت حیران کن تھا۔ وہ نوجوان اچانک غائب ہو گیا اور اسی جگہ سے ایک پرندہ اڑتا ہوا نظر آیا۔ سب لوگ حیران کھڑے دیکھ رہے تھے۔ اور پھر سب نے تعریفی کلمات کہنے شروع کر دیے۔ تھوڑی دیر میں ہم نے اسی نوجوان شخص کو ایک طرف سے آتے ہوئے دیکھا۔ قریب آ کر اس نے باباجی کی طرف دیکھتے

ہوئے پوچھا۔

”ابھی مجھے کیا ہوا تھا؟“ اس کے انداز میں تعجب تھا۔ ”میں تو ادھر کھڑا ہوا تھا مگر اچانک میں نے اپنے آپ کو اس درخت کے پاس کھڑے ہوئے پایا۔“

اس کے بیان پر سب ہنسنے لگے اور بابا جی ہنستے ہوئے اپنی کٹیا میں چلے گئے۔

میرے دماغ میں آندھیاں چل رہی تھیں۔ یہ سب کیسے ہو گیا۔ کیا وہ نوجوان واقعی پرندہ بن گیا تھا اور اس کو احساس بھی نہیں ہوا۔ عارف بھی میری طرح حیرت زدہ کھڑا تھا۔ کچھ دیر میں مجمع بکھر گیا۔ ہم بھی گھر کی طرف چل پڑے۔ میں نے عارف کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”کیا واقعی وہ شخص پرندہ بن گیا تھا۔“

”لگتا تو ایسے ہی ہے۔“ عارف نے حیرانی سے جواب دیا۔ ”وہ شخص

ہمارے سامنے ہی غائب ہوا اور اس کی جگہ پرندہ اڑتا ہوا نظر آیا۔“

”مگر اس شخص کو یہ یاد کیوں نہ رہا کہ وہ ابھی پرندہ بنا تھا؟“ میں نے

پر خیال انداز میں پوچھا۔

”ہو سکتا ہے جب وہ پرندہ بنا تو اس کا ذہن بھی پرندے کے ذہن کی

طرح محدود ہو گیا جس کی وجہ سے اس کی یادداشت نے کام نہیں کیا۔“

عارف نے اپنے طور پر اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ مگر صاف

ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ خود اپنے جواب سے مطمئن نہیں تھا۔

بہر حال ہم دونوں کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں تھا اور ہم دونوں

حیرت زدہ اپنے اپنے گھر پہنچ گئے۔

اس رات سونے سے پہلے میں نے اپنے والد سے پوچھا۔

”بابا!۔۔۔ کیا جادو کی حقیقت ہے؟“



”بالکل بیٹا!“ انہوں نے جواب دیا ”ہمارے نبی پاک ﷺ پر بھی جادو ہوا تھا۔“

”کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ ایک شخص جادو سے ایک جیتے جاگتے انسان کو پرندہ بنادے؟“ میں نے اصل مقصد کی طرف آتے ہوئے پوچھا۔

”ہوں!۔۔“ بابا نے ہنکارہ بھرا۔

”میرا علم اس معاملے میں ناقص ہے۔ ہو بھی سکتا ہے اور نہیں بھی۔ مگر تم کیوں پوچھ رہے ہو؟“۔ آخر میں انہوں نے وہی سوال پوچھ لیا جس کا مجھے ڈر تھا۔

”بس ویسے ہی۔“ میں نے ٹالتے ہوئے کہا۔ ظاہر ہے میں یہ تو نہیں بتا سکتا تھا کہ کالج جانے کے بہانے میں ہم کلفٹن گئے ہوئے تھے۔ اس رات سونے سے پہلے نہ چاہتے ہوئے بھی میں اس واقعے کے بارے میں سوچتا رہا اور پھر نیند آ گئی۔ سوتے ہوئے بھی میرے ذہن

میں یہی واقعہ گردش کرتا رہا اور مجھے عجیب و غریب خواب آتے رہے۔ کبھی میں دیکھ رہا ہوں کہ اسی باباجی نے مجھے پرندہ بنا دیا ہے۔ کبھی یوں لگے جیسے میں پرندہ بنا ہواؤں میں اڑ رہا ہوں۔ صبح میں کچھ دیر سے ہی اٹھا۔ ماں نے جگایا تو آنکھ کھلی۔ سورج چڑھ آیا تھا اور میں بے سدھ سو رہا تھا۔ نہادھو کر ناشتے کے لئے بیٹھا تو دیکھا والد صاحب پہلے سے موجود تھے۔

”بیٹا!۔۔۔ آج جمعرات ہے اور میں شاہ صاحب کے پاس جاؤں گا عصر کے بعد۔ تم چلو گے؟“ والد صاحب نے پوچھا۔ اچانک میرے ذہن میں بجلی کی طرح ایک خیال آیا۔ کیوں نہ شاہ صاحب سے اس کے بارے میں پوچھا جائے؟ ”ضرور۔۔۔ بابا!“ میں نے فوراً ہی جواب دیا ”آپ مجھے لے کر جائیے گا۔“

”ٹھیک ہے۔ تم پھر دوکان پر ہی آ جانا۔ میں عصر شاہ صاحب کے ساتھ ہی پڑھنا چاہتا ہوں۔“ والد صاحب نے اپنا پروگرام بتاتے ہوئے کہا۔

”ٹھیک ہے بابا!۔۔ میں پہنچ جاؤں گا۔“۔۔ میں نے رضا مندانہ انداز میں جواب دیا۔

ناشتہ کر کے میں حسب معمول عارف کی طرف گیا اور اس کو ساتھ لے کر کالج پہنچے۔ راستے بھر ہم کل والے واقعے کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔ کالج میں پہنچ کر ہم لوگوں نے خوب بڑھا چڑھا کر اس واقعے کو اپنے دوستوں میں بیان کیا۔ سب لوگ بڑے اشتیاق سے سنتے رہے اور سوال پوچھتے رہے۔ سب کا حیرت سے برا حال تھا۔ ایک دو نے تو ہمیں جھوٹا بھی ثابت کرنے کے کوشش کی۔ مگر ہم اپنی بات پر ڈٹے رہے۔ آخر طے پایا کہ لوگ چل کر خود سے دیکھ لیں۔ مگر

اس دن ایک ٹیچر کا ٹیسٹ تھا۔ اس لئے بات اگلے دن پر چلی گئی۔  
کالج سے فارغ ہو کر میں سیدھا گھر آیا۔ دوپہر کا کھانا کھا کر سیدھا  
والد صاحب کی دوکان پر پہنچ گیا۔ عصر میں کچھ وقت ابھی باقی تھی۔  
والد صاحب گا ہوں کو بٹار ہے تھے۔ میں ان کو کام کرتے دیکھ رہا  
تھا۔ اتنے میں ایک شخص ان کی دوکان پر آیا۔ وہ شخص شکل ہی سے  
بد معاش لگ رہا تھا۔ اس نے آتے ہی بغیر کچھ پوچھے فریزر سے کول  
ڈرنک نکالی اور پینے لگا۔ والد صاحب نے اس کی طرف دیکھا اور پھر  
نچلے دراز سے سوسو کے دونوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیئے۔  
”آج دو نہیں تین نوٹ چاہیے“ اس نے فرعونیت سے کہا۔  
”تین۔ مگر کیوں؟“ والد صاحب نے حیرت سے پوچھا۔ ”تم ویسے  
بھی ہفتے والے دن آتے ہو اور آج جمعرات ہے۔ پھر بھی میں تمہارا  
بھتہ دے رہا ہوں اور تم تین سو مانگ رہے ہو۔“



”چل بس!۔۔ زیادہ زبان نہ چلا اور چپ کر کے ایک اور نوٹ نکال“

اس بدمعاش نے اسی لہجے میں برا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔

اس کے بات کرنے کے سٹائل سے میرا خون جوش کھانے لگا۔ میں

نے آگے بڑھتے ہوئے والد صاحب سے پوچھا۔

”بابا!۔۔۔ کس چیز کا بھتہ دے رہے ہیں آپ؟“۔

”کچھ نہیں بیٹا۔“ والد صاحب نے جلدی سے کہا۔ ”یہ معمول کی بات ہے۔“

”یہ چھو کرا کون ہے؟“ اسی بدمعاش شخص نے میری طرف کینہ توز

نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”میرا بیٹا ہے۔۔۔ استاد!“ والد صاحب نے جلدی سے جواب دیا

”چھوڑو اس کو۔۔۔ یہ تو بچہ ہے ابھی پڑھ رہا ہے۔“

”ہوں!۔۔۔ آج کل کے چھو کرے بڑے تیز ہو گئے ہیں“ استاد

نے اسی طرح برا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔ ”اپنی اوقات نہیں جانتے اور ہر بات میں ٹانگ اڑانے لگتے ہیں۔“

اس کی بات سن کر میرا خون کھول اٹھا۔ کچھ کچھ بات میری سمجھ میں آ گئی تھی۔ یہ شخص ڈھونس سے میرے والد سے ہر ہفتے بہتہ لیتا تھا۔ پتہ نہیں کیوں والد صاحب اس کو دے رہے تھے۔

”او بھائی!۔۔۔ ذرا زبان سلجھالی کر بات کرو!“ میں نے غصے میں کہا۔ ”یہ کوئی طریقہ نہیں ہے شریفوں سے بات کرنے کا۔“

”تیری شرافت کی ایسے تیسری۔“ استاد نے دانت پیستے ہوئے کہا اور فوراً جیب سے ایک لمبا سا چاقو نکال لیا۔

والد صاحب اس صورتحال کو دیکھ کر بڑے پریشان ہوئے۔ انہوں نے فوراً دراز کھولا اور ایک سوکانوٹ اور نکال کر جلدی سے تینوں نوٹ آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

”استاد!۔۔۔ معاف کر دو اس کو۔ ابھی بچہ ہے۔ یہ لو پورے تین سو۔“ ان کے لہجے میں عاجزی تھی۔

استاد نے نوٹوں کی طرف دیکھا تو اس کا غصہ ٹھنڈا پڑ گیا۔ نوٹ لیتے ہوئے وہ بولا۔

”اس چھو کرے کو سمجھا دے۔ آئندہ میرے سے اونچے میں بات کی تو زبان کاٹ دوں گا سا لے کی۔“ اس کی انداز میں وہی فرعونیت تھی۔  
میرا بھی جوان خون تھا اور جوش میں بھی۔ میرے ذہن میں آیا کہ آگے بڑھ کر اس کے گریبان کو پکڑ لوں مگر پھر یہ سوچ کر رک گیا کہ میں تو دوکان پر کبھی کبھار ہی آتا ہوں جبکہ والد صاحب کو ہر وقت یہاں پر رہنا ہوتا ہے اس لیے میرے اس عمل سے ان کو بعد میں پریشانی نہ ہو۔

وہ بد معاش نوٹ لے کر خراماں خراماں اگلی دوکان کی طرف چل پڑا۔

”چل چھوڑ بیٹا!۔۔۔ کیوں ان گنوارو کے منہ لگتے ہو۔“ والد صاحب نے مجھے سمجھانے والے انداز میں کہا۔ ”یہ تو روز کا معمول ہے یہاں پر۔ یہ بد معاش لوگ سرکاری افسروں اور ہمارے اپنے ہی چنے ہوئے حکومتی اہلکاروں کے بل بوتے پر چندے کے نام پر بھتہ وصول کرتے ہیں۔“

”مگر آپ لوگ ان کو بھتہ دیتے کیوں ہیں؟“ میں نے پوچھا۔ میرا غصہ ابھی تک ٹھنڈا نہیں ہوا تھا۔

”تو کیا کریں بیٹا؟“ والد صاحب نے بیچارگی سے کہا۔ ”اگر بھتہ نہیں دیں گے تو یہ لوگ کاروبار نہیں کرنے دیں گے۔ بلاوجہ تنگ کریں گے جس سے اپنے خاندان کے لئے روزی کمانا دو بھر ہو جائے گا۔ ہم شریف لوگ ہیں لڑنے جھگڑنے کی بجائے کچھ پیسے دے کر ان کا منہ بند کر دیتے ہیں۔ لڑنا جھگڑنا ہمارے بس کا کام نہیں



”ہے۔“

”پھر بھی ابا۔۔ اگر آپ سب لوگ مل کر فیصلہ کر لیں کہ ان کو بھتہ نہیں دینا تو پھر وہ کس کس سے جھگڑا کر لیں گے؟“ میں نے پر خیال انداز میں کہا۔

”کوشش کی تھی ایک بار ہماری انجمن تاجران نے۔“ والد صاحب نے جواب دیا۔ ”اگلے دن تمام دوکانداروں کو نوٹس آ گیا کہ یہ سب دوکانیں غیر قانونی ہیں اس لئے ایک ہفتہ تک ان کو ناجائز تجاوزات قرار دے کر گرایا جا رہا ہے۔ ہم سب لوگ گھبرا گئے۔ اپنے علاقے کے ایم۔ این۔ اے صاحب کے پاس گئے تو انہوں نے کہا بھتہ بند کیا ہے تو یہ سب کچھ تو ہوگا۔“

ان کی بات سن کر میں حیران رہ گیا۔

”پھر۔۔۔ میرے منہ سے نہ چاہتے ہوئے بھی نکل گیا۔“

”پھر کیا!“ والد صاحب نے عجیب سے انداز میں ہنستے ہوئے کہا  
”سب نے مل کر فیصلہ کیا کہ بھتہ دینا دوکان کھودینے سے تو برا نہیں  
ہے۔ لہذا منت سماجت کر کے دوبارہ بھتہ دینا شروع کر دیا۔“  
میں سر جھکا کر سوچنے لگا کہ یہ سب کیا ہے۔ مجھے پریشان دیکھ کر والد  
صاحب جلدی سے دوکان بند کرتے ہوئے بولے۔  
”چلو چھوڑو ان چکروں کو۔۔۔ نماز کا وقت ہو گیا ہے چلو شاہ صاحب  
کی طرف چلیں۔“

ہم دونوں دوکان بند کر کے وہاں سے چل پڑے۔ شاہ صاحب ایک  
مدرسہ چلاتے تھے۔ وہیں نماز پڑھی اور پھر ان کے گرد بیٹھ گئے۔ مجھے  
دیکھ کر شاہ صاحب مسکرائے اور کہنے لگے۔  
”آؤ بھئی سلیمان۔۔۔ کیا حال ہے آپکا۔“

”جی بالکل ٹھیک۔“ میں نے مودبانہ انداز میں جواب دیا۔

”آ جاؤ بھئی ہمارے پاس بیٹھو!“ انہوں نے محبت بھرے لہجے میں کہا۔

میں آگے بڑھ کر ان کے پاس بیٹھ گیا۔ انہوں نے میرے کندھے پر محبت سے ہاتھ رکھ دیا۔

کچھ لوگ ایک شرعی مسئلہ پوچھنے لگ گئے۔ شاہ صاحب نے بہت فراست سے ان کو جواب دیا اور پھر والد صاحب کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”ہاں بھئی رحمت علی، تمہارے کیا حالات ہیں۔“

”اللہ کا بڑا احسان ہے۔۔ شاہ جی!“ والد صاحب نے جواب

دیا۔ ”بس آپ کی دعاؤں کے طالب ہیں“

اتنے میں ایک شخص نے آکر اطلاع دی کہ شاہ صاحب کے آبائی

گاؤں سے ان کی زمینوں سے کچھ اناج آیا ہے ٹرک میں۔ شاہ جی

نے کہا کہ اس کو پچھلے کمرے میں اتر والو۔ اسی شخص نے ہچکاتے ہوئے کہا کہ ایک آدمی کی ضرورت ہے جو مال اتارنے میں مدد کرے۔ اس سے پہلے کہ کوئی بولتا۔ والد صاحب فوراً اٹھ کھڑے ہوئے۔

”چلو میں چلتا ہوں۔“ والد صاحب نے کہا۔  
”ارے رحمت علی، تم رہنے دو۔“ وہ لوگ ہیں نا“ شاہ صاحب نے فوراً ہی کہا۔

”شاہ جی!۔۔۔ یہ میرے لیے بڑے اعزاز کی بات ہے کہ یہ ناجیز آپ کے کسی کام آجائے۔“ والد صاحب نے بڑی عاجزی سے جواب دیا۔ ”مہربانی فرما کر مجھے اس نیک کام سے مت منع کریں۔“  
”اچھا جیسے تمہاری خوشی۔“ شاہ صاحب نے ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا۔  
والد صاحب کے جاتے ہی مجھے خیال آیا کہ یہ بہت اچھا موقعہ ہے



مجھے اپنے سوال پوچھنے کا۔ میں نے فوراً ہی سوال کر دیا۔

”شاہ جی!۔۔۔ جادو کیا ہوتا ہے۔“

شاہ صاحب نے غور سے میری طرف دیکھا اور پھر مسکرا دیئے۔

”بھئی جب کوئی معمول سے ہٹ کر ایسا کام ہو جائے جسے ہماری عقل نہ سمجھ سکے تو اسے ہم جادو کہتے ہیں۔“ انہوں نے مسکراتے ہوئے ہی مجھے سمجھایا۔

”کیا کوئی آدمی جادو کے ذریعے کسی انسان کو پرندہ بنا سکتا ہے؟“ میں نے جلدی سے اپنی اصل سوال کی طرف آتے ہوئے پوچھا۔

”نہیں!“ انہوں نے سر کو نفی میں ہلاتے ہوئے کہا۔ ”ایسا صرف قصے کہانیوں میں ہوتا ہے۔ ہاں کچھ اور قسمیں ہیں جیسے کالا جادو! جسے کسی

انسان کو جانی یا مالی نقصان پہنچانے کے لئے کیا جاتا ہے۔“

شاہ صاحب نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ ان کے چہرے پر

مسکراہٹ بھی تھی جو مجھے حوصلہ دے رہی تھی کہ مزید سوال پوچھ لو۔  
”اگر میں یہ کہوں کہ میں نے اپنی آنکھوں کے سامنے ایک شخص کو  
پرندہ بنتے ہوئے دیکھا ہے۔“ میں نے آنکھیں نیچی رکھتے ہوئے  
کہا۔

شاہ صاحب اچانک سنجیدہ ہو گئے۔ حاضرین مجلس بھی ایک دم چونک  
کر مجھے دیکھنے لگے۔

”بیٹا!۔۔۔ تم نے ایسا کہاں دیکھا؟“ انہوں نے سنجیدہ لہجے میں  
پوچھا۔

میں نے تفصیل سے ان کو سارا واقعہ سنا دیا۔ حاضرین بھی بڑی توجہ  
سے سن رہے تھے۔ میں نے اپنی بات ختم کی تو تھوڑی دیر کے لئے  
شاہ صاحب خاموش ہو گئے۔ انہوں نے آنکھیں بند کر لیں اور کچھ دیر  
مراقبہ کی سی کیفیت میں بیٹھے رہنے کے بعد فرمانے لگے۔

”بیٹا!۔۔ میرا علم ناقص ہے۔ پھر بھی میں وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ایسا کوئی جادو نہیں ہے۔“ ان کا لہجہ بہت سنجیدہ تھا۔ ”اس شخص کے بارے میں میں نے پہلے بھی سن رکھا ہے۔ میرے خیال میں وہ کالا جادو جانتا ہے۔ کالے جادو میں ایک عمل ایسا بھی ہوتا ہے جس سے حاضرین کی آنکھوں کے آگے پردہ پڑ جاتا ہے اور عامل جو دکھانا چاہتا ہے وہی معمول دیکھتا ہے۔ مثال کے طور پر، اس وقت اس عامل نے تمام لوگوں کی آنکھوں پر پردہ ڈال کر انہیں یہ دکھا دیا کہ وہ شخص گم ہو گیا ہے اور ایک پرندہ وہاں اڑ رہا ہے۔ اور دوسرے عمل سے اس عامل نے اپنے بیروں کو حکم دیا ہوگا کہ فوراً اس شخص کو اٹھا کر دور درخت کے پاس چھوڑ آؤ۔ چونکہ کالے جادو کے بیر بہت طاقتور ہوتے ہیں اس لئے انہوں نے یہ کام پلک جھپکنے میں کر دیا ہوگا۔ شاید یہی وجہ ہے کہ اس شخص کو یہ یاد نہیں رہا کہ وہ اڑا بھی تھا کیونکہ وہ نہ ہی پرندہ بنا

تھا اور نہ ہی اڑا تھا۔“

مجھے ان سے تفصیل سن کر ایسا لگا جیسے سارے سوالوں کا جواب مل گیا ہو۔ مگر کالے جادو کے بارے میں میرا علم زیر و تھا سو موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میں نے اگلا سوال کر دیا۔

”یہ بیر کیا چیز ہوتے ہیں۔۔ شاہ جی!“

”چھوڑو بیٹا ان باتوں کو۔“ شاہ جی نے ٹالتے ہوئے مگر مسکراہٹ

کے ساتھ جواب دیا۔ ”کالا جادو کرنے والا دائرہ اسلام سے خارج

ہوتا ہے اس لئے اس کے بارے میں جان کر کیا کرنا؟“

پھر انہوں نے ایک حدیث مبارکہ سنا کر ایمان کی فضیلت بیان کی۔

اسی دوران والد صاحب بھی آگئے اور میں خاموشی سے شاہ صاحب کی

باتیں سنتا رہا۔ مجھے کچھ کچھ اپنے سوالوں کا جواب مل گیا تھا مگر یہ بیر کیا

ہوتے ہیں اور کالے جادو کا عامل کس طرح دوسرے لوگوں کی آنکھوں



کو وہ دکھاتا ہے جو وہ چاہتا ہے۔ ظاہری بات ہے اب میں دوبارہ شاہ صاحب سے یہ سوال نہیں کر سکتا تھا۔

کچھ دیر ان کے پاس بیٹھنے کے بعد ہم لوگ مغرب کی نماز کے لئے اٹھ گئے۔ نماز کے بعد شاہ صاحب اپنے حجرہ میں چلے گئے اور ہم لوگ گھر کی طرف چل پڑے۔ والد صاحب راستے میں مجھے نسبت اور مرید ہونے کے فوائد گنواتے رہے۔ گھر پہنچ کر کھانا وغیرہ کھا کر میں سونے کے لئے چلا گیا۔ اس رات مجھے بہت دیر کے بعد نیند آئی اور اسی لئے صبح دیر سے اٹھا۔

ناشتہ وغیرہ سے فارغ ہو کر میں کالج کی طرف نکل پڑا۔ کالج تو ایک بہانہ تھا آج تو ہمارا پروگرام پھر کلفٹن پر جانے کا تھا۔ ہم لوگ کالج اکٹھے ہوئے اور پھر چار مزید دوستوں کے ساتھ کلفٹن کی طرف چل پڑے۔ ان دوستوں میں ریاض بھی تھا جس نے اس کو سراسر جھوٹ

قرار دے دیا تھا۔ میں راستے میں عارف کو شاہ صاحب سے حاصل  
ہونے والی تفصیل بتاتا رہا۔ چونکہ ہم دونوں ہی کالے جادو سے نابلد  
تھے اس لیے بس اپنے اندازے ہی ایک دوسرے کو بتاتے  
رہے۔ اتنے میں ہم کلفٹن پہنچ گئے۔ باباجی کی کٹیا کے باہر حسب  
معمول رش تھا مگر آج باباجی باہر نہیں آئے تھے۔ ہم نے وہیں رہ کر  
انتظار کرنے کا فیصلہ کیا۔ تقریباً تین گھنٹے کے تھکا دینے والے انتظار  
کے بعد کٹیا کا دروازہ کھلا اور بابا باہر نکل آیا۔ میں نے غور سے اس کا  
جائزہ لیا تو اندازہ ہوا کہ اس کی کپڑے بھی کافی گندے تھے اور  
داڑھی اور سر کے بالوں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ شاید وہ کافی عرصے  
سے نہایا نہیں ہے۔ آج میرا دیکھنے کا انداز کچھ بدلہ ہوا تھا۔  
اس باباجی نے باہر نکل کر حاضرین پر ایک نظر ڈالی اور پتہ نہیں کیوں  
اس کی نظریں ہم بچوں پر رک گئی۔ اتنے میں ایک آدمی نے تھوڑی سی

بلند آواز میں فریاد کی کہ کچھ عرصے سے اس کے سارے کام الٹے پڑ رہے ہیں۔ اگر باباجی اس کے لئے کوئی دعا وغیرہ کر دیں تو وہ ان کا شکر گزار ہوگا۔ باباجی نے اس کی طرف دیکھا اور ہنس کر کہا۔

”دعا تو کبھی ہم نے اپنے لیے نہیں کی تمہارے لیے کیا کریں۔“ پھر کچھ توقف کر کے بولا۔ ”اگر پانچ ہزار نذرانہ لاؤ تو بات بن جائے گی۔“

”یہ تو بڑی رقم ہے۔“ اس آدمی نے لجاجت سے جواب دیا۔ ”کچھ وقت لگ جائے گے۔“

”تو جاؤ۔۔۔ انتظام کرو۔“ باباجی نے جلالانہ انداز میں جواب دیا

”اگر ہو جائے تو آ جانا“

اچانک مجھے ایک سوال سوجھا اور میں نے اونچی آواز میں کہا۔

”باباجی!۔۔۔ کیا آپ مسلمان ہیں۔“

سوال تو میں کر بیٹھا مگر بعد میں ڈرا کیونکہ ایک دم سارے مجمع کو جیسے سانپ سونگھ گیا۔ باباجی نے گھور کر مجھے دیکھا اور لا پرواہی سے جواب دیا۔

”ہم لوگ مذہب وغیرہ سے اونچے ہوتے ہیں۔ یہ باتیں عام لوگوں کے لئے ہوتی ہیں۔“

یہ جواب سنتے ہی سارے مجمع نے تعریفیں شروع کر دیں اور مجھے روز روشن کی طرح عیاں ہو گیا کہ یہ شخص کالا جادو جانتا ہے اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ اسی دوران کچھ اور فریادی بھی آگے آئے اور انہوں نے نذرانے وغیرہ دیئے اور اپنے مسائل حل کروائے۔ جب باباجی واپس جانے لگے تو حسب معمول کسی نے پھر فرمائش کی کہ کچھ دکھائے۔

”کیا دیکھو گے بھئی؟“۔ باباجی نے حسب معمول شاہانہ انداز میں



پوچھا۔

”باباجی آپ خود طوطا بن کر دکھائیں۔“ اچانک ریاض نے اونچی آواز میں کہا۔ سارے مجمع نے پھر ایک بار ہم لڑکوں کی طرف دیکھا۔ صاف طور پر لگ رہا تھا کہ ان کو ہماری مداخلت پسند نہیں آئی تھی۔

”ہماری چھوڑو اپنی بات کرو۔“ باباجی نے گھورنے والی نظروں سے دیکھا۔

”کیوں بھئی؟ پول کھل جائے گا؟“ ریاض شیخی پر اتر اہوا تھا۔

باباجی نے گھورتے ہوئے منہ ہی منہ میں کچھ پڑھا۔ میں سمجھ گیا کہ اب ریاض کو وہ کوئی پرندہ یا جانور بنائے گا۔ لیکن جو ہوا وہ ہمارے لیے مکمل طور پر غیر متوقع تھا۔ اچانک ریاض کا جسم ہوا میں بلند ہونے لگا۔ ریاض کو پہلے تو یقین نہیں آیا مگر جب تقریباً پندرہ فٹ کی اونچائی پر اس کا جسم معلق ہو گیا تو اس کے منہ سے چیخیں نکلنا شروع ہو گئیں۔

”مجھے نیچے اتار دو۔۔۔ خدا کے لئے مجھے نیچے اتار دو“۔۔۔ ریاض کے حلق سے چیخیں بلند ہو رہی تھیں۔

باباجی نے شاہانہ انداز میں مجمع کی طرف دیکھا اور پھر رعب دار آواز میں کہا۔

”بولو!۔۔۔ اب تاشو بابا کو تنگ کرو گے؟“

”نہیں کروں گا۔۔۔ پلیز مجھے نیچے اتار دو۔“ ریاض کے سارے کس

بیل نکل چکے تھے۔ مجھے پہلی بار پتہ چلا کہ باباجی کا نام تاشو بابا ہے۔

تاشو بابا نے کچھ دیر انتظار کیا اور پھر منہ ہی منہ میں کچھ پڑھا تو ریاض

اچانک تیزی سے زمین پر آگرا۔ اتنی اونچائی سے گرنے کی وجہ سے

اسے کافی چوٹ آئی۔ شاید اس کا بازو اس کے اپنے وزن کے نیچے

آگیا تھا۔ دوسرے لڑکوں نے اسے اٹھانے کی کوشش کی اور تب

اندازہ ہوا کہ اس کا ہاتھ شاید ٹوٹ گیا تھا کیونکہ وہ اس ہلا نہیں پارہا

تھا اور مسلسل کراہ رہا تھا۔

اس واقعہ نے سارے مجمع کو خوف زدہ کر دیا۔ ان کو اندازہ ہو گیا کہ اگر کسی نے تاشو بابا کے ساتھ بدتمیزی کی تو اس کا انجام یہی ہوگا۔

یہ کرتب دکھانے کے بعد تاشو بابا اندر چل پڑا۔ ہم لڑکوں نے بھی ریاض کو سہارا دیتے ہوئے وہاں سے نکلنے میں عافیت سمجھی۔ کئی لوگوں نے ہمیں آئندہ ادھر نہ آنے کا مشورہ دیا۔

میں اور عارف واپس گھر کی طرف چل پڑے۔ میں خوفزدہ تو نہیں تھا مگر مجھے ریاض کی حالت پر افسوس ضرور تھا۔ اس کی غلطی اتنی بڑی نہیں تھی جتنی اس کو سزا دے دی گئی تھی۔

میں اور عارف آپس میں باتیں کرتے ہوئے گھر پہنچ گئے۔ اس دن میں دیر تک بیٹھا یہ سوچتا رہا کہ اگر اس طرح کی طاقتیں رکھنے والا شخص اگر یوں بے لاگ لوگوں کو سزائیں دینا شروع کر دے تو اس کو کون

روک سکے گا؟ کوئی تو ہونا چاہیے جو اس کو روک سکے۔

کچھ دن اسی طرح سے گزر گئے۔ میں نے اور عارف نے دوبارہ ادھر کا رخ نہیں کیا۔ ریاض کے ساتھ کیا ہوا۔ ہمیں کچھ پتہ نہیں چلا۔ بس اس نے کچھ عرصے کی جھٹیاں لے لیں اور پھر پتہ چلا کہ ان کے والد کا تبادلہ کسی اور شہر ہو گیا اور وہ شہر اور کالج چھوڑ کا چلے گئے۔

یہ شائد اس سے چھٹے دن کی بات ہے کہ عارف کو بخار ہو گیا۔ میں اس کی تیمارداری کے لئے گیا تو حیرت انگیز بات کا پتہ چلا کہ اس کے بخار کی ڈاکٹروں کو سمجھ نہیں آرہی۔ سب رپورٹس بالکل کلیئر ہیں۔ مگر بخار اتر ہی نہیں رہا۔ عارف کے والد صاحب نے کسی اور ڈاکٹر کو دکھانے کا قصد کیا۔ دو تین دن تک میں مسلسل عارف کی تیمارداری کے لئے جاتا رہا اور اس کا حوصلہ بڑھاتا رہا۔

ایک دن میں عارف کے پاس ہی بیٹھا تھا کہ اس نے مجھے عجیب

وغریب باتیں بتائیں۔ اس نے بتایا کہ اکثر رات کو انہیں اپنے گھر کی چھت پر بلیوں کے لڑنے اور چیخنے کی آوازیں آتی ہیں اور یہ کہ ان کے گھر میں اکثر کسی نہ کسی حصے سے فریش خون کا ڈھیر ملتا ہے۔ ایک بار وہ ڈھیر عارف کے اوپر گرا تھا جس سے اس کا سارا بدن خون میں نہا گیا تھا۔ عارف کے والد کا خیال تھا کہ کسی نے ان پر جادو کروایا ہے۔ یہ سب باتیں میرے لئے بہت حیرت کا باعث تھیں۔

واپسی پر میں نے گھر سے اپنی کچھ جمع پونجی لی اور بازار جا کر جادو سے متعلق جتنی بھی کتابیں نظر آئیں خرید لایا۔ رات دیر تک میں وہ پڑھتا رہا۔ ان کتابوں میں اکثر میں یہ ساری علامات کالے جادو کی بتائی گئیں تھیں۔ اور ان کا حل صرف یہ تھا کہ پتہ چلایا جائے کہ عمل کس نے کیا اور کن چیزوں پر کیا ہے۔ اس کو تلف کر کے ہی اس سے چھٹکارہ ممکن تھا۔ ایک کتاب میں یہ بھی لکھا تھا کہ اگر کوئی بزرگ کامل



مل جائے تو وہ اس کا توڑ کلام پاک سے کر سکتے ہیں۔ مجھے فوراً شاہ صاحب کا خیال آ گیا۔ اگر ان کے پاس کالے جادو کے بارے میں معلومات تھیں تو یقیناً وہ اس کا توڑ بھی جانتے ہونگے۔

اگلے دن میں خود ہی شاہ صاحب کے پاس جا پہنچا۔ وہ درس میں مصروف تھے۔ مجھے دیکھ کر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ کچھ دیر بعد وہ میرے پاس آئے اور بولے۔

”ہاں بھائی سلیمان میاں۔۔۔ آج کیسے آنا ہوا۔“ ان کے لہجے میں بدستور مٹھاس تھی۔

”شاہ جی!۔۔۔ تکلیف کی معذرت چاہتا ہوں۔ دراصل آپ سے ایک درخواست کرنا تھی۔“ میں نے مودبانہ انداز میں کہا۔

”ہاں بولو!“

میں نے ان کو عارف کے بارے میں تفصیل سے بتایا۔

”آپ سے درخواست ہے کہ اس کا کوئی علاج تجویز کریں۔“ شاہ صاحب نے بغور میری طرف دیکھا اور فرمانے لگے۔

”کالے جادو کا توڑ کلام پاک میں ہے۔ تم ایسا کرو اپنے دوست کو آج عصر کے بعد میرے پاس لے کر آنا۔ میں کوشش کروں گا۔ شفاء تو اللہ کے ہاتھ میں ہے۔“

میرے لئے ان کے اتنے الفاظ بھی خوشی کا باعث تھے۔ میں وہاں سے سیدھا عارف کے گھر گیا۔ اس کو ساری بات بتائی۔ عارف کے والد بھی آگئے تھے۔ ان کو بھی شاہ صاحب کے بارے میں بتایا۔ دونوں تیار ہو گئے۔ ہم ٹھیک عصر کے وقت شاہ صاحب کے ہاں پہنچ گئے۔ نماز ان کے پیچھے پڑھی۔ پھر ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو شاہ صاحب نے عارف کو دیکھتے ہی کہہ دیا کہ جادو ہی ہے۔ پھر انہوں نے ایک پانی پڑھ کر دیا کہ صبح شام اس کو دو۔ پھر وہ عارف کے

والد صاحب کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔

”تمہارے گھر میں کسی جگہ پر کچھ تعویذ اور ایک حرام جانور کی ہڈی دفن کی گئی ہے۔ اس کی جگہ کا پتہ چلانا بہت ضروری ہے۔ کیا آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ وہ جگہ کہاں ہے یا پھر مجھے اس کے لئے ایک چلہ کرنا پڑے گے۔“

”ہمارے گھر میں ایک باغیچہ ہے“ عارف کے والد صاحب نے جواب دیا۔ ”شاید وہاں مٹی میں کچھ دبایا گیا ہو۔“

”آپ جا کر اسے تلاش کریں۔ اگر مل جائے تو سب کچھ جلا دیں۔“ شاہ جی نے کہا۔ ”اگر نہ مل سکے تو مجھے بتا دینا۔“

عارف کے والد صاحب نے کچھ نیاز دینے کی کوشش کی مگر شاہ جی نے نرمی سے منع کر دیا۔ ہم لوگ واپس آ گئے۔ پھر ہم نے تقریباً سارا

باغیچہ ہی کھود ڈالا۔ آخر ایک نلکڑ سے ہمیں کچھ اسی طرح کی چیزیں مل

گئیں۔ ہم نے ہدایت کے مطابق فوراً ان کو جلا دیا۔ عارف کے والد فوراً شاہ جی کو اطلاع کرنے چلے گئے۔

میں بھی عارف کو تسلی دے کر اپنے گھر واپس آ گیا۔ اس سے اگلے دن میں کالج جا رہا تھا کہ اچانک میں نے تاشو بابا کو جلدی جلدی ایک طرف جاتے دیکھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ تاشو بابا کو میں نے کٹیا کے باہر دیکھا تھا۔ تجتس کے ہاتھوں مجبور ہو کر میں بھی ان کے پیچھے ہو گیا۔ کچھ دیر پیچھا کرنے کے بعد یہ دیکھ کر میرے چھلکے چھوٹ گئے کہ تاشو بابا عارف کے گھر کے سامنے جا کر رک گیا۔ اس نے دروازہ کھٹکایا۔ عارف کے والد صاحب شاید ابھی کام پر نہیں گئے تھے۔

انہوں نے دروازہ کھولا اور پھر تاشو بابا سے کچھ بات چیت کی۔ صاف نظر آ رہا تھا کہ عارف کے والد صاحب تاشو بابا کی باتوں سے پریشان ہو گئے تھے۔ پھر کچھ دیر کے بعد تاشو بابا واپس چل پڑا۔ ان

کے جانے کے بعد میں بھی کالج کی طرف چل پڑا کیونکہ دیر ہو رہی تھی۔

کالج میں وقت بہت مشکل سے کٹا۔ جیسے ہی آخری پیریڈ ختم ہوا میں فوراً گھر پہنچا۔ کتابیں رکھیں اور کھانا کھائے بغیر ہی عارف کے گھر جا پہنچا۔ عارف گھر پر ہی تھا اور کچھ پریشان نظر آ رہا تھا۔ میرے پوچھنے پر کہنے لگا۔

www.define.pk

”یار سلیمان۔ وہ تا شو بابا آیا تھا۔“

”پھر“۔ میں نے پوچھا

”وہ والد صاحب کو کہہ کر گیا ہے کہ تمہارے بیٹے پر کالا جادو ہوا ہے۔

ہم جتنی بھی کوشش کر لیں اس سے چھٹکارا نہیں مل سکتا۔ ایک وار کورو کو

گے تو دوسرا وار ہو جائے گا۔ اس نے کہا کہ اس کے پاس اس کا مکمل

توڑ ہے مگر اس کے لئے ہمیں چالیس ہزار کا انتظام کرنا پڑے گا۔“



عارف نے بتایا۔

عارف کی باتیں سن کر میرے ذہن میں آندھیاں سی چلنے لگ گئی۔ تاشو بابا کو کیسے پتا چلا کہ عارف پر جادو ہے اور اس کا ایک وار بھی روک لیا گیا ہے۔

”انکل نے تاشو بابا سے پوچھا کہ ان کو اس کا پتہ کیسے چلا“۔ میں نے سوال کیا۔

”ہاں!۔۔۔ انہوں نے پوچھا تھا۔“ عارف نے جلدی سے کہا۔ ”مگر تاشو بابا نے کہا کہ ان سے کوئی بات بھی چھپی ہوئی نہیں ہے۔“

”پھر انکل نے کیا جواب دیا“۔۔۔ میں نے اگلا سوال کیا۔

”تم جانتے ہو کہ شاہ صاحب سے مل کر ہمیں پہلے ہی پتہ چل چکا ہے کہ یہ کالا جادو تھا۔ اور جب سے وہ چیزیں جلائی ہیں۔ مجھے بخار نہیں ہوا۔ اس لئے بظاہر یہ لگتا ہے کہ واقعی وہ وار رک گیا ہے۔ اب جس

شخص کو ان ساری باتوں کا علم اپنی کٹیا میں ہو گیا یقیناً وہ اس کا مکمل توڑ بھی جانتا ہوگا۔ اس لئے ابو اب پیسے اکٹھے کر رہے ہیں قرض وغیرہ لے کر تاکہ اس کا ایک مکمل توڑ کر لیا جائے۔“ عارف نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

”انکل نے شاہ صاحب سے مشورہ کیا؟“ میں نے پوچھا۔  
”نہیں۔“ عارف نے جواب دیا۔  
”ابو تا شوبابا کے بارے میں پہلے سے جانتے ہیں۔ کچھ میں نے بتایا تھا اور کچھ ان کے دفتر کے ساتھیوں نے۔ ان کو لگتا ہے کہ تا شوبابا شاید شاہ صاحب سے زیادہ علم رکھتے ہیں جو ان کو کچھ نہ بتانے سے بھی سب پتہ چل گیا۔ نا صرف پتہ چل گیا بلکہ انہوں نے ہمارا گھر بھی ڈھونڈ لیا۔“

”جو بھی ہو۔۔۔ ایک بار تو ان کے پاس جانا چاہیے تھا۔“ میں نے اصرار کیا۔ ”ہو سکتا ہے وہ کچھ راہنمائی کر سکیں۔“

”سلیمان!۔۔۔ تم نے بھی تاشو بابا کی طاقت کا تماشا اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ انہوں نے کتنے ہی لوگوں کی فریادیں پوری کی ہیں۔ کتنوں کا ہی علاج کیا ہے۔ جب وہ خود چل کر ہمارے پاس آرہے ہیں تو ان سے منہ نہیں موڑا جاسکتا۔ تم جانتے ہو کہ ان سے ملنے والوں کی تو قطاریں لگیں ہوتی ہیں۔“ عارف نے تقریباً حتمی لہجے میں فیصلہ کرتے ہوئے کہا۔

”ٹھیک ہے جیسے تم بہتر سمجھو۔۔۔ کرو۔“ میں نے مزید بحث کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ کچھ دیر مزید باتیں کرنے کے بعد میں گھر آ گیا۔ بعد میں مجھے پتہ چلا کہ عارف کے والد نے چالیس ہزار کی رقم تاشو بابا کو پہنچادی اور اگلے دن سے عارف نے کالج جانا شروع کر دیا۔ اب وہ بالکل ٹھیک ٹھاک تھا اور اس کے سب مسئلے حل ہو گئے تھے۔ میں نے بھی خدا کا شکر ادا کیا کہ میرے دوست کی جان اس عذاب سے

چھوٹی۔

چند دن کے بعد میں پھر والد صاحب کے ساتھ شاہ جی کے پاس گیا۔ انہوں نے اس محبت کے ساتھ ہمارا استقبال کیا۔ باتوں باتوں میں عارف کا ذکر آ گیا۔

”ہاں بھئی سلیمان۔۔۔ آپ کا دوست اب کیسا ہے۔“ شاہ جی نے مجھ سے پوچھا۔ ”کوئی اور پر اب تم تو نہیں ہوئی ان کو ان چیزوں کو جلانے کے بعد؟“

پہلے میں نے سوچا کہ بولوں ”نہیں“ اور بس اس تذکرے کو یہی ختم کر دوں کیونکہ شاید تا شوبابا کے ذکر پر شاہ جی اچھا نہ لگے۔ مگر پھر سوچا کہ شاہ جی نے اتنے خلوص سے ہمارے مدد کی ہے تو یقیناً یہ جان کر ان کو خوشی ہی ہوگی کہ اس مسئلے کا ایک پکا حل ہو گیا ہے۔

”شاہ جی!۔۔۔ وہ عارف کے والد صاحب نے کسی اور عامل سے

کوئی عمل کروایا تھا جس سے بقول اس عامل کے کہ اب کوئی عارف  
پر پھر جادو کا وار نہیں کر سکتا۔“ میں نے ساری صورتحال بتاتے ہوئے  
کہا۔ تا شو بابا کا نام میں نے پھر بھی نہیں لیا۔

”اچھا!۔۔۔ چلو اچھا ہوا۔ اللہ اس کو صحت و تندرستی دے۔“ شاہ جی  
نے خوش ہو کر دعا دیتے ہوئے کہا۔ ”ویسے سلیمان میاں۔۔۔ تمہیں  
پتہ ہے کہ وہ جادو تمہارے دوست پر کس نے کروایا تھا؟ کیا اس نئے  
عامل نے اس کے بارے میں کچھ بتایا؟“

”نہیں شاہ جی!۔“ میں نے فوراً جواب دیا

”ہوں!۔۔۔ چلو تمہیں معلومات کے لئے بتا دیتا ہوں کیونکہ تم بھی

اس موضوع پر کافی دلچسپی رکھتے ہو۔“ شاہ جی نے مسکراتے ہوئے

کہا۔ ”تمہارے دوست پر جادو اسی کالا جادو کے ماہر نے کیا تھا جو

کلفٹن کے ساحل پر کٹیا میں رہتا ہے۔ اس کا نام تا شولال ہے اور وہ



اصل میں ہندو ہے۔“

اس انکشاف نے میرے ذہن میں آندھیاں چلا دیں۔ میں ایک دم  
سے اپنے آپ میں کھو گیا۔

یہ میں نے کیا سنا۔

تاشو بابا ہی اس کے پیچھے تھا۔

مگر وہ تو علاج کرنے والا تھا

اس نے تو عارف کی مدد کی تھی

تاشو بابا ایک ہندو ہے

میں اپنی سوچوں میں گم تھا کہ اچانک بابا نے مجھے جھنجھوڑا۔

”بیٹا!۔۔۔ کدھر گم ہو۔ شاہ جی تم سے کچھ پوچھ رہے ہیں۔“ بابا کی

آواز مجھے بہت دور سے آتی ہوئی محسوس ہوئی۔ میں ایک دم چونک

پڑا۔

”شاہ جی!۔۔۔ یہ اس لڑکے میں ایک خامی ہے۔ آپ سے پہلے بھی ذکر کیا تھا میں نے۔“ بابا کہہ رہے تھے۔ ”بس کسی چیز میں گم ہوتا ہے تو پھر اس کو کچھ سنائی نہیں پڑتا۔ مہربانی کر کے اس کے لئے دعا کریں۔“

”میں معذرت چاہتا ہوں۔۔۔ شاہ جی!۔۔۔ بس اس بیماری کی وجہ سے مجھے ندامت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔“ میں نے معذرت خوانہ انداز میں کہا۔ ”آپ کیا پوچھ رہے تھے؟“

”کوئی بات نہیں بیٹا۔۔۔ ایسا ہو جاتا ہے۔“ شاہ جی نے محبت سے جواب دیا۔ ”یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے۔ میں یہ پوچھ رہا تھا کہ وہ کون سے عامل ہیں جنہوں سے تمہارے دوست نے وہ عمل کروایا ہے۔ میں اس لیے پوچھ رہا ہوں کہ اگر میرے پاس پھر اس قسم کا کوئی سائل آئے تو میں اس کی بھی راہنمائی کر سکوں۔“

”تاشو بابا“ میرے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔

”کیا!“۔۔ شاہ جی نے حیرت سے پوچھا۔

”جی شاہ جی!“۔۔ میں نے کھوئے کھوئے سے انداز میں جواب

دیا۔

شاہ جی تھوڑی دیر خاموش رہے پھر بولے،

”تمہارے دوست کو اس عامل کا کس نے بتایا؟“

”تاشو بابا خود چل کر آئے تھے ان کے دروازے پر“ میں نے کہا اور

پھر پوری کہانی سنا دی۔

”اوہ میرے خدا!۔۔ تو یہ سلسلہ ہے۔ اس بد بخت نے خود ہی جادو

کیا اور جب دیکھا کہ مریض خود چل کر اس کے پاس نہیں آیا بلکہ کسی

اور جگہ سے علاج کروا رہا ہے تو اس نے اس نئی چال کے ذریعے اپنے

پیسے کھرے کر لیے۔“ شاہ جی جیسے ساری سچویشن کو سمجھتے ہوئے

”شاہ جی!۔۔۔ آ پکو مکمل یقین ہے کہ یہ عمل تا شوبابا نے ہی کروایا

تھا۔“ میں نے ڈرتے ڈرتے سوال کیا۔

”ہاں بیٹا۔ میں اللہ کے کلام کے ذریعے ایک چلہ کیا تھا تا کہ پتہ چلا

سکوں کہ اس کے پیچھے کون ہے۔ مستقل علاج کے لئے اس بات کا

پتہ چلنا بہت ضروری ہے کہ عمل کون کروا رہا ہے۔ اور میرے چلہ کے

دوران مجھے اس بد بخت کا چہرہ دکھایا گیا۔ میں اسکی کرشمہ سازی پہلے

بھی ایک بار کلفٹن میں جا کر خود بھی دیکھ چکا ہوں۔“ شاہ جی نے

تفصیل سے بتاتے ہوئے کہا۔

”اور آپ کو یہ کیسے پتہ چلا کہ وہ ہندو ہے؟“ میں نے ہمت کر کے یہ

بھی پوچھ ہی لیا۔

”میرے ایک رفیق ہیں عبدالرحمان صاحب“ شاہ جی کہنے لگے۔ وہ

اپنے مریدوں کو رقت کہہ کر پکارتے تھے۔ ”ان کا تعلق پولیس سے ہے۔ انہوں نے مجھے باتوں باتوں میں بتایا تھا کہ انہوں نے بھی اس کے کارناموں کی دھوم مچی تھی اس لئے اس کو تھانے بلایا تھا۔ جب اس کی شناخت پوچھی گئی تو اس نے اپنا شناختی کارڈ دکھایا تھا۔ وہ میرپور خاص کا رہنے والا ہے اور مذہباً ہندو ہے۔ چونکہ ہندو ہونا کوئی جرم نہیں ہے اس لئے اسے گرفتار نہیں کیا جاسکا۔“

ہم لوگ کچھ دیر تک خاموش بیٹھے رہے۔ پھر میں نے اپنے ذہن میں پیدا ہونے والے ایک سوال کو زبان دے دی۔

”شاہ جی!۔۔۔ اس شخص کو اس ظلم سے روکا نہیں جاسکتا؟“ میرے لہجے میں التجا تھی۔ ”کیا پولیس اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کر سکتی؟“

”بیٹا پولیس بغیر ثبوت کے کوئی کارروائی نہیں کر سکتی“۔ شاہ جی کہنے



لگے۔ ”بظاہر وہ لوگوں کے مسئلے اپنے علم کی بنیاد پر حل کرتا ہے اور اس کا معاوضہ وصول کرتا ہے۔ لوگ بھی اس سے عقیدت کا اظہار کرتے ہیں۔ اس نے کبھی اپنے آپ کو مسلمان نہیں کہلوایا۔ ایسی صورتحال میں پولیس اس پر ہاتھ ڈالے گی تو الٹا لوگ پولیس کے خلاف ہو جائیں گیں۔“

”شاہ جی!۔۔۔ آپ بھی تو علم حاصل لے ہیں۔ آپ کچھ نہیں کر سکتے اس کے خلاف؟“ میں نے آخر وہ کہہ ہی دیا جو میرے دل میں مچل رہا تھا۔

”بیٹا!۔۔۔ میرا علم دفاع کے لئے ہے حملہ کرنے یا پھر کسی کو نقصان پہنچانے کے لئے نہیں۔“ شاہ جی نے کہا۔ ”میں نے جان بوجھ کر کبھی اس قسم کے چلے یا عمل نہیں سیکھے کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ میرے ہاتھ سے کسی کا نقصان ہو جائے۔“

پھر کچھ دیر سوچنے کے بعد وہ پھر بولے۔

”میں نے فیصلہ کیا ہے کہ کسی دن اس کے پاس جاؤں گا اور اس کو زبان سے منع کرنے کی کوشش کروں گا۔ اگر وہ مان گیا تو ٹھیک ہے ورنہ پھر اس کے بارے میں شیخ تبریزی صاحب کو آگاہ کروں گا جو حیدر آباد میں رہتے ہیں اور اس قسم کے کاموں کے ماہر ہیں اور کئی کالے جادو کے ماہروں کے چھکے چھڑا چکے ہیں۔“ شاہ جی نے اپنے فیصلے سے آگاہ کرتے ہوئے کہا۔

پھر کچھ دیر دین کی باتیں کرنے کے بعد ہم لوگ واپس آ گئے۔ رات کو سونے سے پہلے میں اسی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ آدمی کتنا بے بس ہو جاتا ہے ان ماورائی طاقتوں کے آگے اور ایک شخص کس طرح اپنے ہاتھ بچاتے ہوئے لوگوں کو تنگ کر رہا تھا اور پیسے کما رہا تھا۔ میں یہ سوچ رہا تھا کہ اگر کبھی اس نے میرے اوپر یا پھر میرے گھر والوں پر

ایسا کوئی حملہ کیا تو پھر شاید ہم بھی مجبور ہو جائیں کہ اس کو پیسے دے کر اپنی جان چھڑا سکیں۔ ایک لحاظ سے تو یہ بھی وہی کام کر رہا تھا جو استاد بابا کی دوکان سے بھتہ وصول کر کے کرتا تھا۔ دونوں کا طریقہ کار ایک ہی تھا بس فیلڈز مختلف تھیں۔ ایسے حالات میں مجھے کیا کرنا چاہیے؟ کیا میں بس حالات کا تماشا دیکھوں یا پھر کسی شیخ تبریزی صاحب کا انتظار کروں کہ شاید وہ ہم کو اس مصیبت سے نجات دلا سکیں۔ بسی انہی سوچوں کے دوران پتہ ہی نہیں چلا کہ کب مجھے نیند آگئی۔

اس رات میں نے پھر وہی خواب دیکھا کہ ایک بزرگ مجھے کہہ رہے ہیں کہ

”بیٹا!۔۔۔ ہم کو تم سے بہت امیدیں ہیں۔ اتنی ساری قربانیاں ضائع مت ہونے دینا۔ وہ کام تمہی کو کرنا ہے اور کوئی نہیں کر سکتا۔ ایسا نہ ہو کہ تم اپنی زندگی میں اتنا ملن ہو جاؤں کہ سب کچھ ضائع ہو

جائے۔“

پھر وہی کالی بڑی ساری چمگاڑا آتی ہے اور اس بزرگ کو اٹھا کے لے جاتی ہے۔ اور پھر میری آنکھ کھلتی ہے تو فجر کی اذانیں میرے کانوں میں گونج رہی ہوتی ہیں۔ وضو کرنے کے دوران میں سوچ رہا تھا کہ کہیں یہی وہی کام تو نہیں ہے جس کو مجھے سرانجام دینا ہے۔ اور اس کی مجھے بار بار یاد دلائی جاتی ہے۔ یہی سوچتے سوچتے میں نے وضو کیا، نماز پڑھی اور پھر بستر پر لیٹ کر بھی انہی سوچوں میں گم ہو گیا۔ اگر مجھے یہی کچھ کرنا ہے تو میں کیسے کر سکتا ہوں۔ کون مجھے اس طرح کے عمل سکھائے گا اور اس قابل بنائے گا کہ میں تاشو بابا جیسے طاقتور لوگوں کو سبق سیکھا سکوں۔ پھر میرا ذہن شاہ جی کی طرف گیا مگر یاد آیا کہ انکا سبق محبت اور سلامتی ہے۔ وہ خود جن عملوں کو نہیں سیکھتے وہ مجھے کیونکر سکھنے دیں گے۔

یہی سوچتے سوچتے صبح ہو گئی۔ حسب معمول کالج کے لئے تیار ہو کر عارف کی طرف پہنچا اور اس کو ساتھ لے کر کالج کی طرف چل پڑا۔ ایک بار تو خیال آیا کہ عارف کو ساری حقیقت بتا دوں مگر پھر یہ سوچ کر خاموش رہا کہ وہ شاید نہ مانے ویسے بھی تاشو بابا کے لئے اس کے دل میں عقیدت تھی جو اسے تاشو بابا کے خلاف سننے پر آمادہ نہیں کر سکے گی۔ ویسے بھی میرے پاس کوئی ثبوت تو نہیں تھا۔ بس شاہ جی کی باتیں تھیں جن پر مجھے صدق دل کے ساتھ یقین تھا مگر شاید عارف ان پر بغیر ثبوت کے یقین نہ کرے۔

کچھ دن اسی طرح روٹین میں کالج جانے اور روزمرہ کے کاموں میں گزر گئے۔ اسی دوران ایک عجیب و غریب واقعہ ہوا۔ ہمارے کالج میں سیاست بہت عام تھی۔ کالج کی یونین کے الیکشن ہو رہے تھے۔ خوب زور شور تھا۔ ایک دن میرے چند دوست مجھے اور عارف کو ایک



پارٹی کے جلسے میں لے گئے۔ وہاں لیڈر صاحب بڑی دھواں دار  
تقریر کر رہے تھے۔ مجھے احساس ہوا کہ وہ شاید زیادہ ہی پرسنل حملے کر  
رہے تھے اپنے مخالف امیدوار پر۔ لیکن شاید یہ معمول کی بات تھی۔  
مگر کچھ دیر کے بعد اندازہ ہوا کہ یہ معمول کی بات نہیں تھی۔ کچھ لوگ  
اچانک موٹر سائیکلوں پر بیٹھ کر آئے اور ہوائی فائرنگ شروع  
کر دی۔ سارا جلسہ تتر بتر ہو گیا۔ ہم بھی بھاگے۔ اچانک ایک موٹر  
سائیکل والے کا ٹائر سلب ہوا اور وہ گر پڑا۔ جلسے والی پارٹی نے اس  
گرنے والے لڑکے کو پکڑ کر مارنا شروع کر دیا۔ ہم بھی ارد گرد کھڑے  
ہو گئے۔ معاملے کو سنجیدہ دیکھ کر اچانک باقی سواروں میں سے ایک  
نے سیدھی گن سے فائر شروع کر دیئے۔ دو تین لڑکے گھائل ہوئے  
اور پھر اچانک اس کی گن کر رخ میری طرف ہوا اور ایک دھماکے سے  
ایک گولی بجلی کی سی تیزی سے میری طرف لپکی۔ یہ سب کچھ چشم زدن

میں ہو گیا اور میں کچھ بھی نہ کر سکا۔ گولی کا نشانہ میرا سینہ ہی تھا۔ مگر جیسے ہی وہ گولی میرے جسم کے قریب پہنچی ایک دم غائب ہو گئی۔ جی ہاں۔ میں ہکا بکار رہ گیا۔ پہلے تو گولی کا میری طرف آنا اور پھر اچانک غائب ہو جانا میری سمجھ سے بالاتر تھا۔ میں گم صم سا کھڑا تھا۔ فائرنگ کرنے والے ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔ فائر کرنے والا تاہم میری ہی طرح گم صم کھڑا تھا کیونکہ اس نے مجھے گولی ماری تھی اور میں صبح سلامت کھڑا تھا۔ اتنے میں اسے ایک ساتھی نے آواز دی اور وہ بھاگنے لگا۔ مگر پھر اچانک اسے شاید یاد آ گیا کہ گولی نے میرے اوپر اثر نہیں کیا تھا۔ اس نے پھر مڑ کر نہ یقین آنے والی نظروں سے دیکھا اور اگلا لمحہ میرے لیے پھر روح فرسوں تھا۔ اس نے پھر گن سیدھی کر لی تھی میرے لئے۔ میں اپنی جگہ سے ہل بھی نہ سکا تھا کہ اس نے پھر سے مجھے ٹیسٹ کرنے کا پروگرام بنالیا تھا۔ ظاہری بات ہے

یہ بات اس کے حلق سے نہیں گزر رہی تھی کہ اس نے مجھے دس فٹ سے گولی ماری اور مجھے گولی نہیں لگی۔ ابھی میں پریشان کھڑا اس کی طرف دیکھ ہی رہا تھا کہ اچانک میں نے ایک آواز سنی

”بے فکر رہیں آقا!۔۔۔ کوئی آپ کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔“

اس کے ساتھ ہی فائر کی آواز سنائی دی اور وہی تماشا ایک بار پھر میرے سامنے تھا۔ گولی مجھے اپنی طرف آتی ہوئی نظر آئی اور میرے جسم کے بالکل قریب آکر وہ یوں غائب ہو گئی جیسے وہ ایک ہوا کا جھونکا تھا۔ فائر کرنے والا پھر ہکا بکا کھڑا تھا۔ اتنے میں دور سے پولیس کے سائرن کی آواز آنے لگی اور سارے سوار بھاگنے لگے۔ مجھے مارنے کی کوشش کرنے والے نے بھی قریب سے گزرتے ہوئے ایک موٹر سائیکل کی پشت پر سوار ہونے کے لئے چھلانگ لگائی اور پلک جھپکنے میں یہ جا اور وہ جا۔

یہ جو کچھ میرے ساتھ ہوا تھا میرے لئے بالکل بھی نارمل نہیں تھا۔ اس لئے میں اپنے حواس میں نہیں تھا۔ اچانک مجھے احساس ہوا کہ کوئی مجھے جھنجھوڑ رہا ہے۔ میں نے چونک کر دیکھا تو عارف تھا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ بھاگو۔ مجھے نہیں معلوم کہ میں کیسے اس کے ساتھ بھاگ رہا تھا۔ اور کیسے ہم کالج سے باہر نکلے۔ سائیکل سٹینڈ سے عارف نے میری سائیکل نکالی اور شاید گھبراہٹ میں یا پھر میری حالت دیکھ کر اس نے خود ہی چلانے کا فیصلہ کیا۔ میں اس کے ساتھ بیٹھ گیا اور وہ آندھی اور طوفان کی طرح سائیکل چلاتا ہوا گھر کی طرف چل پڑا۔ مجھے گھر پہنچا کروہ پیدل ہی اپنے گھر کی طرف چل دیا۔ اب میرے کچھ اوسان بحال ہوئے تھے۔ لہذا میں نے سائیکل گھر کے اندر کھڑی کی اور دھڑام سے اپنے بستر پر گر پڑا۔

”کیا ہوا بیٹا؟“ ماں نے پوچھا۔ ”طبیعت تو ٹھیک ہے۔“

”بس ماں۔۔۔ کالج میں کچھ لوگ لڑ پڑے تھے آپس میں اس لئے کالج میں جلدی چھٹی ہو گئی۔ اور لڑائی دیکھنے کی وجہ سے میری طبیعت ذرا بوجھل ہے۔“ میں نے سچ بات بتاتے ہوئے کہا۔

”اوہ خدایا!۔“ ماں نے آہ بھر کر کہا۔ ”یہ لوگ کیوں لڑتے ہیں۔ آپس میں پیار محبت سے کیوں نہیں رہتے۔ ٹھہر میں تیرے لئے گرم دودھ لے کر آتی ہوں۔“ ماں کہہ کر باورچی خانے میں چلی گئی۔ اور میں بستر پر لیٹا اپنے پریتنے والے واقعات پر غور کر رہا تھا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ میرے اوسان مکمل طور پر بحال نہیں تھے مگر وہ آواز میں نے اپنے پورے ہوش و حواس میں سنی تھی۔ اور پھر اچانک ایک اور بات نے میرے رونگٹے کھڑے کر دیے۔ کیا کوئی آنکھ تیزی سے فائر کئے ہوئے بلٹ کو دیکھ سکتی ہے؟ یقیناً نہیں یا شاید ایک

جھماکے سے زیادہ نہیں۔ مگر میں نے گولی کو اپنے بالکل قریب آتے



ہوئے دیکھا تھا۔ ریوالور سے نکل کر میرے تک آنے کا فاصلہ مجھے کئی  
سیکنڈز پر محیط لگا تھا۔ یہ کیسے ہو گیا۔ میری آنکھ نے اسے کیسے دیکھ لیا  
اور اگر دیکھ بھی لیا تو وہ بلت کہاں گئی؟ ایک نہیں دو بلت میں نے اپنی  
آنکھوں کے سامنے غائب ہوتی دیکھی تھیں۔ سوچتے سوچتے میرا سر  
چکرانے لگا۔ اسی وقت ماں نے دودھ لا کر دیا اور مجھے وہ دودھ ایک  
نعمت کی طرح محسوس ہوا۔

www.define.pk

”لو بیٹا!۔۔۔ اسے چھوٹے چھوٹے گھونٹوں میں پی لو“ ماں نے  
نصیحت کرتے ہوئے کہا۔ اور میں نے دودھ پینا شروع کر دیا۔ جیسے  
جیسے دودھ حلق سے نیچے جا رہا تھا ایک نئی توانائی میری اندر حلول کر  
رہی تھی۔ دودھ پی کر میرے چکر اتے ہوئے ذہن کو کچھ سکون ملا۔ مگر  
وہ سوچ۔ یہ سب کچھ کیسے ہو گیا۔ کیوں ہوا۔ ابھی بھی یہ سوال میرے  
ذہن میں گھوم رہے تھے۔

شام تک میں انہی کے ساتھ جنگ کرتا رہا۔ پھر شام کو عارف ملنے آگیا۔ اس کے پاس گرما گرم خبریں تھیں۔ اس ہنگامے میں تین لڑکے جاں بحق ہو گئے تھے اور درجن بھر زخمی ہوئے تھے۔ کالج کے پرنسپل صاحب نے فوری طور پر کالج کو تین دنوں کے لئے بند کرنے کا حکم نامہ جاری کر دیا تھا۔

”سلیمان۔۔۔ یار آنٹی کو بولو کچھ پانٹ دیں غریبوں میں۔“ عارف نے کہا۔

”کیوں“ میں نے چونک کر پوچھا۔

”کیوں کا کیا مطلب۔“ عارف نے مجھے گھورتے ہوئے

پوچھا۔ ”میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا ایک حملہ آور کو تم پر گولی

چلاتے ہوئے مگر شاید اس کا نشانہ چوک گیا اور تم بچ گئے۔ ورنہ شاید

آج مرنے یا زخمی ہونے والوں میں تمہارا بھی نام ہوتا۔“

”ہوں!۔۔۔۔۔ ہاں یہ تو ہے۔“۔۔ میں نے پھر خیالوں کے کھنور میں  
کو دتے ہوئے کہا۔

عارف کچھ دیر باتیں کر کے چلا گیا۔ اور میں پھر اپنے خیالات کے  
ساتھ۔ اب اس میں تو کوئی شک نہیں تھا کہ مجھے کسی غیر مرنی طاقت  
نے بلٹ سے بچایا۔ ایک بار نہیں بلکہ دوبار۔ اس طاقت نے مجھے  
مخاطب بھی کیا۔ بڑی عجیب سے غیر انسانی آواز تھی وہ۔

”بے فکر رہیں آقا!۔۔۔ کوئی آپ کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔“

تو کیا وہ طاقت میری غلام ہے جو اس نے مجھے آقا کہہ کر مخاطب  
کیا۔ مگر یہ کیسا غلام ہے جسے میں نہیں جانتا۔

اسی طرح کی سوچوں میں غرق میں نجانے کب نیند کی وادی میں چلا  
گیا۔ نیند میں بھی عجیب و غریب خواب دیکھتا رہا۔

اگلے دو تین دن میں نے گھر میں ہی گزارے۔ یہ سارے واقعات

تھے ہی بہت عجیب و غریب۔ لیکن وقت کے ساتھ ساتھ میں اپنے  
آپ کو سنبھال رہا تھا۔

کافی سوچ بچار کرنے کے بعد میں نے ایک فیصلہ کیا۔ مجھے یہ ساری  
باتیں کسی سے شئیئر کرنی چاہئیں۔ ورنہ یہ سوچیں میرے دماغ کی  
چولیس ہلا دیں گیں۔ مگر کس سے۔ ماں سے یا بابا سے؟ دونوں شائد  
مجھے نہ سمجھ سکیں اور اس غیر مرئی طاقت کی بات پر شائد پریشان بھی ہو  
جائیں۔ پھر کون؟ اچانک میرے ذہن میں شاہ صاحب کا خیال  
آ گیا۔ ہاں وہ ٹھیک ہیں۔ پھر میں نے اگلے دن ان کے پاس جانے  
کا ارادہ کر لیا۔

اسی رات ایک اور خاص بات ہو گئی۔ رات کو اچانک ہمیں چھت پر  
بلیوں کے لڑنے اور پھر چیخنے کی آوازیں آنے لگیں۔ بابا نے اٹھ کر  
چھت پر جا کر بھی دیکھا مگر انہیں کچھ نظر نہ آیا۔ اگلی صبح میں

حسب معمول نہانے کے لئے باتھ روم میں تھا تو ایک اور عجیب بات ہوئی۔ میری پانی کی بالٹی اچانک خون سے بھر گئی۔ بے خیالی میں، میں نے ایک برتن بھر کر اپنے اوپر بھی ڈال لیا مگر حیرت کی انتہا کہ خون نے میرے جسم کو مس تک نہیں کیا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے جسم کے اوپر ایک نہ نظر آنے والا لباس ہے جس کی وجہ سے وہ خون میرے جسم کو مس بھی نہ کر سکا۔ مگر یہ ساری باتیں ہمیں پریشان کرنے کے لئے کافی تھیں۔ میں سمجھ گیا کہ تا شو بابا نے اب ہمارا گھر دیکھ لیا ہے۔

بہر حال میں اور بابا ہم دونوں فوراً شاہ جی کے پاس پہنچ گئے۔ صبح صبح ہمیں اپنے پاس دیکھ کر شاہ جی بھی حیران رہ گئے۔ جب ہم نے ساری صورتحال بتائی تو انہوں نے ہمیں تسلی دی اور ساتھ میں دم والا پانی بھی دیا کہ مجھ سمیت سب گھر والوں کو پلاؤں۔ میں بابا کے



سامنے اپنے ساتھ کالج میں پیش آنے والے واقعہ کی بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے خاموش ہی رہا۔ ہاں دل ہی دل میں شام کو پھر آنے کا ارادہ کرنے لگا۔ وہاں سے فارغ ہو کر ہم واپس گھر پہنچے۔ کالج جانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ بس گھر ہی رہا۔ ہاں بابا نے دوکان کھولی اور حسب معمول کام کیا۔ ان کی آمدنی کم تھی اس لئے گھر کا خرچہ چلانے کے لئے ان کا دوکان کرنا ضروری تھا۔ شام کو میں پھر شاہ جی کے پاس پہنچ گیا۔ میں جان بوجھ کر مغرب کے بعد گیا تھا۔ شاہ جی اپنے حجرے میں تھے۔ میں نے اس وقت تکلیف دینے کی معذرت کی اور ان سے کچھ وقت کی درخواست کی۔ شاہ جی ہمیشہ کی طرح میرے اوپر مہربان تھے۔ میں نے شاہ جی کو سارے واقعہ تفصیل کے ساتھ سنایا جو میرے ساتھ کالج میں پیش آیا تھا اور پھر خون کا میرے جسم کو مس نہ کرنا۔ یہاں

تک کہ روانی میں میں اس خواب کا بھی ذکر کر دیا جو مجھے اکثر آتا تھا۔ اور یہ بھی کہ جب بھی وہ خواب آتا ہے تو میری آنکھ ہمیشہ فجر کی اذان کے ساتھ کھلتی ہے۔ شاہ جی نے بہت غور سے میری ایک ایک بات سنی اور پھر کچھ دیر سوچتے رہے۔ کچھ دیر انہوں نے مراقبہ بھی کیا۔ ”بیٹا!۔۔۔ ایک بات تو بالکل صاف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارا انتخاب کسی خاص کام کے لئے کیا ہے۔ اسی سلسلے میں وہ تمہارے حفاظت بھی کر رہا ہے۔ مگر حیرت کی بات ہے کہ جب میں تمہارے بارے میں کچھ بھی جاننے کے لئے مراقبہ کرتا ہوں تو بس نور کے بادل ہی نظر آتے ہیں۔ کچھ نمایاں نظر نہیں آتا۔ ایسا میرے ساتھ پہلی بار ہوا ہے ورنہ ہمیشہ مجھے اللہ کی رحمت سے کوئی نہ کوئی اشارہ ضرور مل جاتا ہے۔“ شاہ جی نے کہا۔

”شاہ جی میری رہنمائی فرمائیں۔ میں سوچ سوچ کر پاگل ہوا جا رہا

ہوں۔“ میں نے عاجزی کے ساتھ کہا۔

”بیٹا!۔۔ صبر کرو۔ اگر اللہ نے تم سے کوئی کام کروانا ہے تو ضرور

وقت آنے پر سب کچھ تم پر خود ہی واضح ہو جائے گا۔ یقیناً اس رکاوٹ

میں بھی تمہارے لئے کوئی مصلحت ہوگی۔“ شاہ جی نے مجھے سمجھاتے

ہوئے کہا۔ پھر کچھ دیر تک وہ مجھے صبر اور اسلام میں مصلحت پر درس

دیتے رہے۔ پھر میں ان سے اجازت لے کر گھر آ گیا۔

چند دن اور گزر گئے اور کوئی خاص بات نہیں ہوئی سوائے اس کے کہ

میرا ذہن ہر وقت کچھ نہ کچھ سوچتا رہتا تھا۔ آخر میں نے اپنے آپ کو

حالات پر چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا۔ اور اپنے آپ کو پرسکون کرنے کی

کوشش کرنے لگا۔ اور پھر ایک دن تا شو بابا ہمارے گھر پہنچ گئے۔

دروازہ میں نے کھولا تھا۔ مجھے دیکھ کر تا شو بابا خاص انداز

میں مسکرائے۔

”مجھے سب پتہ ہے جو کچھ میرے ارد گرد ہو رہا ہے۔“ تاشو بابا نے مخصوص شاہانہ انداز میں کہا۔

”جی کیا ہو رہا ہے۔“ میں نے جان بوجھ کر انجان بننے ہوئے کہا۔

”انجان مت بن بچہ۔ تمہارے اوپر جادو کا حملہ ہے۔ بہت ہی کڑک۔ پہلی بار تم بچ گئے مگر اب دوسرا حملہ پہلے سے زیادہ سخت ہونے والا ہے۔“ تاشو بابا نے اسی انداز میں کہا۔

”پھر“ میں نے بیزاری میں کہا اور نہ چاہتے ہوئے بھی میرے منہ سے نکل گیا۔ ”اب مجھے کتنے پیسے دینے پڑیں گئے اس دلدل سے نکلنے کے لئے؟“

تاشو بابا نے چونک کر مجھے دیکھا اور پھر جلدی سے بولا۔

”بچہ تمہارے لئے بہت خاص عمل کرنا پڑے گا۔ اپنے باپ کو بول چالیس ہزار کا انتظام کر لے۔“ تاشو بابا نے کہا۔ ”باقی میں سنبھال

لوں گا۔“

”اچھا جی۔“ میں بس اتنا ہی کہہ سکا۔ اور تا شو بابا مڑ کر واپس چل پڑا۔  
میں سوچ رہا تھا کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔ مجھے معلوم تھا کہ اگر میں نے  
بابا کو اس کے بارے میں بتایا تو وہ چاہے اپنی دوکان کیوں نہ بیچ دیں،  
یہ رقم ضرور اکٹھی کر لیں گے۔ مگر میرا دل نہیں مان رہا تھا۔ وہ دن میں  
نے اس کشمکش میں گزارا۔ رات کو سونے سے پہلے میں نے سوچتے  
سوچتے اچانک ایک اور پہلو سے اس پر سوچا۔

کیوں نہ اپنے محافظ کا ایک امتحان لیا جائے۔ اس نے مجھے پہلے بھی  
بچایا اور یقیناً اب بھی بچائے گا۔ یہ سوچ کر میں نے ایک منصوبہ  
ترتیب دیا۔ اور پھر سکون کی نیند سو گیا۔

اگلی صبح میں کالج جانے کی بجائے کلفٹن کی طرف اپنا رخ کیا۔ تا شو بابا  
کی کٹیا کے باہر اب بھی کافی رش تھا۔ مجھے تقریباً دو گھنٹے انتظار کرنا



پڑا۔ تاشو بابا نے باہر آتے ہی حسب معمول سارے مجمع کی طرف دیکھا۔ مجھے دیکھ کر حسب توقع اس کا جی خوش ہو گیا۔

”بول بچہ۔ تیرا کیا مسئلہ ہے۔“ اس نے انجان بنتے ہوئے کہا۔ مگر شاید جو جواب میں دینے والا تھا وہ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔

”میرا مسئلہ تو ہے تاشو لال۔“ میں نے سخت اور گونجدار آواز میں کہا۔ ایک دم سارے مجمع کو سانپ سونگھ گیا۔ تاشو بابا نے گھور کر میری طرف دیکھا۔

”تو کہنا کیا چاہتا ہے چھو کرے؟“ تاشو بابا نے گھورتے ہوئے کہا۔

”تاشو لال!۔۔۔ میں تم سے تنگ آ گیا ہوں۔ تم خود ہی کالا جادو کرتے ہو اور خود ہی اپنے آپ سے بچانے کے لئے رقم طلب کرتے ہو۔ اس سے پہلے تم نے میرے دوست عارف کے ساتھ یہ ڈرامہ

رچایا اور اب میرے ساتھ۔ آج میں یہ سوچ کر آیا ہوں کہ تمہارا قصہ ہمیشہ کے لئے پاک کر دیا جائے۔“ میں نے اسی طرح گونجدار آواز میں کہا۔

”کیا بکتے ہو چھو کرے۔“۔۔ تا شو بابا نے غصے سے لال پیلا ہوتے ہوئے کہا۔ اس کے خواب و خیال میں بھی نہ تھا کہ میں اس کا راز اس طرح بھرے مجمع میں کھول دوں گا۔

”میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔“ میں نے بھی اسی طرح غصے میں کہا۔

”آج یا تو تم ہمیشہ کے لئے توبہ کرو گے یا پھر میرے ہاتھوں سے مارے جاؤ گے۔“

”تیری یہ مجال۔“ تا شو بابا کا پارہ عروج پر پہنچ گیا۔ اس نے میری طرف دیکھ کر منہ ہی منہ میں کچھ پڑھنا شروع کر دیا۔ میں ایک لمحے کے لئے تو گبھرایا کیونکہ مجھے ریاض کا انجام یاد تھا مگر پھر بھی جی کڑا

کر کے کھڑا رہا۔ مجھے دیکھنا تھا کہ میرا نہ نظر آنے والے محافظ اب کیا کرے گا۔

جیسے ہی تاشو بابا نے پڑھنا ختم کیا مجھے اپنے ارد گرد کچھ غیر مرئی قوتوں کے دھم پیل ہوتی محسوس ہوئی۔ کچھ دیر گزر جانے کے باوجود مجھے کچھ نہ ہوا تو تاشو بابا کی آنکھوں میں حیرت ناچنے لگی اور میرا حوصلہ اور بڑھ گیا۔ میرے محافظ نے اپنا کام کر دیا تھا۔

”تاشو لال!۔۔۔ اور آزما لے اپنے بیروں کو۔“ میں نے اسی گونجدار آواز میں کہا۔ ”میں تجھے پورا موقع دیتا ہوں۔ پھر نہ کہنا کہ میں نے تیرے دل کے ارمان پورے نہیں ہونے دیے۔“

تاشو بابا غصے سے لال پیلا ہو رہا تھا۔ اس نے ایک منتر پڑھ کر زور سے زمین پر پاؤں مارا۔ ایک دم سے ایک بہت بڑا اثر دھامنا کھولے میری طرف لپکا۔ سارا مجمع کائی کی طرح چھٹ گیا۔ خود میرا خوف

سے برا حال تھا مگر مجھے اعتماد تھا کہ میرا اندیکھا محافظ کچھ نہ کچھ ضرور کرے گا۔ اور دور جاتے لوگوں نے ایک عجیب سا منظر دیکھا۔ وہ اثر دہا چانک ہوا میں پندرہ بیس فٹ بلند ہوا اور دھڑام سے زمین پر گرا۔ چوٹ اتنی زوردار تھی کہ اثر دھسے کے سارے کس بل نکل گئے۔ اس اثناء میں وہ ایک بار پھر اچھلا اور اب کی بار جب زمین پر گرا تو پھر نہ اٹھ سکا۔ تاشولال پھٹی پھٹی آنکھوں سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ اسے شاید اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا کہ ایک پندرہ سولہ سال کا لڑکا اس کے جادو کا اتنی آسانی سے توڑ کر رہا تھا۔

تاشولال نے اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے ایک اور وار کے لئے منہ میں کچھ بڑبڑانا شروع کر دیا۔ پھر اس نے لٹو کی طرح گھوم کر میری طرف زوردار انداز میں پھونک ماری۔ بے شمار چھوٹے چھوٹے کیڑے مکوڑے اس کے منہ سے نکل کر تیزی سے میری طرف بڑھنے

لگے۔ میں اپنی جگہ کھڑا ہکا بکا اس نئی آفت کو دیکھ رہا تھا۔ جیسے ہی وہ کیڑے مکوڑے میرے جسم کے قریب پہنچے ایک دم سے مٹی کا ڈھیر بن کر زمین پر گر گئے۔ اپنے اس عمل کا یہ حال ہوتا دیکھ کر اچانک تاشولال دوزانو ہو کر بیٹھ گیا۔

”مجھے معاف کر دو اے عظیم ہستی۔“ تاشولال کے لہجے میں انتہائی التجا تھی۔ ”تم کوئی بہت پیچی ہوئی ہستی ہو۔ ورنہ میری برسوں کی محنت سے حاصل کردہ قوتوں کا یہ حال نہ ہوتا۔“

”نہیں نہیں۔۔۔ کچھ اور بھی ہے تو نکال لو۔“ میں نے کہا ”آج میں تمہیں تمہاری ساری حسرتیں نکالنے کا موقع دوں گا۔“

اب لوگ پھر دوبارہ ہمارے گرد اکٹھے ہونا شروع ہو گئے تھے۔

”مجھے معاف کر دو۔“ تاشولال نے لرزاتے ہوئے کہا۔ ”میرے

باپ کی بھی توبہ۔ میں اپنا اور تمہارا مرتبہ اچھی طرح سمجھ گیا ہوں۔“



میں ایک لمحے کے لئے اس سچویشن کے بارے میں سوچا۔ میرا محافظ یقیناً میرا دفاع کر رہا تھا مگر میرے پاس وار کرنے کے لئے کوئی طاقت نہیں تھی۔ اور مجھے نہیں معلوم تھا کہ کیا میرا محافظ بھی وار کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اور اگر رکھتا ہے تو میں اس کے لئے اسے کیسے مجبور کر سکتا ہوں۔ آخر کو یہ سب کچھ سوچ کر میں نے ایک فیصلہ کیا اور پھر گونجدار آواز میں کہا۔

www.define.pk

”تاشولال!۔۔۔ میں تو یہ سوچ کر آیا تھا کہ تیرا پتہ ہمیشہ کے لئے صاف کر دوں مگر اب تمہارے التجا پر مجھے تم پر رحم آرہا ہے۔ میں تمہیں آخری موقع دیتا ہوں۔ آج تک جتنے لوگوں کو تم نے تنگ کیا سب کے پیسے ان کو واپس کروں اور پھر کسی کو تنگ نہ کرنے کا وعدہ کرو۔ پھر اگر میں نے تمہیں یہاں دیکھ لیا تو پھر کوئی معافی نہیں ملے گی۔“

”جو حکم سرکار کا!۔“ تاشولال نے عاجزی سے کہا اور جلدی اپنی کٹیا کی

طرف چل پڑا۔ پھر اس نے ایک بیگ جونوٹوں سے بھرا ہوا تھا لے کر باہر آیا۔ ایک ایک کر کے اس نے سب لوگوں کو پیسے واپس کیے۔ جو باقی بچ گئے وہ ان ہی میں سے کچھ لوگوں کے ذمہ لگا کر وہ اس طرح وہاں سے بھاگا جیسے قربانی والا بکرا چھری دیکھ کر بھاگتا ہے۔

اسے بھاگتا ہوا دیکھ کر میری ہنسی نکل گئی۔ لوگوں نے اب آہستہ آہستہ میرے گرد گھیرہ ڈال لیا۔ کچھ نے میری شان میں قصیدے بھی پڑھنے شروع کر دیے مگر میں نے سب کو ڈانٹ دیا۔

”خاموش!۔۔۔ خاموش!“ میرے آواز نے مجمع کو اس طرح خاموش کر دیا جیسے چابی والا کھلونا چابی ختم ہونے پر بند ہو جاتا ہے۔

”تم لوگ کیوں اپنا ایمان ان چھوٹی موٹی کرامات کے چکر میں ضائع کرتے ہو۔ خبردار مصیبتیں بھیجنے والا اور ان سے نجات دینے والا صرف اللہ ہی ہے۔ اسی سے مدد مانگو اور اسی کو تکلیف اور خوشی میں یاد

کرو۔ میں کچھ نہیں ہوں۔ اگر تم لوگوں نے مجھے بھی تاشو بابا کی طرح  
مداری بنانے کی کوشش کی تو ایک ایک کی ہڈی پسلی ایک کردوں گا۔ چلو  
دفع ہو جاؤ۔“ ایک دم سے سب لوگوں نے دوڑیں لگا دیں۔  
اور میں اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ میرا انگ انگ خوشی سے ناچ  
رہا تھا۔ مجھے ایسا لگ رہا تھا جیسے میں وہ بن گیا تھا جس کے بارے  
میں مجھے خواب میں یاد دلایا جاتا تھا۔ یہی وہ خاص کام تھا جس کے  
لئے میرا انتخاب کیا گیا تھا اور مجھے یہی کرنا تھا۔ اور مجھے اس میں مزہ  
بھی آرہا تھا۔

گھر پہنچ کر بہت عرصے کے بعد میں نے سکون کی نیند لی اور خوب  
گھوڑے بیچ کر سویا۔ اگلی صبح سے پھر میں روٹین میں لگ گیا۔ مجھے اپنا  
آپ بہت ہلکا پھلکا محسوس ہو رہا تھا۔ اس دن شام کو میں شاہ جی سے  
ملنے کے لئے گیا تا کہ ان کو اپنی کارگزاری کی خبر کر سکوں۔

شاہ جی حسب معمول اپنے مریدوں یا رفیقوں کی مجلس میں بیٹھے تھے۔ مجھے دیکھ کر پیار سے مجھے اپنے پاس بلایا۔ میں چپ چاپ ان کے پاس بیٹھا گیا۔ انہوں نے ایک دو دفعہ مجھے مخاطب کیا اور حال احوال پوچھا۔ مگر جو میں بتانا چاہتا تھا وہ بتانے کے لئے تخیلہ ضروری تھا۔ مغرب کی نماز پڑھ کر جب شاہ جی اپنے حجرے میں جانے لگے تو میں نے انہیں روک لیا۔

’شاہ جی!۔۔۔ کچھ ٹائم مل سکے گا۔ ایک اچھی خبر سنائی ہے آپکو۔‘ میں نے عاجزی سے کہا۔

’ضرور۔۔۔ سلیمان میاں بولو کیا خبر ہے۔‘ شاہ جی نے خوشدلی سے کہا۔ اور پھر میں نے ساری کہانی ان کو سنادی۔ شاہ جی کا چہرہ اندرونی جوش سے سرخ ہو گیا۔

’واہ بھئی!۔۔۔ تم نے تو کمال کر دیا۔‘ شاہ جی نے بمشکل اپنے جوش

پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ ”تم نے جس خوبصورتی سے اپنے محافظ کا استعمال کیا اس کے جتنی بھی تعریف کی جائے اتنی کم ہے۔ بخدا دل بہت خوش ہوا اور میری دعا ہے کہ تم اسی طرح خلق خدا کے کام آتے رہو۔“ شاہ جی کی آواز جوش سے لرز رہی تھی۔

”بس شاہ جی!۔۔۔ شاید اللہ میاں نے مجھے اسی کام کے لئے بھیجا ہے۔“ میں نے بھی خوشی سے بھرپور لہجے میں کہا۔ ”مجھے اپنا مقصود مل گیا ہے اور مجھے خوشی ہے کہ اللہ نے مجھے اس نیک کام کے لئے منتخب کیا ہے۔“

شاہ صاحب دیر تک مجھے دعائیں دیتے رہے۔ اور پھر میں ان سے اجازت لے کر گھر کی طرف چل پڑا۔ رستے میں مسرور مسرور چل رہا تھا کہ اچانک ایک خیال آیا۔ یہ جو کچھ بھی میں نے کیا تھا اس کے پیچھے میرا کم اور میرے محافظ کا زیادہ ہاتھ تھا۔ مجھے کم از کم اس کا شکر یہ



ہی ادا کر دینا چاہیے تھا۔ بے اختیار میرے منہ سے نکلا  
”شکریہ!۔۔۔ میرے۔۔۔ محافظ دوست“

”یہ تو میرا فرض تھا آقا“۔ اچانک وہی غیر انسانی آواز پھر سنائی دی  
اور میں چونک پڑا۔ میں نے جلدی سے گھوم کر دیکھا۔ میرے ارد گرد  
کوئی بھی نہیں تھا۔ پھر یہ آواز۔ یقیناً یہ اسی محافظ کی تھی۔ اس کا مطلب  
ہے وہ میری آواز سن سکتا ہے اور نہ صرف سن سکتا ہے بلکہ جواب بھی  
دے سکتا ہے۔

”تم کون ہو دوست!۔۔۔ مجھے اپنے بارے میں بتاؤ۔“ میں نے پھر  
کہا۔

”میں غلام ہوں آقا!۔۔۔ غلام تو غلام ہوتا ہے دوست نہیں۔“ وہی  
غیر انسانی آواز پھر سنائی دی۔ مجھے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ میں اس سے کیا  
سوال کروں کہ مجھے وہ اپنے بارے میں کچھ بتا سکے۔

”تم کہاں سے آئے ہو؟“ اچانک مجھے ایک سوال سوجھا۔  
”ویسے تو میں کہیں گیا ہی نہیں تھا۔ مگر کہاں سے آپکی مراد اگر وطن  
سے ہے تو میں سلطنت سولومن کا باسی ہوں۔“ اسی غیر انسانی آواز  
نے جواب دیا۔

”تم گئے ہی نہیں تھے۔“ میں نے حیران ہو کر پوچھا۔ ”تم کب سے  
میرے ساتھ ہو؟“

”آپکی پیدائش کے وقت سے۔“ اسی آواز نے جواب دیا۔

مجھے مزید کوئی سوال نہیں سوجھا۔ یہ میرے لیے حیرت اور خوشی کی بات  
تھی کہ وہ نہ صرف میری حفاظت کر رہا تھا بلکہ میرے بلانے پر بات  
بھی کر سکتا تھا۔

گھر پہنچ کر میں نے کھانا کھایا کچھ دیر اماں اور بابا سے باتیں کرنے  
کے بعد میں سونے چلا گیا۔

سونے سے پہلے صرف اپنے دل کی تسلی کے لیے میں نے ایک بار پھر  
اس کو آواز دی۔

”تم میرے پاس ہی ہو میرے دوست“

مگر کوئی آواز سنائی نہ دی۔ مجھے لگا وہ چلا گیا ہے۔ پھر بھی میں نے  
ایک بار پھر اسے مخاطب کیا۔

”کیا تم سن سکتے ہو میرے غلام دوست!“

”جی آقا!“ اس بار اس نے جواب دیا۔

”تم نے مجھے پہلے کیوں جواب نہیں دیا۔“ میں نے حیران ہو کر

پوچھا۔

”آقا!۔۔۔ میں غلام ہوں دوست نہیں۔“ اسی آواز نے پھر جواب

دیا۔ ”یہ گستاخی میں کیسے کر سکتا ہوں۔“

ایک لمحے کو مجھے عجیب سا لگا۔ جب میں اسے دوست کہتا ہوں تو وہ

جواب نہیں دیتا اور اگر میں اسے غلام کہتا ہوں تو وہ جواب دیتا ہے۔  
اسی کے بارے میں سوچتے سوچتے نجانے کب میری آنکھ لگ گئی۔  
صبح اٹھ کر روٹین کے مطابق میں نے ناشتہ وغیرہ سے فارغ ہو کر  
کالج روانہ ہو گیا۔ راستے میں عارف کو بھی لیا۔ کالج میں وقت کا پتہ  
بھی نہیں چلا۔ واپس آ کر میں نے پھر اسے مخاطب کیا۔  
”اے میرے غلام!۔۔۔ کیا تم مجھے سن سکتے ہو۔“

”جی آقا۔۔۔ فوراً اسی آواز نے مجھے جواب دیا۔ اور خوشی کی ایک لہر  
میرے سارے وجود میں دوڑ گئی۔ آپ میری کیفیت کا اندازہ اس  
طرح سے لگا سکتے ہیں کہ میں نے کبھی زندگی میں کسی سے اپنی ذات  
کے لئے کام نہیں لیا تھا۔ غریب ہونے کی وجہ سے خود کو تو دوسروں کا  
غلام تصور کیا تھا مگر کبھی دوسروں کو اپنا غلام بنانیکا تصور ہی نہیں آتا  
تھا۔ اور کہاں اب یہ ایک غیر مرنی طاقت جو ہر وقت میرے سوال کا

جواب دینے کے لئے تیار تھی۔ پھر میں نے کچھ سوچ کر اس سے پھر سوال کرنے شروع کر دئے۔

”یہ سلطنت سولومن کہاں پر ہے۔“

”آقا!۔۔۔ سلطنت سولومن جادو گروں اور جنوں کی مشترکہ سلطنت

ہے جو ساری دنیا پر محیط ہے۔ یہ آپکی دنیا جیسی ہی ہے مگر فرق صرف

اتنا ہے کہ آپ کی دنیا اس سلطنت کو نہیں دیکھ سکتی اور ہماری سلطنت

کے باسی آپ کی دنیا کو نہیں دیکھ سکتے۔“ اسی آواز نے جواب دیا۔

میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔

”کیا تمہارا کوئی نام بھی ہے اے غلام!“ اچانک میں نے پوچھا

کیونکہ بار بار غلام پکارنا مجھے بالکل اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

”جی آقا!۔۔۔ میرا نام آیان ہے۔“ اسی آواز نے جواب دیا۔

”اچھا تو تم انسان ہو یا جن“ میں نے اگلے سوال کیا۔



”آقا!۔۔۔ میں ایک جن ہوں۔“ آیان نے جواب دیا۔

اب میری سمجھ میں آیا کہ وہ ایک جن ہے اور اسی لیے اس کے پاس اتنی طاقتیں تھیں کہ ایک بڑھے اڑدھے کو اٹھا کر زمین پر دے مارا۔ اچانک مجھے ایک سوال یاد آیا۔ سب سے اہم سوال۔ آخر وہ میرا غلام کیسے بنا۔

”آیان!۔۔۔ مجھے معلوم ہے کہ انسان جنات کو اپنا غلام بناتے ہیں اور اس کام کے لئے وہ چلے اور پتہ نہیں کون کون سے عمل کرتے ہیں۔ مگر میں نے کبھی کوئی ایسا عمل نہیں کیا۔ پھر تم میرے غلام کیسے بنے“ میں نے سوال پوچھا۔

”آقا!۔۔۔ مجھے آپ کی غلامی میں آپکی والدہ نے دیا تھا آپکی

پیدائش کے وقت۔“ آیان کے جواب نے مجھے حیران کر دیا۔

”میری والدہ نے؟“ میں نے حیران ہو کر پوچھا۔ ”مگر مجھ سے تو

میری ماں نے کبھی اس کا ذکر نہیں کیا۔“

”وہ اس لئے کہ بد قسمتی سے ان کو آپ سے بولنے سے پہلے ہی آپ کے

دشمنوں نے مار دیا۔“ آیان نے سادہ سے لہجے میں میرے اوپر ایک

ایٹم بم پھینک دیا۔

”یہ تم کیا کہہ رہے ہو!“ میں نے حیرت زدہ لہجے میں کہا۔ ”خدا کے

فضل و کرم سے میری ماں زندہ ہے تم کس کی بات کر رہے ہو۔“

”آقا!۔۔۔ میں آپ کی اصل والدہ کی بات کر رہا ہوں جنہوں نے

آپ کو جنم دیا۔ یہ والدین جو آپ کو پال پوس رہے ہیں یہ آپ کے

اصل والدین نہیں ہیں۔ انہوں نے تو آپ کو گود لیا تھا۔ برکت علی شاہ

صاحب کے توسط سے۔“ آیان نے کہا اور مجھے اپنے دماغ کی

چولیس ہلتی ہوئی محسوس ہوئی۔ میری ہمت نہیں پڑ رہی تھی کہ میں کوئی

اور سوال پوچھتا۔ بس اپنے آپ میں گم صم سا تھا۔

کافی دیر تک میں گم صم سا رہا۔ اتنے میں مجھے ماں کی آواز سنائی دی  
”بیٹا!۔ کھانا تو کھا لو۔“ ماں نے بڑی شفقت سے کہا۔

کیا یہ میری ماں نہیں ہے؟ میں نے اپنے آپ سے سوال کیا۔  
نہیں۔ یہ اتنی پیار سے مجھے بلارہی ہے کھانے کے لئے۔ یہ کیسے ہو  
سکتا ہے کہ یہ میری ماں نہ ہو۔ کیا کوئی غیر کسی اور کے بچے کو اتنے پیار  
سے بلا سکتا ہے؟

یہی سوچتا ہوا میں کھانا کھانے بیٹھ گیا۔ کھانا کھا کر میں گھر سے باہر نکل  
آیا اور ادھر ادھر گلیوں میں یونہی گھومتا پھرتا رہا۔ جب سورج غروب  
ہونے لگا تو میں نے گھر کی طرف رخ کیا۔ گھر میں اماں اور بابا  
دونوں موجود تھے۔ ٹیلی ویژن پر ایک پسندیدہ پروگرام چل رہا تھا۔ میں  
بھی ان کے ساتھ بیٹھ گیا۔ کچھ دیر کے بعد پروگرام ختم ہو گیا اور بابا  
نے ادھر ادھر کی باتیں شروع کر دیں۔ میں بھی تھوڑا بہت ان کا ساتھ

دیتا رہا مگر اصل بات یہ تھی کہ میں ان سے اپنے بارے میں پوچھنا چاہتا تھا۔ مگر مجھے سمجھ نہیں آتی تھی کہ بات کیسے شروع کروں۔ اچانک اماں نے ہی پوچھ لیا جو کافی دیر سے میرا جائزہ لے رہی تھیں۔

”سلیمان!۔۔۔ کیا بات ہے؟ کچھ گم صم لگ رہے ہو۔ طبیعت تو ٹھیک ہے؟“ ان کی آواز میں فکر نمایاں تھی۔

”جی اماں!۔۔۔ میں ٹھیک ہوں بس ذرا طبیعت بوجھل سی ہے۔ کوئی خاص بات نہیں۔“ میں نے جواب دیا۔ اصل بات یہ تھی کہ مجھے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ بات کیسے کروں۔ کیا ان کو آیان کے بارے میں بتا دوں یا پھر کسی اور طرح سے بات کروں۔

”اچھا چلو میں کھانا بنا دیتی ہوں۔ تم آج جلدی سو جاؤ۔“ اماں نے نصیحت کرتے ہوئے کہا۔ ”اللہ نے چاہا تو صبح تک ٹھیک ہو جاؤ گے۔“



”جی اماں“ میں نے مختصر سا جواب دیا۔

پھر اماں کھانا بنانے چلی گئی اور بابا مجھے دنیا کے بارے میں اپنے تجربات بیان کرتے رہے۔ یہ ان کی عادت تھی۔ وہ میرے بارے میں بہت فکر مند رہتے تھے۔ اس لئے وقتاً فوقتاً مجھے اپنے تجربات بتاتے رہتے تھے تاکہ میں ان سے سیکھ کر ایک اچھی اور کامیاب زندگی کا آغاز کر سکوں۔

کھانا کھا کر میں اماں کی نصیحت پر عمل کرتے ہوئے اپنے بستر پر چلا گیا۔ مگر مجھے نیند کہاں آرہی تھی۔ کچھ دیر سوچتے رہنے کے بعد میں نے آیان سے مزید معلومات حاصل کرنے کا پروگرام بنایا۔

”آیان!۔۔۔ تم موجود ہو؟“ میں نے آیان کو آواز دی۔

”جی آقا“ فوراً ہی آیان کی آواز آئی۔

”مجھے میرے بارے میں کچھ اور بتاؤ۔“ میں نے پوچھا۔



”آپ حکم کریں۔ آقا“۔ آیان نے مودبانہ انداز میں جواب دیا۔

”تم نے بتایا تھا کہ میری ماں کو دشمنوں نے مار دیا۔ وہ دشمن کون تھے اور انہوں نے میری ماں کو کیوں مارا؟“ میں نے سوال کیا۔

”یہ مجھے معلوم نہیں آقا“۔ آیان نے اسی طرح مودبانہ انداز میں جواب دیا۔ ”میں اسی وقت آپ کی والدہ کے پاس آتا تھا جو وہ مجھے یاد کرتی تھیں۔ ایک بار انہوں نے بلایا تو وہ شدید خطرے میں تھیں اور ان کی حالت بھی اچھی نہیں تھی۔ کچھ تو تیں ان کے پیچھے تھیں مگر انہوں نے اپنے گرد حفاظتی حصار کھینچا ہوا تھا۔ مجھے طلب کر کے انہوں نے آپ کو میرے حوالے کیا اور کہا کہ میں آئندہ سے تمہارا غلام اور محافظ رہوں گا۔ پھر انہوں نے کہا کہ میں آپ کو اپنے بزرگ جن سہراب کے پاس لے جاؤں وہی آپ کی پرورش کا کوئی بندوبست کریں گے۔“

”پھر“۔ میں نے آیان کے خاموش ہوتے ہی پوچھا۔

”پھر میں آپ کو لے کر سہراب جن کے پاس گیا۔ انہوں نے آپ کو

شاہ صاحب کے پاس بھیج دیا۔ اور پھر شاہ صاحب نے آپ کو آپ

کے موجودہ والدین کے حوالے کر دیا کیونکہ وہ بے اولاد تھے۔“

آیان نے بات مکمل کرتے ہوئے جواب دیا۔

”یعنی تم میرے ماں باپ کے بارے میں کچھ نہیں جانتے؟“ میں

www.pdfbooksfree.pk

نے دوبارہ اپنے مطلب کا سوال کیا۔

”آپ کے والد کو تو بالکل بھی نہیں۔“ آیان نے کہا ”ہاں آپ کی

والدہ کو میں جانتا تھا کیونکہ انہوں نے مجھے قید کر کے اپنا غلام بنایا

تھا۔ کبھی کبھی وہ مجھے بلا کر اپنے کچھ کام کروایا کرتی تھیں۔ بس اس

سے زیادہ مجھے کچھ نہیں معلوم۔“

”تو مجھے کون میرے اپنے بارے میں بتا سکتا ہے؟“ میں نے بیچارگی

کے عالم میں پوچھا۔

”میں معذرت خواہ ہوں آقا مگر اس سلسلے میں میں کچھ مدد نہیں کر

سکتا۔“ آیان نے صاف جواب دیتے ہوئے کہا۔

میں سمجھ گیا کہ آیان کے پاس شاید مزید کچھ بتانے کے لئے نہیں

ہے۔ اس لئے پھر میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ کچھ دیر ان نئی

معلومات کے بارے میں سوچتا رہا اور مزید الجھتا گیا۔ آخر میں نے

تمام سوچوں کو دماغ سے نکالا اور سب کچھ بھول کر سونے کی کوشش

کرنے لگا۔ کچھ دیر کی کوشش سے آخر کار مجھے نیند آ ہی گئی۔

اگلی صبح اٹھ کر روٹین کے مطابق کالج اٹینڈ کیا پھر واپس آ کر میں نے

شاہ جی کو ملنے کا پروگرام بنایا۔ کھانا کھا کر میں شاہ جی کے مدرسے کی

طرف نکل پڑا۔ شاہ جی حسب معمول درس میں مصروف تھے۔ مجھے

دیکھ کر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ کچھ دیر کے بعد وہ فارغ ہو کر میرے پاس



آئے۔

”کیا بات ہے سلیمان۔ آج اس وقت پر کیسے آنا ہوا۔ تم تو جانتے ہو کہ یہ وقت میرے درس کا ہوتا ہے۔“ انہوں نے پیار بھرے انداز میں پوچھا۔

”میں جانتا ہوں شاہ جی! اور بے وقت تکلیف دہی کے لئے معذرت خواہ ہوں۔“ میں نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا۔ ”مگر بات ہی کچھ ایسی تھی کہ میں انتظار نہ کر سکا۔“

”کوئی بات نہیں بیٹا!“ شاہ جی نے اسی پیار بھرے لہجے میں کہا۔ ”میں تو اس لیے کہہ رہا تھا کہ اس وقت میری مصروفیت کی وجہ سے تمہیں ناحق انتظار کی کوفت اٹھانا پڑتی ہے۔“

”نہیں شاہ جی!۔۔۔ مجھے کوئی کوفت نہیں ہوتی بلکہ اس نورانی ماحول میں آکر خوشی ہوتی ہے۔“ میں نے جواب دیا۔

کچھ دیر ہم دونوں خاموش رہے اور پھر میں نے ہی اپنی بات کی ابتداء کی۔

”شاہ جی!۔۔۔ آ پکو تو معلوم ہے کہ میرا ایک اندیکھا محافظ ہے۔ میں اتفاق سے اس کے ساتھ مخاطب ہو گیا۔ پھر اس نے مجھے بتایا کہ وہ ایک جن ہے۔ مگر میری یہاں پر حاضری کا مقصد کچھ اور معلومات ہیں جو اس نے مجھے دی ہیں میرے اپنے متعلق۔“

جن کے تذکرے پر شاہ جی چونک پڑے۔

”کیا معلومات دی ہیں؟“ انہوں نے اشتیاق سے پوچھا۔

”شاہ جی کیا میں رحمت بابا کا بیٹا نہیں ہوں؟“ میں نے وہ سوال کر ہی دیا جو بہت دیر سے بچل رہا تھا۔

شاہ جی کچھ دیر سوچتے رہے اور پھر کہنے لگے۔

”کیا تمہیں یہ اس جن نے کہا ہے؟“ انہوں نے پوچھا



”جی ہاں!“ میں نے جواب دیا۔

”مجھے معلوم تھا کہ ایک نہ ایک دن یہ راز کھل جائے گا۔“ انہوں نے کہا۔ ”مگر میں رحمت علی کے ساتھ وعدے کی وجہ سے چپ تھا۔ یہ اس کی خواہش تھی کہ میں خود تمہیں کچھ نہ بتاؤں بلکہ اس دن کا انتظار کروں جس دن تمہیں خود ہی کسی اور واسطے سے اس کا پتہ چل جائے۔“

پھر کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد وہ بولے۔

”یہ آج سے کچھ پندرہ بیس سال پہلے کی بات ہے کہ میں شیخ تبریزی صاحب کے پاس ایک شرعی مسئلے پر ریسرچ کے سلسلے میں گیا ہوا تھا۔ میری عادت تھی کہ میں روزانہ عصر کی نماز کے بعد مسجد کے ایک کونے میں بیٹھ کر درس قرآن دیا کرتا تھا۔ ایک دن مجھے شیخ صاحب نے بتایا کہ ایک جن بھی میرا درس سنتا ہے اور مجھ سے ملاقات کا خواہشمند ہے۔ پہلے تو میں کچھ ڈرا مگر جب شیخ صاحب نے حوصلہ دیا کہ وہ ایک

شریف جن ہے تو میں اس کے ساتھ ملاقات پر آمادہ ہو گیا۔ وہ جن اگلے دن مجھ سے انسان کے روپ میں ملا۔ ملتے ہی اس نے میری تعریفیں کیں اور درخواست کی کہ میں اسے اپنی مریدی میں لے لوں۔ مگر اس وقت تک مجھے مرید کرنے کی اجازت میرے استاد محترم سے نہیں ملی تھی اس لئے میں نے معذرت کر لی۔ مگر وہ جن جس نے اپنا نام سہراب بتایا تھا اکثر میرے پاس آتا رہا۔ کبھی وہ میرے درس میں انسانی روپ میں آ جاتا اور کبھی اکیلے میں کوئی شرعی مسئلہ پوچھنے۔ ایک بار وہ میرے پاس آیا تو اس کی گود میں تم ایک نوزائیدہ بچے کی صورت میں تھے۔ اس نے مجھے بتایا کہ تم ایک شریف اور اعلیٰ خاندان کے چشم و چراغ ہو مگر اس وقت مشکلات کا شکار ہو۔ کچھ بہت بڑی اور خطرناک قوتیں تمہاری جان کے در پر ہیں۔ اس لئے وہ یہ چاہتا ہے کہ میں اس کی پرورش کا ذمہ لے لوں یا پھر کسی کے سپرد کر دوں۔

سہراب کا کہنا تھا کہ وہ اس کی پرورش خود نہیں کر سکتا کیونکہ ان قوتوں کو اس کے بارے میں پتہ چل جائے گا۔ یہ ضروری ہے کہ تمہیں کوئی عام انسان ہی پالے اور بالکل عام انسانوں کی طرح۔“

اتنا کہہ کر شاہ جی پھر سانس لینے کے لئے رکے۔ پھر دوبارہ بولے۔  
”چونکہ تمہاری جان کو خطرہ تھا اور کسی کی جان بچانا ثواب اور رضائے الہی کا سبب بنتا ہے اس لئے میں نے یہ ذمہ داری قبول کر لی۔ انہی دنوں رحمت علی میرے پاس بہت زیادہ آیا کرتا تھا کیونکہ اس کے شادی کو دس سال کا عرصہ ہو گیا تھا مگر کوئی اولاد نہیں تھی۔ ڈاکٹروں نے بھی کوئی حوصلہ افزا بات نہیں کی تھی۔ اس لئے اس کی خواہش تھی کہ وہ کوئی بچہ گود لے لے۔ مگر وہ چاہتا تھا کہ اس سلسلے میں میں ان کی کچھ مدد کروں۔ تمہاری ذمہ داری لیتے ہی مجھے اس کا خیال آ گیا اور میں نے اسے بلا کر تم کو ان کے حوالے کر دیا۔ رحمت علی کو ساری بات



میں نے بتا دی تھی۔ اور یہ اس کی خواہش تھی کہ ہم خود تم کو کچھ نہ بتائیں۔ جب وقت خود ہی تم کو اس بات سے آگاہ کر دے گا تو دیکھا جائے گا۔“ شاہ جی نے مکمل تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

”تو اس کا مطلب ہے کہ میرا محافظ جن آیان ٹھیک کہتا ہے۔“ میں نے پر خیال انداز میں کہا۔

”میں اس جن کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔“ شاہ جی نے کہا۔

”اچھا تو کیا آپ اس جن کو بلا سکتے ہیں جو مجھے آپ کے پاس چھوڑ کر گیا تھا؟“ میں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ”لگتا ہے کہ وہ میرے والدین کے بارے بہت کچھ جانتا ہے۔“

”افسوس!۔۔۔ وہ جن سہرا اب اس دن کے بعد پھر کبھی نہیں آیا۔“

شاہ جی نے بتایا۔ ”مجھے خود تمہارے بارے میں جاننے کا تجسس تھا مگر اس دن کے بعد وہ جن کبھی مجھے ملنے کے لئے نہیں آیا۔ ہو سکتا ہے کہ

وہ اس خیال سے نہ آیا ہو کہ تمہارے دشمن تم تک نہ پہنچ جائیں۔“ شاہ جی نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

”شاہ جی!۔۔۔ میں تو ایک بندگلی میں آ گیا ہوں نا۔ مجھے بتائیں میں کیا کروں؟“ میں نے افسردہ لہجے میں کہا۔ ”مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ میں اپنے ہی گھر میں اپنا پتہ بھول گیا ہوں۔“

”بیٹا!۔۔۔ میں تمہارے احساسات سمجھ سکتا ہوں۔ مگر تمہیں صبر سے کام لینا ہوگا۔ دیکھو رحمت علی نے تمہیں کس پیار سے پالا ہے۔ کیا کبھی انہوں نے تمہیں احساس ہونے دیا کہ تم ان کی اپنی اولاد نہیں ہو؟“ انہوں نے پیار بھرے انداز میں پوچھا۔

”نہیں شاہ جی!۔۔۔ اب اصل حقیقت جان کر میں کچھ اور بھی ان کا ممنون ہوں کہ انہوں نے مجھے اپنے اصل بیٹے کی طرح پیارا اور محبت کے ساتھ پالا ہے۔“ میں نے جواب دیا۔ ”مگر میں ان خیالات کا



کیا کروں جو مجھے اندر ہی اندر کھائے جا رہے ہیں کہ آخر میں کون ہوں اور میرے ماں باپ کون تھے۔ میری ماں کو دشمنوں نے کیوں مارا؟“

”میرا مشورہ ہے کہ کچھ دیر انتظار کرو۔ وقت تمہیں ان سب سوالات کا جواب دے دے گا۔“ شاہ جی نے حسب معمول مجھے صبر کی تلقین کرتے ہوئے کہا۔

میں جانتا تھا کہ یہ وقت شاہ جی کے درس کا ہے اس لیے ان کا زیادہ وقت نہ لینے کا فیصلہ کرتے ہوئے میں اٹھ کھڑا ہوا۔

”اچھا شاہ جی مجھے اجازت دیجئے۔ میں نے پہلے ہی آپ کا بہت سا وقت لے لیا۔“ میں نے کہا۔

”کوئی بات نہیں بیٹا!۔۔۔ مجھے خوشی ہوگی اگر میں تمہارے کسی کام آ

سکوں۔“ انہوں نے اسی طرح پیار بھرے لہجے میں کہا۔ اور میں

اجازت لے کر واپسی کے لئے چل پڑا۔

گھر آنے کو میرا دل نہیں کر رہا تھا۔ میں نے اپنا رخ سمندر کی طرف کیا اور پیدل ہی تقریباً ایک گھنٹہ چلنے کے بعد کلفٹن پہنچ گیا۔ راستہ تو مجھے زبانی ہی یاد تھا۔ سمندر کے کنارے پہنچ کر میں نرم اور گیلی ریت پر بیٹھ گیا۔ میرا ذہن سوچوں کے بھنور میں پھنسا ہوا تھا۔ ان سوچوں سے پیچھا چھڑانے کے لئے میں نے آیان کو آواز دی۔

”آیان۔“

”جی آقا۔“ اسی وقت آیان نے جواب دیا۔

”میرے ساتھ باتیں کرو۔ کچھ اور بتاؤ میرے بارے میں۔“ میں نے کہا۔

”آقا۔ میں حکم کا غلام ہوں۔“ آیان نے مودبانہ انداز میں جواب دیا۔ ”آپ حکم کریں جو بھی میرے علم میں ہوا میں آپ کو بتاؤں گا۔“

”کیا تم میرے اصل ماں باپ کے بارے میں کچھ جانتے ہو؟“

میں نے پھر وہی سوال دہرا دیا۔

”آقا جو کچھ جانتا تھا پہلے ہی آپ کے گوش گزار کر چکا ہوں۔“

آیان نے اسی طرح مودبانہ انداز میں جواب دیا۔

”اچھا تو کچھ اپنے بارے میں بتاؤ۔“ میں نے ایسے ہی موضوع

بدلنے کے لئے کہا۔

”میرے بارے میں کیا جاننا چاہیں گئے آپ؟“ آیان نے الٹا مجھے

سے سوال کر دیا۔

”یہی کہ تم کون ہو، تمہاری فیملی کونسی ہے وغیرہ وغیرہ۔“ میں نے

پوچھا

”آقا!۔۔ یہ تو آپ جانتے ہیں کہ میں ایک جن ہوں۔ میرے ماں

باپ بھی عام سے جنات ہیں۔ آج سے پندرہ سولہ سال پہلے جبکہ

میری شادی عاقلہ سے طے ہو گئی تھی اور شادی کا دن بہت قریب تھا  
ایسے میں آپ کی والدہ نے مجھے بلا کر آپ کی غلامی میں دے  
دیا۔ تب سے میں آپ کے ساتھ ہوں۔“ آیان نے افسردہ لہجے  
میں تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

”اوہ۔۔۔ تو میری وجہ سے تمہاری شادی بھی رہ گئی۔“ میں نے بھی  
افسردگی سے کہا۔ ”میری وجہ سے بہت سوں نے نقصان اٹھایا ہے۔  
میری ماں اپنی جان سے گئی اور تم اپنے شادی سے۔“

آیان نے کچھ جواب نہیں دیا۔ ایک بار تو میرے دل میں آیا کہ میں  
اسے آزاد کر دوں مگر پھر تا شوبابا والا واقعہ یاد کر کے میں نے اپنا ارادہ  
ترک کر دیا۔ میں آیان کی مدد سے بہت سوں کو مشکلات سے نجات دلا  
سکتا تھا۔ پھر اچانک مجھے سہراب جن کا خیال آ گیا۔

”اچھا کیا تم سہراب جن کو بلا سکتے ہو؟“ میں نے سوال کیا۔



”نہیں آقا!۔۔ پہلی بات تو یہ کہ وہ بزرگ جن ہے اور دوسری بات یہ کہ اس کی طاقت میرے سے کم از کم دس گنا زیادہ ہے۔ ویسے بھی وہ بہت سے جادوئی عمل جانتا ہے۔ اسے زبردستی بلانا میرے بس کی بات نہیں۔“ آیان نے جواب دیا۔

”میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ میں کہنا چاہتا تھا کہ تم ان کو بتا دو کہ میں وہی لڑکا ہوں جسے انہوں نے شاہ جی کی تحویل میں دیا تھا اور اب میں بڑا ہو گیا ہوں اور اپنے والدین کے بارے میں جاننے کا خواہشمند ہوں۔ مجھے امید ہے کہ وہ میری مدد ضرور کریں گے۔“ میں ذرا تفصیل سے اپنا مقصد بتاتے ہوئے کہا۔

”اس کے لئے مجھے ان کی خدمت میں جانا ہوگا۔“ آیان نے کہا۔

”اگر آپ اجازت دیں تو میں ہواؤں؟“

”ہاں ضرور۔“ میں نے فوراً اجازت دیتے ہوئے کہا۔



”آقا!۔۔۔ اگر آپ برانہ منائیں تو ایک درخواست کروں؟“

آیان نے مودبانہ لہجے میں کہا۔

”ہاں ضرور۔۔۔ بولو کیا بات ہے۔؟“ میں نے چونک کر پوچھا۔

”مجھے اپنے ماں باپ دوستوں اور رشتے داروں سے ملے پندرہ سولہ

سال ہو چکے ہیں۔ اگر آپ اجازت دیں تو کچھ دیر کے لئے ان سے

مل آؤں“ آیان نے عاجزی سے بھرپور آواز میں سوال کیا۔

”ہاں ہاں۔۔۔ ضرور۔“ میں نے فوراً ہی اسے اجازت دیتے

ہوئے کہا کیونکہ مجھے شرمندگی محسوس ہو رہی تھی کہ میری حفاظت کی وجہ

سے وہ اپنے خاندان سے دور رہا۔

”ٹھیک ہے آقا!۔۔۔ میں دو دن تک واپس آ جاؤں گا۔“ آیان نے

کہا۔ ”اگر اس دوران آپ کو میری ضرورت پڑے تو آپ ایک دفعہ

سورۃ جن پڑھ کر مجھے میرے نام سے آواز دیجئے گا۔ میں جہاں بھی

ہوا آپ کی آواز سن سکوں گا اور فوراً واپس حاضر ہو جاؤں گا۔“  
”یہ ٹھیک ہے۔۔۔ ویسے اس کی امید کم ہی ہے مگر یہ اچھا کیا تم نے کہ  
اپنے بلانے کا عمل مجھے بتا دیا۔“ میں نے اس عمل کو ذہن نشین کرتے  
ہوئے کہا۔

”اچھا آقا!۔۔۔ میں جا رہا ہوں سولہ سال بعد اپنے ماں باپ کے  
پاس۔۔۔ خدا حافظ“ آیان نے کہا اور پھر شاید وہ چلا گیا۔ چونکہ میں  
اس کو دیکھ تو سکتا نہیں تھا اس لئے بس اندازہ ہی تھا کہ وہ چلا گیا ہوگا۔  
میں بھی گھر کی طرف چل پڑا۔ آیان کی کہانی سن کر مجھے اپنا غم کچھ ہلکا  
ہلکا سا لگنے لگا تھا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اپنے اصل ماں باپ کے بارے میں جاننے  
کی میرے خواہش قدرتی تھی مگر حقیقت یہ تھی کہ اپنی اصل ماں کو  
کھونے کا مجھے کچھ خاص دکھ نہیں تھا کیونکہ اللہ نے ویسی ہی مجھے ایک

اور ماں دے دی تھی جس نے آج تک مجھے اصل ماں کی کبھی کمی محسوس نہیں ہونے دی۔ اسی طرح سے رحمت بابا کی شکل میں میرا بابا میرے پاس تھا۔ مجھے کسی اور ماں بابا کو تلاش کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ ویسے بھی اگر میرے اصل بابا کو میری فکر ہوتی تو شاید وہ میری ماں کی بھی حفاظت کر لیتے اور مجھے بھی ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔ یا کم از کم میری ماں کی وفات کے بعد مجھے تلاش تو کر سکتے تھے۔ پتہ نہیں کیوں انہوں نے مجھے تلاش نہیں کیا۔

انہی سوچوں میں گم میں گھر پہنچ گیا۔ آج مجھے اپنی ماں اور بابا پر بہت پیار آ رہا تھا۔ میں نے بہت سا وقت ان کے ساتھ باتیں کرنے میں گزارا۔ وہ بھی بہت خوش تھے۔ اگلے دن ایک اور خاص واقعہ ہو گیا۔ ہوائیوں کہ میں ابھی کالج کے لئے تیار بھی نہیں ہوا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ بابا نے دروازہ کھولا تو باہر سے کسی نے پوچھا۔



”یہ چھوٹی سرکار کا گھر ہے جی۔“ پوچھنے والا کوئی ادھیڑ عمر شخص تھا۔

”کون چھوٹی سرکار؟“ بابا نے حیرت زدہ لہجے میں پوچھا۔

”وہی جو سمندر پر آئے تھے اور انہوں نے تاشو بابا کو مار بھگایا تھا۔“

پوچھنے والے نے کچھ تفصیل بتاتے ہوئے پوچھا۔

بابا چونکہ اس سارے واقعہ سے لاعلم تھے اس لئے انہوں نے جواب

دیا۔

”بھائی!۔۔۔ آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ یہاں ایسی کوئی چھوٹی سرکار

وکار کی رہائش نہیں ہے۔“

وہ شخص کچھ دیر اصرار کرتا رہا مگر پھر چلا گیا۔ بابا نے دروازہ بند کیا

اور دوکان پہ جانے کی تیاری کرنے لگے۔ میں نے یہ ساری بات سن

لی تھی اور حیران بھی تھا کہ یہ کون آگیا جو مجھے نا صرف جانتا ہے بلکہ

میرے اس واقعہ سے باخبر ہے جو میری دانست میں بہت دور ایک

ایسے علاقے میں ہوا تھا جہاں مجھے کوئی نہیں جانتا تھا۔

میں تیار ہو کر کالج کے لئے نکل پڑا۔ ابھی میں اپنی گلی کی نلڑ پر ہی پہنچا تھا کہ اچانک ایک آواز نے میرا سائیکل روک لیا۔

”چھوٹی سرکار!۔۔۔ مہربانی کر کے میری عرض سن لیں۔“ وہی آواز تھی اور ایک ادھیڑ عمر شخص کھڑا مجھے لجا جت سے پکار رہا تھا۔

”کیا بات ہی بھائی صاحب؟“ میں نے ان کے پاس جا کر پوچھا۔  
”چھوٹی سرکار!۔۔۔ میں بہت مشکل میں ہوں اور میں جانتا ہوں کہ میری مشکل کا حل صرف آپ کر سکتے ہیں اس لئے میں پوچھتا پوچھتا آپ کے در پر حاضر ہوا ہوں۔ مجھ بد بخت پر رحم کریں۔“ اس نے انتہائی مودبانہ انداز میں ہاتھ باندھ کر کہا۔

ارد گرد کے لوگ حیرت سے ہمیں دیکھ رہے تھے۔ میں نے جب یہ محسوس کیا تو فوراً وہاں سے چلتے ہوئے کہا۔



”اچھا آئیے کسی جگہ بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔“

وہاں سے قریب ہی ایک چھوٹا سا باغ تھا۔ میں نے اپنا رخ اسکی طرف کر دیا۔ وہ شخص چپ چاپ میرے ساتھ چلتا گیا۔ جب ہم باغ میں پہنچ گئے تو ایک جگہ زمین پر بیٹھتے ہوئے میں نے پوچھا۔

”ہاں اب بتائیے کہ آپ مجھے کیوں ڈھونڈ رہے تھے اور آپ کو

میرے گھر کا پتہ کہاں سے ملا۔“

”سرکار میں اس دن وہیں کلفٹن پر تھا جب آپ نے ماشو بابا کے چھکے چھڑائے تھے۔“ اس شخص نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔ ”میں بھی اپنی غرض کی خاطر گیا تھا مگر میری باری آنے سے پہلے ہی آپ آ گئے اور پھر سب کچھ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ اس دن تو ہم لوگ بہت خوفزدہ تھے اس لئے فوراً بھاگ گئے۔ مگر بعد میں سوچا کہ آپ کو تلاش کر کے آپ کے پاؤں پکڑے جائیں تاکہ آپ ہی اس

مشکل وقت پر ہماری مدد کریں۔“

”آپکا مسئلہ کیا ہے؟“ میں نے پوچھا ”اگر میں کوئی مدد کر سکا تو

ضرور کروں گا۔“

”سرکار!۔۔۔ میری چھوٹی بیٹی بارہ سال کی ہے۔ کچھ عرصے سے اس

پر سایہ ہے۔ وہ بیٹھے بیٹھے عجیب سی حرکتیں شروع کر دیتی ہے۔ کبھی

کبھی اس میں اتنی طاقت بھی آجاتی ہے کہ بڑی بڑی وزنی چیزیں

یوں اٹھا لیتی ہے جیسے ان کا وزن ایک تینکے سے زیادہ نہ ہو۔ بہت

ڈاکٹروں کو دکھا چکے ہیں مگر کوئی افاقہ نہیں ہوا۔ پھر ایک ڈاکٹر نے

مشورہ دیا کہ کسی بزرگ یا عامل کے پاس جایا جائے۔ ہم نے بہت

بزرگوں اور عاملوں کو بھی دکھایا ہے۔ پچھلے ایک ماہ سے انہی چکروں

میں ہیں مگر کوئی فرق نہیں پڑا۔ بلکہ اب وہ مسلسل اسی حالت میں

رہنے لگی ہے۔ ہم اس کو ایک کمرے میں بند کر کے رکھتے ہیں تاکہ وہ

کسی کو نقصان نہ پہنچا سکے۔“ اس آدمی نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔  
”آپ کا نام کیا ہے۔“ اچانک مجھے یاد آیا کہ میں تو اس کا نام بھی نہیں  
جانتا۔

”مجھے سلطان علی کہتے ہیں۔“ اس نے اپنا نام بتاتے ہوئے کہا۔  
”سلطان علی صاحب!۔۔۔ بات یہ ہے کہ میں کوئی بزرگ یا عامل  
نہیں ہوں۔ بس ایک ذریعے سے مجھے ایک طاقت حاصل ہو گئی ہے  
مگر ابھی میں خود بھی اس کے استعمال سے ناواقف ہوں۔ مجھے دو دن  
کا وقت دو۔ پھر میں چل کر تمہارے گھر جاؤں گا اور جو بھی مجھ سے ہو  
سکا میں کروں گا۔“ میں نے اسے حقیقت حال سے آگاہ کرتے  
ہوئے کہا۔ مجھے جھوٹ اور بناوٹ سے سخت نفرت تھی۔ آیان کا  
تعارف میں نے اس لئے نہیں کروایا تھا کہ کہیں سلطان صاحب گھبرا  
نہ جائیں۔



”جو حکم سرکار کا“ سلطان علی نے عاجزی سے کہا۔ ”میری خواہش تو یہی تھی کہ جتنی جلدی ہو سکے آپ اس کے علاج کے لئے وقت نکال لیتے۔ باقی نذرانے کی آپ بالکل پرواہ نہ کیجئے گا۔ اللہ کا دیا بہت کچھ ہے میرے پاس۔“

”نذرانے کی مجھے کوئی حاجت نہیں ہے۔“ میں نے فوراً ہی اس کی تصحیح کرتے ہوئے کہا۔ ”میں یہ کام اگر کروں گا تو خالصتاً نیکی سمجھ کر۔ مجھے اس میں کوئی لاچ نہیں ہے۔“

”سبحان اللہ۔ اللہ آپ کو اس کی جزا دے۔“ اس نے اسی عاجزی سے کہا۔

”آپ ایسا کریں پرسوں تشریف لے آئیے گا۔“ میں نے کہا۔ ”مگر آپ ظہر کی نماز کے بعد آئیے گا کیونکہ بابا اس وقت دوکان پر ہوتے ہیں اور میں ان کو ابھی اس چکر میں نہیں لانا چاہتا۔“

”جو حکم سرکار کا۔“ سلطان علی نے کہا اور جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔

اس کے جانے کے بعد میں روٹین کے مطابق کالج گیا۔ وہ دن اور

اس سے اگلے دن بھی بغیر کسی خاص بات کے گزر گیا۔ تیسرے دن

آیان واپس آ گیا۔ صبح جب میں ناشتہ کر رہا تھا تو اس نے مجھے کان

میں بتایا کہ وہ واپس آ گیا ہے۔ چونکہ مجھے سہراب جن سے ملنے کا

بہت انتظار تھا اس لئے میں جلدی سے کالج جانے کے بہانے باہر نکلا

اور اسی باغ میں جا کر بیٹھ گیا جہاں میری ملاقات سلطان علی سے ہوئی

تھی۔

”آیان!۔۔۔ مجھے جلدی سے بتاؤ کہ کیا سہراب جن نے ملنے کے

لئے آمادگی ظاہر کی یا نہیں۔“ میں نے فوراً ہی پوچھا۔

”آقا!۔۔۔ سہراب جن کو کسی نے پندرہ سال پہلے قتل کر دیا۔“

آیان نے افسردہ لہجے میں کہا۔



”کیا؟“ میں ہکا بکارہ گیا۔

”جی آقا!“ آیان نے کہا۔ ”میری معلومات کے مطابق جب وہ آپ کو چھوڑ کر واپس گیا تو اس سے ایک دو دن کے بعد ہی کسی بہت ہی طاقتور جن یا انسان نے اس کو مار دیا۔ اس پر بہت تشدد بھی کیا گیا تھا۔ لیکن شاید اس نے آپ کا پتہ نہیں بتایا ورنہ شاید آپ محفوظ نہ رہ سکتے۔“

میں سکتے میں آ گیا۔ آخر میرے میں ایسی کیا خاص بات ہے کہ میرے لئے اتنے جھگڑے ہو گئے۔ میں نے آیان سے یہ بھی سوال کر دیا۔

”آیان!۔۔۔ میں بہت حیران ہوں کہ آخر میری وجہ سے یہ سب کچھ کیوں ہوا۔ میری ماں کو بھی مارا گیا اور اب یہ سہراب جن کا بھی پتہ چلا ہے۔ یوں لگتا ہے کہ کوئی میرا بہت ہی بڑا دشمن ہے۔ مگر کیوں۔“

میں نے کسی کا کیا بگاڑا ہے؟ یہ سب تو میری ہوش سے بھی پہلے کے واقعات ہیں۔“

”آقا!۔۔۔ اس بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ ہاں یہ ضرور کہہ سکتا ہوں کہ ہو سکتا ہے کہ آپ کے دشمنوں کی دشمنی آپ کی بجائے آپ کے والد یا پھر آپ کی والدہ کے ساتھ ہو۔ آپ کے سارے خاندان کو ختم کرنے کی کوشش میں وہ آپ کے پیچھے پڑے ہوں۔“

”ہاں!۔۔۔ یہ زیادہ موضوع وجہ معلوم ہوتی ہے۔“ میں نے سوچتے ہوئے کہا۔ پھر سلطان علی کے بارے میں سوچتے ہوئے میں نے پوچھا۔

”آیاں!۔۔۔ یہ بتاؤ کہ کیا تم کسی انسان پر سے کسی جن یا کسی اور مخلوق کے سایے کو ختم کر سکتے ہو؟“

”آقا!۔۔۔ اس بات کا انحصار اس قابض مخلوق کی طاقت پر ہے۔“

آیان نے جواب دیا۔ ”اگر وہ مجھ سے زیادہ طاقت ور ہوا تو پھر میں کچھ نہیں کر سکوں گا۔ ہاں اگر وہ زیادہ طاقت ور نہ ہوا تو میں یہ کام آسانی سے کر لوں گا۔“

”اچھا چلو چل کر دیکھ لیں گے۔ آج ظہر کے بعد کسی کے ہاں چلنا ہے جس کی بیجاری بارہ سالہ بیٹی کو کسی نے اپنے قبضے میں لیا ہوا ہے۔“

میں نے آیان کو اس کے بارے میں بتاتے ہوئے کہا۔

”اچھا مجھے یہ بتاؤ کہ تمہاری اپنے خاندان سے ملاقات کیسی رہی؟“

مجھے اچانک ہی یاد آیا کہ وہ تو اپنے گھر والوں کو ملنے گیا ہوا تھا۔

”آقا!۔۔۔ گھر والے سب اچھے تھے ہاں وہ عاطقہ ہاتھ سے گئی۔“

میرے واپس نہ آنے کی وجہ سے اس نے کسی اور جن کے ساتھ شادی کر لی۔“ آیان نے افسردہ لہجے میں کہا۔ ”میں بھی اپنے مالک کے حکم سے مجبور تھا ورنہ کبھی اس کو ہاتھ سے جانے نہ دیتا۔“



”مجھے افسوس ہے کہ میری وجہ سے تمہارا بھی نقصان ہوا۔“ میں نے اس کے ساتھ افسوس کرتے ہوئے کہا۔ ”میں منحوس ہی پیدا ہوا ہوں۔ جس کے بھی ساتھ لگتا ہوں وہ مشکلات کا شکار ہو جاتا ہے یا پھر اپنی جان سے جاتا ہے۔“

آیان خاموش ہی رہا۔ ظاہر ہے میں سچ ہی کہہ رہا تھا مگر شاید غلام ہونے کے ناطے وہ اپنی زبان سے یہ بات نہیں کہہ رہا تھا۔

”اچھا!۔۔ مجھے بتانا اگر میں تمہارے کسی کام اگر آسکوں تو میں کوشش کروں گا کہ تمہارے نقصان کا کچھ ازالہ کر سکوں۔“ میں نے کچھ سوچ کر کہا۔

”کوئی بات نہیں آقا!۔۔ یہ تو میری قسمت ہے۔ ہاں اگر ہو سکے تو اس وقت مجھے آزاد کر دیجئے گا جب آپکو محسوس ہو کہ آپ اپنی حفاظت خود کر سکتے ہیں۔“ آیان نے اسی طرح عاجزی سے کہا اور مجھے بڑی

شرمندگی محسوس ہوئی کہ میں نے اپنی وجہ سے اس کو مجبور کیا ہوا ہے۔  
ایک بار تو میرے دل میں آئی کہ میں اس کو آزاد کر دوں مگر پھر یہ سوچ  
کر رک گیا کہ ابھی اپنے بارے میں تو جان لوں پھر اندازہ کر سکوں گا  
کہ مجھے اس کی ضرورت ہے بھی کہ نہیں۔ وہ دشمن جنہوں نے میری  
والدہ کو اور پھر سہراب جیسے طاقتور جن کو قتل کر دیا ان کے لیے میں  
اکیلا ایک تنکے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ آیان کی وجہ سے ہو سکتا  
ہے کہ کچھ بچاؤ کر سکوں۔ یہی سوچتے ہوئے میں کالج چلا گیا۔ کالج  
میں روٹین کے مطابق وقت گزرا۔ واپس آ کر ابھی میں نے کھانا ختم  
ہی کیا تھا کہ سلطان علی پہنچ گیا۔ میں نے اماں کو یہی بتایا کہ ایک  
دوست کے ساتھ جا رہا ہوں اور پھر میں سلطان علی کے ساتھ چل  
پڑا۔ میرے گھر سے کچھ فاصلے پر اس کی اپنی کار کھڑی تھی۔ اس سے  
مجھے اندازہ ہوا کہ سلطان علی کافی کھاتے پیتے گھرانے سے ہے۔



تقریباً آدھے گھنٹے کی ڈرائیو کے بعد ہم ان کے گھر پہنچ گئے۔ گھر کیا تھا ایک زبردست کوٹھی تھی۔ ملازموں کی ریل پیل اور بہت ہی قیمتی سامان سے مزین۔ مجھے ڈرائنگ روم میں بیٹھا دیا گیا اور پھر ایک بہت ہی لذیذ جوس کے ساتھ میری تواضع کی گئی۔ سلطان علی کے والد صاحب جو کافی ضعیف تھے بھی وہاں آگئے تھے۔ میں نے ان کے چہرے پر تواضع طور پر پریشانی کی آثار دیکھے تھے جو مجھے دیکھتے ہی پیدا ہو گئے تھے۔ شاید وہ یہ سوچ رہے تھے کہ یہ پندرہ سولہ سال کا لڑکا ان کی کیا مدد کر سکتا ہے۔

کچھ دیر خاطر تواضع کے بعد وہ مجھے گھر کے اندر لے گئے۔ ایک نکر والے کمرے میں انہوں نے اپنی بیٹی کو بند کیا ہوا تھا۔ اس سے پہلے ایک راہداری آتی تھی۔ اس کا دروازہ اچھی طرح بند کرنے کے بعد انہوں نے اس کمرے کا رخ کیا۔

”سرکار!۔۔۔ آپ اکیلے جانا چاہیں گے یا پھر ہم سب ساتھ چلیں۔  
سلطان علی نے کمرے کے باہر دروازے پر کھڑے ہوتے ہوئے  
پوچھا۔

”میں اکیلا ہی جاؤں گا۔ اگر آپ لوگوں کو کوئی اعتراض نہ ہو تو۔“  
میں نے جواب دیا۔

”اعتراض کیسا جی۔“ سلطان علی نے کہا اور پھر دروازہ کھول کر ایک  
طرف کو ہٹ گیا۔

میں دروازے سے گزر کر اندر چلا گیا۔ اندر مکمل اندھیرا کرنے کی  
کوشش ک گئی تھی مگر ایک روشندان سے باہر کی روشنی آرہی تھی جس  
سے اندر کا ماحوال کافی واضح تھا۔ ایک بیڈ پر ایک لڑکی جس کے بال  
بکھرے ہوئے تھے سر جھکائے بیٹھی تھی۔ اس کمرے میں ایک بیڈ  
کے علاوہ ایک صوفہ سیٹ بھی پڑا ہوا تھا۔ مجھے اس لڑکی کی عمر کم از کم

سولہ سترہ سال کی لگی کیونکہ بارہ سال کی لڑکی تو بچی ہی محسوس ہوتی ہے مگر سامنے بیٹھی لڑکی تو جوان محسوس ہوتی تھی۔

میں نے اس لڑکی کو مخاطب کرنے سے پہلے آیان سے نیچی آواز میں پوچھا۔

”آیان!۔۔ تم کچھ اندازہ لگا سکتے ہو؟“

”آقا!۔۔ میں کوشش کر رہا ہوں۔ آپ اس لڑکی سے کچھ باتیں کریں۔“ آیان نے جواب دیا۔

میں نے لڑکی کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔

”کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں؟“ مقصد صرف بات چیت کی ابتداء کرنا ہی تھا۔

اس لڑکی نے سراٹھا کر مجھے دیکھا۔ بلاشبہ وہ بلا کی خوبصورت تھی۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا مگر آہستہ آہستہ اس کی آنکھوں میں غصہ نظر



آنے لگا۔ اچانک اس نے ایک بھیانک سی چیخ ماری اور اس کے منہ سے عجیب سے آواز نکلی۔ پھر اس نے صاف اردو میں کہا۔  
”اے آیان!۔۔۔ دفعہ ہو جا یہاں سے نہیں تو تجھے جلا کر بھسم کر دوں گا۔“ یہ آواز غیر انسانی سی تھی۔

”تو کون ہے اور کیوں اس بچاری لڑکی کو تنگ کر رہا ہے؟“ آیان نے پوچھا۔

”میں ثوبان ہوں اور مجھے اس لڑکی سے عشق ہو گیا ہے۔“ اسی غیر انسانی آواز نے کہا۔ ”تو جان لے کہ اگر تو میرے راستے میں آیا تو تجھے جلا کر بھسم کر دوں گا۔“

”ثوبان!۔۔۔ تو مجھے بھی نہیں جانتا۔ بہتر ہے کہ اس لڑکی کو چھوڑ اور آ کہ ہم دو دو ہاتھ کر کے دیکھ لیں کہ کون بہتر ہے۔“ آیان نے اس بار ذرہ رعب دلچسپی میں ثوبان جن کو چیلنج کیا۔

”ہوں۔۔۔ تو تو اس طرح نہیں مانے گا۔“ لڑکی کے منہ سے اسی طرح کی غیر انسانی آواز نکلی مگر اس بار وہ بہت غضب ناک تھی۔ پھر کچھ دیر تک خاموشی چھا گئی۔ پھر اچانک آیان کی چیخوں کی آواز گونجنے لگی۔ وہ چیخ رہا تھا اور ساتھ ہی ساتھ زور زور سے بول رہا تھا۔

”مجھے معاف کر دے ثوبان!۔۔۔ مجھے تیری طاقت کا اندازہ نہیں تھا۔“ آیان کی آواز میں بہت تکلیف دہ تھی۔ میں بے چین سا ہو گیا۔

”جادفعہ ہو جا اور اس آدم زاد کو بھی لے جا۔“ اسی غیر انسانی آواز نے کہا۔ ”یہ تیری پہلی غلطی تھی اس لئے میں معاف کر رہا ہوں۔

دوبارہ ادھر نظر آئے تو جلا کر بھسم کر دوں گا۔“

فوراً ہی آیان کی چیخوں کی آوازیں کھم گئی اور پھر اس نے میرے کان میں کہا۔

”آقا!۔۔۔ یہاں سے چلیں۔“



میں کمرے سے نکل آیا۔ میرے نکلتے ہی سلطان علی میرے طرف  
لپکا۔

”سرکار!۔۔۔ کوئی تو راستہ ہوگا۔“ سلطان علی نے لجاجت سے کہا  
شاید اس نے ہماری اندروالی ساری کارروائی سن یاد لکھ لی تھی۔  
”حوصلہ کرو“ میں نے جواب دیا۔ ”مجھے کچھ معلومات چاہیں۔ پھر  
میں کوئی بات کر سکوں گا۔ تم ایسا کرو مجھے تھوڑی دیر کے لئے تنہا چھوڑ  
دو۔ بہتر ہے کہ میں باہر لان میں چلا جاؤں۔“ میں نے خود ہی ایک  
ایسی جگہ کا انتخاب کرتے ہوئے کہا جہاں کوئی میری اور آیان کی باتیں  
نہ سن سکے۔

”جو حکم سرکار۔“ سلطان علی نے کہا اور آگے بڑھ کر میری راہنمائی  
کرنے لگا۔ لان میں پہنچ کر میں نے اس کی طرف دیکھا اور سلطان  
علی میری بات سمجھ کر خود اندر کی طرف چل پڑا۔ میں وہیں لان میں

ایک کرسی پر بیٹھ گیا اور آیان کو مخاطب کیا۔

”آیان!۔۔۔ تم ٹھیک تو ہو؟“ میں نے فکر مندانہ لہجے میں پوچھا۔

”جی آقا!“ آیان نے جواب دیا۔ ”یہ ثوبان میرے سے زیادہ

طاقت والا جن ہے۔ اس کو کچھ ایسا جادو آتا ہے کہ جب اس نے پڑھ

کر مجھ پر پھونکا تو میرے سارے جسم میں جیسے آگ سے جلنے والی

جلن شروع ہو گئی۔ اگر میں کچھ دیر اور اسی حالت میں رہتا تو شاید

واقعی جل کر راکھ ہو جاتا۔“

”مجھے افسوس ہے کہ میرے وجہ سے تمہیں ایسی تکلیف برداشت کرنا

پڑی۔“ میں نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔ ”اس کا مطلب ہے کہ تم اس

جن کو زبردستی نہیں نکال سکتے۔“

”جی آقا!“ آیان نے تصدیق کرتے ہوئے کہا۔ ”میں تو کیا۔۔۔

اس کو تو شاید کوئی عام عامل یہ بزرگ بھی نہیں نکال سکتا۔ اس سے

جنگ کے لئے بڑی طاقت والے آدم زاد کی مدد درکار ہوگئی۔“

”ایسا کون ہے جو ہماری مدد کر سکتا ہے؟“ میں نے پوچھا۔

”مجھے علم نہیں ہے آقا۔“ آیان نے کوراسا جواب دے دیا۔

میں خاموش ہو گیا اور سوچنے لگا کہ کیا کرنا چاہیے۔ ظاہری بات ہے میری طاقت آیان ہی تھا اور اگر وہ بے بس تھا تو میں بھی کچھ نہیں کر سکتا

تھا۔ مگر میرا دل چاہ رہا تھا کہ میں سلطان علی کی مدد کروں۔ وہ لوگ

ایک مشکل میں گھرے ہوئے تھے۔ ان کی مدد کرنا بحیثیت مسلمان

میرا فرض تھا۔ پھر کچھ سوچ کر میں نے شاہ جی سے مشورہ کرنے کا

فیصلہ کیا۔ اس فیصلے پر پہنچ کر میں اٹھ کھڑا ہوا اور ڈرائنگ روم کی طرف

بڑھنے لگا۔ سلطان علی شاید دور سے ہی مجھے دیکھ رہا تھا۔ مجھے ادھر

آتے دیکھ کر وہ فوراً ہی میرے طرف آگیا۔ اس کے پاس پہنچتے ہی

میں بولا۔



”سلطان علی صاحب!۔۔۔ میں آپ کو کسی غلط فہمی کا شکار نہیں کرنا چاہتا۔ ایک جن آپ کی بیٹی پر عاشق ہے اور مکمل قابض ہے۔ وہ میرے پاس موجود طاقت سے زیادہ طاقتور ہے۔ اس لئے ابھی تو میں آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکتا مگر مجھے کچھ وقت چاہیے۔ میری پوری کوشش ہوگی کہ جلد از جلد آپ کو اس مصیبت سے نجات دلوا سکوں۔“

”سرکار ہم آپ کے شکر گزار ہیں کہ آپ نے ایسا سوچا۔“ سلطان علی نے احترام سے جواب دیا۔ ”ہمیں تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ ایک درجن سے زیادہ عامل یا بزرگ آچکے ہیں سب ہی یہ کہہ کر چلے جاتے ہیں۔ مگر پھر کوئی واپس نہیں آتا۔ آپ اگر کچھ کر سکیں تو ہم ساری زندگی آپ کی غلامی کے لیے تیار ہیں۔ یہ ہمارے اکلوتی بیٹی ہے۔ اس کی پیدائش کے بعد میرے بیوی کا انتقال ہو گیا تھا۔ میں نے اس بچی کی خاطر دوبارہ شادی نہیں کی کہ کہیں سوتیلی ماں اسے کوئی تکلیف



نہ پہنچائے۔ مگر اب اس بچی کو اس تکلیف میں دیکھ کر دل پھٹا جا رہا ہے۔“ سلطان علی نے کہا اور بولتے بولتے اس کی آنکھیں نم ہو گئی تھیں۔

”سلطان صاحب!۔۔۔ میری عمر کم ہے مگر میں آپ کے درد کو محسوس کر سکتا ہوں۔ مجھ سے جو کچھ بھی ہو سکا میں ضرور کروں گا۔ میرا یہ ایمان ہے کہ انسان اشرف المخلوقات ہے اس لئے ان جنوں سے افضل ہے۔ یقیناً کوئی نہ کوئی راستہ تو ضرور ہوگا۔“ میں نے بڑے مضبوط لہجے میں کہا۔

میرے اس لہجے سے سلطان علی کو کچھ ڈھارس بندھی۔ اس نے فوراً اپنے ڈرائیور کو آواز دی کہ وہ مجھے گھر چھوڑ آئے اور پھر بڑے احترام سے اس نے مجھے رخصت کیا۔

گھر پہنچتے ہوئے مجھے عصر کا وقت ہو گیا تھا۔ آج دن بھی جمعرات کا تھا

اس لئے میں نے بابا کے ساتھ شاہ جی کی طرف جانے کا فیصلہ کیا۔  
سلطان علی کے ڈرائیور کو رخصت کر کے میں سیدھا بابا جی کی دوکان کی  
طرف چل پڑا۔ ابھی دوکان پر پہنچا ہی تھا کہ ایک عجیب سچو نیشن  
دیکھی۔ میرے بابا دوکان سے باہر تھے اور دو آدمی اندر سے سارا مال  
نکال نکال کر باہر پھینک رہے تھے۔ وہی استاد نما بد معاش ان کے  
پاس کھڑا تھا اور بابا ہاتھ جوڑے استاد کے سامنے کھڑے منت  
سماجت کر رہے تھے۔

”یہ کیا ہو رہا ہے۔“ میں کڑک دار لہجے میں پوچھا۔  
استاد نے گھوم کر میری طرف دیکھا اور پھر تیوری پر بل ڈال کر بولا۔  
”چھو کرے تو بھی آجا۔ تیرا خون بھی اپنے باپ کی طرح بڑا گرم  
ہے نا۔ آج تمہیں بھی ایک چھوٹا سا سبق سیکھا دیں۔“ اس کے لہجے  
میں فرعونیت جیسے کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ اتنے میں بابا میرے پاس

آگے اور کہنے لگے۔

”بیٹا!۔۔۔ تو گھر جا۔ میں خود ہی اسے سنبھال لوں گا۔ یہ ظالم لوگ تھوڑا ظلم ہی کر لیں گے نہ۔ میں تیار ہوں مگر یہ دوکان میں نہیں جانے دوں گا۔ اس سے تو ہماری روزی روٹی لگی ہوئی ہے۔“ ان کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ میں نے ان کے آنسو اپنے ہاتھوں سے صاف کیے اور پھر بولا۔

www.define.pk

”بابا!۔۔۔ میں اب بڑا ہو گیا ہوں۔ کب تک مجھے دنیا کے بے رحم ہاتھوں سے بچاتے رہو گے۔ مجھے ان حالات کا مقابلہ کرنے دو۔“ پھر میں نے استاد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”استاد میں تمہیں صرف ایک منٹ دیتا ہوں کہ اپنے آدمیوں سے بولو کہ سارا سامان اٹھا کر دوکان کے اندر اسی طرح سلیقے سے رکھ دیں ورنہ تم لوگوں کا وہ حال کروں گا کہ خارش زدہ کتے بھی تم سے پناہ مانگیں گے۔“ میرے لہجے



میں غصہ عروج پر تھا۔

استاد نے پہلے تو حیرت سے میرے طرف دیکھا پھر اونچی آواز میں  
قہقہے لگانے لگا۔ اس کے آدمی بھی دوکان سے باہر نکل کر میرے  
قریب آنے لگے۔ ان کے تیور خطرناک لگ رہے تھے۔ میں نے فوراً  
آیان کو مخاطب کیا۔

”آیان!۔۔ ان سب کو الٹا لٹکا دو۔“ میں نے حاکمانہ لہجے میں آیان  
کو حکم دیا۔

”جو حکم میرے آقا۔“ آیان نے فوراً جواب دیا۔ اور اس سے پہلے کہ  
وہ لوگ کچھ سمجھتے ایک دم تینوں کے جسم ہوا میں بلند ہوئے اور پھر تقریباً  
آٹھ سے دس فٹ کی اونچائی پر وہ الٹے ہو گئے۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے  
کسی نے ان کو ٹانگوں سے باندھ کر الٹا لٹکایا ہوا ہو۔

یہ صورتحال ان کے لئے بہت حیران کن تھی۔ پہلے تو وہ سب حیرت



سے ہکا بکا بنے رہے پھر تھوڑی ہی دیر میں انہوں نے چیخنا چلانا شروع کر دیا۔ استاد کے سارے کس بیل نکلتے نظر آ رہے تھے پہلے تو وہ مجھے ڈراتا دھمکا تا رہا پھر منت سماجت پر اتر آیا۔ چونکہ یہ سب کچھ کھلے بازار میں ہو رہا تھا اس لئے ارد گرد کے سب لوگ ہی متوجہ ہو گئے اور حیرت سے اٹے لٹکے ان بد معاشوں کو دیکھنے لگے۔ آہستہ آہستہ مجمع سالگنے لگا۔

”ہاں استاد۔ اب بولو۔ کیا تمہارا ارادہ اب بھی مجھے سبق دینے کا ہے یا پھر تم نے اسے تبدیل کر لیا ہے۔“ میں نے اونچی آواز میں پوچھا۔

”مجھے معاف کر دو۔ تم۔ تم۔ ضرور جادو گر ہو۔ میرا تمہارا کیا مقابلہ۔“

استاد نے لجاجت سے جواب دیا۔

میں نے آیاں کو کہا کہ ان کو آرام سے نیچے اتار دے۔ نیچے اترتے ہی انہوں نے ایک دم ادھر ادھر دیکھنا شروع کر دیا جیسے دیکھنے کی کوشش کر

رہے ہوں کہ کوئی طاقت نے ان کو اوپر اٹھایا تھا۔ مجھے ڈر محسوس ہوا

کہ وہ بھاگ نہ جائیں اس لئے میں نے فوراً ان کو حکم دیا۔

”چلو جلدی سے دوکان کا سامان واپس دوکان میں رکھو۔ جلدی کرو

اور اسی سلیقے سے رکھنا جہاں سے اٹھایا تھا۔ جلدی کرو ورنہ پھر الٹا کر

دوں گا۔“ میرے حکم پر ایک لمحہ انہوں نے سوچا اور پھر چابی والے

کھلونے کی مانند حرکت میں آ گئے۔ چند منٹ میں سارے کا سارا

www.demepk.com

سامان دوکان نے اندر تھا۔

”استاد۔۔ کان کھول کر میرے بات سن لو۔“ میں نے استاد کو مخاطب

کرتے ہوئے کہا۔ ”اب اگر تم مجھے بابا کی دوکان پر نظر آئے یا تم نے

ان کو تنگ کرنے کے کوشش کی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔ تمہارا وہ

حال کروں گا کہ پھر کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہو گے۔“ میری

دھمکی پر استاد کا رنگ اڑ گیا۔

”کوئی۔ کوئی تنگ نہیں کرے گا رحمت علی کو۔“ استاد نے لرزتی آواز

میں کہا۔ ”اب ہم جائیں؟“

مجھے اس کے انداز پر ہنسی آگئی۔

”ہاں!۔۔۔ بھاگ جاؤ اس سے پہلے کہ میں اپنا ارادہ تبدیل کر

لوں۔“ میں نے زوردار آواز میں کہا اور وہ سب جدھر کو ان کا منہ اٹھا

بھاگ پڑے۔ ارد گرد کے لوگ حیرت سے سارا تماشا دیکھ رہے

تھے۔ ان بد معاشوں کے جانے کے بعد وہ میرے گرد اکٹھے ہونے

لگا۔ بابا بھی مجھے حیرت بھری آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ یہاں میں

نے پھر وہی سمندر کے ساحل والا ٹرک استعمال کیا اور زوردار آواز

میں بولا۔

”اگر کسی نے میرے بابا تو تنگ کیا یا انہیں کوئی تکلیف پہنچانے کے

کوشش کی تو میں اسے بھی الٹا لٹکا دوں گا۔ اب تم سب لوگ واپس



اپنی اپنی دوکانوں پر جاؤ۔ مجھے بھیڑ بالکل پسند نہیں ہے۔“

میری بات سنتے ہی سب لوگ تیزی سے اپنی اپنی دوکانوں کی طرف بڑھ گئے اور بازار پھر سے اپنے معمول پر آ گیا مگر میں محسوس کر رہا تھا کہ تقریباً تمام لوگ ہی کن انکھیوں سے مجھے ہی دیکھ رہے تھے۔ میں نے بابا سے کہا۔

”بابا!۔۔۔ چلیں جلدی سے دوکان بند کریں۔ آپ بھول گئے کہ آج جمعرات ہے اور آپ کو شاہ صاحب کے پاس جانا ہے۔“ میری بات پر بابا ایک دم جیسے ہوش میں آ گئے۔ انہوں نے آگے بڑھ کر دوکان بند کی اور میرے ساتھ شاہ جی کے مدرسے کی طرف چل پڑے۔ راستے میں کہنے لگے۔

”سلیمان بیٹا!۔۔۔ یہ سب کیا تھا۔ تم نے یہ جادو کہاں سے سیکھا؟“۔ ان کے لہجے میں حیرت جیسے ثبت تھی۔



”بابا!۔۔۔ تفصیل میں آپ کو گھر جا کر بتاؤں گا۔ بس اتنا جان لیں کہ میرے پاس ایک جن ہے۔ میں نے کوئی جادو نہیں سیکھا۔ جادو کرنے والا ویسے ہی دائرہ اسلام سے خارج ہوتا ہے مگر الحمد للہ میں مسلمان ہوں۔“ میں نے مختصر ان کو بتاتے ہوئے کہا۔

”مگر یہ جن کہاں سے آیا۔“ بابا شاید اپنی حیرت کو دبا نہیں پارہے تھے۔

”بابا!۔۔۔ یہ کہتا ہے کہ یہ پیدائش کے وقت سے میرے ساتھ ہے۔ ایک لمبی کہانی ہے جو اس وقت راستے میں سنانا مناسب محسوس نہیں ہوتا۔“ میں نے کچھ مزید بتاتے ہوئے کہا۔ میں سمجھ سکتا تھا کہ بابا کی حیرت بجا ہے۔ اور ان کا اس پر کنٹرول کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ اس لئے اتنا بتا دیا کہ ان کی کچھ نہ کچھ تسلی ہو سکے۔ کچھ دیر چلنے کے بعد ہم مدرسہ پہنچ گئے۔ شاہ جی عصر کی نماز پڑھا رہے تھے۔ ہم نے بھی

جلدی سے وضو کیا اور ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔ نماز سے فارغ ہو کر حسب معمول نشست ہوئی۔ شاہ جی نے حسب معمول ہمارا استقبال بہت گرمجوشی سے کیا اور مجھے اپنے پاس ہی بیٹھا لیا۔ آج معمول سے کچھ کم لوگ موجود تھے۔ شاہ جی نے سب سے حال احوال پوچھا پھر میرے طرف دیکھ کر بولے۔

”ہاں بھئی سلیمان میاں۔۔۔ تمہارے کیا حال چال ہیں۔ تعلیم تو ٹھیک چل رہی ہے نا؟“ شاہ جی کا لہجہ ہمیشہ کی طرح محبت سے بھرپور تھا۔

”جی شاہ جی!۔۔۔ اللہ کا شکر ہے۔ سب ٹھیک ٹھاک ہیں۔ بس آپ کی دعاؤں کی ہمیشہ ضرورت رہتی ہے۔“ میں نے مودبانہ انداز میں جواب دیا۔

”بیٹا ہمارے دعائیں تو ہمیشہ تمہارے ساتھ ہیں۔“ انہوں نے اسی

طرح محبت بھرے لہجے میں کہا۔ ”اور سناؤ آج کیسے آنا ہوا؟ میں جانتا ہوں کہ تم کسی نہ کسی سوال سے مجبور ہو کر ہی ہمیں یاد کرتے ہو۔“ اس دفعہ انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”جی شاہ جی!۔۔۔ پیاسا ہی کنویں کے پاس آتا ہے۔“ میں نے اسی طرح مودبانہ لہجے میں جواب دیا۔ ”کچھ سوالوں کے جواب نہیں مل رہے تھے سو چا آپ سے درخواست کروں۔“

”پہلی بات تو یہ ہے کہ میرا علم بہت ہی ناقص اور کم ہے۔ اس لئے میری کنویں کے ساتھ تشبیہ مناسب نہیں۔“ انہوں نے عاجزی سے کہا۔ ”ہاں کوشش کروں گا کہ تمہارے سوالوں کا جواب دے سکوں۔“

”شاہ جی!۔۔۔ کیا جن انسانوں سے افضل مخلوق ہے؟“ میں نے

پوچھا۔

”ہرگز نہیں“ شاہ جی نے فوراً جواب دیا۔ ”اللہ تعالیٰ کے کلام سے



زیادہ معتبر کلام اور کونسا ہے؟ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتے ہیں کہ انسان اشرف المخلوقات ہے۔ اشرف کا مطلب ہوتا ہے افضل اور اعلیٰ۔ لہذا واضح طور پر اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرما دیا کہ انسان ہی اشرف اور افضل مخلوق ہے۔ ایک اور جگہ پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے انسان کو اپنا نائب بنا کر بھیجا ہے۔ ان سب حوالوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انسان سب مخلوقات حتیٰ کہ فرشتوں سے بھی افضل ہے۔“

”پھر ایسا کیوں ہوتا ہے کہ کوئی طاقت ور جن کسی انسان پر قابض ہو جاتا ہے اور بلا وجہ اس کو اور اس کے خاندان والوں کو تنگ کرتا ہے۔“

میں نے اگلے سوال کیا۔

”ہاں ایسا اکثر ہو جاتا ہے۔“ شاہ جی نے جواب دیا۔ ”مگر اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ وہ جن انسان سے افضل ہو گیا۔ بلکہ اسے یوں کہنا چاہیے کہ اس انسان نے اپنا عرفان حاصل نہیں کیا۔ یاد رکھو انسان



اس گوشت پوست کے لباس کا نام نہیں ہے۔ اصل انسان وہ روح ہے جو اللہ کے حکم سے اس جسم میں ایک مقررہ وقت تک مقید رہتی ہے۔ جن لوگوں کو کسی نہ کسی حد تک اپنی روح کا عرفان حاصل ہو جاتا ہے وہ لوگ ان جنوں کے بس میں نہیں آتے۔ ہاں وہ لوگ جو دین سے دوری کی وجہ سے اپنے آپ سے دور چلے جاتے ہیں وہ اکثر ایسے طاقتور جنوں کے ہاتھوں پر غمال بن جاتے ہیں۔“ شاہ جی نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

”ایسے جنوں کو نکالنے کا کیا طریقہ ہے۔“ میں نے اصل بات کی طرف آتے ہوئے پوچھا۔

”بیٹا!۔۔۔ جیسے ہر کام کو کرنے کا ایک طریقہ ہوتا ہے اسی طرح ایسے کاموں کو کرنے کے لئے بھی مختلف عملیات ہیں۔ جن لوگوں کو اللہ نے یہ ذمہ داریاں دی ہوئی ہیں۔ وہ ان سے بخوبی واقف ہیں اور

موقعہ محل کے مطابق درست طریقہ کار کا انتخاب کرتے ہیں۔“ شاہ جی نے محتاط سا جواب دیا۔

”شاہ جی کیا آپ ایسے کسی عامل کا پتہ جانتے ہیں جو ایسے کام کرنے کا تجربہ رکھتا ہو؟“ میں نے اشتیاق سے پوچھا۔

اس بار شاہ جی نے چونک کر مجھے دیکھا۔ شاید وہ میرا مقصد سمجھ گئے تھے۔

”میں نے شاید پہلے بھی شیخ تبریزی صاحب کا ذکر کیا تھا۔“ شاہ جی نے مجھے یاد دلایا۔ ”وہ ایسے کاموں کا کافی تجربہ رکھتے ہیں۔ اگر تم کہو تو میں ان کے نام ایک چھٹی تم کو لکھ دیتا ہوں۔ وہ اس سلسلے میں یقیناً تمہارا کچھ نہ کچھ راہنمائی فرما سکیں گے۔“

”شاہ جی!۔۔۔ میں آپ کا شکر گزار ہوں گا۔“ میں نے ممنون ہوتے ہوئے کہا۔ ”مہربانی فرما کر مجھے ان کی رہائش یا پھر مدر سے کا پتہ بھی

سمجھا دیں۔“

شاہ جی نے ایک رقعہ لکھ دیا اور اس کے ساتھ ہی ایک اور پرچے پر شیخ تبریزی صاحب کا ایڈریس بھی لکھ دیا۔ یہ دونوں کاغذ لے کر میں نے ان کا شکر یہ ادا کیا اتنے میں مغرب کی اذان سنائی دینے لگی۔ میں نے اور بابا نے مغرب کی نماز ان کے ساتھ پڑھی اور پھر گھر کی طرف واپس چل پڑے۔

www.define.pk

گھر پہنچ کر بابا نے پھر سے تقاضا کیا کہ میں ان کو سب کچھ صاف صاف بتا دوں کہ یہ چکر کیا ہے۔ ان کے اصرار پر میں نے ساری کہانی سنا دی۔ اماں بھی وہی پر تھیں۔ یہ جان کر ان کو کافی صدمہ ہوا کہ میں جان گیا ہوں کہ میں ان کی اولاد نہیں ہوں۔

”بیٹا ہم دونوں میاں بیوی نے تم کو ہمیشہ اپنے سگے بیٹے کی طرح چاہا ہے۔ کبھی یہ نہیں سوچا کہ تم نے کسی اور کی کوکھ سے جنم لیا ہے۔“ بابا نے



نمناک آنکھوں سے کہا۔ والدہ بھی رونے لگیں۔

”اماں اور بابا آپ دونوں سن لیں کہ بیشک مجھے پتہ چل گیا ہے کہ مجھے آپ لوگوں نے جہنم نہیں دیا ہے پھر بھی میرے دل میں آپ لوگوں کے محبت اور احترام میں ایک رتی بھر بھی کمی نہیں آئی ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اور زیادہ بڑھ گیا ہے۔ آپ لوگوں نے جس طرح مجھے یتیم کو پالا پوسہ ہے میں ساری زندگی بھی چاہوں تو اس کا بدلہ نہیں دے سکتا۔ میری آپ سے درخواست ہے کہ مجھے ایسے ہی پیار دیتے رہیں اور میں یہ یقین دلاتا ہوں کہ کبھی آپ کو کسی قسم کی شکایت کا موقع نہیں دوں گا۔ آپ ہی میرے اصل والدین ہیں۔ مجھے اور کوئی والدین نہیں چاہیے۔“ میں نے کھلے الفاظ میں اپنے دل کی بات کر دی اور بولتے ہوئے میری آنکھیں بھی بھرا گئی۔ ہم تینوں کافی دیر تک ایک دوسرے سے لگے روتے رہے۔ جب دل کا بار کچھ کم ہوا تو



بابا نے مجھ سے پوچھا۔

”اب تمہارا کیا پروگرام ہے؟ تم نے شیخ تبریزی صاحب کا ایڈریس بھی لیا ہے۔“

”بابا!۔۔۔ مجھے لگتا ہے کہ میں انہی راہوں کا راہی ہوں۔“ میں نے سنجیدہ لہجے میں جواب دیا۔ ”میری زندگی کا مقصد ہی لوگوں کے کام آنا ہے۔ اس لئے میں ان علوم کو سیکھنے کی کوشش کروں گا اور جہاں تک ہوسکا لوگوں کی مدد کروں گا۔“

”بہت ہی نیک ارادہ ہے۔ اللہ تمہاری مدد کرے۔“ بابا اور اماں دونوں نے بیک وقت کہا۔

”بس مجھے آپ کی دعاؤں کی ضرورت ہوگی۔“ میں نے خلوص دل سے کہا۔

یونہی باتیں کرتے کرتے کافی رات ہو گئی اور پھر ہم سونے کے لیے

اپنے اپنے بستر پر چلے گئے۔

سونے سے پہلے میں اپنے حالات پر غور کر رہا تھا۔ یہ بات تو طے تھی کہ میرے خاندان کی کوئی پرانی دشمنی تھی جو میرے آڑے آرہی تھی اسی لیے میری ماں کو اور اس کے بعد سہراب جن کو مجھے بچانے کی پاداش میں قتل کیا گیا۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ میرے والد پر کیا گزری۔ اچانک میں نے سوچا کہ کہیں خدا نخواستہ ان کو بھی کسی نے قتل نہ کر دیا ہو ورنہ یقیناً وہ مجھے ضرور تلاش کرتے۔ مگر یہ سب قیاس آرایاں تھیں۔ میرے پاس اس کا کوئی ثبوت نہیں تھا۔ یہی سب کچھ سوچتے سوچتے مجھے نیند آ گئی۔

اگلی صبح ناشتے سے فارغ ہو کر میں نے شیخ صاحب کا ایڈریس پڑھا تو وہ کراچی کے نواحی علاقے کا تھا۔ مجھے جانے اور پھر واپس آنے میں سارا دن لگ جانا تھا۔ میں نے سوچا کہ آج کالج سے آف کر لیتا

ہوں۔ یہ سوچ کر میں نے اماں اور بابا سے اجازت لی اور پیدل ہی قریبی بس سٹاپ کی طرف چل پڑا۔ بس سٹاپ پر جلد ہی مجھے شہر سے باہر جانے والی بس مل گئی۔ دو تین بسیں بدل کر میں بہر حال اس علاقے میں پہنچ ہی گیا۔ یہاں جب میں شاہ جی کے دیئے ہوئے پتے پر پہنچا تو دیکھا کہ وہ ایک گھر تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ شیخ صاحب گھر میں رہتے تھے میرا اندازہ تھا کہ شاید وہ بھی کوئی مدرسہ چلاتے ہوئے۔ میں نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ کافی دیر تک کوئی نہیں آیا۔ میں نے دوسری بار پھر دروازہ کھٹکھٹایا اور اس بار اندر سے ایک آواز آئی۔ ”کون ہے بھی۔“ آواز بڑی نحیف سی تھی اور دور سے آتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

”جی مجھے برکت علی شاہ صاحب نے بھیجا ہے آپ کے پاس۔“ میں نے باہر سے ہی ذرا اونچی آواز میں جواب دیا۔



”آ جاؤ بھی۔ دروازہ کھلا ہے۔“ انہوں نے بمشکل کہا۔

میں اندر داخل ہو گیا۔ گھر بس عام سا ہی تھا اور لگتا تھا کہ کافی دنوں سے کسی نے اس کی جھاڑ پونج نہیں کی تھی۔ میں جس دروازے سے اندر داخل ہوا تھا وہاں سے لے کر صحن تک ایک راہداری تھی۔ صحن میں پہنچتے ہی میں نے ایک کمرے کا کھلا ہوا دروازہ دیکھا۔ ابھی میں اس کمرے کے دروازے کے قریب ہی گیا تھا کہ اندر سے آواز آئی۔

”آؤ بھی اندر آ جاؤ۔“ یہ وہی نحیف آواز تھی مگر بڑی واضح تھی۔

میں اندر داخل ہو گیا۔ اندر ایک چار پائی پر ایک بوڑھا شخص نیم دراز تھا اور اس کے ارد گرد کچھ برتن پڑے تھے میں نے تصدیق کرنے کے لئے پوچھا۔

”شیخ تبریزی صاحب؟“

”جی!۔۔ بندے کو شیخ رییس الدین تبریزی کہتے ہیں۔“ انہوں نے



جواب دیا۔

میں نے آگے بڑھ کر شاہ جی کا پرچہ ان کو پکڑا دیا۔

”ادھر موڑھے پر بیٹھ جاؤ۔“ انہوں نے مجھے ایک موڑھے کی طرف

اشارہ کرتے ہوئے کہا اور پرچہ کھول کر پڑھنے لگے۔ جب انہوں

نے پرچہ پڑھ لیا تو غور سے مجھے دیکھنے لگے پھر کہنے لگے۔

”تو تم وہی لڑکے ہو جسے سہرا بیگ نے شاہ صاحب کے حوالے کیا تھا۔“

انہوں نے تصدیق کرنے والے انداز میں پوچھا۔

”جی شیخ صاحب۔“ میں نے مودبانہ انداز میں جواب دیا۔

اچانک شیخ صاحب نے ادھر ادھر دیکھنا شروع کر دیا۔ ان کی آنکھوں

میں حیرت تھی۔ وہ کچھ سونگھ بھی رہے تھے۔

”کوئی جن زاد یہاں پر موجود ہے۔“ انہوں نے ادھر ادھر دیکھتے

ہوئے کہا۔ ”ٹھہرو میں ابھی اسے بھگاتا ہوں۔“

”وہ آیان ہے میرا محافظ جن۔“ میں نے جلدی سے انہیں ٹوکا کیونکہ وہ کچھ پڑھنے لگے تھے۔ انہوں نے چونک کر میری طرف دیکھا۔ پھر بولے۔

”میں ان جنوں پر بھروسہ نہیں کیا کرتا۔ ہو سکتا ہے اس جن کی آڑ میں کوئی اور جن مجھ پر وار کر دے۔ اس لئے اس کو بولو کہ میرے گھر سے باہر چلا جائے۔ تم واپسی پر اسے ساتھ لے لینا۔“ اس بار انہوں نے تیز لہجے میں کہا۔

”آیان!۔۔۔ تم باہر میرا انتظار کرو۔“ میں نے اونچی آواز میں کہا۔  
”جو حکم میرے آقا۔“ آیان کی آواز گونجی۔

ویسے یہ میرے لئے حیرت کی بات تھی کہ شیخ صاحب نے آیان کی موجودگی کا کیسے احساس کر لیا۔ یقیناً وہ اپنے علم میں کامل تھے۔  
”ہاں اب بتاؤ۔ تمہارا مسئلہ کیا ہے۔“ انہوں نے کچھ دیر کے بعد

کہا۔

”جی میرے ایک جاننے والے ہیں وہاں کسی جن نے ایک لڑکی پر قبضہ کیا ہوا ہے۔ میری یہ درخواست ہے کہ آپ ہماری مدد کریں تاکہ اس لڑکی اور اس خاندان کی زندگی اس منحوس جن سے چھڑائی جا سکے۔“ میں نے اپنے آنے کا مقصد بیان کرتے ہوئے کہا۔

”کیا علامات ہیں مریض کی؟“ انہوں نے دریافت کیا۔  
پھر میں نے شروع سے لے کر ساری بات ان کو بتا دی۔ یہ بھی بتا دیا کہ میں نے آیان کی مدد سے اس پر قابو ڈالنے کی پوری کوشش کی مگر ناکام رہا۔

”کیا نام بتایا تم نے اس جن کا؟“ انہوں نے مجھ سے دوبارہ پوچھا۔  
”ٹوبان“ میں نے جواب دیا۔

”ٹھیک ہے ہم کل کو چلنے کے لئے تیار ہیں۔“ شیخ صاحب نے حامی



بھرتے ہوئے کہا۔ ”مگر تم کو سواری کا انتظام کرنا ہوگا۔ ہم کوئی نذر

نیاز نہیں لیتے مگر خود کبھی چل کر سائل کے گھر نہیں جاتے۔“

”ضرور شیخ صاحب۔“ میں نے جلدی سے کہا۔ ”میں آپ کے لئے

گاڑی کا انتظام کر لوں گا۔ کل میں کتنے بجے آ جاؤں؟“

”دو بجے آنا۔“ انہوں نے کہا اس کے ساتھ ہی وہ تھوڑا سا کھانسنے۔

”ایک بات پوچھوں اگر آپ <sup>PK</sup> جازت دیں؟“ میں نے ایک سوال

پوچھنے کے لیے اجازت مانگی۔

”ہاں ہاں پوچھو۔“ شیخ صاحب نے سیدھے ہوتے ہوئے کہا۔

”آپ کے آس پاس کوئی بھی نہیں ہے؟ کوئی فیملی ممبر یا پھر کوئی ملازم

وغیرہ۔“ میں نے پوچھا۔

”بس کیا بتائیں۔۔۔ بس یہ جن زادوں نے ہمارا یہ حال کر دیا

ہے۔“ انہوں نے افسردہ لہجے میں جواب دیا۔ ”اب تو زندگی کے



آخری ایام ہیں بس گنتی پوری کر رہے ہیں۔“ بات مکمل کرتے ہوئے ان کے چہرے پر تلخی آمیز مسکراہٹ تھی۔

”تم سناؤ یہ جن کیسے قابو کیا؟“ انہوں نے پوچھا۔

میں نے ساری کہانی ان کو سنا دی۔ انہوں نے غور سے سب کچھ سنا اور پھر بولے۔

”ایک بات میری ہمیشہ یاد رکھنا۔ جن زادبھی دل سے ہم آدم زادوں کو پسند نہیں کرتے۔ اس لئے ہر وقت کوئی نہ کوئی چال چلتے رہتے ہیں۔ ان پر قابض رہنے کے لئے ان کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جاننا بہت ضروری ہے۔“ شیخ صاحب نے نصیحت کرنے والے انداز میں کہا۔

”شیخ صاحب!۔۔۔ میں اس سلسلے میں کچھ نہیں جانتا۔ آپ ہی

راہنمائی فرمائیں۔“ میں نے عاجزی سے کہا

”جب ایک بار ایک جن کسی کی غلامی میں آجاتا ہے تو وہ انسان اس کا مالک بن جاتا ہے۔ بحیثیت مالک وہ جو بھی کہے جن پر کرنا فرض ہوتا ہے۔ وہ کوئی بھی براہ راست حکم سے انکار نہیں کر سکتا مگر کبھی کبھی معلومات کی کمی کے باعث یہ جن ہم انسانوں کو الو بناتے ہیں۔“

انہوں نے میری معلومات بڑھانے کی غرض سے بتانا شروع کیا۔

”بس یہ ذہن میں رکھو کہ ایک تو ان کی ساری باتوں پر کبھی من و عن یقین نہ کرنا اور دوسرا کبھی یہ لفظ مت بولنا کہ میں تم کو آزاد کرتا ہوں۔ اگر تم نے یہ الفاظ با آواز بلند اس کے سامنے بول دیے تو یہ آزاد ہو جائے گا۔ کچھ جن دھوکا دہی سے آزاد ہونے کی کوشش کرتے ہیں اور آزاد ہوتے ہی پہلا کام یہ کرتے ہیں کہ جس انسان نے ان کو غلام بنایا ہوتا ہے اس کو قتل کر دیتے ہیں۔“

”شیخ صاحب ایک بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔“ میں نے

پوچھا۔ ”یہ ہمارے حکم ماننے پر مجبور کیوں ہیں؟ میرا مطلب ہے کہ اگر یہ جن میرا حکم ماننے سے انکار کر دے تو میں اس کا کیا بگاڑ سکتا ہوں؟“

”در اصل یہ رشتہ اللہ تعالیٰ نے قائم کیا ہے۔“ شیخ صاحب نے جواب دیا۔ ”اگر ایک غلام جن اپنے مالک کے براہ راست حکم کو جو کسی ایسے کام کا ہو جو وہ کر سکتا ہو، سے انکار کر دے تو اسی وقت اس کا وجود جل کر بھسم ہو جائے۔ ایک غلام جن کی زندگی اس کے مالک کے اختیار میں ہوتی ہے۔ اگر مالک جن کو مر جانے کی بددعا دے دے یا پھر اونچی آواز میں اس کو مرنے کا کہہ دے تو واقعی وہ جن مر جاتا ہے۔ البتہ آزاد جن اپنی مرضی کے مختار ہوتے ہیں۔“

”اب مجھے سمجھ آیا کہ وہ کیوں مجبور ہو کر میرے حکم کی تعمیل کرتا ہے۔“ میں نے پر خیال لہجے میں کہا۔



”اچھا شیخ صاحب مجھے اجازت دیجیے گا۔“ میں نے گھڑی پر وقت دیکھتے ہوئے کہا۔ ”مجھے واپس جاتے ہوئے بھی دو گھنٹے لگ جانے ہیں۔“

”کیوں مذاق کرتے ہو بھائی“ شیخ صاحب نے حیران ہوتے ہوئے پوچھا۔

”جی!۔۔۔ کیا مطلب“ میں نے حیران ہوتے ہوئے کہا۔ ”میں نے تو کوئی مذاق نہیں کیا۔ واقعی مجھے دو گھنٹے لگ گئے ہیں آتے ہوئے۔ میں کورنگی سے آیا ہوں اور دو تین بسیں بدلنی پڑی تھیں۔“

”بھائی!۔۔۔ تم بھی خوب ہو۔ ہوائی جہاز تمہارا اپنا ہے اور بسوں میں سفر کر رہے ہو۔“ شیخ صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”جی میں سمجھا نہیں۔“ میں واقعی نہیں سمجھ سکا تھا کہ وہ کیا کہنا چاہتے ہیں۔



”بھئی تم ایک عدد جن کے مالک ہو جو غیر مرنی مخلوق ہے۔ اس کو حکم دو اور دیکھو چشم زدن میں یہ تم کو تمہاری منزل مقصود پر پہنچا دے گا۔ اگر بولو گے تو آسمانوں کی سیر کرادے گا تم کو ایسا لگے گا جیسے تم جہاز میں بیٹھے ہو بلکہ جہاز کے اوپر بیٹھے ہو۔“ انہوں نے مسکراہتے ہوئے کہا اور میں حیران سا ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ کیا واقعی ایسا ہو سکتا ہے۔ اگر ہے تو یہ بہت اچھی اور سہولت کی بات ہے۔ اچانک ایک بات سوچ کر میں نے سوال کیا۔

”کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ مجھے اونچائی سے جان بوجھ کر گرا دے تاکہ مجھ سے نجات مل سکے؟“ میں نے سوال کیا۔

”جب تک یہ تمہارا غلام ہے، یہ ایسا نہیں کرے گا۔ اگر کرے گا تو خود بھی جل جائے گا۔ ہاں اگر تم نے اسے آزاد کر دیا تو پھر یہ اپنی مرضی کا مالک ہے۔“ شیخ صاحب نے جواب دیا۔

شیخ صاحب کے پاس آنے کا مجھے بذات خود بڑا فائدہ ہوا تھا۔ ایک نئی بات کا پتہ چلا تھا۔ میں نے اٹھتے ہوئے اجازت چاہی تو شیخ صاحب شاید مروتا اٹھنے لگے۔ اٹھنے کے دوران اچانک ان پر شدید کھانسی کا دورہ پڑا۔ کھانستے کھانستے وہ تقریباً الٹ گئے۔ میں نے جلدی سے آگے بڑھ کر ان کو سنبھالا۔ ان کا جسم شدید گرم تھا۔ میرے خیال میں ان کو کم از کم ایک سوتیلی بخار تھا۔ کچھ کھانسی تھی تو وہ سیدھے ہوئے۔ یہ دیکھ کر میرے ہوش اڑ گئے کہ ان کے منہ سے خون لگا ہوا تھا۔ شاید انہوں نے خون کی تے کی تھی۔

”شیخ صاحب!۔۔۔ آپ کی طبیعت تو بہت خراب ہے۔“ میں نے پریشان ہوتے ہوئے کہا۔

”چھوڑو یار!۔۔۔ بس ٹھیک ہی ہوں۔ زندگی کے دن پورے کر رہا ہوں۔“ انہوں نے پھر افسردہ لہجے میں کہا۔

”میں آپ کو اس حالت میں چھوڑ کر نہیں جاسکتا۔ چلیں آپ کو ہسپتال  
لو چلوں۔“ میں نے جلدی سے کہا۔

”کن چکروں میں پڑ رہے ہومیاں“ انہوں نے زہریلی ہنسی کے  
ساتھ کہا۔ ”اپنا کام لو اور چلتے بنو۔“

”نہیں میں ایسے نہیں کر سکتا۔“ میں نے کہا اور ان کو سہارا دے کر  
اٹھانے لگا۔ وہ بہت ہی ضعیف تھے۔ بڑی مشکل سے ان کو سہارا  
دے کر میں باہر تک لے کر آیا۔ اور پھر باہر کا دروازہ کھول کر گلی میں  
آگیا۔ ابھی تھوڑا سا اور چلنا تھا پھر سڑک آ جاتی اور وہاں سے شاید  
کوئی ٹیکسی وغیرہ مل جاتی۔ اچانک میں نے سوچا کہ کیوں نہ آیان کو  
بولوں کے ہمیں چھوڑ آئے۔

”آیان!۔۔۔ کیا تم ہمیں کسی ٹیکسی تک چھوڑ سکتے ہو؟“ میں نے  
اونچی آواز میں کہا۔



”جو حکم میرے آقا“ آیان نے کہا مگر اس سے پہلے کے وہ کچھ کرتا۔

اچانک شیخ صاحب تیزی سے بولے۔

”خبردار اگر تم نے مجھے چھو ابھی۔ جلا کر بھسم کر دوں گا۔“ ان کی آواز

میں عجیب سا غصہ تھا۔

”کیا ہوا شیخ صاحب۔ ہم تو آپ کی مدد کر رہے ہیں۔“ میں نے فوراً

ہی بیچ میں پڑتے ہوئے کہا۔  
”میں جنوں پر اعتبار نہیں کرتا۔“ شیخ صاحب نے جلدی سے کہا۔ ”یہ

بہت دھوکہ دیتے ہیں۔“

”میرے لیے کیا حکم ہے آقا!“ آیان نے برا سا منہ بناتے ہوئے

کہا۔ ظاہری بات ہے اس کو شیخ صاحب کی بات گراں گزری تھی۔

”کچھ نہیں۔۔۔ میں خود ہی ان کو لے چلتا ہوں۔“ میں نے جلدی

سے کہا تا کہ بات آگے نہ بڑھ جائے۔



پھر آہستہ آہستہ ان کو لے کر میں گلی میں آگے کی جانب بڑھنے لگا۔ مگر ہم دونوں کو ہی مشکل ہو رہی تھی۔ اچانک مجھے ایک خیال آیا اور میں نے جھک کر شیخ صاحب کو اپنے کندھوں پر اٹھالیا۔ اس طرح ان کا سارا وزن تو میرے پر پڑا مگر مجھے چلنے میں دشواری کا سامنا نہیں تھا۔ میں یہ بتاتا چلوں کہ ویسے تو میں پندرہ سولہ سال کا لڑکا تھا مگر میرا جسم بہت مضبوط تھا۔ میں آسانی سے اپنے ہم عمر لڑکوں سے زیادہ وزن اٹھالیا کرتا تھا۔ یہ قوت اس وقت میرے کام آ رہی تھی۔ بہر حال شیخ صاحب کو اسی طرح اٹھائے ہوئے میں سڑک تک پہنچا۔ وہاں ہمیں زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا اور جلد ہی ایک ٹیکسی آگئی۔ میں نے اسے ہاتھ دے کر روکا اور پھر شیخ صاحب کو پچھلی سیٹ پر بیٹھا کر اسے قریبی ہسپتال جانے کا کہا۔

ایک نجی ہسپتال قریب ہی تھا ٹیکسی والا ہمیں وہاں لے گیا۔ میں نے

جلدی سے ٹیکسی کا کرایہ دیا جو اتنا بن گیا تھا کہ میرے جیب خالی ہو گئی۔ مگر مجھے اس کی کوئی پرواہ نہ تھی۔ میں نے ہسپتال والوں کو بتایا کہ میرے ساتھ ایک مریض ہے جو خود نہیں چل سکتا۔ انہوں نے جلدی سے دو آدمیوں کے ساتھ سٹریچر بھجوا دی اور اس طرح ہم شیخ صاحب کو لے کر ہسپتال میں داخل ہو گئے۔

تقریباً پندرہ منٹ کے جائزہ لینے کے بعد ڈاکٹر صاحب نے کچھ ٹیسٹ لکھ کر دیے۔ ٹیسٹ ہسپتال ہی کی ایک لیبارٹری سے کروانے تھے۔ جب میں وہاں گیا تو انہوں نے دو ہزار کا بل میرے ہاتھ میں تھما دیا۔ میں ہکا بکا اس بل کو دیکھ رہا تھا۔ میرے پاس تو اتنی رقم سارے سال میں جمع نہیں ہوتی تھی۔ میں یہ بل کہاں سے دیتا۔ اچانک مجھے آیان کا خیال آیا۔ میں بل تھامے ایک کونے میں چلا گیا جیسے رقم نکالنے لگا ہوں۔ اور پھر میں نے نیچی آواز میں آیان کو مخاطب

کیا۔

”آیان!۔۔ کیا تم کچھ رقم کا بندوبست کر سکتے ہو۔“ میں نے

پوچھا۔

”ضرور کر سکتا ہوں۔“ آیان نے جواب دیا۔ ”کتنی رقم لاؤں؟“

”دو ہزار کا بل ہے تم ایسا کرو تین ہزار کا بندوبست کر لاؤ۔ اور سنو کب

تک آ جاؤ گے؟“ میں نے اسی طرح نیچی آواز میں پوچھا۔

”آقا!۔۔ رقم آپ کے دائیں والی جیب میں ہے۔“ آیان نے

سادہ سے لہجے میں کہا۔

”کیا“ میں نے چونک کر پوچھا۔ اور پھر میں نے اپنی دائیں جیب

میں ہاتھ ڈالا تو حیران رہ گیا۔ پانچ پانچ سو کے نوٹ تھے۔ میں نے

گنے تو پورے چھ نوٹ تھے یعنی تین ہزار۔ میرے خوشی کی انتہا نہ

رہی۔ میں نے فوراً دو ہزار نکال کر بل ادا کیا۔



تقریباً ایک گھنٹے میں رپورٹس تیار ہو گئی۔ رپورٹس لے کر میں ڈاکٹر صاحب کے کمرے میں چلا گیا۔ شیخ صاحب اس دوران جنرل وارڈ کے ایک عارضی بیڈ پر لیٹے ہوئے تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے تمام رپورٹس کا اچھا طرح جائزہ لیا اور پھر کہنے لگے۔

”آپ اس مریض کے کیا لگتے ہیں۔“ انہوں نے پوچھا۔

”جی۔ رشتہ تو کچھ نہیں ہے مگر ان کا کوئی اپنا اس شہر میں نہیں ہے اور یہ

میرے شیخ صاحب کے بہت قریبی دوست ہیں اس لئے ان کا علاج

کروانا میرا فرض ہے۔“ میں نے صورتحال بیان کرتے ہوئے کہا۔

”بیٹا!۔۔ ان کو ٹی بی ہے اور وہ بھی آخری سٹیج پر۔“ ڈاکٹر صاحب

نے سنجیدہ لہجے میں جواب دیا۔ اور میں ہکا بکارہ گیا۔

”ان کا علاج تو ممکن نہیں ہے مگر صرف کوشش کی جاسکتی ہے کہ ان کے

آخری ایام کم سے کم تکلیف دہ ہوں۔“ ڈاکٹر صاحب نے صاف



صاف بات کرتے ہوئے کہا۔ ”ہم ان کو داخل تو کر لیتے ہیں مگر میں کچھ نہیں کہہ سکتا کہ کب ان کو آخری دورہ پڑ جائے۔ آپ اگر ان کو کسی اور ہسپتال میں لے جانا چاہیں تو لے جاسکتے ہیں۔“

میں کچھ دیر سوچتا رہا پھر بولا۔

”آپ انہیں ادھر ہی داخل کریں۔ میں سارا خرچہ اٹھاؤں گا۔ آپ مہربانی کر کے اپنی پوری کوشش کریں۔“ میں نے التجا کی۔

ڈاکٹر صاحب نے ایک ایڈوائس بنا دی جس کو دکھاتے ہی ہمیں ایک کمرہ اسائن کر دیا گیا۔ میں ایک دوشاف کے ارکان کے ساتھ شیخ صاحب کو ان کے کمرے تک لے گیا۔ ایک نرس نے کمرے میں آ کر انہیں ایک ڈرپ لگا دی۔ ایک ہزار روپے میں نے ایڈوائس کی مدد میں ہسپتال والوں کو جمع کروا دیے۔ اور ان سے درخواست کی کہ کسی چیز میں پیسوں کی وجہ سے تردد نہ کیا جائے۔

شیخ صاحب کی طبیعت بھی ڈرپ لگنے سے کچھ سنبھل گئی تھی۔ یہ دیکھ کر میں نے ان سے اجازت طلب کی۔ اور اگلے دن آنے کا وعدہ کر کے باہر چلا آیا۔ باہر آتے ہی میں نے پہلی بار آیان کو اپنے آپ کو گھر پہنچانے کا حکم دیا۔ آیان نے مجھے آنکھیں بند کرنے کا کہا۔ اور ایک جھٹکے کے بعد اس نے آنکھیں کھولنے کا کہا۔ میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ میں اپنے گھر کے صحن میں تھا۔ گھر کے اندر داخل ہوا تو اماں بھی حیران رہ گئی کہ انہوں نے تو دروازہ بند کیا تھا پھر میں اندر کیسے موجود ہوں۔ میں نے ان کو بتایا کہ یہ میرے محافظ جن کا کرشمہ ہے۔ مجھے زوروں کی بھوک لگی تھی۔ جلدی سے کھانا کھایا جو لچ اور ڈنر کے درمیان کا تھا۔ پھر میں شاہ جی کی طرف چلا گیا تا کہ ان کو خبر دے سکوں۔ میرے جن نے مجھے پلک جھپکنے میں شاہ جی کے مدرسے کے سامنے ایک نسبتاً سنان جگہ پر پہنچا دیا۔ شاہ جی کو شیخ صاحب کی

حالت کا سن کر بہت دکھ ہوا۔ انہوں نے اگلی صبح میرے ساتھ چل کر عیادت کرنے کا پروگرام بنایا۔ اور مجھے تاکید کی کہ چلتے ہوئے ان کو ساتھ لے کر چلوں۔ گھر واپس پہنچ کر میں نے والد صاحب کو ساری صورتحال بتادی۔

”بیٹا!۔۔۔ ایسی صورتحال میں یہ مناسب نہیں لگتا کہ تم شیخ صاحب کو اس لڑکی کے جن کونکا لے کا بولوٹ“ بابا نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔  
”جی بالکل۔ ایسے حالات میں ان کی صحت زیادہ ضروری ہے مگر ان کے علاوہ کوئی اور بھی تو نہیں ہے جو یہ کام کر سکے۔“ میں نے بے چارگی سے کہا۔

”اللہ جو بھی کرے گا بہتر ہی کرے گا۔“ بابا نے جواب دیا۔  
”بابا اب آپ کو کام کرنے کی ضرورت نہیں۔“ میں نے کہا۔ ”ہمیں جب پیسوں کی ضرورت ہوگی ہم آیاں کو بولیں گے اور وہ لے آئے



گا۔“

”بیٹا!۔۔۔ میرا دل مطمئن نہیں ہے۔ بغیر محنت کے پیسہ ہمارے لیے

حرام ہے۔ میں شاہ جی سے اگلی جمعرات کو شرعی رائے بھی لے لوں

گا۔“ بابا نے کہا۔ ”تمہاری بات اور ہے تم اسے کسی دوسرے کی مدد

کے لئے استعمال کر رہے ہو۔ اللہ تم کو اس کا اجر دے۔ ہمیں ہماری

اپنی کمائی سے ہی کھانے دو“

مجھے معلوم تھا کہ وہ بہت زیادہ مذہبی آدمی ہے اس لئے میں نے ان

سے بحث کرنا مناسب نہ سمجھی۔ کچھ دیر باتیں کر کے ہم لوگ اپنے

اپنے بستر پر آ گئے۔

اگلی صبح میں ناشتہ کر کے شاہ جی کی طرف چلا گیا۔ پھر ہم دونوں کو آیان

نے شیخ صاحب کے پاس ایک نسبتاً سنسان جگہ پر پہنچا دیا۔ شاہ جی کا

بھی یہ پہلا اس قسم کا سفر تھا لہذا حیرت فطری تھی۔ جب ہم شیخ



صاحب کے پاس پہنچے تو یہ دیکھ کر میں حیران رہ گیا کہ ان کی حالت کل کی نسبت زیادہ خراب تھی۔ اب تو وہ بات بھی نہیں کر پار ہے تھے۔ بس اشاروں سے ہی بول رہے تھے۔ جیسے ہی وہ بات کرنے کی کوشش کرتے کھانس کھانس کر برا حال ہو جاتا۔ ہم نے اشارے سے ان کو بات کرنے سے منع کر دیا۔

میں نے ڈاکٹر صاحب کے کمرے کا رخ کیا۔ ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ رات ان کو ایک اور دورہ پڑا تھا مگر ہسپتال کے عملے نے مل کر انہیں بچا لیا۔ اگر وہ گھر پر ہوتے تو ان کا بچنا ناممکن ہی تھا۔ مجھے بڑی پریشانی ہوئی۔ ڈاکٹر صاحب نے اشارے میں پھر کہا کہ ان کے پاس وقت بہت کم ہے۔ میں اسی پریشانی میں کمرے کی طرف جا رہا تھا کہ شاہ جی باہر نکل آئے۔ مجھے پریشان دیکھ کر وجہ پوچھی۔ میں نے تفصیل سے سب کچھ بتا دیا۔

”بہت افسوس ہوا سن کر۔“ شاہ جی نے افسوس سے کہا۔

”کیا شیخ صاحب کا کوئی اپنا نہیں ہے کہ ان کو اطلاع دے دی

جائے؟“ میں نے شاہ جی سے پوچھا۔

”میں نہیں جانتا۔ میری معلومات کے مطابق ان کی فیملی کسی حادثے

کا شکار ہو گئی تھی۔ اور کوئی رشتہ دار اگر ہے تو میں نہیں جانتا۔“ شاہ جی

نے بتایا۔ ”چلو چل کر شیخ صاحب سے پوچھ لیں۔“

ہم لوگ شیخ صاحب کے پاس پہنچ گئے۔ شیخ صاحب سے پوچھا کہ اگر

وہ کسی قریبی عزیز یا رشتہ دار کو اطلاع دینا چاہیں تو ہم دے سکتے

ہیں۔ مگر انہوں نے اشارے سے بتایا کہ ان کا کوئی نہیں ہے بس اوپر

آسمان کی طرف انگلی سے اشارہ کرتے رہے۔ بہر حال ان حالات

میں ہماری ذمہ داری کچھ اور بھی بڑھ جاتی تھی۔ ہم لوگ سارا دن شیخ

صاحب کے ساتھ رہے۔ جب اندھیرا چھا گیا۔ تو میں نے فیصلہ کیا

کہ میں رات ان کے پاس گزاروں گا۔ اور شاہ جی کو میں نے ضد کر کے گھر جانے پر مجبور کر دیا۔ آیا ان اسی طرح ان کو چھوڑ آیا۔ بات تو معمولی سی تھی اگر ہم چلے بھی جاتے تو کوئی بات نہیں تھی۔ ہسپتال کا عملہ ان کی دیکھ بھال کر ہی رہا تھا۔ مگر میں نے جولا چارگی شیخ صاحب کی آنکھوں میں دیکھی تھی وہ بہت ہی عجیب تھی۔ ان کو بڑی شدت سے احساس تھا کہ ان کا کوئی اپنا ان کے پاس اس نازک وقت میں نہیں ہے۔ لہذا میں ان کو بس وہ ایک احساس دینا چاہتا تھا۔ کہ کوئی ان کے پاس ہے۔

آیا ان جب واپس آ گیا تو میں صرف چند منٹ کے لئے گھر گیا اور اماں کو بتا آیا کہ آج رات میں شیخ صاحب کے ساتھ ہسپتال میں ہی بسر کروں گا۔

شیخ صاحب کو کوئی خواب آورا نجلشن دیا گیا تھا۔ اس لئے وہ گہری نیند



سوئے ہوئے تھے۔ نیند ہی وہ واحد حالت تھی جس میں ان کو آرام کا احساس ہوتا تھا۔ مگر آدھی رات کے قریب ان کی آنکھ کھل گئی۔ مجھے اپنے پاس بیٹھا دیکھ کر وہ حیران رہ گئے۔ اشارے سے پوچھا کہ میں اس وقت کیا کر رہا ہوں۔

”میں آپ کے لئے رک گیا تھا۔ شاید میری کہیں ضرورت پڑ جائے۔“ میں نے جواب دیا۔ ”آپ سو جائیے۔ مجھے اپنا ہی سمجھیں میں کوئی غیر نہیں ہوں۔“

انہوں نے ممنون نظروں سے میری طرف دیکھا۔ کچھ دیر وہ جاگتے رہے پھر ان پر ہلکا سا کھانسی کا دورہ پڑا تو میں نرس کو بلا لایا۔ نرس نے میرے کہنے پر ان کو ایک اور نیند کا انجکشن لگا دیا۔ اور کچھ دیر میں وہ پھر سو گئے۔ میں تمام رات جاگتا رہا۔ صبح تقریباً سات بجے شاہ جی ناشتے کا سامان لے کر بابا کے ساتھ آ گئے۔ انہوں نے



ہمیں ناشتہ کروایا۔ اور پھر شاہ جی کے بہت اصرار پر میں آرام کرنے  
گھر آ گیا۔ اس دن کالج کی چھٹی تھی اس لئے کالج جانے کی تو  
ضرورت نہیں تھی۔ میں بس سوتا ہی رہا۔ تقریباً شام کو چھ بجے میں  
آیان کی مدد سے ہسپتال پہنچ گیا اور پھر آٹھ بجے تک میں نے شاہ جی  
کو زبردستی گھر بھجوا دیا۔ اور اس طرح دوسری رات کے لئے میں پھر  
ڈیوٹی پر تھا۔ الغرض کوئی ایک ہفتہ اسی طرح گزر گیا۔ شروع شروع  
میں شاہ جی باقاعدگی سے آتے رہے مگر پھر شیخ صاحب نے خود ہی منع  
کر دیا کیونکہ شاہ جی ہسپتال میں ہونے کی وجہ سے درس نہیں دے  
پارہے تھے جس کی وجہ سے ان کے مدرسے کے بچوں کی پڑھائی کا  
خرج ہو رہا تھا۔ مجھے اندازہ ہوا کہ شیخ صاحب بھی بہت نیک دل  
انسان تھے۔ لیکن اس دن سے میرے ڈیوٹی ڈبل ہو گئی۔ میں دو گھنٹے  
صبح اور دو گھنٹے شام کو گھر چلا جاتا اور باقی سارا وقت شیخ صاحب کے

ساتھ ہی ہسپتال میں گزار دیتا۔ میری اس محنت کا مجھے پھل مل رہا تھا۔  
شیخ صاحب اب مجھ سے اپنائیت کے ساتھ ملتے تھے۔ بلکہ ایک دو بار  
انہوں نے مجھے محبت سے بیٹا بھی کہا۔ ہسپتال کے خرچے کی مجھے فکر  
نہیں تھی۔ آیاں کی مدد سے ہر خرچہ پورا ہو رہا تھا۔ اور پھر ایک رات۔  
اس رات شیخ صاحب بہت خوش تھے۔ رات کے تقریباً ایک بجے مجھ  
سے باتیں کرنے لگے۔ ہم انہیں بہت منع کرتے تھے کہ وہ باتیں نہ  
کریں کیونکہ پھر ان پر کھانسی کا دورہ پڑ جاتا تھا مگر کبھی کبھی وہ ساری  
ہدایات کو بالائے طاق رکھ کر باتیں شروع کر دیتے تھے۔ شاید یہ ان  
کی فطرت کے خلاف بات تھی کہ وہ اتنا عرصہ خاموش رہیں۔  
”بیٹا!۔۔ تمہارے اس عزیز کا کیا بنا جن کی بیٹی پر جن قابض تھا۔“  
انہوں نے سوال کیا۔

”ابھی تو کچھ نہیں بنا۔ آپ ٹھیک ہو جائیں تو اس کو بھی دیکھ لیتے

ہیں۔“ میں نے جواب دیا۔

”میں تو کہتا ہوں ایک دن ہمت کر کے چلے ہی چلتے ہیں۔ ویسے بھی میں اپنی اس زندگی سے تنگ آیا ہوا ہوں۔“ انہوں نے کچھ بیزاری سے کہا۔

”نہیں شیخ صاحب!۔۔۔ ابھی آپ کی حالت اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ آپ کوئی ایڈونچر کریں۔“ میں نے خلوص سے کہا۔

”کیا ہوگا؟ زیادہ سے زیادہ میں کام ہی آ جاؤں گا۔“ انہوں نے تلخی سے ہنستے ہوئے کہا۔ ”اس زندگی سے تو وہ موت اچھی ہے۔“

”آپ فکر نہ کریں۔ آپ بہت جلدی ٹھیک ہو جائیں گے۔ اور پھر ہم لوگ ادھر سلطان علی صاحب کے گھر چلیں گے اس جن سے دو دو

ہاتھ کرنے۔“ میں نے ان کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔

”اللہ کرے ایسا ہی ہو۔“ ابھی انہوں نے اتنا ہی کہا تھا کہ ان پر کھانسی



کا دورہ پڑ گیا۔ میں جلدی سے بھاگتا ہوا نرس کو بلانے چلا گیا۔ نرس کے ساتھ واپس آیا تو شیخ صاحب کی طبیعت بہت خراب تھی۔ وہ کھانس کھانس کرتا تقریباً دو ہرے ہوئے پڑے تھے۔ نرس نے جلدی سے کچھ انجیکشن لگائے۔ مگر ان کی طبیعت سنبھل نہیں رہی تھی۔ نرس نے ڈاکٹر صاحب کو بھی بلا لیا۔ پھر تقریباً آدھے گھنٹے کی کوشش سے ان کی طبیعت میں کچھ بہتری آئی۔ ڈاکٹر صاحب نے مجھے سختی سے بات کرنے سے منع کر دیا۔

شیخ صاحب کے ہوش ٹھکانے لگے تو انہوں نے مجھ سے کچھ لکھنے کے لیے مانگا۔ میں نے آیاں کو ایک کاپی اور بال پن لانے کا کہا۔ شیخ صاحب وہ کاپی اور بال پن لے کر اس کاپی پر کچھ لکھتے رہے۔ پھر انہوں نے مجھے اشارے سے ڈاکٹر کو بلانے کا کہا۔

میں ڈاکٹر کو بلا لایا۔ انہوں نے وہ پرچہ کاپی سے پھاڑ کر ڈاکٹر صاحب



کی طرف بڑھا دیا۔ ڈاکٹر صاحب نے اس کو پڑھا اور پھر سر ہلا کر اسے طے کر کے جیب میں ڈال لیا۔ میں نے پوچھا کہ یہ کیا ہے تو ڈاکٹر صاحب نے عجیب سا جواب دیا۔

”انکی آخری وصیت“ ڈاکٹر کی آواز کسی بھی قسم کے جذبے سے خالی تھی مگر مجھے ایک دھچکہ لگا۔

”مگر ابھی کیوں؟“ میں نے پوچھا۔ ”انشاء اللہ یہ ٹھیک ہو جائیں گے۔“

”وہ تو ٹھیک ہے مگر قانون کے مطابق ہم پابند ہیں کہ اگر کوئی مریض ہمیں اپنی وصیت دینا چاہے تو ہم اس کو انکار نہیں کر سکتے۔“ ڈاکٹر صاحب نے کہا اور اپنے کمرے کی طرف چل پڑے۔ میں بھی بے خیالی میں ان کے پیچھے چل پڑا۔ ابھی ہم راستے میں ہی تھے کہ شیخ صاحب کے کھانسنے کی آواز سے اٹنے پاؤں پھر بھاگے۔ ان کو ایک

اور دورہ پڑا تھا۔ ڈاکٹر اور نرس نے سر توڑ کوشش کی مگر اس بار وہ کچھ نہ کر سکے اور آدھے گھنٹے تک کھانسنے کے بعد شیخ صاحب نے جان اللہ کے حوالے کر دی۔ میرے لیے یہ ایک بڑا دھچکہ تھا۔ ہر چند مجھے اس کا پہلے سے ہی اندازہ تھا مگر اس طرح اچانک ایسا ہو جائے گا یہ میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔

اگلے دن صبح جب شاہ جی کو دہلیانا شتہ لے کر آئے تو انہوں نے یہ بری خبر سنی۔ شاہ جی کو بھی بہت دکھ ہوا۔ پھر ڈاکٹر صاحب نے ضروری کارروائی کر کے ہمیں میت لے جانے کی اجازت دے دی۔ میت لے جانے سے پہلے انہوں نے پولیس انسپکٹر کو پیغام دے کر بلوایا۔ اور پھر سب کی موجودگی میں شیخ صاحب کی آخری وصیت پڑھ کر سنائی۔ اس وصیت کے مطابق ان کی صرف ایک ہی جائیداد تھی اور وہ تھا ان کا مکان۔ وہ انہوں نے میرے نام کر دیا تھا۔ اور خاص طور پر لکھا

تھا کہ اس مکان میں جو کچھ بھی ہے وہ میرے حوالے کر دیا جائے۔

آخر میں انہوں نے میرا اور شاہ صاحب کا شکر یہ ادا کیا تھا کہ ہم نے ان کو ان کے آخری آیام میں اپنوں کا پیار دیا۔

اصل میں ان کی وصیت کے یہ آخری الفاظ ہی میرا انعام تھے۔ ان الفاظ کے لیے ہی شاید میں نے یہ سب کچھ کیا تھا۔ ایک آدمی کو مرتے وقت یہ احساس دیا کہ کوئی اپنا ان کی دیکھ بھال کے لئے موجود ہے۔ یہ یقیناً ایک مرتے ہوئے آدمی کے لئے خاص بات تھی خاص طور پر ایک ایسے انسان کے لئے جس کا اپنا کوئی بھی نہیں تھا۔

ان کی تدفین سے فارغ ہو کر میں نے شاہ جی سے ملاقات کی۔ ان کو بتایا کہ شیخ صاحب کی جائیداد میں مجھے کوئی دلچسپی نہیں وہ مہربانی کر کے اس کو بیچ دیں اور اس سے حاصل ہونے والی آمدنی سے اپنے مدرسے کو وسعت دے لیں۔ کچھ تذبذب کے بعد وہ راضی ہو



گئے۔ اس کے بعد میں نے کوئی اور عامل یا بزرگ ڈھونڈنے کا قصد کیا۔ اس سلسلے میں شاہ جی نے معذرت کر لی کہ ان کی نظر میں کوئی اور نہیں ہے جو یہ کام کر سکے۔ مجھے بڑی بے چارگی کا احساس ہو رہا تھا۔ شیخ صاحب کی وفات کے تیسرے دن اچانک مجھے شاہ جی کی طرف سے بلا وہ آ گیا۔ میں ان کے پاس پہنچا تو انہوں نے بتایا۔ ”بیٹا!۔۔۔ اللہ تعالیٰ سب سے بہتر اسباب بنانے والا ہے۔“ ان کے لہجے میں عجیب سی خوشی تھی۔ ”اصل میں شیخ صاحب نے اپنی آخری وصیت میں بہت کچھ ہمیں دے دیا تھا مگر ہم کو اس کا ادراک نہ ہو سکا۔“

”کیا مطلب“ میں نے حیرت سے پوچھا۔

”انہوں نے اپنی وصیت میں لکھا تھا کہ ان کے مکان میں جو کچھ بھی ہے اسے تمہارے حوالے کر دیا جائے۔ اس پر عمل کے لئے آج میں



اور انسپکٹر صاحب جب ان کے مکان پر پہنچے تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ان کے پورے گھر میں سوائے ایک چار پائی، ایک موڑھا، چند برتن اور ایک صندوق کے علاوہ کچھ بھی نہیں تھا۔ جب صندوق کھولا گیا تو ایک بہت ہی مفصل کتاب برآمد ہوئی جو شیخ صاحب کے اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھی۔ جب میں نے تھوڑا سا اس کا مطالعہ کیا تو میں حیران رہ گیا۔ یقیناً یہ ہی وہ اثاثہ تھا جو انہوں نے تمہارے حوالے کرنے کا ارشاد فرمایا تھا۔“ شاہ جی نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔ پھر وہ خود اٹھ کر گئے اور اندر سے ایک نیلے لحاف میں لپیٹی کتاب لے کر آئے۔ مجھے پکڑاتے ہوئے کہنے لگے۔

”یہ شیخ صاحب کی عمر بھر کے تجربے کا نچوڑ ہے۔“ ان کی آواز کپکپا رہی تھی۔“ اس میں شیخ صاحب نے ان تمام عملیات کی تفصیل لکھی ہے جن کو وہ استعمال کرتے تھے اور جن کے استعمال سے وہ ہر قسم کے

جن اور ماہر جادوگر سے آسانی سے نمٹ لیتے تھے۔ یہ نادر نمونہ ان کے اپنے تجربات کی روشنی میں تیار ہوا ہے۔ مجھے امید ہے تم اس کی اہمیت کو سمجھ سکتے ہو۔“

مجھے اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ بہر حال میں نے وہ کتاب لی اور شاہ جی کا شکر یہ ادا کر کے گھر آ گیا۔ گھر آ کر میں نے اس کتاب کو پڑھنا شروع کیا۔ شیخ صاحب نے اس کتاب میں واقعی اپنے سارے تجربے کا نچوڑ ڈال دیا تھا۔ ان کی کتاب کا تقریباً اسی فیصد حصہ جنات کے بارے میں تھا اور باقی بیس فیصد حصہ کالے جادو کے ماہروں سے نمٹنے کے عملیات سے بھرا ہوا تھا۔ سب سے اچھی بات یہ تھی کہ یہ تمام عملیات انہوں نے قرآن شریف سے لیے تھے جس سے اس بات کا کوئی امکان نہیں رہ جاتا تھا کہ ان کو کرنے والا اپنے ایمان سے ہاتھ دھو سکتا ہے۔ انہوں نے جنات کے بارے میں لکھا تھا کہ دو طرح

کے جنات اس دنیا میں پائے جاتے ہیں۔ ایک وہ جو اپنی فطری قوت کے ساتھ جہنم لیتے ہیں اور تادم مرگ اسی قوت پر قائم رہتے ہیں۔ مگر دوسری قسم ان جنات کی ہے جو اپنی قوت میں جادو کی مدد سے اضافہ کر لیتے ہیں۔ جادو کے ذریعے وہ دو طرح سے قوت حاصل کر پاتے ہیں۔ ایک نورانی طریقہ سے جو قرآن پاک میں موجود ہے اور دوسرے شیطانی طریقہ سے جو شیطان نے اپنے چیلوں کے لئے بنایا ہے۔ دونوں سورتوں میں وہ عام جنات سے قوت میں بڑھ جاتے ہیں اور زیادہ پریشانی کا باعث بنتے ہیں جنوں کے ساتھ مقابلے کے لئے انسانوں کو تربیت کی مختلف مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ شیخ صاحب نے اپنی معلومات کی روشنی میں اسے تین درجات میں تقسیم کیا تھا۔

۱۔ درجہ عرفان



۲۔ درجہ قابض

۳۔ درجہ کمال

پہلے درجے میں سالک کو سورہ جن کا چلہ کرنا پڑتا ہے جو چالیس دن کا ہوتا ہے۔ اس چلہ کی کامیابی پر انسان جنات کا عرفان حاصل کر لیتا ہے۔ اس کے اندر ایسے روحانی حواس بیدار ہو جاتے ہیں کہ وہ جنات کو نہ صرف محسوس کرنے لگتا ہے بلکہ اس کی آنکھ ان کو دیکھنے کے قابل بھی ہو جاتی ہے۔ اس درجے پر فائز لوگ ہی اگلے درجات کے عملیات کر سکتے ہیں۔

درجہ قابض کا مقصد کسی جن کو قابو میں کرنا ہوتا ہے۔ اسکے لیے پہلے درجے پر فائز انسان کو کچھ آیات کریمہ کا ایک مخصوص چلہ سات دن تک کرنا ہوتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ ٹارگٹ جن کا نام چلہ کرنے والے کے علم میں ہو۔ چلہ کے دوران اس انسان کو جن کو اس



کے نام کے ساتھ روزانہ ایک مقررہ تعداد میں آوازیں دینا ہوتی ہیں۔ ساتویں دن وہ جن خود ہی حاضر ہو جاتا ہے اور غلامی کا عہد کرتا ہے۔

تیسرا درجہ جسے شیخ صاحب نے درجہ کمال کہا تھا اس کے لئے ضروری تھا کہ پہلا درجہ مکمل کیا ہو۔ پھر کچھ آیات کریمہ کے ورد سے جس جن کا بھی وہ انسان خیال کرے گا اس کے جسم میں آگ سے جلنے کی جلن شروع ہو جائے گی۔ اور جب تک وہ ورد کرتا رہے گا جلن بڑھتی ہی جائے گی حتیٰ کہ وہ جن جل کر بھسم ہو جائے گا۔ اس جلن کو روکنے اور ختم کرنے کے لیے ایک اور آیات کریمہ کا ورد کرنا پڑتا تھا۔

آخر میں شیخ صاحب نے اپنی زندگی کے نچوڑ کے طور پر لکھا تھا کہ ان عملیات کو بغیر کسی اشد ضرورت کے نہ کیا جائے کیونکہ جنات کبھی بھی انسانوں کے غلام بننا پسند نہیں کرتے۔ اس عمل کو کرنے والے

تمام جنات کو اپنا دشمن بنا لیتا ہے۔ اس طرح اسے ہر وقت باخبر رہنا پڑتا ہے کہ کوئی جن اس کو نقصان نہ پہنچا دے۔ دراصل پہلے درجے پر فائز شخص سلطنت سولومن کا باشندہ بن جاتا ہے۔ جو کہ جنات کی دنیا ہے۔ چونکہ انسان اس سلطنت کے بارے میں بہت ہی محدود معلومات رکھتے ہیں اور یہ عمل کر کے وہ تمام سولومن کے باشندوں کی نظر میں آ جاتا ہے اس لئے اس پر بے شمار حملے ہونے لگتے ہیں جن سے بچاؤ ہر وقت باخبر رہ کر ہی کیا جاسکتا ہے۔ اس طرح اس عمل کے کرنے والے کی زندگی اجیرن ہو جاتی ہے۔ جنات پہلے اس شخص کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں اور ناکامی کی صورت میں اس شخص سے متعلقہ ہر شخص کو نقصان پہنچاتے ہیں یہ دوسری بار تھا کہ میں نے سلطنت سولومن کا نام سنا تھا۔ مجھے اس کے بارے میں جاننے کا مزید شوق ہوا۔ میں نے آیان کو آواز دی۔

”جی آقا“ آیان نے فوراً ہی جواب دیا۔

”بھئی میں تمہاری سلطنت سولومن کے بارے میں جاننے کا خواہش مند ہوں۔“ میں سوال کیا۔

”آقا آپ حکم کریں۔“ آیان نے ہمیشہ کی طرح خاص طور پر کوئی سوال پوچھنے کا کہا۔

”اس سلطنت کی ابتداء کب اور کہاں سے ہوئی؟“ میں نے پوچھا۔

”آقا!۔۔ اس سلطنت کی بنیاد حضرت سلیمان علیہ السلام نے بہت صدیاں پہلے رکھی تھی۔ ان کی وفات کے بعد مختلف جن اور انسان اس پر حکومت کرتے آئے ہیں۔“ آیان نے جواب دیا۔

”تم کہتے ہو کہ یہ سلطنت ہم آدم زادوں سے مختلف ہے۔ ہم نے بھی

پڑھا ہے کہ جن ہمارے ساتھ ہی اس دنیا میں رہ رہے ہیں مگر ہماری

آنکھ ان کو نہیں دیکھ سکتی اور وہ ہمیں نہیں دیکھ سکتے۔ پھر یہ انسان



تمہاری سلطنت میں کیسے شامل ہو گئے اور نہ صرف شامل ہو گئے بلکہ انہوں نے حکمرانی بھی کی۔“ میں نے اگلے سوال کیا۔

”آقا!۔۔۔ اس سلطنت کے پہلے حکمران حضرت سلیمان علیہ السلام بھی ایک انسان ہی تھے۔ ان کے دور سے اس سلطنت کا ایک آئین بنا ہوا ہے۔ اس کے مطابق ہر وہ انسان جو جادو سیکھ لیتا ہے یا جنات کا عرفان حاصل کر لیتا ہے، وہ ہماری سلطنت کا حصہ بن جاتا ہے اور ہمارے سارے قانون اس پر لاگو ہو جاتے ہیں۔ ہاں عام انسان اس زمرے میں نہیں آتے ہیں۔“ آیان نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

”اس سلطنت کا بادشاہ کیسے چنا جاتا ہے؟“ میں نے اگلے سوال کیا۔

”پہلے بادشاہ کی وفات کے بعد کچھ لوگ جو بادشاہت کے لئے

امیدوار ہوتے ہیں ایک بڑے میدان میں جنگ کرتے ہیں۔ جو ان سب پہ فاتح ہوتا ہے وہی بادشاہ کہلاتا ہے۔ تاہم ہمارا موجودہ بادشاہ



جو کہ ایک صدی سے بادشاہت پر قابض ہے غلط طریقے سے آیا تھا۔“ آیان نے بتایا۔

”کیا مطلب؟“ میں نے حیرت سے پوچھا۔

”آقا!۔۔۔ ہمارا موجودہ بادشاہ ایک جن ہے جس کا نام ژبام ہے۔ اس سے پہلے جو بادشاہ تھا اسے کسی نے قتل کر دیا تھا وہ بھی ایک جن ہی تھا۔ مگر اس کے قاتل کا آج تک پتہ نہیں چل سکا۔ جب نئے بادشاہ کے انتخاب کا وقت آیا تو ژبام اس کے امیدواروں میں شامل سب سے کمزور امیدوار تھا مگر اس نے چالاکی سے باقی تمام

امیدواروں کو زہر دے کر مروا دیا۔ اس طرح وہ اکیلا ہی امیدوار بچا تھا جسے بادشاہ چنا پڑا۔ اب اس کی حکومت میں اصل معاونت اس کا ایک جادوگر جن طالش کر رہا ہے جو بہت عظیم قوتوں کا مالک ہے۔ اس کے بل بوتے پر ژبام بہت ظلم بھی کرتا ہے مگر کوئی اسے روکنے والا

نہیں ہے۔“ آیان نے مفصل طور پر بتاتے ہوئے کہا۔  
”اچھا تمہاری سلطنت میں نئے آنے والے جادوگر انسانوں یا پھر وہ  
جو کسی جن کو غلام بنا لیتے ہیں کے لیے کیا قوانین ہیں۔“ میں نے  
اصل سوال کی طرف آتے ہوئے کہا کیونکہ اس کی ساری باتیں ہی  
عجیب سی تھیں۔

”آقا!۔۔۔ بہت سارے قانون ہیں۔ سب سے زیادہ استعمال  
ہونے والا قانون یہ ہے کہ ہماری سلطنت کا کوئی باشندہ آدم زادوں  
کی دنیا میں کسی حکومتی اہلکار پر جادو یا پھر اپنے غلام جن کی مدد سے کوئی  
ایسا کام سرزد کر لے جس سے حکومت کی عملداری میں فرق پڑے تو وہ  
شخص فوراً گرفتار کر لیا جاتا ہے۔ اس سے تمام طاقتیں واپس لے لی  
جاتی ہیں اور پھر اکثر اس کا اپنا غلام جن جو آزاد ہوا ہوتا ہے اس کو مار  
دیتا ہے۔ ظاہری بات ہے ایک عام انسان کا جن کے ساتھ کیا

مقابلہ۔“ آیان نے جواب دیا۔ آخر میں اس کا لہجہ کچھ فخریہ ہو گیا تھا۔  
”ہاں میں نے بھی سنا ہے کہ بہت سارے جن اپنے مالکوں کو آزادی  
کے بعد مار دیتے ہیں۔“ میں نے تصدیق کرتے ہوئے کہا۔ ”شاید  
اسی لئے تم بھی مجھ سے آزادی کی بات کر رہے تھے۔“ میں نے  
مسکراتے ہوئے بات مکمل کی ”آقا!۔۔۔ آپ کی بات اور ہے۔“  
آیان نے جلدی سے کہا ”آپ نے کوئی عمل کر کے مجھے قابو نہیں کیا  
کہ میں آپ کا دشمن ہو جاؤں۔ آپ کی والدہ نے مجھے آپ کی  
حفاظت کرنے کے لئے آپ کی غلامی میں دیا تھا کیونکہ وہ خود بہت  
ہی غیر معمولی حالات کا شکار تھیں۔ اور میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ  
آپ نے میری طاقتوں کا کوئی غلط استعمال نہیں کیا۔ زیادہ تر آپ  
نے دوسرے انسانوں کی مدد ہی کی ہے جو ویسے بھی ثواب کا کام  
ہے۔“



”تم ٹھیک کہتے ہو۔“ میں نے کہا ”مجھے کسی جن کو غلام بنانے کا شوق نہیں ہے مگر حالات اس طرح کے ہیں کہ مجھے اپنے آپ کو اور اپنے دشمنوں کو پہلے سمجھنا ہے پھر میں فیصلہ کر سکوں گا کہ مجھے تمہاری ضرورت ہے یا نہیں۔ تم بے فکر رہو جس دن مجھے احساس ہو گیا کہ میں اپنی حفاظت بخوبی کر سکتا ہوں، میں تمہیں فوراً آزاد کر دوں گا۔“ میں نے اس کو تسلی دیتے ہوئے وعدہ کیا۔

”جیسے بھی آپ مناسب سمجھے۔ میرے آقا“ آیان نے جواب دیا۔

”اس سلسلے میں میں کل سے ہی ایک عمل شروع کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ یہ چالیس دن کا ایک عمل ہے اور اس دوران تمہیں میری حفاظت کرنی ہے۔“ میں نے آیان کو خبردار کرتے ہوئے کہا۔

”جی آقا!۔۔۔ مجھے معلوم ہے۔“ آیان نے کہا اور میں چونک پڑا۔

”تمہیں کیسے معلوم ہے؟“ میں نے اس سے سوال کیا



”آقا!۔۔۔ چونکہ میں ہمیشہ آپ کے ساتھ رہتا ہوں اس لئے آپ جو بھی کتاب پڑھتے ہیں وہ میں بھی کبھی کبھار پڑھ لیتا ہوں۔ شیخ صاحب چونکہ جنات پر تجربات کرتے رہے ہیں اس لئے مجھے بھی ان کی کتاب میں دلچسپی تھی۔ تو میں نے بھی آپ کے ساتھ ساتھ اسے پڑھ لیا۔“ آیان نے سادہ سے لہجے میں تفصیل بتاتے ہوئے کہا مگر اس کے جواب سے میرے دل میں غمگینیاں بجنے لگی۔ اب مجھے اندازہ ہوا کہ اس کا میرے ساتھ ہمیشہ رہنا جہاں میرے لیے مفید ہے وہاں میری پرائیویسی کو بھی زک پہنچاتا ہے۔

اگلے دن سے میں نے سورۃ جن کا چلہ کرنے کا پروگرام بنایا۔ اس کام کے لیے میں نے رات کے وقت چھت پر چلہ کرنے کا ارادہ کیا۔ بابا اور اماں کو اعتماد میں لیا اور چلہ شروع کر دیا۔ چند دن تو خاموشی سے گزر گئے مگر پھر عجیب و غریب واقعات شروع ہو گئے۔ مجھے عجیب و

غریب چیزیں نظر آنے لگیں۔ کبھی میں بہت گھبرا جاتا۔ مگر پھر یکسوئی سے سورۃ پڑھتا رہتا۔ یہاں میری اس خامی نے میرے بہت مدد کی کہ جب میں پوری توجہ سے سورۃ پڑھا ہوتا تھا تو مجھے اپنے ارد گرد کی کچھ خبر نہیں ہوتی تھی اس طرح میری کافی ساری مشکلات آسان ہونے لگی۔ جب تیس دن پورے ہو گئے تو میں نے ایک خاص بات محسوس کی۔ اب مجھے ایک عجیب سے خوشبو کا احساس ہونے لگا تھا جو ہر وقت میرے ارد گرد رہتی تھی۔ شاید یہ آیان کی بو تھی۔ آخری دنوں میں تو میں اتنا مگن ہو گیا کہ مجھے کسی چیز کا ہوش نہیں ہوتا تھا۔ جس دن میں نے چلہ ختم کیا اس دن میں بہت خوش تھا۔ چلہ ختم کر کے میں بستر پر سو گیا۔ اگلے دن جب میں نے پہلی بار آیان کو آواز دی تو ایک دم مجھے وہ خوشبو آئی اور پھر ساتھ ہی میں نے اپنے پاس ایک عجیب سی مخلوق کو دیکھا۔ یہ مخلوق انسانوں کی طرح تھی مگر اس کے پاؤں نہیں

تھے۔ مجھے احساس ہوا کہ وہ آیاں ہے۔

”جی آقا!“ آیاں نے حسب معمول جواب دیا تو میں سمجھ گیا کہ یہی آیاں ہے۔

”تم کہاں تھے“ میں نے پوچھا۔

”آپ کے پاس ہی تھا“ میں نے اس کے چہرے پر تغیر آتے دیکھا۔

”تم جھوٹ بولتے ہو۔“ میں نے سخت لہجے میں کہا اور اس کے

www.defilm.pk

چہرے کا رنگ اڑ گیا۔

”آقا میں تھوڑی دیر کے لئے اپنے والد سے ملنے گیا تھا۔“ اس نے جلدی سے بات بنائی۔

میں نے اس پہ ایک اور داؤٹھیٹ کرنے کا پروگرام بنایا۔ میں نے وہ والی آیات کا ورد شروع کر دیا جس سے کسی بھی جن کو تکلیف دی جا سکتی تھی اور ساتھ ہی اپنی توجہ آیاں کی طرف کر دی کیونکہ وہ میرے



سامنے بھی تھا تو میں نے فوراً ہی اسے تڑپتے دیکھا۔

”معاف کر دو آقا!۔۔۔ اب جھوٹ نہیں بولوں گا۔“ آیان نے بہت

ہی تکلیف زدہ لہجے میں کہا۔ میرا مقصد پورا ہو گیا تھا اس لئے میں نے

دوسری آیات پڑھ کر اسے اس تکلیف سے نجات دلا دی۔

”دیکھو آیان!۔۔۔ میں کوئی جابر مالک نہیں ہوں۔“ میں نے دھیمہ

لہجہ اپناتے ہوئے کہا۔ ”اگر تم کو کہیں جانا ہو تو مجھے بتا کر چلے جایا کرو

مگر جھوٹ مت بولنا۔“

”آقا!۔۔۔ کبھی نہیں بولوں گا۔“ آیان نے جلدی سے کہا۔ اسے

شاید ابھی تک حیرت تھی کہ میں نے اسے کیسے پکڑ لیا۔ میں نے بھی

اس کی حیرت دور کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔

اب میں مکمل تیار ہو چکا تھا اس لئے میں نے ثوبان سے دو دو ہاتھ

کرنے کا فیصلہ کیا۔ میں نے آیان کو حکم دیا۔



”مجھے سلطان علی کی کوٹھی پر لے چل۔ باہر ہی رہنا“ میں نے کہا۔  
”جو حکم میرے آقا۔“ آیان نے کہا۔ ”آپ اپنی آنکھیں بند کریں۔“  
اس بار میں نے آنکھیں بند نہیں کیں اور میں دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ کیا  
کرتا ہے کیونکہ اب میں اس کو دیکھ سکتا تھا۔ اس نے غور سے میری  
آنکھوں کو دیکھا اور پھر بولا۔

”آقا!۔۔۔ آپ نے آنکھیں بند نہیں کی۔ مجھے ڈر ہے آپ گھبرانہ  
جائیں۔“ آیان نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔  
”آیان!۔۔۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ تم کیا کرتے ہو۔“ میں نے  
فوراً ہی کہا۔

”جو حکم میرے آقا“ آیان نے منہ بناتے ہوئے کہا۔ پھر اس نے چشم  
زدن میں مجھے اٹھایا اور اتنی تیزی سے ہوا میں اڑا کہ میں چکرا گیا۔ مگر  
اس سے پہلے کہ میں سنبھلتا، ہم سلطان علی کی کوٹھی کے سامنے

تھے۔ مجھے ایسا ہی لگا جیسے میں نے ایک انتہائی تیز رفتار جیٹ جہاز میں سفر کیا ہو۔ سارے رستے کو میں نے دیکھا تھا مگر بہت ہی تیزی سے۔ یہ ایک مختلف مگر مزیدار تجربہ تھا۔

سلطان علی کی کوٹھی پر میں نے سیکورٹی گارڈ کو اپنے آنے کا مقصد بتایا۔ اس نے اندرفون کیا اور پھر جلدی سے میرے لیے گیٹ کھول دیا۔ میں گیٹ سے ہوتا ہوا اندر داخل ہوا۔ اتنے میں نے اندر سے سلطان علی کو نکلتے دیکھا۔ وہ حیران سا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی پہچان گیا۔ جلدی سے ڈرائنگ روم کھلوا دیا گیا اور پھر وہی خاطر مدارت۔ میں نے سلطان علی سے اس کی بیٹی کے بارے میں پوچھا۔ ”کیا بتاؤں چھوٹے سرکار!۔۔۔ وہ تو نہ زندوں میں ہے نہ مردوں میں۔“ اس کے لہجے میں بڑا کرب تھا۔ ”آپ کے بعد کم از کم پانچ اور عاملوں کو میں نے بلوایا تھا مگر کوئی کامیاب نہیں ہو سکا بلکہ ایک

عامل کو تو اس نے زخمی کر دیا تھا اس لئے پھر میں نے کسی اور کو نہیں  
بلایا۔“

”چلو میں اس سے پھر ملنا چاہتا ہوں۔“ میں نے اپنا مقصد بیان کیا۔  
”ضرور سرکار۔“ سلطان علی نے فوراً ہی کہا اور کسی ملازم کو دروازے  
کھلوانے کا کہنے لگا۔

اس بار جب میں اندر داخل ہوا تو میں نے دیکھا کہ وہ لڑکی اپنے بال  
درست کر رہی تھی۔ اس کے ساتھ ہی میں نے ایک اور انسان نما جن  
دیکھا۔ وہ بھی آیان ہی کی طرح تھا یعنی اس کی ٹانگیں نہیں تھیں مگر بازو  
اور سر انسانوں کی طرح ہی تھا۔ ہمیں دیکھ کر وہ چونک پڑا۔ پھر اس نے  
آیان کی طرف دیکھا اور اب چونکنے کی باری میری تھی۔ آیان نے  
اسے آنکھ سے کچھ اشارہ کیا۔ اور ساتھ ہی میں نے ثوبان کی آواز سنی۔  
”اے آدم زاد!۔۔۔ تو پھر آگیا ہے۔ اور اے آیان!۔۔۔ کیا تجھے اپنا



انجام نہیں نظر آیا یہاں آتے ہوئے؟“ ثوبان نے کہا  
”میں مجبور ہوں ثوبان بھائی۔“ آیان نے ثوبان کو آنکھ مارتے ہوئے  
کہا۔ مجھے عجیب سا لگا۔

”او ثوبان کے بچے!“ میں نے کڑک دار لہجے میں کہا ”آیان کو چھوڑ  
ذرا میرے ساتھ دو دو ہاتھ کر۔ تم نے اگر اس بے چاری لڑکی کو نہ  
چھوڑا تو میرے سے برا کوئی نہیں ہوگا۔“

میں نے دیکھا کہ ثوبان آیان کی طرف حیرت سے دیکھ رہا ہے۔ آیان  
نے کچھ اشارے کیے جو میں سارے تو نہ سمجھ سکا مگر مجھے اندازہ ہو گیا  
کہ اس نے ثوبان کو بتا دیا ہے کہ میں نے کوئی چلہ وغیرہ کیا ہے۔ ایک  
دم میں نے ثوبان کو اپنے قریب آتے دیکھا۔ اسی وقت میں نے اسے  
تصور میں لے کر آیات کریمہ کا ورد شروع کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی  
ثوبان کے چہرے کا رنگ فق پڑ گیا۔ جیسے جیسے میں پڑھ رہا تھا اس کی



تکلیف میں اضافہ ہی ہوتا جا رہا تھا۔ میں نے پانچ چھ بار ہی پڑھا تھا کہ اس نے چیخیں مارنا شروع کر دیں۔ اس کے ساتھ ہی اس نے آیان کی طرف بھی مدد بھری نظروں سے دیکھنا شروع کر دیا۔ اچانک آیان نے بھی چیخیں مارنی شروع کر دیں۔ میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا تو حیران رہ گیا کہ اسے تکلیف بالکل نہیں ہو رہی تھی مگر وہ ایسے ہی چیخے جا رہا تھا۔ اب ساری گیم صاف صاف میرے سمجھ میں آ گئی۔ آیان اکیٹنگ کر کے مجھے جذباتی طور پر بلیک میل کر رہا تھا تا کہ میں ثوبان کو چھوڑ دوں۔

”آیان!۔ کیا ہوا؟“ میں نے انجان بنتے ہوئے پوچھا۔  
”آقا!۔ ثوبان میرے پروار کر رہا ہے۔ مہربانی کر کے مجھے بچالیں۔“ آیان نے ثوبان کو آنکھ ماری۔

”آیان!۔ تو سمجھ کہ تو جان سے گیا۔“ ثوبان نے چیختے ہوئے

غصیلی آواز میں کہا۔ وہ بھی اس ڈرامے میں اپنی تکلیف کے باوجود  
پورا پورا رنگ بھر رہا تھا۔

”اوہ اچھا۔۔“ میں ایسا بن گیا جیسے مجھے پتہ ہی کچھ نہیں۔ مگر پھر میں  
نے آیان کی طرف متوجہ ہو کر وہی ورد شروع کر دیا۔ آیان کا چہرہ  
حیرت اور پھر تکلیف سے بگڑ گیا۔

”آقا!۔۔۔۔۔ یہ۔۔۔ یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔“ آیان کے لہجے میں بلا  
کی حیرت تھی۔

”آیان!۔۔۔۔۔ تجھے چیخنے کا بہت شوق ہے نا۔ چل تیرا شوق پورا  
کر دوں“ میں نے پچکار تے ہوئے کہا۔  
آیان نے چونک کر میرے طرف دیکھا اور پہلی بار ہماری آنکھیں چار  
ہوئی۔

”اوہ آقا!۔۔۔ تم تو مجھے دیکھ سکتے ہو۔“ آیان نے جلدی سے کہا ثوبان

کے چہرے پر بھی تکلیف کے باوجود میں رنگ بدلتے دیکھ رہا تھا۔  
”مجھے معاف کر دو آقا!“۔۔۔ آیان نے تکلیف سے کراہتے ہوئے  
کہا۔ ”مجھے سے بڑی غلطی ہوئی“

”یہ تمہاری پہلی نہیں دوسری غلطی ہے اور مجھے دھوکہ دینے کی سزا بھی۔  
اب جب تک ثوبان یہاں سے چلا نہیں جاتا اور اس لڑکی کو دوبارہ  
تنگ نہ کرنے کا وعدہ نہیں کرتا تمہاری تکلیف میں رہو گے۔“ میں نے  
غضبناک ہوتے ہوئے کہا۔

”ثوبان چل بھاگ جا یہاں سے“ آیان نے جلدی سے بینترا  
بدلتے ہوئے اب ثوبان سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا اس بار اس  
نے کوئی اشارہ نہیں کیا تھا۔

”اے آیان کے آقا!“۔۔۔ میں اس لڑکی سے سچا پیار کرتا ہوں۔ مجھے  
اس سے الگ مت کر۔“ و ثوبان نے گڑگڑاتے ہوئے عاجزی سے



کہا۔

”ثوبان!۔۔۔ میں تیرے پیار کو اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ میں تین تک گنوں گا اگر تم نہ گئے تو پھر تمہیں جلنا ہی پڑے گا۔“ میں نے اسی طرح کڑک دار لہجے میں کہا۔

”ایک۔۔۔ دو۔۔۔ تین“ میں نے گنا مگروہ نہیں کیا۔ میں نے اس بار ثوبان کی طرف توجہ کرتے ہوئے ورد تیزی سے کرنا شروع کر دیا۔ ثوبان کے حلق سے چیخیں نکلنے لگیں۔ دو مین منٹ میں اس کا برا حال ہو گیا۔ جب تکلیف اس کی برداشت سے باہر ہونے لگی تو اچانک اس نے گڑ گڑا کر کہا

”میں چھوڑ رہا ہوں اس کو اے آدم زاد۔ اس عذاب کو بند کر۔“ اس کے لہجے میں بہت کرب تھا۔

”چل چھوڑ پہلے۔“ میں نے کہا اور پھر میں نے دیکھا کہ وہ لڑکی



اچانک چکرا کر زمین پر گر پڑی۔

”لو چھوڑ دیا۔ اب تو خدا کے واسطے میرا عذاب کم کرو میں جلا جا رہا ہوں۔“ ثوبان نے کہا۔

میں نے جلدی سے دوسری آیات کا ورد شروع کر دیا اور پھر ایک منٹ میں ہی میں نے ثوبان کے چہرے کو نارمل ہوتے ہوئے دیکھا۔

”اچھا ٹھیک ہے میں اب جا رہا ہوں اے آدم زاد!۔ مگر تو نے ہم عاشقوں کے بیچ آ کر اچھا نہیں کیا“ ثوبان نے دھمکی آمیز لہجے میں

کہا۔ میں نے جواب دینے کی بجائے پھر پہلی والی آیات کا ورد شروع کر دیا اور ثوبان اس طرح بھاگا جیسے تاشو بابا کلفٹن چھوڑ کر بھاگا تھا۔

”آقا مجھے تو معاف کر دو۔ میں لاعلم تھا کہ تو مجھے دیکھ سکتا ہے۔“

آیان نے عاجزی کے ساتھ کہا۔

”آیان!۔۔۔ میں اب سمجھ گیا ہوں کہ یہ شرارت تم جنوں کی فطرت

میں ہے۔ مگر خبردار۔ اب میں تمہارے پر اعتبار نہیں کروں گا۔ تم نے مجھے ایک بار نہیں کئی دفعہ دھوکہ دیا ہے۔ میں نے سوچا تھا کہ جب میں اس قابل ہو جاؤں گا کہ اپنا دفاع خود کر سکوں تو تجھے چھوڑ دوں گا مگر اب اس واقعہ کے بعد ایسا ہونا ناممکن ہے۔“ میں نے حتمی لہجے میں کہا اور پھر دوسری آیات کریمہ پڑھ کر آیات کی تکلیف دور کر دی۔

”آقا!۔۔۔ رحم۔۔۔ رحم!“ آیات عاجزی سے گڑ گڑایا۔ ”تم اب اس قابل ہو چکے ہو کہ نہ صرف اپنا دفاع کر لو بالکل اب تو تم ہم جنوں سے بھی زیادہ طاقتور ہو چکے ہو۔ مجھ پر رحم کھا کر آزاد کر دو۔“

”نہیں!۔۔۔ اب ہم اس پر دوبارہ کبھی بات نہیں کریں گے۔“ میں نے سخت لہجے میں کہا اور آیات بجھ کر رہ گیا۔

”جو حکم میرے آقا“ اس نے بجھے ہوئے لہجے میں کہا۔ دراصل مجھے اس بات پر بہت غصہ آیا تھا کہ اس نے ثوبان کے ساتھ مل کر مجھے بے

وقوف بنایا تھا۔

اس کام کو نبٹا کر میں باہر نکل آیا۔ سلطان علی تیزی سے ایک ملازم کے ساتھ اندر گیا اور اپنی بیٹی کو لے کر باہر آ گیا۔ چونکہ اس کے پاس کوئی ایسا سٹم تھا کہ وہ اندر کی کارروائی دیکھ سکتا تھا اس لئے اس کو کچھ بتانے کی ضرورت نہیں تھی۔ میں نے چپ چاپ باہر کا رخ کیا۔ مگر گیٹ پر پہنچنے سے پہلے ہی سلطان علی نے مجھے آ لیا۔ آتے ہی وہ میرے پاؤں میں بیٹھ گیا۔

”سرکار!۔۔۔ آپ کا یہ احسان میں ساری زندگی نہیں بھول سکوں گا۔“  
اس نے عاجزی کے ساتھ کہا۔

”سلطان علی صاحب!۔۔۔ میں نے کوئی احسان نہیں کیا ہے۔“  
میں نے روشندی سے کہا۔ ”یہ میرا فرض تھا۔ اور آپ مہربانی کر کے میرے پاؤں چھوڑ دیں۔ کیوں مجھے گناہ گار بنا رہے ہیں؟“



سلطان علی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

”حضور!۔۔۔ میری درخواست ہے کہ آپ مجھ سے کچھ ناز نیاز لے لیں تاکہ میرے دل کو کچھ اطمینان ہو کہ میں نے آپ کی خدمت میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔“ سلطان علی نے عاجزی سے کہا۔

”سلطان علی صاحب!۔۔۔ میں نے پہلے بھی کہا تھا کہ میں ناز نیاز نہیں لیتا۔“ اس بار میں نے ڈرامائی انداز سے کہا۔ ”آپ مہربانی کر کے مجھے اجازت دیں اور اپنی بیٹی کا علاج کروائیں۔ اس کی طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی مجھے کیونکہ ایک جن نے کئی مہینوں سے اس کے جسم پر قبضہ کیا ہوا تھا۔“

یہ کہہ کر میں جلدی سے باہر گیٹ کی طرف بڑھ گیا۔ سلطان علی وہیں کھڑا میری طرف حیرت بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ باہر آتے ہی میں نے آیاں کو کہا کہ مجھے گھر لے چلے۔ چند لمحوں بعد میں اپنے گھر



میں تھا۔

اگلے دو دن کوئی قابل ذکر بات نہیں ہوئی مگر تیسرے دن سلطان علی پھر اٹکا۔

”چھوٹی سرکار!۔۔۔ میں سمجھ گیا ہوں کہ آپ کا مقصد دوسروں کے کام آنا ہے۔ میں بھی اس سلسلے میں اپنا حصہ ڈالنا چاہتا ہوں۔“ اس کے لہجے میں کوئی خاص بات تھی۔

”میں سمجھا نہیں۔ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟“ میں نے حیرت سے

پوچھا

”چھوٹی سرکار!۔۔۔ ایک چھوٹا سا آپ کا آفس میں نے بنوا دیا ہے

سر سید ٹاؤن میں۔ اور اخبارات کے ذریعے اشتہارات بھی دینے کا

ارادہ ہے کہ اگر کوئی انسان میرے جیسی مشکل میں ہے تو وہ آپ سے

رابطہ کرے۔ اس مقصد کے لئے میں نے کچھ لوگوں کو ملازمت پر رکھا

ہے جو ہر کیس کی جانچ کریں گے اور اگر وہ اسی طرح کا مافوق لفطرت کیس ہو تو ہم آپ سے درخواست کریں گے کہ آپ ہمیں وقت دیں۔ اس طرح آپ اور ہم دونوں ہی اس ثواب کے حق دار ہونگے جو ان مجبور اور بے بس انسانوں کی مدد کر کے ملے گا۔“ سلطان علی کے لہجے میں بڑا خلوص تھا۔

اس نے اس پیشکش کے ساتھ مجھے مشکل میں ڈال دیا تھا۔ اگر میں نا کر دیتا تو میرے اپنے مقصد کو نقصان پہنچتا تھا۔ آخر میں نے اس کو قبول کرنے کا فیصلہ کیا۔

”ٹھیک ہے سلطان علی صاحب!۔۔۔ اللہ تعالیٰ آپ کی اس کوشش کو قبول کریں۔ میں حاضر ہوں جب بھی میری ضرورت ہو آپ مجھے بلا لیجئے گا۔“ میں نے جواب دیا۔

”سرکار!۔۔۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ آپ روزانہ یا کسی خاص دن ایک

مقررہ وقت پر خود سائلوں سے مل لیں؟“ سلطان علی نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔ ”یہ میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ ہو سکتا ہے کہ میرے ملازم سہی طور پر معاملے کو جانچ نہ سکیں۔ یقیناً آپ اپنے علم سے بہت ساری پوشیدہ معلومات بھی لیں سکیں گے۔“

”ٹھیک ہے!“ میں نے کچھ سوچ کر کہا۔ ”میں ہر بدھ والے دن دو

بجے سے شام چھ بجے تک وہاں ہی موجود ہوں گا۔“

”یہ بہت بہتر رہے گا۔“ سلطان علی نے جلدی سے خوش ہوتے

ہوئے کہا۔

”لیکن میری ایک شرط ہے“ اچانک مجھے ایک خیال آیا تو میں نے

فورا کہا۔

”جی وہ کیا۔“ سلطان علی نے چونک کر پوچھا۔

”آپ یا آپ کا کوئی ملازم کسی سائل سے کوئی ناز یا معاوضہ طلب



نہیں کریں گے۔“ میں نے حتمی لہجے میں کہا۔

”بے شک“ سلطان علی نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا۔ ”آپ اس سلسلے میں مکمل طور پر بے فکر رہیں۔“

اس کے بعد یہ سلسلہ شروع ہو گیا۔ میں نے اپنی تعلیم جاری رکھی اور ساتھ ہی ساتھ یہ خدمت خلق بھی۔ کبھی کبھار کوئی قسمت کا مارا آ جاتا تو میں اس کی مدد کر کے اس کو جنات سے پا پھر کالے جادو کے کسی عمل سے چھٹکارا دلاتا۔ اس سلسلے میں شیخ صاحب کی کتاب میری استاد تھی۔ جب بھی مجھے کوئی مشکل پیش آتی تو میں اس کا حل اسی میں تلاش کرتا اور ہر بار مجھے کوئی نہ کوئی حل مل ہی جاتا۔ اس دوران مجھے ایک دو بار پھر وہی خواب آیا اور اس نے مجھے الجھا سا دیا۔ اگر میں یہ ہی کام کرنے کے لیے پیدا ہوا تھا تو میں نے یہ کام شروع کرتو دیا تھا۔ پھر یہ یاد دہانی ختم کیوں نہیں ہوئی؟ مگر اس کا میرے پاس کوئی جواب



نہیں تھا۔ آیا اب بھی اب میرے ساتھ کافی سیدھا ہو گیا تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مجھے پتہ چلا کہ وہ میرے سوتے ہی چلا جاتا تھا اور اپنے گھر میں ہی رات گزارتا تھا۔ اور اگلی صبح میرے اٹھنے سے پہلے واپس آ جاتا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ جو اس نے یہ کہا تھا کہ وہ پندرہ سولہ سال سے گھر نہیں گیا تو سب جھوٹ تھا۔ وقت کے ساتھ ساتھ اب میں اس کا مزاج <sup>www.darpan.com</sup> شگفتہ ہوتا جا رہا تھا۔ ایک سال اسی طرح گزر گیا۔ اور پھر وہ ایک خاص واقعہ ہو گیا۔

ایک سائل ہمارے آفس میں آیا۔ اس کا قصہ بڑا ہی عجیب تھا۔ ان کا بیٹا جو پچیس سال کا تھا ایک سفر پر کوئٹہ گیا تھا مگر جب واپس آیا تو بدلہ بدلہ سا تھا۔ اب وہ ہندی بڑی روانی سے بولتا ہے جبکہ اس نے کبھی کوئی ہندی فلم بھی نہیں دیکھی۔ وہ کسی کو بھی نہیں پہچانتا بالکل اپنے آپ کو بھی گویا کشن کے نام سے متعارف کرواتا ہے حالانکہ اس کا

نام جاوید ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے جسم تو وہی ہے مگر اندر روح بدل گئی ہے۔ اسے اپنی پرانی زندگی بالکل بھی یاد نہیں ہے اور جو باتیں وہ اپنے بچپن کی کرتا ہے وہ ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔

اس کی پوری کہانی سن کر مجھے بھی بڑا اشتیاق ہوا کہ میں بھی اس سے ملوں کیونکہ یہ ذرا ہٹ کر کیس تھا۔ اس لیے میں اگلے ہی دن اس کے گھر چلا گیا۔ خاطر مدارت کے بعد وہ اس کو میرے سامنے لے آئے۔

”جے رام جی کی“ اس نے آتے ہی مجھے گھور کر دیکھا مگر منہ سے صرف اتنا ہی کہا۔

”جاوید صاحب!۔۔۔ آپ ہندو کب سے ہوئے“ میں نے مسکراتے ہوئے سوال کیا۔ ویسے مجھے اس بات کی حیرت تھی کہ اس کے قریب کوئی جن موجود نہیں تھا۔ شروع میں میرا اندازہ یہی تھا کہ

کوئی جن ہے جو تنگ کر رہا ہے۔

”سلیمان بابو!۔۔۔ ہم تو کبھی مسلمان تھے ہی نہیں۔ یہ سب تو اس

شریر کا کھیڈ ہے۔“ اس نے میرے آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے

ہوئے کہا۔ اور مجھے حیرت کا ایک جھٹکا لگا۔ اس کے سامنے کسی نے

میرا نام نہیں لیا تھا اور اس کے والد صاحب بھی مجھے چھوٹی سرکار کے

نام سے ہی جانتے تھے۔

”تو تم میرا نام بھی جانتے ہو؟“ میں نے اپنی حیرت کو چھپاتے ہوئے

بدستور مسکراتے ہوئے کہا۔

”جی!۔۔۔ اور یہ بھی کہ آپ اپنے ماتا پتا کی اصل اولاد نہیں ہیں۔“

اس نے اس بار شریر سے لہجے میں کہا اور میں حیرت سے اچھل پڑا۔

”کیا مطلب“ میں بمشکل یہ کہہ سکا۔

”مطلب یہ سلیمان صاحب عرف چھوٹی سرکار کہ ہم تمہارا سارا کچا



چھٹا جانتے ہیں اس لئے بہتری اسی میں ہے کہ یہاں سے چلتے بنو۔  
ہم ایک کام کے سلسلے میں اس شریر میں پراپست ہوئے ہے۔ جیسے ہی  
ہمارا کام پورا ہوا ہم چلے جائیں گے۔ تم اپنے کام سے کام رکھو۔“  
اس بار اس کا لہجہ کچھ دھمکی آمیز تھا۔

مجھے بہت حیرت تھی کہ وہ میرے بارے میں کچھ ایسی باتیں جانتا تھا  
جس کے میرے علاوہ یہاں کسی اور کو علم نہیں تھا مگر مجھے سو فیصد یقین  
تھا کہ یہ ایک جن ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس نے کسی جادو ٹونے سے  
میرے بارے میں یہ ساری باتیں معلوم کر لیں ہوں۔ تاہم مجھے  
یقین تھا کہ ایک بار میں اس کے وجود میں آگ والی جلن پیدا کی تو یہ  
طوطے کی طرح سب کچھ بولے گا۔ پھر میں پوچھ لوں گا کہ اسے  
میرے بارے میں کہاں سے معلومات ملیں۔

”دیکھو!۔۔۔ میں تمہیں ایک موقع دیتا ہوں۔ جاوید کو آزاد کر دو ورنہ



میں تمہیں جلا کر بھسم کر دوں گا۔“ اس بار میں بھی ذرا کڑک دار لہجے میں کہا۔

”سلیمان بابو!۔۔۔ مجھے تو میرے گھر والے دو سو سال پہلے جلا چکے۔

اب تم کیا جلاؤ گے۔“ اس کے لہجے میں طنز تھا۔ سب کے سامنے یہ

انسٹ میں برداشت نہ کر سکا اور میں نے فوراً ہی اس کی طرف توجہ کر

کے ورد شروع کر دیا۔ میرا خیال تھا کہ ابھی اس کی چیخیں بلند ہونا

شروع ہو جائیں گی مگر پانچ منٹ تک مسلسل ورد کرنے کے باوجود

جب اسے کچھ نہ ہوا تو مجھے حیرت کا ایک جھٹکا لگا۔ اچانک میرے

کان میں آیان نے کہا۔

”آقا!۔۔۔ یہاں سے نکل چلو۔ یہ مشرقی سولومن کا ایک حکومتی

عہدے دار ہے۔ اور بہت بڑا جادوگر۔ ایسا نہ ہو کہ لینے کے دینے پڑ

جائیں۔“

میں ابھی حیرت زدہ آیان کی باتوں پر غور کر رہا تھا کہ اچانک اس نے کہا۔

”اچھا!۔۔۔ تو تم ہو وہ سلیمان جسے سہراب نے چھپانے کے لئے اپنی جان تک دے دی۔ اور عظیم شوالہ بھی جس کے بل پر طالش سرکار سے ٹکرا گیا۔“ اس کی آواز میں ایسا جوش تھا جیسے اس نے اچانک کوئی خزانہ پالیا ہو۔

میں ہکا بکا اس کے منہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ یوں لگتا تھا کہ جیسے میرا ماضی اس کی آنکھوں کے سامنے ہے اور وہ بہت کچھ ایسا بھی جانتا ہے جو میں خود بھی نہیں جانتا۔ جیسے کہ عظیم شوالہ والی کہانی میری سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ لگتا تھا کہ یہ کوئی جادوگر ہے اور یقیناً کالا جادو جانتا ہو گا۔ یہ سوچ کر میں نے کالے جادو کے توڑ والی عملیات یاد کرنے شروع کیے۔ ابھی میں نے کسی عمل کا ارادہ بھی نہیں کیا تھا کہ اچانک آیان نے چیختے ہوئے مجھے کہا۔

”آقا۔۔۔ بھاگو!“ اس کی آواز بڑی عجیب سی تھی۔ میں کچھ نہ سمجھتے ہوئے بھی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

”کدھر چلے چھوٹی سرکار!“ گوپیکشن نے طنزیہ لہجے میں کہا اور ساتھ ہی کچھ پڑھ کر میرے طرف پھونک دیا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرا سارا جسم اندیکھی رسیوں سے بندھ گیا ہو۔ آیان جو یہ سب

کچھ دیکھ رہا تھا بہت پریشان نظر آ رہا تھا۔ اس نے میرا یہ حال دیکھا تو اس نے بھی کچھ پڑھنا شروع کر دیا۔ چند لمحے کے بعد ہی مجھے ایسا لگا جیسے میرے سارے جسم کے گرد رسیاں جل گئی ہوں۔ مجھے اپنے جسم پر آگ کی تیش بھی محسوس ہوئی۔ یقیناً آیان کے کسی عمل نے رسیوں کو جلا دیا تھا۔ گوپنی کشن اس عمل سے چونک کر آیان کی طرف دیکھنے لگا۔

”اے جن!۔۔۔ میں تجھے اپنی حدود میں رہنے کی آخری چے تاوانی دے رہا ہوں۔ پرنتو اگر تم نے پھر یہ اخلت کی تو تم بھی برابر کے قصور وار ٹھہرو گے۔“ گوپنی کشن کا لہجہ بڑا سخت تھا۔

اس سے پہلے کہ گوپنی کشن کوئی اور عمل کرتا آیان نے مجھے دونوں ہاتھوں میں اٹھایا اور تیزی سے ہوا میں بلند ہوتا چلا گیا۔ پھر وہ اسی تیزی کے ساتھ مجھے گھر لے آیا۔ یہ سب کچھ اتنی جلدی سے ہو گیا کہ میں گوپنی کشن کو دیکھ بھی نہ سکا کہ وہ کیا کر رہا ہے۔



”آقا!۔۔۔ میں بہت سخت خطرے کی بو محسوس کر رہا ہوں۔“ آیان نے پریشان لہجے میں کہا۔ ”یہ گوپي کشن طالش سرکار کی بات کر رہا تھا جو کہ بادشاہ کا دست راست ہے۔ مجھے کچھ یوں محسوس ہو رہا ہے کہ آپ کے خاندان کی دشمنی براہ راست طالش سرکار سے ہے۔ اگر ایسا ہے تو میں آپ کی کچھ مدد نہیں کر سکوں گا۔ طالش سرکار سے ٹکر میرے کیا میرے باپ دادا کے بس کی بھی بات نہیں ہے۔“

میں بھی اس کی بات سن کر پریشان ہو گیا تھا کیونکہ حالات اسی طرف اشارہ کر رہے تھے۔ گوپي کشن نے بڑے واضح الفاظ میں کہا تھا کہ طالش سرکار سے ٹکرا کر کوئی سوالہ اور سہراب جن دونوں نے نقصان اٹھایا تھا۔ ابھی ہم پریشان کھڑے اس پر غور ہی کر رہے تھے کہ اچانک مجھے اپنے کمرے کے ایک نکر پر سفید سا دھواں پھیلتا ہوا محسوس ہوا۔ تھوڑی دیر میں وہ دھواں پھیل کر انسانی شکل اختیار کر گیا

اور اس شکل کو دیکھ کر میں اچھل پڑا۔ وہ گوپی کشن تھا۔

”مورکھ!۔۔ کہاں تک بھاگو گے“ گوپی کشن نے سخت لہجے میں کہا

”ٹھہر پہلے مجھے اس جن کا کچھ بندوبست کرنے دے۔“

یہ کہتے ہی اس نے منہ ہی منہ میں کچھ پڑھا اور میں نے دیکھا کہ آیان

کا سارا جسم شعلوں کی لپیٹ میں آ گیا اور اس کے منہ سے بے اختیار

دل کو ہلا دینے والی چیخیں نکلتی گئیں۔ ان چیخوں کی آواز سن کر پاس

والے کمرے سے اماں اچانک میرے کمرے میں آ گئی۔ گوپی کشن

نے ایک دم سے کچھ پڑھ کر ان پر پھونک دیا اور ایک دم آگ نے

اماں کو بھی گھیر لیا۔ ان کے منہ ایک تیز چیخ نکلی۔ اور میرا رنگ فق ہو

گیا۔ مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں کیا کروں۔ اماں نے بھی

آیان کی طرح مسلسل چیخنا شروع کر دیا تھا اور ان کی چیخوں میں بڑا

ہی کرب تھا جس نے میرے روح تک کو ہلا دیا۔

”بند کر اس آگ کو خبیث کی اولاد۔“ میں نے غصے سے چیختے ہوئے کہا۔

”کیوں کیا ہوا چھوٹی سرکار!۔۔۔ مجھے روک کیوں نہیں لیتے“

گوپی کشن نے چڑانے والے انداز میں کہا۔

اس کی آواز نے میرے تن من میں آگ لگادی۔ میں نے آؤ دیکھانہ

تاؤ، بس اس پر چھلانگ لگاؤں مگر میں اس کے بیچ و بیچ گزرتا ہوا

سیدھا دیوار سے جا ٹکرایا۔ وہ تو ایک دھواں تھا۔ میں اس کو چھو بھی نہ

سکا۔ میں ابھی اسے حیرت سے دیکھ ہی رہا تھا کہ اماں بے ہوش ہو کر

گر پڑی۔ ان کا سارا جسم جھلسا ہوا تھا اور بڑے بڑے آبلے صاف نظر

آ رہے تھے۔ مجھے یوں لگ رہا تھا کہ جیسے وہ آبلے میرے دل پر لگے

ہوں۔ میں ایک اندیکھی آگ میں جل رہا تھا مگر مجھے کچھ سمجھ میں نہیں

آ رہا تھا کہ میں اس عفریت سے کیسے چھٹکارا حاصل کروں۔ اچانک



ایک خیال تیزی سے میرے دماغ میں آیا اور میں نے چلا کر کہا۔  
”ٹھیک ہے۔ میں اپنے آپ کو تمہارے حوالے کرتا ہوں۔ تم خدا کے  
لئے میرے ماں کو چھوڑ دو۔“ میرے لہجے میں التجا تھی۔  
گوپی کشن نے چونک کر میرے طرف دیکھا۔  
”کوئی ماں“ اس کے لہجے میں حیرت تھی۔  
”یہ جس کو تم آگ میں زندہ جلا رہے ہو۔“ میں نے انتہائی دکھ بھر لہجے  
میں کہا۔

گوپی کشن نے چونک کر اماں کی طرف دیکھا اور پھر ایک اور منتر پڑھ  
کر اماں پر پھونک دیا۔ ان کی گرد لگی ہوئی آگ ایک دم بجھ گئی مگر اب  
ان کا جسم بالکل بے حرکت پڑا ہوا تھا۔ پتہ نہیں وہ زندہ بھی تھیں  
یا نہیں۔ میرا دل خون کے آنسو رو رہا تھا۔ میں دوڑ کر ان کے پاس پہنچا  
اور جلدی سے ان کی نبض چیک کی۔ نبض بہت ہی سست روی سے چل



رہی تھی۔

”تمہیں تمہارے خدا کا واسطہ ہے انہیں بچالو۔“ میں نے پھر اسی سے التجا کی۔ ”میں ساری زندگی تمہاری غلامی کروں گا۔ بس ان کو بچالو۔“ گوپی کشن بہت ہی حیرت سے مجھے اور پھر اماں کو بار بار دیکھ رہا تھا۔ ”میرے گھیان کے اوڑتو تمہاری ماما تمہارے جنم کے سہے ہی طالش سرکار کے ہاتھوں قتل ہو گئی تھی۔ مگر یہ سچ ہے تو یہ عورت کون ہے جسے تم ماما کہہ رہے ہو؟“ گوپی کشن بہت زیادہ حیرت میں مبتلا تھا۔ ”بتاتا ہوں۔ سب بتاتا ہوں۔ مگر پہلے خدا کے لئے ان کے کچھ کرو۔ ان کی حالت بہت ہی خطرناک ہے۔“ میں نے تقریباً چلاتے ہوئے کہا۔

”میں کچھ نہیں کر سکتا۔ میرا عمل جلاوے ہے۔ مرہم نہیں رکھے ہے۔“ اس نے تیز و تند لہجے میں کہا۔

یہ سنتے ہی میں نے تیزی سے اماں کو اٹھایا اور بھاگتا ہوا دروازے سے باہر نکل گیا۔ تیزی سے راہداری پار کی اور دروازے سے باہر نکل گیا۔ پھر میں مین سڑک کی طرف پاگلوں کی طرح بھاگا۔ میں بھاگتا بھی جا رہا تھا اور اونچی آواز میں چیختا بھی جا رہا تھا۔

”خدا کے لئے کوئی میری ماں کر بچالے۔ انہیں ہسپتال لے جائے۔“

ابھی میں سڑک سے کچھ دور ہی تھا کہ ایک کار بڑی تیزی سے میرے قریب آ کر رکی۔ میں نے دیکھا ہمارا ایک پڑوسی نیچے اتر کر میرے طرف بڑھ رہا تھا۔

”کیا ہوا سلیمان بیٹا!“ پڑوسی جن کا نام قادر بخش تھا انہوں نے حیرت بھرے لہجے میں پوچھا۔

”چچا۔۔۔ پلیز ان کو ہسپتال لیجانے میں میرے مدد کریں۔“ میں

نے التجا کرتے ہوئے کہا۔ ”یہ جل گئی ہیں۔“

”ادھر لے آؤ میری کار میں لے آؤ۔“ انہوں نے جلدی سے گاڑی کی طرف بڑھتے ہوئے کہا اور پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولنے لگے۔ میں اماں کو اٹھائے ہوئے تیزی سے گاڑی میں گھس گیا۔ اور قادر بخش چچا نے جلدی سے گاڑی آگے بڑھا دی۔ وہ آندھی اور طوفان کی طرح گاڑی چلاتے ہوئے سنٹرل ہسپتال پہنچ گئے۔ میں اماں کو اٹھائے ہوئے ہسپتال کے مین دروازے کی طرف بھاگا۔ مین دروازے کے سامنے ہی ایک سٹریچر پڑی ہوئی تھی۔ میں نے اماں کو اس پر ڈال دیا اور چیخ چیخ کر سٹاف کو آوازیں دینے لگا۔ تھوڑی دیر میں وہاں سٹاف کی بھیڑ لگ گئی۔ پھر ایک ڈاکٹر بھی آ گیا۔ اور پھر وہ اماں کو لے کر اپریشن تھیٹر میں گھس گئے۔ اور میں اکیلا ایک بیچ پر بیٹھ کر رونے لگا۔ اماں کی جو حالت میں نے دیکھی تھی وہ بہت ہی خراب تھی۔ سارا جسم



جھلس گیا تھا۔ اس لئے میں بہت ہی پریشان تھا۔

تھوڑی دیر میں بابا بھی آگئے۔ شاید کسی نے ان کو اطلاع دے دی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی وہ میرے طرف لپکے۔

”کیا ہوا سلیمان؟“ ان کی زبان کپکپا رہی تھی۔

”بابا۔۔ وہ اماں“ میں بس اتنا ہی کہہ سکا اور ان کے ساتھ لگ کر

رونے لگا۔ وہ بے چارے خود بدمعاش پریشان تھا مگر پھر بھی مجھے تسلیاں دینے لگے۔

تھوڑی دیر میں ڈاکٹر صاحب باہر آئے اور ہمارے طرف دیکھ کر کچھ دیر خاموش رہے اور پھر بولے۔

”آپ لوگوں نے بہت دیر کر دی۔ ہم لوگوں نے اپنی پوری کوشش کی مگر۔۔۔“ یہ کہہ کر انہوں نے سر جھکا لیا۔

ان کی بات سن کر میں وہی بیٹھ گیا اور دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔



میرے اندر ایک آگ لگی ہوئی تھی۔ میری پیاری اماں میری وجہ سے جلی تھیں۔ میرے عملوں اور میرے اس کام کی وجہ سے انہیں آج یہ دن دیکھنا پڑا تھا۔ میرا بس نہیں چل رہا تھا کہ میں سارے جہان کو آگ لگا دوں۔ مگر میں بے بس تھا۔ ابا مجھے بڑی دیر تک سنبھالتے رہے۔ ان کی آنکھوں سے بھی آنسو جاری تھے۔ ہم کافی دیر تک اسی حالت میں روتے رہے۔ محلے کے لوگ بھی آگئے تھے اور بابا کے کچھ رشتہ دار بھی۔ انہوں نے ہمیں سنبھالا اور پھر کسی نہ کسی طرح ہم لوگ اس کمرے میں پہنچے جہاں پر اماں کی میت پڑی ہوئی تھی۔ دل خون کے آنسو رو رہا تھا۔

ہسپتال والوں نے پولیس کو فون کر دیا تھا۔ جب تک پولیس نہیں آئی اس وقت تک ہمیں وہی بیٹھ کر انتظار کرنا پڑا۔ اسی دوران، میں نے بابا کو سارا واقعہ صاف صاف سنا دیا۔ انہوں نے بہت ہی افسوس کے

ساتھ سارا واقعہ سنا اور پھر سر جھکا کر افسردہ سی حالت میں بیٹھ رہے۔

پولیس کے آنے پر انہوں نے میرے کان میں کہا۔

”بیٹا!۔۔۔ پولیس کو یہ ہی بتانا کہ وہ چولہے کی آگ کی زد میں آگئی

تھیں۔ اگر اصل بات بتائی تو بہت مشکل میں پڑ جائیں گے کیونکہ وہ

بات ان کی سمجھ میں نہیں آئی۔“ بابا نے افسردہ لہجے میں کہا۔

میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ اتنے میں ایک تھانیدار ہمارے پاس

www.define.pk

آگیا۔

”بہت ہی افسوس ہوا سائیں!۔۔۔ اس واقعہ کا سن کر۔“ اس نے رسمی

سے انداز میں افسوس کرتے ہوئے کہا۔ ”مگر یہ واقعہ ہوا کیسے؟“

”تھانیدار صاحب!۔۔۔ یہ میرا بیٹا اور اس کی اماں دونوں گھر میں

تھے۔ یہ اسکی ماں اور میرے بیوی بیچاری ہنڈیاں رکھنے باورچی خانے

میں گئی اور جب باہر نکلی تو آگ میں جل رہی تھی۔ میرے بیٹے نے

جلدی سے آگ بجھائی اور اٹھا کر ہسپتال لے آیا۔ مگر۔۔۔“ بابا نے  
نمناک آنکھوں سے تفصیل بتاتے ہوئے کہا آخر میں ان کے آنسو بھی  
نکل پڑے۔ میں تو پہلے ہی رو رہا تھا۔

تھانیدار نے ایک دو اور رسمی سوال کیے اور پھر یہی بیان لکھ کر چل پڑا۔  
جاتے ہوئے اس نے ڈاکٹر صاحب کو ہمیں میت لیجانے کی اجازت  
دے دی۔ ہم میت لے کر گھر آگئے۔ اور پھر میں تو اماں کی چار پائی  
سے لگ کر رونے لگا جب کہ بابا کفن و دفن کے انتظام میں مصروف  
ہو گئے۔ میں شاید اتنا نہ روتا یا شاید اپنے آپ کو جلد سنبھال لیتا مگر یہ  
بات کہ میں خود ہی ان کی موت کی وجہ بنا، مجھے کسی پل سکون نہیں لینے  
دے رہی تھی۔ میرا دل چاہ رہا تھا کہ زمین پھٹ جائے اور میں اس  
میں سما جاؤں۔ مگر ایسا نہیں ہو سکتا تھا۔

چونکہ میت کی حالت اچھی نہ تھی اس لئے انہیں جلدی ہی دفن کرنے کا



انتظام کیا گیا۔ اور عشاء کے وقت جنازہ پڑھ کر ہم انہیں منوں مٹی  
تے چھوڑ آئے۔ میں اب روتی نہیں رہا تھا مگر میرے اندر کی آگ مجھے  
اندر ہی اندر جلائے جا رہی تھی۔ اتنے میں، میں نے آیان کو دیکھا۔  
وہ ایک طرف افسردہ سا کھڑا تھا۔ پتہ نہیں اس کی جان کیسے چھوٹی  
تھی۔ جب سب رشتہ دار ہمیں آرام کرنے کا کہہ کر چلے گئے تو میں  
نے آیان سے پوچھا۔

”آیان!۔۔ تیرا کیا حال ہے اور تو اس خبیث سے کیسے چھوٹا“ میں  
نے سوال کیا۔

”آقا!۔۔ آپ کے جاتے ہی اس گویا کشن نے ایک اور منتر پڑھ کر  
میری آگ بھی بجھا دی۔ چونکہ میں آپ کی وجہ سے مجبوراً وہاں ٹکا ہوا  
تھا اس لئے جیسے ہی آگ بجھی، میں فوراً وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا۔  
اپنے گھر پہنچا تو والد صاحب نے جو خود بھی منجھے ہوئے حکیم ہیں نے



میرا علاج کیا۔ ایک مہر ہم سا لگا دیا سارے جسم پر اور پھر ایک عمل کیا جس سے چند گھنٹے میں میں ٹھیک ہو گیا۔ پھر آپ کو تلاش کرتا ہوا یہاں پہنچا۔ آپکی حالت دیکھ کر میں نے آپ کو مخاطب نہیں کیا۔“ آیان نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

”آیان!۔۔ میں اس خبیث گوپی کشن کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔“ میں نے دانت پیستے ہوئے کہا۔ ”مجھے بتاؤ، اس کے جادو کا توڑ کیا ہے۔“

”آقا!۔۔ یہ سب باتیں میرے بس سے باہر کی ہیں۔“ آیان نے مودبانہ لہجے میں جواب دیا۔ ”گوپی کشن شمالی سولومن کا نائب صوبیدار ہے۔ یہ ایک اعلیٰ انتظامی عہدہ ہے جو بڑے بڑے جادوگر انسانوں یا پھر طاقتور جنوں کو ہی دیا جاتا ہے۔ اس کے جادو کا میرے پاس کوئی توڑ نہیں۔“

پھر تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد کہنے لگا۔

”مجھے یقین ہے کہ وہ واپس ضرور آئے گا۔ اس اچانک افتاد پر وہ

بیچھے ہٹا ہے مگر اس کا مقصد آپ کو پکڑ کر طالش سرکار کے حوالے کر

کے انعام لینا تھا۔ وہ اتنی آسانی سے آپ کا پیچھا نہیں چھوڑے گا۔

آپ اب بھی خطرے میں ہیں اور خدا را اپنے بچنے کی کوئی تدبیر

سوچیں۔“ آیان نے پریشان لہجے میں التجا کرتے ہوئے کہا۔

”تم میری فکر مت کرو۔ میں اب زندہ نہیں رہنا چاہتا۔ مجھے اس دنیا

میں دو مائیں ملی اور دونوں کو میرے سامنے قتل کر دیا گیا اور میں کچھ بھی

نہ کر سکا۔ پہلے تو میں اتنا چھوٹا تھا کہ ہوش میں بھی نہیں تھا مگر اب تو

سب کچھ میرے سامنے ہوا۔ میں جوان ہوں اور پھر بھی کچھ نہیں کر

سکا۔ میں نے جی کر کیا کرنا ہے۔“ میں نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔

”آقا!۔۔۔ ایسے مت کہیں۔ مایوسی گناہ ہے۔“ آیان نے تسلی دیتے

ہوئے کہا۔ ”آپ اپنا نہیں تو میرا ہی خیال کریں۔ چونکہ مجھے آپ کی حفاظت کی ذمہ داری دی گئی تھی اس لئے اگر آپ کو کچھ ہوا تو میں بھی زندہ نہیں بچوں گا۔“ آیان نے اس بار اصل بات کرتے ہوئے کہا۔ میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ اسی وقت میں نے سوچا کہ اس کو آزاد کر دوں اور پھر اپنے آپ کو حالات کے حوالے کر دوں۔ جو ہو گا دیکھا جائے گا۔

”آیان!۔۔ جا میں نے تجھے آزاد کیا۔“ میں نے اونچی آواز سے کہا۔ ”میں نہیں چاہتا ہوں کہ اب میری وجہ سے اور لوگوں کی جان جائے۔ تم آج سے آزاد ہو اور جاؤ اپنے آپ کو بچاؤ۔“ آیان نے چونک کر میری طرف یوں دیکھا جیسے میرے سر پر سینگ اگ آئے ہوں۔ پھر دوسرے ہی لمحے خوشی سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

”شکریہ آقا“ اس نے خوشی سے چہکتے ہوئے کہا اور فوراً ہی غائب ہو گیا۔ میں نے جو کیا تھا سوچ سمجھ کر کیا تھا۔ اگر وہ مجھے بچا نہیں سکتا تو مجھے بھی کوئی حق حاصل نہیں تھا کہ میں اپنے لئے اس کو قربانی کا بکرا بناتا۔

وہ رات جاگتے ہوئے گزری۔ تاہم صبح فجر کی نماز کے بعد میں اماں کی قبر پر چلا گیا اور بہت دیر تک وہی بیٹھا روتا رہا۔ روتے روتے پتہ نہیں کب میرے آنکھ لگ گئی۔ پھر کسی کے ٹھوکر مارنے سے میری آنکھ کھولی۔ میں نے چونک کر ٹھوکر مارنے والے کو دیکھا تو میرے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ وہ کم بخت گوپی کشن تھا۔

”چھوٹی سرکار!۔۔ بہت آرام فرمالیا۔ اب کچھ سسے ہمارے لئے بھی نکالے۔“ گوپی کشن کے لہجہ میں طنز تھا۔

”دیکھ گوپی کشن!۔۔ تیری میری کوئی لڑائی نہیں ہے۔ میں نے تیرا



کچھ نہیں بگاڑا مگر تو نے میری ماں کو قتل کر دیا ہے۔“ مجھے اپنی بے بسی پر رونا آرہا تھا۔ ”اب مجھے بھی مار ڈال ورنہ تیرا انجام وہ کروں گا کہ تیری سات پشتیں بھی پناہ مانگے گئیں۔“

”ہا ہا ہا“ گولی کشن نے اتنی زور سے قبضہ لگایا کہ شاید قبرستان کے مردوں نے بھی اسے گالیاں دی ہوں گیں۔ ”وہ کیا کہاوت ہے بابو جی کہ۔۔۔ رسی جل گئی مگر بل نہیں گئے۔“

کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد وہ پھر بولا۔

”پہلے تو بات اتنی سی ہی تھی بابو۔ مگر جب میں نے تمہاری جہنم کنڈلی دیکھنے کی کوشش کی اور نا کام رہا تو میں بڑا حیران ہوا۔ تو پہلا شخص ہے جس پر میرا یہ عمل بے اثر رہا۔ پھر میں نے دوسرے عمل سے بچتے ہوئے سے سے متعلق تو حیران رہ گیا کہ تو تو وہی ہے جسے ہر اب جن نے چھپا دیا تھا۔ طالش سرکار نے میرے ڈیوٹی لگائی تھی کہ تجھے تلاش

کروں مگر باوجود بے تحاشا تشدد کے اس سہراب نے زبان نہ کھولی۔  
اس طرح میں ناکام ہو گیا۔ تیرے پر اس سہراب نے بھی کچھ ایسا جادو  
کیا تھا کہ میں تجھے اپنے علم سے بھی نہ ڈھونڈ سکا۔ اب اچانک تو خود  
ہی سامنے آ گیا تو ساری کڑیاں ملنے لگی۔ اب تو میں تجھے تلاش سرکار  
کے سامنے پیش کر کے مشرقی سولومن کی صوبیداری مانگوں گا۔“  
گوپی کشن نے مزے لے لے کر تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

اس سے پہلے کہ میں کچھ جواب دیتا اچانک گوپی کشن نے کچھ پڑھ کر  
قبر کی ایک طرف زور سے پھونکا۔ ایک دم وہاں چھوٹا سا مگر عجیب سے  
پرندہ پیدا ہو گیا۔ بڑا ہی عجیب سا جانور تھا۔ اس کی چونچ کوئے جیسی تھی  
مگر اس کے پر چمگاڈر جیسے۔ ابھی میں اس کو دیکھ ہی رہا تھا کہ گوپی  
کشن نے کچھ اور پڑھ کر اس پر پھونک ماری اور یہ دیکھ کر میں حیران  
رہ گیا کہ وہ جانور حجم میں بڑا ہونے لگا۔ بڑا ہوتے ہوتے وہ کم از کم

دس فٹ اونچا ہو گیا۔ میں نے گھبرا کر ادھر ادھر مدد کے لئے دیکھا مگر  
آس پاس تو کیا، دور دور تک کوئی نہیں تھا۔ قبرستان مکمل سنسان پڑا ہوا  
تھا۔

”جا!۔ اس کو ہوائی حویلی چھوڑ آ!“ گوپی کشن نے اس پرندے کو  
حکم دیا۔

اس سے پہلے کہ میں کچھ سمجھتا اچانک اس پرندے نے تیزی سے  
سریںچے کیا اور مجھے اپنے منہ میں دبا لیا۔ اس کے منہ میں بڑے بڑے  
دانت تھے مگر اس نے دانستہ مجھے اپنے اونچے اونچے ہونٹوں کے  
درمیان دبا لیا۔ میں حیران سا اسے دیکھ رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے  
میں دو پاٹوں کے درمیان پھنسا ہوا ہوں۔ پرندے نے اچانک ایک  
چھلانگ لگائی اور ہوا میں اڑنے لگا۔ یہ منظر میرے لئے بڑا ہی  
ہولناک تھا۔ مجھے اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہو رہا تھا مگر کسی نہ کسی طرح

میرے ہوش ابھی تک قائم تھے۔ پرندہ مجھے لے کر سیدھا آسمان کی طرف اڑ رہا تھا۔ اس کی اڑان بہت تیز تھی۔ تھوڑی ہی دیر میں ہم اتنی اونچائی پر پہنچ گئے کہ مجھے زمیں پر بلڈنگیں بھی نظر آنی بند ہو گئی۔ اب نیچے دیکھنے کی مجھ میں ہمت نہیں تھی۔ یہ سوچ کر دل ہی دل میں ہول اٹھ رہے تھے کہ اگر اس پرندے نے مجھے چھوڑ دیا یا میں اس کے منہ سے کسی طرح پھسل گیا تو اتنی اونچائی سے گر کر میرا کیا بنے گا۔

پرندہ اسی طرح اڑتا ہوا بادلوں میں پہنچ گیا۔ بادلوں کے درمیان اڑتے ہوئے مجھے کچھ خاص نظر نہیں آ رہا تھا۔ پتہ نہیں وہ پرندہ کس سمت کو اڑ رہا تھا مگر میں نے محسوس کیا کہ جیسے اب وہ اونچائی کی بجائے کس خاص سمت میں جا رہا ہے۔ اچانک میں نے بادلوں کے درمیان میں ایک بڑا سا حویلی نما گھر دیکھا۔ یہ دیکھ کر میری حیرت کا کوئی ٹھکانا نہ رہا کہ وہ ایک بادل کے اوپر بنا ہوا تھا۔ بڑا ہی عجیب سا



منظر تھا۔ ابھی میں اس بادل کے متعلق سوچ ہی رہا تھا کہ پرندہ مجھے لے کر اس حویلی نما گھر کی چھت پر اتر گیا۔ پھر اس نے آہستہ سے مجھے چھت پر اتارا اور ایک بڑی چھلانگ لگاتے ہوئے ہوا میں اڑتا ہوا نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

یہ سب کچھ میرے لیے اتنا عجیب تھا کہ میں چند منٹ تک ہکا بکا ایسے ہی اس حویلی کی چھت پر کھڑا رہا۔ پھر میں نے اپنے ارد گرد کا جائزہ لینا شروع کیا۔ یہ ایک عام سی چھت تھی اور یہ حویلی بھی پکی اینٹوں سے بنی ہوئی لگ رہی تھی۔ اگر میں نے خود اس کو ایک بادل پر بنے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو شاید قیامت تک کسی کے کہنے پر یقین نہ کرتا۔ ایک طرف سے سیڑھیاں نیچے کو جا رہی تھیں۔ میں نے نیچے جا کر جائزہ لینے کا ارادہ کیا اور پھر سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔ سیڑھیاں اتر کر میں نیچے لان میں پہنچ گیا۔ ساتھ ہی چھوٹا سا برآمدہ تھا اور پھر ایک

کمرے کا دروازہ نظر آ رہا تھا۔ تھوڑی دیر میں، میں نے ساری حویلی کو گھوم کر دیکھ لیا۔ یہاں ایک کیچن، چار کمرے اور ایک لاؤنج تھا۔ برآمدہ بھی کافی کشادہ تھا اور چھوٹا سا لان بھی تھا۔ یہ وہ جگہ تھی جسے گوپی کشن نے میری قید کے لئے چنا تھا۔

میں نے اپنے آپ کو تقدیر پر چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا۔ میں نے سوچا کہ شاید یہ میری زندگی کے آخری چند گھنٹے یا دن ہیں اس لیے کیوں نا ان سے خوب لطف اندوز ہوا جائے۔ یہ سوچ کر میں لان میں آ گیا۔

اچانک ہی مجھے باہر کا منظر بڑا دلکش لگنے لگا۔ ہر طرف بادل ہی بادل اور درمیان میں کہیں کہیں اوٹ سے جھانکتا نیلا آسمان بڑا ہی حسین لگ رہا تھا۔ میں کچھ دیر اس میں کھویا رہا۔ پھر کچھ بھوک کا احساس ہوا تو سوچا کہ مرنے سے پہلے کیوں نا کچھ پیٹ پوجا کر لی جائے۔ یہ سوچ کر میں کیچن کی طرف چل پڑا۔ کیچن میں ایک طرف کافی

سارے پھل پڑے ہوئے تھے۔ اب میں ان سب چیزوں کا عادی ہو گیا تھا اس لیے میں نے زیادہ وقت اس حیرت میں ضائع نہیں کیا کہ یہ پھل کہاں سے آئے۔ جلدی سے ان کو اٹھا کر میں ایک کمرے میں پہنچ گیا جہاں پر ایک پلنگ بچھا ہوا تھا۔ اس پلنگ پر بیٹھ کر میں نے خوب سیر ہو کر پھل کھائے۔ ان میں سیب، امرود، مالٹے اور انگور بھی تھے۔ ان کا ذائقہ بھی پر لطف تھا۔ جب میں نے خوب سیر ہو کر کھا لیا تو پھلوں کی ٹوکری ایک طرف رکھ کر کمر سیدھی کرنے کے لئے لیٹ گیا۔ پتہ نہیں کب میری آنکھ لگ گئی۔

میں نے خواب میں دیکھا کہ وہی بزرگ جو ہمیشہ مجھے کسی کام کے بارے میں یاد دلاتے تھے آج پھر براجمان تھے۔ مگر آج پہلی بار ان کے الفاظ مختلف تھے۔

”بیٹا!۔۔۔ ہمت مت ہارنا۔ ہم سب کو تم سے بہت امیدیں وابستہ



ہیں۔ کسی طرح اس قید سے نکل کر جاڑوں کی وادی میں بابا فتح محمد کے پاس پہنچو۔ آگے کا راستہ وہ خود ہی بتا دے گا۔“ اتنے میں پھر وہی کالی سی چمگاڑ آئی اور اس بزرگ کو اٹھا کر لے گئی۔ جاتے ہوئے ان بزرگ کی آنکھوں میں پھر وہی عجیب سے بے بسی تھی۔

میں ایک دم سے ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ پتہ نہیں میں کتنی دیر سویا تھا۔ گھڑی دیکھی تو اندازہ ہوا کہ شاید ایک گھنٹہ ہی سو سکا تھا۔ خواب ابھی تک میرے ذہن میں تازہ تھا۔ میں اس کے بارے میں سوچنے لگا۔ یقیناً وہ بزرگ میرے راہنمائی کر رہے تھے۔ مگر میں اس قید سے کیسے نکل سکوں گا؟ آگے کی بات تو بعد میں سوچنی چاہیے تھی۔ مجھے ان بزرگ پر غصہ بھی آیا کہ بجائے اس کے کہ مجھے یہاں سے نکلنے کی کوئی ترکیب بتاتے، انہوں نے یہاں سے نکلنے کے بعد کا راستہ بتانا شروع کر دیا۔ بہر حال یہ ایک حوصلہ افزہ بات تھی کہ میری راہنمائی کی گئی تھی



جس کا مطلب تھا کہ میری مددگار قوتیں بھی کام کر رہی ہیں مگر شاید وہ  
طالب جادو گر کے ساتھیوں کا مقابلہ نہیں کر پار ہی۔ پھر مجھے یہ بھی یاد  
آیا کہ گوپی کشن نے کسی عظیم سوال کا ذکر کیا تھا اور پھر سہرا ب جن کا بھی  
جو طالب سرکار سے ٹکرا کر مارے گئے تھے۔ بہر حال اب مجھے یہاں  
سے نکلنے کے لئے کچھ سوچنا تھا۔ پہلی بار مجھے پچھتاوا محسوس ہوا کہ  
مجھے آیان کو آزاد نہیں کرنا چاہیے تھا۔ آج وہ اگر میرا غلام ہوتا تو یقیناً  
میری یہاں سے نکلنے میں ضرور مدد کرتا۔

کچھ دیر یونہی سوچوں میں الجھتے ہوئے مجھے گھٹن کا احساس ہوا۔ میں  
اٹھ کر باہر برآمدے سے ہوتا ہوا لان میں نکل آیا۔ باہر کا موسم بڑا  
دلکش تھا۔ اسے دیکھ کر ایک لمحے کے لیے میں اپنی سب سوچیں بھول  
گیا۔ اچانک میرے دل میں آیا کہ یہاں لان میں بیٹھنے کے لئے  
کرسی مل جائے تو کیا ہی بات ہے۔ بغیر کسی ارادے کے میں نے

ادھر ادھر دیکھا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ سامنے ہی ایک کرسی اور  
ایک میز لان میں پڑا ہوا تھا۔ مجھے اچھی طرح سے یاد تھا کہ ایسا کوئی  
میز یا کرسی پہلے وہاں پر موجود نہیں تھی۔ مگر شاید میری خواہش پر یہاں  
میز اور کرسی پہنچا دی گئی تھی۔ یہ بہت ہی عجیب سی بات تھی اس کا  
مطلب تھا کہ یہاں میں جو بھی سوچ رہا ہوں وہ سب مانیٹر ہو رہا تھا۔  
اس طرح تو میں یہاں سے بھاگنے کا جو بھی پروگرام بناتا اس کا بھی  
ان جادو گروں کو پتہ چل جاتا۔ یہ سوچ کر میں نے بھاگنے کا پروگرام  
کینسل کر دیا۔ اچانک میری نظر گھڑی پر پڑی تو یہ دیکھا کہ بارہ بجے  
والے تھے۔ مجھے یاد آیا کہ اماں کے قتل کا ختم آج ہی تین بجے بعد ظہر  
تجویز کیا گیا تھا۔ یقیناً مجھے اس کی تیاری ہو رہی ہوگی۔ یہ سوچ کر  
میری آنکھیں بھر آئیں کہ میں اپنی والدہ کے قتل میں بھی شریک نہیں  
ہو سکوں گا۔ پھر مجھے خیال آیا کہ کیوں نہ یہاں فارغ بیٹھنے کی بجائے

والدہ کے لئے کوئی پڑھائی ہی کروں۔ ان کی زندگی کے لیے تو کچھ نہیں کر سکا شاید آخرت کی بہتری کے لیے ہی کچھ پڑھ کر ان کی اگلی منزلوں میں آسانی پیدا کر سکوں۔ یہ سوچ کر میں جلدی سے ایک کمرے سے متصل باتھ روم میں گیا اور پھر وضو کر کے واپس لان میں آ گیا۔ یہاں کرسی پر بیٹھ کر میں نے ایک بار فاتحہ پڑھی اور پھر آیت کریمہ کی تسبیح کرنے لگا۔ ابھی مجھے مشکل سے چند منٹ ہی ہوئے ہونگے کہ اچانک حویلی لرز نے لگی اور اس کی در و دیوار سے عجیب سی چیخوں کی آوازیں آنے لگیں۔ میں اس زلزلے کی سی کیفیت میں جلدی سے زمین پر بیٹھ گیا۔ ابھی کچھ سمجھ بھی نہ پایا تھا کہ یہ زلزلہ ختم گیا اور ساتھ ہی میں نے ایک طرف گوپي کشن کو کھڑے ہوئے دیکھا۔ وہ تیز نظروں مجھے گھور رہا تھا۔

”کیا تکلیف ہے بابو!۔۔۔ کیوں تنگ کر رہا ہے؟ کیا پھر سے کوئی



جنتر منتر آزمانے کا ارادہ ہے۔“ گوپي کشن کے لہجے ميں گہرا طنز تھا۔

”نہیں!۔۔۔ مير ايسا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ مگر تم یہ کیوں پوچھ رہے ہو اور یہ زلزلہ سا کیوں آیا تھا؟“ ميں نے جی حیرت سے پوچھا کیونکہ ميرے سمجھ ميں کچھ بھی نہیں آیا تھا۔ ميرے اس جواب پر گوپي کشن نے بھی حیرت سے مجھے دیکھا بھرا بولا۔

”ابھی تم کیا پڑھ رہے تھے؟“ اس کی آواز ميں ہلکا سا ارتعاش تھا۔ اور ميں فوراً ہی معاملے کی طے تک پہنچ گیا۔ چونکہ ميں نے آیت کریمہ پڑھی تھی اس لیے شاید اس کے جادو ميں کوئی ہلچل پیدا ہوگئی تھی۔

”گوپي کشن!۔۔۔ تم جانتے ہو کہ آج ميرے والدہ کے قل کا ختم ہے۔ چونکہ تم نے مجھے یہاں بہت دور قید کیا ہوا ہے اس لیے ميں وہاں جاتو



نہیں سکتا مگر یہی سے ان کے ایصالِ ثواب کے لئے کچھ آیات پڑھ رہا تھا کہ یہ زلزلہ آگیا اور پھر جیسے ہی یہ رکا تم آگئے۔“ میں نے سچی بات بتاتے ہوئے کہا۔

”ہوں۔۔۔ تو یہ بات ہے۔ اچھا اب شانتی سے رہو اور ان شہدوں کو دوبارہ مت پڑھنا۔“ اس نے مجھے دھمکی آمیز لہجے میں کہا۔

”میں تو ضرور تلاوت کروں گا۔ یا تو تم مجھے میری والدہ کی رسمِ قل میں لے جاؤں یا پھر میں یہی آیات پڑھ پڑھ کر تمہارے اسے جادو کی حویلی کے درو دیوار تباہ کر دوں گا۔“ میں نے اس کی دھمکی سے اثر لینے کی بجائے الٹا اسے دھمکاتے ہوئے کہا۔

”کس مصیبت میں پھنس گیا ہوں“ گویا کشن نے بے بسی سے کہا۔

”طالش سرکار کو بھی ابھی سرکاری دورے پر جانا تھا۔ اچھا اب اگر تم کو اس جادو کا توڑ اتفاق سے پتہ چل ہی گیا ہے تو میں تمہاری خواہش پر

تمہیں تمہاری والدہ کی قبر پر لے چلتا ہوں۔ مگر کوئی ایسی ویسی حرکت مت کرنا۔ شام تک میں تمہارے لیے کسی اور جگہ کا بندوبست کرتا ہوں۔ طالش سرکار کی واپسی کو ایک دو دن تو لگ ہی جائیں گے۔“

گوپی کشن نے خود ہی سے باتیں کرتے ہوئے کہا۔ اور پھر کچھ پڑھ کر ہوا میں پھونک دیا۔ اچانک ایک طرف سے وہی پرندہ اڑتا ہوا نمودار ہوا اور لان میں اتر آیا۔ گوپی کشن اس سے مخاطب ہو کر بولا۔

”اس کو وہیں چھوڑ آؤ جہاں سے اٹھایا تھا۔“ گوپی کشن نے حکمیہ لہجے میں کہا۔ ”اور تم نے اس کی نگرانی بھی کرنی ہے۔ اگر یہ بھاگنے کی کوشش کریں تو اس کو اٹھا کر پاتال میں چھوڑ آنا۔“

پرندے نے سر کو جھکا کر سمجھ جانے کا اشارہ کیا اور پھر ایک دم سر گھما کر مجھے اسی طرح اپنے ہونٹوں میں دبا کر ہوا میں بلند ہو گیا۔ اس بار مجھے کچھ خاص حیرت نہ ہوئی مگر نیچے کی طرف پرواز کرنے کی وجہ سے کان

بند ہو رہے تھے اور کبھی کبھی دل بھی بیٹھنے لگتا تھا۔ تھوڑی سی دیر میں ہم بادلوں سے نیچے آ گئے۔ نیچے زمین ایک بہت بڑے گولے کی مانند نظر آرہی تھی۔ کچھ اور دیر کے بعد بلڈنگیں بھی نمایاں ہونے لگیں۔

پرندے نے اچانک تیزی سے ایک طرف کو غوطہ لگایا اور پھر چند ہی لمحوں کے بعد میں نے اپنے آپ کو قبرستان کے اوپر اڑتے ہوئے پایا۔ اس پرندے نے مجھے ٹھیک اسی جگہ پر اتارا جہاں میری والدہ کی قبر تھی اور جہاں سے لے کر وہ مجھے اڑاتا تھا۔ مجھے اتار کر وہ تیزی سے ایک طرف کو اڑ گیا۔ مگر اس بار وہ غائب نہیں ہوا بلکہ مجھے دور آسمان پر اڑتا ہوا نظر آنے لگا۔ میں سمجھ گیا کہ وہ میرے نگرانی کر رہا ہے۔ دور سے وہ کوئی عام سا کوا ہی معلوم ہوتا تھا۔

میں نے اس وقتی سی آزادی پر خدا کا شکر ادا کیا اور پھر گھر کی طرف چل پڑا۔ گھر پہنچا تو دیکھا کہ بابا بہت پریشان سے تھے مجھے دیکھتے ہی



انہوں نے سکھ کا سانس لیا۔

”بیٹا!۔۔ کہاں چلے گئے تھے۔ میں تو پریشان ہی ہو گیا تھا۔“ انہوں نے فکر مند ہوتے ہوئے پوچھا۔

”بابا!۔۔۔ اماں کی قبر تک گیا تھا۔ بس وہی بیٹھے بیٹھے دیر ہو گئی۔“ میں نے اصل بات چھپاتے ہوئے کہا۔

”بیٹا!۔۔۔ اب تم ہی میرا سہارا ہو۔“ بابا نے بے چارگی سے کہا۔  
”تمہاری اماں کے جانے کے بعد ہم دونوں کو ہی ایک دوسرے کے سہارے جینا ہے۔ مجھے اس طرح چھوڑ کر بغیر کچھ بتائے مت جایا کرو۔“

”ٹھیک ہے بابا!۔۔۔ آئندہ بتا کر ہی جاؤں گا۔“ میں نے ایسا وعدہ کرتے ہوئے کہا جس کے بارے میں مجھے اچھی طرح معلوم تھا کہ میں پورا نہ کر سکوں گا۔ بھلا ایک قیدی بھی کسی سی اجازت کے ملنے کا



انتظار کر سکتا ہے۔ بہر حال ان کو بہلانے کے لیے یہ کہنا ضروری

تھا۔ پھر ہم دونوں رسم قل کے انتظام میں لگ گے۔

مختلف کام کرنے کے دوران میرا دماغ آزادی کے بارے میں بھی سوچ رہا تھا۔ میں وقفے وقفے سے آسمان کا بھی جائزہ لے لیتا تھا مگر وہ کم بخت پرندہ وہیں اڑ رہا تھا۔ اسی دوران شاہ جی بھی آگئے۔ انہوں نے مجھے اپنے سینے سے لگا کر خوب پیار کیا۔ ان کو دیکھ کر پتہ نہیں کیوں مجھے رونا آ گیا۔ روتے روتے میں نے ان کو اپنے لیے دعا کرنے کو کہا۔ انہوں نے مجھے تسلی دیتے ہوئے دعائیں دیں۔ پھر انہوں نے رسم قل کی ابتداء کے طور پر وہی ہمارے گھر کے صحن میں نماز ظہر پڑھائی۔

نماز کے بعد ہم نے صحن میں ہی دریاں بچھا دیں۔ تمام نمازی قطاروں میں بیٹھ کر قرآن شریف پڑھنے لگے۔ میں نے بھی ایک

سپارہ لیا اور ایک طرف بیٹھ گیا۔ بابا کھانے کا انتظام کرنے چلے گئے۔ ابھی مجھے بیٹھے ہوئے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ اچانک ایک شخص میرے قریب آ کر بیٹھ گیا۔ میں نے اس کی طرف دیکھا تو چونک پڑا۔ وہ ایک جن تھا جو انسانی شکل میں موجود تھا۔ میں نے اسے اس کے سر پر بنے ہوئے ایک غیر مرئی ہیولے سے پہچانا۔ چونکہ میں اب جنوں کو دیکھ سکتا تھا اس لئے اس ہیولے کو بھی دیکھ سکتا تھا جو عام آدمی کی نظروں سے اوجھل تھا۔ اور پھر اس ہیولے کو غور سے دیکھنے پر مجھے یہ بھی پتہ چلانے میں دیر نہ لگی کہ وہ آیاں ہی تھا۔ میں نے حیرت سے آیاں کو اس آدمی کی شکل میں دیکھا۔ میں تو اسے آزاد کر چکا تھا اب وہ کیا لینے آیا تھا۔ اس نے بھی مجھے اپنی طرف دیکھتے ہوئے محسوس کر لیا۔ پھر اس نے مجھے سے مصافحہ کے لئے ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

”سلیمان صاحب!۔۔۔ مجھے آپ کی والدہ کے انتقال پر بہت دکھ ہے۔“ آیان نے دکھ بھرے لہجے میں کہا اس سے پہلے کہ میں کچھ بولتا وہ پھر بولا۔

”مجھے معلوم ہے کہ آپ مجھے پہچان چکے ہیں مگر نام لینے کی تو کوئی ضرورت نہیں ہے۔ بس مجھے آنکھوں کے اشارے سے بتادیں کہ اس گوپنیشن نے آپ پر نگرانی کئے کسے مقرر کیا ہے۔“ آیان نے مخصوص انداز میں میرے ہاتھ کو دباتے ہوئے کہا۔

مجھے اس کی باتوں پر بڑی حیرت ہوئی مگر پھر بھی احتیاطاً میں نے اس کا نام نہیں لیا

”آپ کی تشریف آوری کا شکریہ۔ میں تو سمجھا تھا کہ شاید اب آپ سے ملاقات نہیں ہو سکے گی۔“ میں نے جواب دیا اور پھر آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے آسمان کی طرف اشارہ کیا۔



آیان نے فوراً ہی اوپر نہیں دیکھا بلکہ سر جھکا کر کچھ پڑھنے لگا۔ میں نے بھی سر جھکا لیا اور سپارہ پڑھنے لگا مگر کن انکھیوں سے میں اسی کو دیکھ رہا تھا۔ آیان نے غیر محسوس انداز میں اوپر آسمان کی طرف دیکھا۔ اس وقت آسمان پر بس وہی ایک پرندہ ہی اڑ رہا تھا اور مسلسل ایک ہی جگہ پر چکر لگائی جا رہا تھا۔ اس پرندے کو دیکھتے ہی میں نے آیان کی پیشانی پر شکنیں پڑتی دیکھیں۔ پھر اس نے سر جھکا لیا اور بدستور کچھ پڑھائی کرنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد شاہ جی نے مجھے سپارے آکھٹے کرنے کا اشارہ کیا۔ یہ اس بات کی علامت تھا کہ وہ ختم شروع کرنا چاہ رہے ہیں۔ میں نے اٹھ کر تمام احباب سے آہستہ آہستہ قرآن شریف کے سپارے وصول کرنے شروع کر دیے۔ کچھ ہی دیر میں ختم کا باقاعدہ آواز ہو گیا۔ شاہ جی نے ختم مکمل کرنے کے بعد بڑی ہی رکت آمیز دعا کروائی



جس نے میرے آنکھیں پھر نرم کر دیں۔ اس کے بعد بابا نے ایک ساتھی کی مدد سے کھانا لگانا شروع کر دیا۔ میں نے بھی آگے بڑھ کر ان کا ہاتھ بٹانا شروع کر دیا۔ کھانا ختم کر کے تمام احباب آہستہ آہستہ بابا سے اجازت لے کر واپس جانے لگے۔ آخر میں آیا ان ہی رہ گیا۔ رخصت ہونے کے سے انداز میں وہ میرے پاس آیا۔

”اچھا میں چلتا ہوں۔ آپ فارغ ہو کر اپنے گھر کی چھت پر چڑھ جائے۔ ہمیں تیزی سے نکلنا ہو گا تا کہ ہم اس کو چکما دیں سکیں۔“ اس نے بڑے سادہ سے لہجے میں کہا اور پھر مجھ سے ہاتھ ملا کر ایک طرف کوچل پڑا۔

بابا نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا اور پھر سر جھٹکتے ہوئے صحن میں سامان سمیٹنے لگے۔ میں بھی ان کے ساتھ لگ گیا۔ اور پھر جیسے ہی آخری دری اٹھائی۔ میں نے بابا کے گلے لگتے ہوئے کہا۔

”بابا!۔۔۔ ہماری مشکل ابھی کم نہیں ہوئی۔ مجھے ابھی جانا ہوگا۔ کب

واپس آسکوں کچھ کہہ نہیں سکتا۔ بس آپ دعا کیجئے گا۔“ میں نے

گلوگیر لہجے میں کہا۔ بابا نے چونک کر مجھے دیکھ اور پھر زور سے بھیج کر

رو پڑے۔ میرا دل بھی اداس ہو گیا۔ مگر مجھے جانا تھا۔ آہستہ سے ان کو

اپنے سے الگ کر کے میں چھت کی سیڑھیوں کی طرف چل پڑا۔ آیان

کے آنے سے مجھے کچھ ڈھارس ملتی تھی۔ میرا دل مجھے کہتا تھا کہ وہ ضرور

میری مدد کو آیا ہے۔ جیسے ہی میں سیڑھیاں چڑھ کر چھت پر پہنچا میں

نے اسی پرندے کو تیزی سے نیچے کی طرف آتے دیکھا۔ ایک دم میرا

دل بیٹھنے لگا۔ اگر آیان کو دیر ہو گئی تو؟

ابھی میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک اسی پرندے نے بجلی کی سی تیزی

میرے طرف غوطہ لگایا۔ وہ اس قدر تیز رفتاری سے نیچے کی طرف آیا

تھا کہ پلک جھپکنے کی سی دیر میں وہ میرے سر پر تھا جیسے ہی اس نے مجھے

منہ میں دبانے کے لیے منہ کھولا اچانک ایک زوردار دھب کی آواز  
کے ساتھ وہ اوندھے منہ چھت کے فرش پر آگرا۔ میں نے چونک  
کر اسے دیکھا مگر اس سے پہلے کہ میں کچھ سمجھتا اچانک کسی نے مجھے  
پکڑا اور تیزی سے آسمان کی طرف بلند ہونے لگا۔ یہ آیاں تھا۔ اسی  
نے کسی طرح اس پرندے کو مار گرایا تھا اور اب مجھے لئے ہوا میں اڑ رہا  
تھا۔ بہت زیادہ اونچائی پر پہنچ کر وہ تیزی سے مغربی سمت چل  
پڑا۔ ابھی وہ زیادہ دور نہیں گیا تھا کہ اچانک میں نے اپنے پیچھے کچھ  
آوازیں سنیں۔ مڑ کر دیکھا تو میرے اوسان خطا ہو گئے۔ وہی پرندہ  
ہمارے بالکل پیچھے تقریباً بیس فٹ کے فاصلے پر اڑ رہا تھا۔ اس کی  
رفتار کسی طور بھی آیاں سے کم نہ تھی۔ میں نے آیاں کی توجہ اس طرف  
دلائی۔ آیاں کو شاید پہلے سے ہی اس کا علم تھا کیونکہ نہ ہی اس نے مڑ  
کر پیچھے دیکھا اور نہ ہی اس کے چہرے پر کوئی پریشانی کے آثار نمایاں



ہوئے۔ بس وہ تیزی سے ایک طرف کواڑے جا رہا تھا۔ کچھ دیر تک ہم یونہی سفر کرتے رہے اور پھر اچانک آیان نے تیزی سے نیچے کی طرف غوطہ لگایا۔ میں نے دیکھا کہ ہم ایک پہاڑی علاقے میں تھے اور ارد گرد چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں نظر آرہی تھیں۔ آیان نے ایک پہاڑی کا انتخاب کر کے مجھے وہاں اتار دیا۔ زمین پر پاؤں لگتے ہی میں نے اس پرندے کی تلاش میں نظریں گھمائیں تو وہ مجھے کچھ ہی فاصلے پر ہوا میں چکر لگاتا نظر آیا۔

”آقا!۔ آپ یہاں آرام کریں میں ذرا اس طرام کی خبر لے کر آتا ہوں۔“ آیان نے اس پرندے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ تب مجھے معلوم ہوا کہ اس پرندے کو طرام کہتے ہیں۔

مجھے چھوڑ کر آیان جیسے ہی ہوا میں بلند ہوا اس طرام پرندے نے فوراً اس پر حملہ کر دیا۔ یہ حملہ اتنا اچانک اور تیزی سے ہوا کہ آیان سنبھل نہ



پایا۔ طرام پرندے نے آیان کو اپنے پنجوں میں جکڑ لیا اور پھر اپنی چونچ سے اس پر وار کرنے لگا۔ آیان اس کے ہر وار کو اپنے ہاتھوں کی ڈھال بنا کر روک رہا تھا۔ اتنے میں طرام پرندے نے آیان کو پوری قوت سے اسی پہاڑی پر دے مارا جس پر میں اتر رہا تھا۔ آیان بہت زور سے اس پہاڑی کی سنگلاخ چٹانوں سے ٹکرایا۔ کچھ دیر بے سدھ پڑا رہنے کے بعد وہ آہستہ آہستہ اٹھ ہی رہا تھا کہ اچانک طرام پرندے نے جھپٹ کر اسے اپنی چونچ میں اٹھایا اور پلک جھپکتے ہی سیدھا آسمان کی طرف لے اڑا۔ میں اس کو دیکھ رہا تھا کہ وہ سیدھا آسمان ہی کی طرف اڑا جا رہا تھا۔ اور پھر میں نے محسوس کیا کہ اس کا دور جاتا چھوٹا ہوتا ہوا جسم ایک دم بڑا ہونے لگا۔ یقیناً وہ واپس آ رہا تھا۔ اور پھر اس کے تیور سے میں سمجھ گیا کہ وہ کیا کرنے والا ہے۔ وہ اس تیز رفتاری سے نیچے آ رہا تھا اور مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کا منصوبہ آیان

کو اسی تیز رفتار سے پہاڑی پر بیٹھنے کا تھا۔ اس بات کہ احساس کر کے میرے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو گئے کہ اگر اس نے آیان کو ٹیخ دیا تو کیا وہ دوبارہ اٹھ سکے گا؟ یقیناً طرام پرندہ آیان سے زیادہ طاقتور تھا۔ اچانک مجھے آیت کریمہ کا خیال آیا۔ اور پھر میں نے بغیر کچھ سوچے سمجھے اونچی آواز میں آیت کریمہ کو رو کر دکر کرنے لگا۔ اس کی طاقت تو میں ہوائی حویلی میں پہلے سے ہی دیکھ چکا تھا۔ اس لئے پورے اعتماد کے ساتھ میں یہ ورد کر رہا تھا اور میرے نظریں تیزی سے اپنی طرف آتے ہوئے طرام پر تھیں۔ میرے دل کی یہ خواہش تھی کہ کسی طرح سے یہ طرام پرندہ رک جائے۔ جیسے ہی طرام پرندہ مجھے سے تقریباً پچاس فٹ کی بلندی پر پہنچا اس کے جسم کو ایک تیز جھٹکا لگا اور وہ اسی جگہ ہوا میں معلق ہو گیا۔ اس تیز جھٹکے کی وجہ سے آیان اس کی چونچ سے پھسل کر آزاد ہو گیا۔ اور پھر اس سے پہلے کہ طرام پرندہ کچھ

کرتا آیان نے اس معلق طرام پرندے کو اس کی ٹانگوں سے پکڑا اور  
کسی تنکے کی طرح زور سے اٹھا کر پہاڑی کی طرف دے مارا۔ طرام  
پرندہ ایک جھٹکے سے پہاڑی کی سنگلاخ چٹانوں سے ٹکرایا۔ ابھی وہ  
سنجھلا بھی نہیں تھا کہ آیان نے بجلی کی سی تیزی سے نیچے آ کر دوبارہ  
اسے ٹانگوں سے پکڑ لیا۔ اور پھر میرے دیکھتے ہی دیکھتے اس نے  
اسے دو تین بار اپنے سر پر سے گھما کر زور سے چٹانوں سے ٹکرایا طرام  
پرندے کے سارے کس بیل نکل گئے تھے۔ اور پھر آیان نے ایک  
زوردار چیخ کے ساتھ اس کے دونوں ٹانگوں کو ایک ایک ہاتھ میں پکڑ  
کر اسے درمیان سے چیر دیا۔ طرام پرندے کے حلق سے ایک  
دردناک چیخ نکلی اور پھر اس کے جسم کے دونوں حصے پھڑکتے ہوئے  
پہاڑی سے نیچے جا گرے۔ یہ بڑا ہی دہشت ناک منظر تھا۔ ایک لمحے  
کے لیے میں گم صم سا ہو گیا۔ اتنے میں آیان میرے پاس آ کر ہانپنے

لگا۔ مجھے اس کی حالت ٹھیک نہیں لگ رہی تھی۔ اس نے مجھے اٹھایا اور پھر تیزی سے ان پہاڑیوں میں گھومنے لگا۔ مجھے اس کی پرواز سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ بالکل بھی ٹھیک نہیں ہے۔ پھر اس نے مجھے سبغا ایک ہموار سطح پر اتار کر بولا۔

”آقا مجھے تھوڑی دیر کے لئے اجازت دیں۔ میں ابھی آتا ہوں۔“ یہ کہہ کر وہ بغیر میرے اجازت کا انتظار کیے تیزی سے آسمان کی طرف بلند ہوا اور پھر جیسے بجلی چمکتی ہے اسی طرح ایک طرف کو غائب ہو گیا۔ میں وہاں اس ویرانے میں اکیلا کھڑا رہ گیا۔ تاہم مجھے اس بات کی خوشی تھی کہ میرے جان اس طرام پرندے سے چھوٹی اور بظاہر میں گوپی کشن کی قید سے بھی اپنے آپ کو رہا ہی محسوس کر رہا تھا کیونکہ گوپی کشن کی قید کی نشانی وہ طرام پرندہ ہی تھا جو اب ہلاک ہو چکا تھا۔ مگر مجھے اس بات کی بھی حیرانی تھی کہ میں نے تو آیان جن کو آزاد



کر دیا تھا پھر وہ واپس کیوں آیا۔ شاید وہ میرا احسان مند تھا اور اسی لیے میرے جان بچانے آگیا تھا۔ بہر حال اصل بات تو وہ خود ہی بتا سکتا تھا مگر ابھی وہ یہاں موجود نہیں تھا کہ میرے سوالوں کا جواب دے سکتا۔ شاید وہ اپنا علاج کروانے اپنے حکیم والد کے پاس گیا تھا۔ میں نے اندازہ لگایا۔

میں تقریباً آدھے گھنٹے تک اس پرانے میں ایسے ہی گھومتا رہا اور پھر میں نے آیان کو اپنے پاس دیکھا۔

”آقا!۔۔۔ میں معذرت چاہتا ہوں کہ اپنے زخموں کی وجہ سے آپ کو اس طرح چھوڑ کر بھاگ گیا۔“ آیان نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔

”کوئی بات نہیں!۔۔۔ تم اب کیسے ہو؟“ میں نے فکر مندی سے پوچھا۔

”آقا!۔۔۔ میں اب ٹھیک ہوں۔ مجھے اندرونی چوٹ آئی ہے۔

میرے ابا نے علاج کر دیا ہے اور مرہم بھی لگا دی ہے۔ امید ہے کچھ عرصے میں یہ اندرونی چوٹ بھی جاتی رہے گی۔“ آیان نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

”اچھا یہ بتاؤ کہ میں نے تو تمہیں آزاد کر دیا تھا پھر تم واپس کیوں آئے؟“ میں نے وہ سوال کر دیا جو کافی دیر سے میرے ذہن میں چل رہا تھا۔

”آقا!۔۔۔ مجھے آپ کی حقیقت کا علم نہیں تھا۔ جیسے ہی مجھے آپ کے بارے میں بتایا گیا۔ مجھے آپ کو چھوڑنے کا بہت دکھ ہوا۔ خدا کا شکر ہے کہ کسی بڑے نقصان سے پہلے میں آپ کو پہچانے میں کامیاب ہو گیا ورنہ میں اپنے آپ کو شاید کبھی معاف نہ کر پاتا۔“ آیان نے مودبانہ لہجہ میں کہا۔

”کوئی حقیقت؟“ میں نے حیرت سے دریافت کیا۔

”یہی کہ آپ ہی وہ ہادی ہیں جنہوں کا انتظار ہم جنات ایک صدی سے کر رہے تھے۔“ آیان کے لہجے میں بڑی عقیدت تھی۔

”میں کچھ بھی نہیں سمجھ سکا۔“ میں نے اسی حیرت سے کہا۔ مجھے بالکل سمجھ نہیں آرہی تھی کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔

”آقا!۔۔۔ میں آپ کو سمجھا نہیں پا رہا ہوں۔ بس یہ سمجھ لیں کہ ہمارے ہاں جنات میں کچھ روایات مشہور ہیں کہ ایک ہادی آئے گا جو ہمارے دکھوں کا مداوا کرے گا اور ہمیں اس ظالم بادشاہ سے نجات دلائے گا۔ اور مجھے یہی بتایا گیا ہے کہ آپ ہی وہ ہادی ہیں۔ اس لیے یہ میری خوش قسمتی ہے کہ مجھے آپ کا ساتھ نصیب ہو رہا ہے۔“ آیان نے اسی عقیدت سے کہا اور میں حیرت سے اس کو تکے جا رہا تھا۔



”تم کو کس نے یہ بتایا ہے؟“ میں نے پوچھا

”عظیم شوالہ کی روح نے“ آیان نے اسی طرح مودبانہ لہجے میں کہا۔

”وہ روح تم کو کہاں ملی“ میں نے مزید حیرت سے پوچھا۔ کیونکہ اس

سے پہلے میں گوپی کشن کے منہ سے سن چکا تھا کہ سہراب جن کے

ساتھ عظیم شوالہ کو بھی میری وجہ سے اپنی جان سے ہاتھ دھونے پڑے

تھے۔

”آقا!۔۔۔ جیسے ہی میں آپ کو چھوڑ کر واپس گیا تو مجھے عظیم شوالہ

کی روح نے اپنا دیدار کروایا۔ کیونکہ میں نے انکو اپنی ہوش ہی میں

دیکھا ہوا ہے اس لئے فوراً پہچان گیا۔ انہوں نے بتایا کہ میں نے آپ

کو چھوڑ کر اچھا نہیں کیا۔ مجھے یہ ڈیوٹی دی گئی تھی کہ آخری دم تک آپ

کی حفاظت کروں مگر میں درمیان میں ہی آپ کو چھوڑ آیا۔ پھر انہوں

نے مجھے بتایا کہ آپ وہی ہادی ہیں جن کا انتظار ہم جنات ایک



صدی سے کر رہے ہیں۔ بس یہ سن کر میں واپس پلٹ آیا۔ مگر آپ کو پوری زمین پر نہ پا کر میں بڑا پریشان ہوا۔ میں دیوانوں کی طرح آپ کو ڈھونڈ رہا تھا کہ اچانک میں نے آپ کو اپنی والدہ کے رسم قل پر دیکھے ہوئے پایا۔ چونکہ آپ کچھ وقت پہلے اس پوری زمین پر نہیں تھے اس لئے میں سمجھ گیا کہ آپ کو گوپي کشن نے آسمانوں میں کہیں قید کیا ہوگا۔ یہ ایک حیرت کی بات تھی کہ اس نے آپ کو واپس کیسے آنے دیا مگر مجھے اندازہ تھا کہ اس کا کوئی نہ کوئی چیلہ ضرور آپ کی نگرانی کر رہا ہوگا۔ اور وہی ہوا۔ اس نے طرام کو آپ کی نگرانی پر لگایا تھا۔ مگر خدا کی مدد سے میں نے اس طرام سے جان چھڑالی۔ اب ہم اتنی دور ہیں کہ گوپي کشن کا کوئی عمل اسے ہمارے بارے میں معلومات نہیں دے سکتا۔ بس ایک بات کہ سمجھ نہیں آرہی۔“ آیان نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

”کیا“ میں جو اپنی سوچوں میں گم تھا بے اختیار پوچھ بیٹھا۔

”جب طرام مجھے لیے تیزی سے چٹان کی طرف آ رہا تھا تو اچانک وہ ایک جھٹکے سے رک گیا تھا۔ نہ صرف رک گیا تھا بلکہ اسے ایک زوردار جھٹکا بھی لگا تھا جس سے میں اس کی گرفت سے چھوٹ گیا ورنہ وہ یقیناً مجھے چٹان سے ٹکرا کر پاش پاش کر دیتا۔“ آیان نے اپنی حیرت کے بارے میں بتاتے ہوئے کہا۔

”یہ سب آیت کریمہ کا کرشمہ تھا جو میں نے اتفاق سے پڑھنا شروع کر دی تھی۔ یہ ہی وہ طاقت تھی جس سے مجبور ہو کر گوپن کشن کو مجھے اپنی والدہ کی رسم قفل پر بھجوانا پڑا تھا۔“ میں نے اصل بات بتاتے ہوئے کہا۔

آیان نے یوں سر ہلایا جیسے اب وہ ساری بات سمجھ گیا ہو۔

”آقا!۔۔۔ میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے بروقت یہ عمل کر

کے مجھے ایک یقینی موت سے بچایا۔“ آیان نے ممنوعیت سے کہا۔  
”نہیں آیان!۔۔۔ شکر یہ تو مجھے تمہارا ادا کرنا چاہیے جو ان سب  
خطرات کے باوجود تم واپس میری مدد کے لئے آگئے۔“ میں نے اس  
کے جذبہ احسان کو سراہتے ہوئے کہا۔  
”آقا!۔۔۔ آپ عظیم ہیں اور واقعی ہادی کے درجے پر فائز ہیں۔“  
آیان نے عقیدت مندی سے کہا۔ ”میرے لیے اب کیا حکم ہے؟“  
میں سوچ میں پڑ گیا کہ مجھے اب کیا کرنا چاہیے۔ واپس تو میں جا نہیں  
سکتا کیونکہ گوپي کشن ہمارے راہ دیکھ رہا ہوگا۔ پھر اب کدھر جائیں۔  
آیان نے جو کہانی سنائی تھی میرے ہادی ہونے کی وہ بھی عجیب پر  
اسرار سی تھی۔ اگر واقعی سوالہ کی روح اس کو ملی تھی تو وہ مجھے کیوں نہیں  
ملتی۔ یہ سوچتے ہی اچانک مجھے وہی خواب یاد آ گیا۔ اوہ۔۔۔ کہیں وہ  
بزرگ ہی تو عظیم سوالہ نہیں جو کئی بار خواب میں آ کر مجھے یاد دہانی کروا



چکے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی مجھے وہ والا خواب بھی یاد آ گیا جو ہوائی  
حویلی میں میں نے دیکھا تھا۔

”آیان مجھے عظیم شوالہ کا حلیہ بتاؤ۔“ میں نے آیان سے سوال کر  
دیا۔

”آقا!۔۔ بہت ہی نیک اور نورانی چہرہ ہے ان کا۔ اتنی لمبی داڑھی  
کے ناف تک آتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔“ آیان نے تفصیل بتاتے  
ہوئے میرے شبہ کی تصدیق کر دی۔ تو وہی عظیم شوالہ ہیں جو مجھے  
خواب میں ملتے تھے۔ فوراً ہی مجھے ان کی ہدایت کا خیال آ گیا۔  
”اچھا یہ بتاؤ۔۔۔ یہ جاڑوں کی بستی کہاں پر ہے؟“ میں نے سوال  
کیا۔

”آقا!۔۔۔ یہ مشرقی سولومن کی سرحد کے قریب ہے اور آپ کی دنیا  
کے اعتبار سے یہ تبت کے پہاڑی سلسلے کے دامن میں واقع ایک



چھوٹی سی بستی ہے۔ یہاں کی خاص بات یہ ہے کہ وہاں بسنے والے سب کے سب ہی سلطنت سولومن کے باسی ہیں یعنی جادو کی دنیا کے لوگ ہیں مگر وہ عام زندگی بھی بسر کر رہے ہیں۔“ آیان نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا مگر اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

”کیا وہاں کوئی بابا فتح محمد بھی ہے؟“ میں نے پوچھا  
”مجھے علم نہیں ہے۔ اگر آپ کہیں تو میں معلوم کر کے آؤں؟“ آیان نے فوراً جواب دیا۔

”نہیں بلکہ تم مجھے وہاں لے چلو۔“ میں نے فوراً کہا۔  
”ابھی لیجئے۔“ آیان نے فوراً کہا۔ اور پھر جھٹ سے مجھے اٹھا کر آسمانوں میں تیرنے لگا۔ پتہ نہیں کیوں اس نے اپنی رفتار کچھ آہستہ رکھی تھی۔ اس طرح ہوا میں اڑنے میں لطف محسوس ہو رہا تھا۔ میں نے آیان سے پوچھا۔

”کوئی خاص بات جو تم آہستہ چل رہے ہو؟ پہلے تو ہمیشہ تم تیزی سے منزل پر پہنچ جاتے تھے۔“ میں نے دوستانہ انداز میں سوال کیا۔

”آقا!۔۔ پہلے کی بات اور تھی۔ وہ تو ایک طرح سے ڈیوٹی ہوتی تھی جو ہم جنوں کو آدم زادوں کی غلامی میں مجبور اُدینی پڑتی ہے۔“ آیان نے بھی دوستانہ انداز بھانپ کر اسی انداز میں جواب دیا۔ ”ہم کیا کریں جب کوئی ہمیں غلام بنا لیتا ہے تو چارے آزادی سلب ہو جاتی ہے۔

آپ خود ہی بتائیں کہ کیا آپ کسی کی غلامی خوشی سے پسند کریں گے؟ یقیناً نہیں۔ ہاں اب میں اپنی خوشی سے آپ کے ساتھ آپ کی غلامی میں ہوں۔ یہ میرے لئے ایک اعزاز کی بات ہے کہ میں آپ کے کسی کام آ رہا ہوں ورنہ تو اب ساری جناتی قوم آپ کے احسان کی منتظر ہے۔“ آیان نے ایک دم عقیدت مندانہ لہجے میں کہا اور میں پھر خیالات میں الجھ گیا۔

”میں تو کچھ بھی نہیں ہوں پتہ نہیں تم مجھے کیا بنائے جارہے ہو۔“ میں نے ہنس کر کہا اور آیان بھی آہستہ سے ہنس پڑا۔

”یہ تو وقت ہی بتائیگا آقا!۔۔۔ عظیم سوال کو میں نے کبھی بھی جھوٹ

بولتے نہیں سنا۔“ آیان کا لہجہ بدستور عقیدت مندانہ تھا۔

اس سے پہلے کے میں کوئی اور سوال کرتا۔ آیان نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”آقا!۔۔۔ یہ ہے جاڑوں کی بستی۔“ آیان کی اشارہ اس طرف تھا

جہاں مجھے برف سے ڈھکے پہاڑ ہی پہاڑ نظر آرہے تھے۔ پھر اس نے

ایک غوطہ لگایا اور ان پہاڑوں کے درمیان سے ہوتا ہوا ایک وادی

میں داخل ہو گیا۔ اس وادی میں دور ہی سے ایک بستی کے آثار نمایاں

طور پر نظر آرہے تھے۔ آیان نے وادی سے تھوڑا پہلے ہی مجھے نیچے

اتار دیا تاکہ بستی کے لوگ ہمیں اڑتا دیکھ کر حیران نہ ہوں۔ میں چلتا



ہوا بستی میں داخل ہو گیا۔ عجیب سے جھونپڑی ٹائپ کے گھر بنے ہوئے تھے۔ سب سے پہلی چیز جو میں نے دیکھی وہ بہت ہی عجیب تھی۔ ایک جھونپڑی کے باہر ایک چھ سات سال کا لڑکا ایک غبارے کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ عجیب بات یہ تھی کہ وہ اس غبارے کو ہاتھ بھی نہیں لگا رہا تھا مگر وہ ایسے اوپر کی طرف اٹھتا تھا جیسے کسی نے اسے نیچے سے ہاتھ مارا ہو۔ غبارہ نیچے سے اوپر کی طرف جاتا اور پھر آہستہ آہستہ واپس نیچے کی طرف آتا اور ایک خاص مقام تک پہنچ کر ایک دم پھر واپس اوپر کی طرف چلا جاتا جیسے کہ عمو مانچے اپنا ہاتھ مار کر اسے اوپر اچھال دیتے ہیں۔ وہ لڑکا ہاتھ تو نہیں ہلا رہا تھا مگر اس غبارے کو بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔ میں جب اس کے پاس سے گزرنے لگا تو اس کی توجہ میری طرف ہو گئی۔ وہ مجھے اجنبی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ یقیناً میں اس کے لیے اجنبی ہی تھا۔ اس بار جب اس کا غبارہ



نیچے آیا تو واپس نہیں اچھلا بلکہ آہستہ آہستہ مزید نیچے جاتے ہوئے  
زمین پر گر پڑا۔ مجھے محسوس ہوا کہ شاید میری وجہ سے اس بچے نے اپنا  
کھیل بند کر دیا تھا۔ میں تیزی سے آگے بڑھ گیا۔

کچھ جھونپڑیاں پار کر کے میں ایک ایسی جگہ پہنچا جو دیکھنے میں بازار  
کی طرح تھی اور کچھ لوگ دوکانیں لگا کر کچھ بیچ رہے تھے۔ میں ایک  
دوکان میں داخل ہو گیا۔ ایک بوہڑ عمر کا شخص کوٹ اور جرسی وغیرہ بیچ  
رہا تھا۔ میں نے اس کے قریب جا کر پوچھا۔

”بھائی معاف کرنا!۔۔۔ مجھے فتح محمد سے ملنا ہے۔“

اس نے چونک کر میرے طرف دیکھا اور پھر کسی نامعلوم زبان میں  
کچھ کہا۔ میری سمجھ میں کچھ بھی نہیں آیا۔

”لگتا ہے ہماری زبانیں مختلف ہیں۔“ میں نے پھر کہا۔ اس بار اس

نے غور سے میرے آنکھوں میں دیکھا۔ مجھے اس کی آنکھیں بڑی

عجیب سی لگی۔ ایسے لگ رہا تھا جیسے وہ میری آنکھوں کے راستے  
میرے دماغ کی تہوں تک اتر رہی تھیں۔ اور پھر اچانک مجھے یوں  
محسوس ہوا جیسے اس آدمی نے کچھ کہا ہے مگر میں سن نہ سکا اور حیرت کی  
بات تھی کہ اس کے ہونٹ بھی حرکت نہیں کر رہے تھے۔ تھوڑی دیر میں  
پھر ویسا ہی ہوا اور اب کی بار میں صاف طور پر سنا۔ وہ کہہ رہا تھا۔  
”فتح محمد نام کا کوئی شخص اسی بستی میں نہیں رہتا۔“ اس کے ہونٹ اب  
بھی حرکت نہیں کر رہے تھے۔ یہ بہت ہی حیرت کی بات تھی۔ مگر میں  
نے اب حیران ہونا چھوڑ دیا تھا۔ کیونکہ آیان نے مجھے بتا دیا تھا کہ  
یہاں پر موجود ہر شخص سلطنت سولومن کا باسی ہے جس کا مطلب تھا کہ  
ہر شخص جادوگر ہے۔

”مگر مجھے تو ان کا پتا یہی بتایا گیا تھا۔ اور شاید آپ اندازہ کر سکتے ہیں  
کہ جب کوئی جاڑوں کی بستی میں کسی شخص کا پتہ بتائے تو وہ غلط نہیں ہو

سکتا۔“ میں نے اصرار کرتے ہوئے کہا۔

اس بار اس نے کچھ دیر سوچنے میں لگائی۔ پھر اس نے دوبارہ سے نام پوچھا۔

”بابا فتح محمد“ اس بار میں نے مکمل طور پر وہی نام لے دیا جو مجھے عظیم شوالہ کی روح نے بتایا تھا۔ اس سے پہلے میں نے صرف فتح محمد نام کے طور پر ہی بتایا تھا۔ اس بار پورا نام سن کر وہ ایک دم چونک پڑا۔

”بابا فتح؟“ اس نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔ ”وہ جو مسلمان ہے؟“

”ہاں ہاں!۔۔۔ آپ مجھے ان کا ایڈریس سمجھا دیں۔“ مجھے لگا کہ وہ سہی بندے تک پہنچ گیا ہے۔ شاید وہ لوگ مسلمان نہیں تھے اس لئے بابا فتح محمد کو صرف بابا فتح کے نام سے ہی جانتے تھے۔ چونکہ میں نے فتح محمد کہا تھا اس لئے وہ سمجھ نہ سکا کہ میں کس کے بارے میں بات کر رہا ہوں۔



کچھ دیر سوچنے کے بعد اس نے اسی انداز میں بغیر اپنے ہونٹ ہلائے مجھے رستہ سمجھا دیا۔ یہ ایک دلچسپ طریقہ تھا بات چیت کا۔ بہر حال اس سے پتہ سمجھ کر میں باہر نکل آیا اور اسی کے مطابق چل پڑا۔ تھوڑی ہی دیر میں، میں اس چھوٹی سی گلی کے سامنے تھا جہاں اس دوکاندار کی معلومات کے مطابق بابا فتح محمد رہتا تھا۔ میں نے آگے بڑھ کر دروازے پر دستک دی۔ جواب میں اندر سے پھر کسی اجنبی زبان میں کچھ پوچھا گیا۔

”مجھے بابا فتح محمد سے ملنا ہے۔“ میں نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے کہا۔

”کون ہو اور کہاں سے آئے ہو“ اچانک اندر سے اردو زبان میں پوچھا گیا۔

”جی مجھے کسی نے بھیجا ہے کہ میں جا کر بابا فتح محمد سے مل لوں۔ مہربانی

فرما کر آپ مجھے بابا فتح محمد سے ملوادیں“ میں نے پھر اپنی بات



دہراتے ہوئے کہا۔ کیونکہ میں کیا بتاتا کہ میں ایک خواب دیکھ کر  
یہاں آیا ہوں۔

چند لمحوں کے بعد دروازہ کھل گیا۔ ایک بوڑھا مگر چست و توانا بزرگ  
جن کے چہرے پر مختصر سی داڑھی بھی تھی باہر نکل آئے۔

”کون ہو بھئی۔ میں تو تمہیں نہیں جانتا۔“ اسی بزرگ نے پھر

پوچھا۔ مگر یہ دیکھ کر مجھے خوشی ہوئی کہ ان کے ہونٹ ہل رہے تھے۔

”باباجی!۔۔۔ بات تو حیرت کی ہی ہے مگر ایک بزرگ نے مجھے

خواب میں آپ کے پاس جانے کا پیغام دیا ہے۔ مجھے شک ہے کہ وہ

بزرگ عظیم شوالہ ہے اگر آپ ان کو جانتے ہوں۔“ میں نے کچھ

الجھے ہوئے لہجے میں کہا کیونکہ مجھے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ میں اپنا

تعارف کیسے کراؤں۔

وہ بزرگ عظیم شوالہ کے نام پر ایک دم چونک پڑے۔ پھر انہوں نے

غور سے میری طرف دیکھا اور ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

”آسلیمان!۔۔۔ میرے بیٹے۔۔۔ میرے گلے سے لگ جا۔ میں بہت ترسا ہوں تجھے اپنے سینے سے لگانے کو۔ تم تو بالکل اپنے باپ کی صورت کے ہو۔“ انہوں نے اپنی بائیں کھولتے ہوئے مجھے کہا اور میں ان کی آواز میں موجود خلوص سے مجبور ہو کر ان کے سینے سے جا لگا۔

”باباجی!۔۔۔ مجھے کچھ اپنے اور خود میرے بارے میں بتائیں۔ میں مکمل طور پر لاعلم ہوں۔ اس لئے آپ کو اس وقت پہچان نہیں سکتا۔“ میں نے بے چارگی سے کہا۔ ان کے خلوص سے لگ رہا تھا کہ شاید وہ میرے کوئی رشتہ دار ہیں۔

”بیٹا!۔۔۔ میں تیرے باپ کا چچا ہوں۔ اس رشتے سے میں تیرا

دادا لگا۔“ انہوں نے اس بارنم آنکھوں کے باوجود مسکراتے ہوئے کہا۔

”داداجی!۔۔ مجھے بہت خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔ مجھے میرے والد صاحب کے بارے میں کچھ بتائیے۔“ میں نے کسی اندرونی خوشی سے خوش ہوتے ہوئے کہا۔ ظاہر ہے مجھے پہلی بار کوئی ایسا ملا تھا جو میرے ہی خاندان سے تھا۔

”آندر چلا آ۔ سب کچھ بتاتا ہوں۔“ انہوں نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ اور میں ان کے ساتھ گھر کے اندر داخل ہو گیا۔ چھوٹی کچھ خاص نہیں تھی۔ ایک چار پائی، کچھ برتن اور کھانے کا کچھ سامان پڑا تھا۔ انہوں نے مجھے ایک موڑھے نما سٹول پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ میں خاموشی سے اس پر بیٹھ گیا۔ تھا تو وہ عجیب سے سٹول مگر آرام دہ تھا یا شاید میں ہی کچھ تھکا ہوا تھا۔

”بولو بیٹا!۔۔۔ کیا کھاؤ گے۔ اتنے عرصہ کے بعد مل رہے ہو پہلے کچھ کھا لو پھر باتیں کریں گے۔“ دادا جی آواز میں پیار کی مٹھاس تھی۔

”دادا جی!۔۔۔ مجھے کسی چیز کی طلب نہیں ہے بس اپنے بارے میں جلد سے جلد جاننے کی پیاس ہے۔“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اور جواب میں وہ بھی مسکرا پڑے۔ پھر وہ چند لمحوں کے لئے اٹھ کر ایک نکر پر گئے اور وہاں کسی الماری نما جگہ سے ایک گلاس نکال کر لائے اور میرے طرف بڑھا دیا۔

وہ گلاس میٹھے مالٹوں کا تازہ رس تھا۔ اتنا لذیذ رس جو میں نے شاید پہلے کبھی نہیں پیا تھا۔ بے اختیار میرے منہ سے نکلا۔

”واہ دادا جی!۔۔۔ مزہ آ گیا۔ یہاں مالٹے بہت اچھے ذائقہ کے ہوتے ہیں۔“



انہوں نے میری طرف دیکھا اور پھر مسکرا نے لگے۔

”بیٹا!۔۔۔ یہ تمہارے ہی علاقے کے مالٹے ہیں۔“ انہوں نے اسی

طرح مسکراتے ہوئے کہا اور میں حیرت میں ڈوب گیا کہ اتنا تازہ

رس اتنی دور کیسے پہنچ گیا۔ بہر حال مجھے اندازہ تھا کہ یہ جگہ اسراروں کی

جگہ ہے اس لئے یہاں سب کچھ ممکن ہے۔ دادا جی مجھ سے پھر

مخاطب ہوئے۔

”بیٹا!۔۔۔ مجھے معلوم ہے کہ تم اپنے بارے میں اور موجودہ حالات

کے بارے میں جاننے کے لئے بہت بے قرار ہو۔ مگر کیا ہی اچھا ہو کہ

تم پہلے مجھے اپنے بارے میں بتا دو۔ تاکہ میں پھر اسی ترتیب سے

تمہارے سوالوں کا جواب دے سکوں۔“ دادا جی کا لہجہ اس بار کافی

سنجیدہ تھا۔ جواب میں، میں نے اپنی ساری رام کہانی مختصر الفاظ

میں ان کے گوش گزار کر دی۔ میری کہانی سن کر وہ کچھ دیر سوچ میں

ڈوبے رہے اور پھر کہنے لگے۔

”پہلی بات تو یہاں جان لو کہ تم میرے بھتیجے ارمغان کے بیٹے ہو۔ وہ

ارمغان جس کے نام سے پوری سلطنت سولومن واقف ہے۔ وہ

اپنے علم اور قوت میں یکتا تھا۔ ارمغان کا خاندان یعنی میرے بڑے

بھائی صاحب اپنے دور میں شہنشاہ کے خاص مشیر رہے ہیں۔ علم و ہنر

میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا اور نہ آج تک کوئی پیدا ہوا ہے۔ تمہاری ماں کا

نام طرابہ تھا اور وہ سلطنت سولومن کے ایک بہادر سپہ سالار بہرام خاں

کی بیٹی تھی۔ اس لحاظ سے یہ سمجھ لو کہ تم سلطنت سولومن کے ایک

نہایت ہی اعلیٰ خاندان کے چشم و چراغ ہو۔ مگر افسوس کے تمہاری

پرورش شہنشاہوں کی بجائے ایک عام انسان کی طرح ہوئی۔“ دادا

جی نے فخر یہ لہجے میں مجھے میرے خاندان کے بارے میں بتاتے

ہوئے کہا۔ پھر کچھ دیر وقفہ لینے کے بعد پھر گویا ہوئے۔

”تمہارے داد جی یعنی میرے بڑے بھائی زمر دہاں، کو کسی نے  
جواں عمر میں ہی سازش کر کے قتل کروا دیا تھا۔ اس وقت ارمغان  
صرف تین سال کا تھا۔ زمر دہاں کی موت کے بعد ارمغان کی پرورش  
کا ذمہ زمر دہاں کے بہت ہی قریبی دوست شوالہ نے لے لیا۔ یہ عظیم  
شوالہ وہی ہیں جو تم کو اکثر خواب میں نظر آتے ہیں۔ تمہیں یہ بھی بتاتا  
چلوں کہ شوالہ کو عظیم شوالہ کیوں کہتے ہیں۔ جس طرح ہماری اس  
ظاہری دنیا میں مختلف کارناموں کے انعام کے طور پر مختلف میڈل اور  
تمغے دیے جاتے ہیں۔ اسی طرف سلطنت سولومن میں بھی بڑے  
بڑے کام کرنے والوں کو عظیم کا خطاب دیا جاتا ہے۔ یہ ایک بہت ہی  
اعزاز کی بات ہے۔ عظیم شوالہ نے ایک جنگ میں ایک بڑا معرکہ سر  
کیا تھا اس لئے انہیں یہ خطاب دیا گیا۔ اس کی تفصیل ایک الگ کہانی  
ہے۔“ انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ پھر وہ اٹھ کر اسی الماری نما



چیز کے پاس گئے۔ میں اسے الماری نما چیز اس لیے کہہ رہا ہوں کیونکہ اس کا پٹ اسی طرح ہی کھلتا تھا جیسے ہم الماری کھولتے ہیں مگر باہر سے وہ بالکل الماری معلوم نہیں ہوتی تھی۔ ایسا لگتا تھا کہ کسی نے کچھ کیڑے کھوٹی سے لٹکائے ہوئے ہوں۔ اس بستی کی ہر بات ہی نرالی تھی۔ بہر حال اس بار وہ پلٹ کر آئے تو پھر ان کے ہاتھ میں ایک جوس کا گلاس تھا۔ وہ گلاس انہوں نے میرے طرف بڑھا دیا اور میں مزے لے لے کر اسے پینے لگا۔

”وقت کے ساتھ ساتھ تمہارے والد ارمغان اور عظیم شوالہ کا رشتہ استاد شاگرد کا روپ دھار گیا۔“ دادا جی نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ”ارمغان کو نئے نئے علوم سیکھنے کا بے حد شوق تھا۔ اور عظیم شوالہ بہت سے علوم میں ماہر تھے۔ اس لیے دونوں کی خوب بنتی تھی۔ تاہم وہ اپنے معاملات سے دوسروں کو جن میں، میں بھی شامل تھا کم



ہی باخبر رکھتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ اگر زندگی میں کبھی اس نے میرے سے کوئی اپنی ذاتی بات کی تھی تو وہ اس کی طرابہ کے ساتھ محبت تھی۔ میں نے ہی بہرام خان سے بات کر کے تمہارے ماں باپ کی شادی کروائی تھی۔ مگر پھر کچھ عرصہ بعد ہی عجیب سی باتیں شروع ہو گئیں۔ تم ابھی طرابہ کی کوکھ میں ہے تھے کہ دونوں میاں بیوی اچانک بغیر کسی کو بتائے کہیں چلے گئے۔ اس کے کچھ عرصہ بعد شہنشاہ نے مشہور کروادیا کہ ارمغان نے سلطنت سولومن سے غداری کی جس کی سزا کے طور پر اسے قتل کر دیا گیا اور عظیم شوالہ نے باوجود منع کرنے کے اس کی طرفداری کی اور اسے بچانے کی کوشش کی۔ لہذا اس جنگ کے دوران وہ بھی اپنی جان سے گئے۔ طرابہ تاہم کہیں روپوش ہو گئی۔“ دادا جی نے ایک آہ بھرتے ہوئے کہا۔ مجھے یہ سن کر بہت افسوس ہوا کہ میرے والد صاحب اس دنیا میں نہیں۔

”پھر دادا جی“ میں نے بے چینی سے پوچھا۔

”کچھ عرصہ بعد ایک ویرانے میں طرابہ کی بھی لاش ملی۔ کسی کو کچھ نہیں پتہ کہ اس کے ساتھ کیا بتی۔“ دادا جی نے اسی طرح افسردہ لہجے میں کہا۔ ”تاہم اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد تجسس سے مجبور ہو کر میں نے عظیم شوالہ کی روح سے رابطہ کیا۔ تو انہوں نے بس اتنا بتایا کہ طرابہ کے بطن میں ایک ہادی پیدا ہوا تھا۔ کچھ خاص معاملات میں خود ان سے یعنی عظیم شوالہ سے کوئی غلطی ہوگی جس سے یہ بات باہر نکل گئی اور اسی کی پاداش میں ارمغان اور طرابہ کے ساتھ ساتھ عظیم شوالہ کو بھی اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑا۔ تاہم انہوں نے مجھے بتایا کہ تم خیریت سے ہو اور تمہارا نام سلیمان رکھا گیا ہے۔ تاہم تمہاری جان کی حفاظت کے پیش نظر مجھے بھی تمہارے بارے میں مزید کچھ نہیں بتایا گیا۔“

دادا جی نے تفصیل سے بات مکمل کرتے ہوئے کہا۔

”دادا جی یہ ہادی کیا ہوتا ہے؟“ میں نے سوال کیا

”بیٹا!۔۔۔ سلطنت سولومن کا موجودہ شہنشاہ بہت ہی ظالم ہے خصوصاً

جنات پر تو ظلم کی انتہا کی ہوئی ہے حالانکہ وہ خود ایک جن ہے۔

جنات میں یہ روایت مشہور ہے کہ ایک ہادی آنے والا ہے جو ان کو

اس شہنشاہ کے ظلم سے نجات دلائے گا اور اس کی شہنشاہت کا اختتام

کرے گا۔ عظیم سوال کی تصدیق کے مطابق وہ تم ہو۔“ دادا جی نے

اس بار کچھ پر جوش لہجے میں جواب دیا۔

”مگر دادا جی مجھے تو اپنے اندر ایسی کوئی بات محسوس نہیں ہوتی۔ بلکہ

میں تو خود ایک جن کا محتاج ہوں جو مجھے دشمنوں سے بچا رہا ہے۔“

میں نے پھر الجھتے ہوئے کہا۔

”بیٹا!۔۔۔ وقت کا انتظار کرو۔ عظیم سوال کو دھوکا نہیں ہو سکتا۔ وقت

خود ہی تم سے یہ کام کروادے گا۔“ دادا جی نے نصیحت کرنے والے



انداز میں کہا۔

”اچھا مجھے میرے والدین کے بارے میں مزید بتائیں“ میں نے  
اشتیاق سے سوال کیا۔

”تم بالکل ارمغان کے ہم شکل ہو۔“ انہوں نے مسکراتے ہوئے  
کہا۔ ”وہ ایک نیک مگر بہت ہی ذہین لڑکا تھا۔ افسوس کہ وہ اپنی جوانی  
میں موت کا شکار ہو گیا۔ تمہاری ماں طر اب بھی ایک نیک لڑکی تھی اور  
سب سے محبت کرنے والی تھی۔ مجھے نہیں یاد پڑتا کہ ہمارے خاندان  
میں کسی نے کبھی اس کے بارے میں شکایت کی ہو۔“

”دادا جی!۔۔۔ مجھے گوپیشن سے معلوم ہوا تھا کہ طالش سرکار جو  
شہنشاہ کا دست راست ہے اسی نے گوپیشن کو مجھے مارنے کا کام دیا  
تھا۔ اور گوپیشن ہی نے سہراب کو قتل کیا۔ اس کا مطلب ہے کہ میرا  
اصل دشمن یہ طالش سرکار ہی ہے۔“ میں نے اپنے اندازے کی بنیاد



پر نتیجہ نکالا۔

”تم نے درست اندازہ لگایا۔ طالش جنات کی تاریخ کا طاقتور ترین جن ہے۔ پتہ نہیں اس نے اتنی ساری طاقتیں کہاں سے حاصل کر رکھی ہیں مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ آج کے دور میں اس کے مقابلے کی کسی جن و انس میں ہمت نہیں اور یہی وجہ ہے کہ ژبام شہنشاہ اس کی طاقت کے بل بوتے پر جو چاہے کر جاتا ہے۔“ دادا جی نے کچھ افسردہ لہجے میں کہا۔

”دادا جی مجھے اب کیا کرنا چاہیے؟“ میں نے سوال کیا۔

”پہلی بات تو یہ ہے کہ گوپی کشن تمہارے پیچھے ہے اس لئے فی الحال تو اس سے نمٹنا ہوگا۔ طالش شہنشاہ کے ساتھ آج کل مغربی سولوسن میں مصروف ہے اور مجھے اندازہ ہے کہ وہ اگلے ایک دو دن تک مصروف ہی رہے گا۔ اس لئے اس کی آمد سے پہلے ہمیں اس گوپی

کشن کا خاتمہ کرنا پڑے گا ورنہ یہ گویا کشن ضرور طالش کو سب کچھ بتا دے گا۔ اور ایک بار طالش کو تمہارے بارے میں خبر ہوگئی تو پھر جان بچانا بہت ہی مشکل ہوگا۔“ دادا جی نے اس بار فکر مند آنے لہجے میں کہا۔

”دادا جی کیا آپ اس سے نمٹ سکتے ہیں؟“ میں نے سوال کیا۔  
”بیٹا!۔۔۔ مجھے عظیم سوال سے مشورہ کرنا ہوگا۔ وہ سلطنت سولومن کا سرکاری عہدہ دار ہے۔ اس کا قتل معمولی بات نہیں ہوگا اور پھر طالش اپنے جادو کے زور سے مجھ تک بھی پہنچ جائے گا۔ اس لئے کوئی اور طریقہ نکالنا پڑے گا۔ مگر تم فکر مت کرو۔ میں سب سنبھال لوں گا۔“  
دادا جی نے مجھے تسلی دی مگر خود ان کا لہجہ پریشان کن تھا۔

”آپ عظیم سوال سے کیسے مشورہ کریں گے؟“ میں نے پھر ایک سوال کر دیا۔

”بیٹا!۔۔ مجھے روحوں سے بات کرنے کا عمل آتا ہے۔“ دادا جی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”تم اب ذرا آرام کر لو اتنے میں عظیم شوالہ سے مشورہ کر کے آتا ہوں۔“ یہ کہتے ہی وہ اٹھے اور پھر انہوں نے میری راہنمائی ایک اندرونی حصے کی طرف کی جہاں پر ایک چار پائی اور کمبل پڑا ہوا تھا۔ اس علاقے میں سردی بہت تھی حالانکہ میں نے کافی گرم کپڑے پہنے تھے مگر پھر بھی مجھے سردی کا احساس ہو رہا تھا۔ میں چار پائی پر چڑھ کر کمبل میں گھس گیا۔ دادا جی مجھے وہی چھوڑ کر باہر نکل گئے۔ تنہائی ملتے ہی آیاں مجھے سے مخاطب ہوا۔

”آقا!۔۔ میں نے آپ کے والد کا نام سنا ہوا ہے تاہم ہم ان کو تاجی کے نام سے جانتے ہیں۔ ان کا پورا نام جو میرے علم میں ہے وہ ارمغان تاجی تھا۔ وہ جنات کے علوم کے سب سے بڑے ماہر تھے۔



لیکن بہت ہی مخلص اور رحم دل۔ ہمیشہ مشکلات کے شکار جنوں کی مدد کرتے تھے۔ آپ ایک عظیم باپ کے بیٹے ہیں۔“ آیان نے ممنوعیت بھرے انداز میں کہا۔

”آیان کیا تم کو واقعی یقین ہے کہ میں کوئی ہادی ہی ہوں۔“ مجھے ابھی تک اس بات پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

”ہمارے لیے عظیم سوال کی ہر بات حرف آخر ہے۔ اگر انہوں نے آپ کو ہادی کہا ہے تو ہمیں اس پر اتنا ہی یقین ہے جتنا اس بات پر کہ اس وقت دن ہے رات نہیں۔“ آیان نے قطعی لہجے میں کہا۔

”چلو وقت بتائے گا۔“ میں نے جیسے اپنے آپ سے باتیں کرتے ہوئے کہا۔

”اچھا یہ بتاؤ کہ تم تلاش جن کے بارے کیا جانتے ہو۔ کبھی تمہاری ملاقات ہوئی ہے اس سے؟“ میں نے ایک خیال آتے ہی سوال



پوچھا۔

”نہیں آقا!“ آیان نے جواب دیا۔ ”تاہم سنا ہے کہ اس کے پاس بہت طاقت ہے۔ جیسا کہ آپ کے دادا نے بتایا کہ اس وقت تمام جنات میں وہ سب سے زیادہ طاقتور جن ہے۔“

”اچھا مجھے یہ بتاؤ کہ ژبام شہنشاہ کیا ظلم کرتا ہے جو تمام جنات ہادی کا انتظار کر رہے ہیں؟“ میں نے پوچھا۔

”آقا!۔۔۔ بس نہ پوچھے۔ جنات کو اذیتیں دے دے کر مارنا اس کا

محبوب مشغلہ ہے۔ سارا ہفتہ شہنشاہ کے کارندے شاہی قانون کی

خلاف ورزی کرنے والے جنوں کی تلاش میں ہوتے ہیں اور پھر ہر

منگل والے دن وہ ایک میدان لگاتا ہے جس میں وہ تمام جن جو

چھوٹے موٹے جرائم میں پکڑے گئے ہوتے ہیں انکو آپس میں

لڑاتے ہیں اور وہ ایک دوسرے کو بے دردی سے مارتے ہیں۔ جو

آخری جن بچ جاتا ہے اس کو شہنشاہ خوش ہو کر آزاد کر دیتا ہے۔ اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ اگر جرم کرنے والے جنات ایک خاص مقررہ تعداد سے کم ہوں تو شہنشاہ کے کارندے اپنی مرضی سے عام بے قصور جنوں کو پکڑ کے تعداد پوری کر دیتے ہیں۔ یہ تو اس کے مظالم میں سے صرف ایک ہی ہے۔ کبھی کبھار شہنشاہ کا دل ادا اس ہوتا ہے تو ایسے ہی کچھ جنات کو پکڑ کر بے دردی سے قتل کیا جاتا ہے۔ جنات کا قتل ہوتے دیکھ کر وہ خوش ہو جاتا ہے اور اس کی اداسی دور ہو جاتی ہے۔ ایک ظلم جس نے حقیقت میں ناک میں دم کر رکھا ہے وہ شہنشاہ کی یہ عادت کہ وہ ہر رات ایک نئی جہنمی کے ساتھ سوتا ہے۔ یہ جہنمی کوئی بھی ہو سکتی ہے اور کہیں سے بھی پکڑ کے لائی جاسکتی ہے۔ بس شہنشاہ کی خواہش ہے کہ ایک بار کے بعد وہ اس جہنمی کو کبھی ہاتھ نہیں لگائے گا۔ اس طرح بے شمار نیک جنات کے خاندان اس شہنشاہ نے داغدار کیے

ہوئے ہیں۔“ آیان نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

”کیا کوئی قانون یا ادارہ ایسا نہیں جہاں شہنشاہ کے خلاف آواز اٹھائی جاسکے؟“ میں نے سوال کیا۔

”نہیں آقا!۔۔۔ سلطنت سولومن میں ایسا کوئی ادارہ نہیں۔ بس

شہنشاہ ہی سب کچھ ہے۔ اور درحقیقت سلطنت سولون کا بادشاہ وہی

بن سکتا ہے جو بے حد طاقتور ہو۔ کوئی اور اس کے سامنے سر نہ اٹھا

سکے۔ یہاں پر جس کی لائٹھی اس کی بھینس والا قانون نافذ ہے۔

شہنشاہ کی اصل طاقت طالش جادوگر جن ہے۔ اس کے پاس کچھ ایسی

غیبی طاقتیں ہیں کہ وہ ہر اس جن یا گروہ کا پتہ چلا لیتا ہے جو بادشاہ کے

خلاف کچھ کرنے کا منصوبہ بناتے ہیں۔ اور پھر شہنشاہ اس کو غداری کا

لیبل لگا کر قتل کروا دیتا ہے۔ ارمغان تاجی کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا

تھا۔ شاید انہوں نے اپنی طاقتوں کی شے پر شہنشاہ کے خلاف کچھ



کرنے کی کوشش کی ہوگئی۔“ آیان نے اپنا خیال ظاہر کیا۔  
ہم باتیں کر رہی رہے تھے کہ دروازہ کھلا اور دادا جی اندر داخل ہوئے۔  
”خوب باتیں ہو رہی ہیں“ انہوں نے چمک کر کہا۔  
”جی دادا جی!۔۔۔ آپ مل آئے عظیم شوالہ کی روح سے؟“ میں نے  
سوال کیا۔

”ہاں بیٹا!۔۔۔ عظیم شوالہ نے پہلا مشورہ یہ دیا ہے کہ ہم گوپا کشن اور  
طالب جن سے جس حد دور رہ سکیں رہیں۔ اپنے وقت سے پہلے ان  
سے ٹکراؤ بہت خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا ہے  
کہ گوپا کشن یا طالب اپنے کسی بھی علم سے سلیمان کا پتہ نہیں لگا سکتے  
مگر وہ آیان کے ذریعے یہاں پہنچ سکتے ہیں۔ اس لئے آیان کو اپنے  
ساتھ نہ رکھا جائے صرف ضرورت پڑنے پر ہی تکلیف دی جائے۔  
اس لیے آیان تم اب ہماری طرف سے آزاد ہو۔ جاؤ اور اپنے



خاندان والوں کے ساتھ وقت گزارو۔ اگر گویا کشن یا کوئی اور تفتیش کرے تو بتا دینا کہ سلیمان نے تمہیں آزاد کر دیا تھا۔ اور جو کچھ تم نے اس کے ساتھ مل کر کیا وہ صرف غلامی کی وجہ سے کیا۔ اس طرح تم بھی محفوظ رہو گے۔“ دادا جی جو عظیم شوالہ کہ ملاقات کا حال بتا رہے تھے آخر میں آیان سے مخاطب ہو کر بولے۔

”ٹھیک ہے۔۔۔ سلیمان آقا۔۔۔ آپ کو جب بھی ضرورت ہو مجھے اسی عمل سے آواز دے لیجئے گا جو میں نے آپ کو ایک بار پہلے بھی بتایا تھا۔ میں حاضر ہو جاؤں گا۔“ آیان نے مجھے مخاطب کر کے کہا۔

”ٹھیک ہے آیان!۔۔۔ مجھے وہ عمل یاد ہے۔ تم جاؤ اور اپنے خاندان والوں کے ساتھ وقت گزارو۔“ میں نے بھی دادا جی کی ہدایت کو دہراتے ہوئے کہا۔ میری یہ بات سن کر آیان چلا گیا۔

”بیٹا!۔۔۔ اب ہمیں بھی یہ جگہ چھوڑنی ہے۔“ آیان کے جاتے ہی

دادا جی نے فوراً کہا۔

”کیوں دادا جی!“ میں نے حیرت سے پوچھا۔

”گوپی کشن یا اس کا کارندہ کسی بھی وقت یہاں پہنچنے والا ہوگا۔“ دادا

جی نے کہا۔ ”ان کے پاس بہت سارے ایسے عملیات ہیں جن کے

ذریعے وہ تمہاری نہ سہی آیان کی موجودگی معلوم کر سکتے ہیں۔ اور

تمہارے گم ہونے پر یقیناً گوپی کشن نے ضرور یہ عمل کیا ہوگا اس لیے

وہ اس جگہ سے واقف ہو چکا ہے۔ ہمیں فوری طور پر یہاں سے نکلنا

ہے اس سے پہلے کہ وہ یہاں تک پہنچے۔ عظیم شوالہ نے بھی یہی ہدایت

کی ہے۔“

انہوں نے چند منٹوں میں ضروری اشیاء سمیٹی اور پھر ایک چھوٹی سی

گٹھڑی کے ساتھ ہم اس جھونپڑی سے چل پڑے۔ راستے میں ایک

جگہ رک کر دادا جی نے کسی کو بتایا کہ وہ سعادت پور جا رہے اپنی پوتی

کے پاس۔ پھر وہ مجھے لے کر وادی کی جنوبی سمت چل پڑے۔ کچھ دیر  
چلنے کے بعد پہاڑی علاقہ شروع ہو گیا۔ شاید تیسری یا پھر چوتھی  
پہاڑی تھی کہ جہاں پر دادا جی ایک غار میں داخل ہو گئے۔

”اب ہمارا قیام کچھ عرصہ کے لیے یہی پر ہو گا۔“ انہوں نے کہا اور  
پھر باہر سے کچھ خاص قسم کی جھاڑیاں اکٹھی کر کے لے آئے۔ گار  
کے اندر انہوں نے آگ جلا دی۔ آگ کی تپش سے سردی کچھ کم ہوئی  
مگر اب بھی سرد ہوا جیسے جسم کے اندر کھسی جا رہی تھی۔

”دادا جی!۔۔۔ یہاں تو سردی بہت ہے۔ میری تو کلفتی جمی جا رہی  
ہے۔“ میں نے سردی سے کپکپاتے ہوئے کہا۔

دادا جی نے کچھ دیر سوچا اور پھر کہنے لگے۔

”میرا خیال تھا کہ شاید آگ سے کچھ افاتہ ہو مگر کچھ کرنا ہی پڑے

گا۔ اچھا تم ایسا کرو گار کے اندر کی جانب چلو۔“ انہوں نے مجھے



کہا۔ اور میں اٹھ کر گار کے اندرونی طرف داخل ہو گیا۔ غار کے اندر  
ویسے تو کافی اندھیرا تھا مگر اب آنکھیں اندھیرے میں دیکھنے کی عادی  
ہو گئی تھی۔ ایک سمت میں کچھ پتھروں کا شیڈ سا بنا ہوا تھا۔ میں وہاں پر  
بیٹھ گیا۔ ابھی مجھے بیٹھے کچھ ہی لمحے ہوئے تھے کہ اچانک باہر غار کے  
دھانے سے ایک گڑگڑاہٹ کی آواز آئی۔ پھر دادا جان اندر آ گئے۔  
ان کے ہاتھ میں ایک مشعل تھی۔ وہ مشعل معلوم نہیں وہ کہاں سے  
لائے تھے مگر اس سے ساری غار روشن ہوئی۔

”بیٹا!۔۔۔ میں گار کا دروازہ بند کر آیا ہوں۔ تھوڑی ہی دیر میں یہاں  
کی سردی بہت کم ہو جائے گی۔“ دادا جی نے کہا اور میں نے حیرت  
سے ان کی طرف دیکھا۔

”مگر کیسے؟ اور ہم باہر کیسے نکلے گئے۔“ میں نے حیرت سے سوال

کیا۔



”اب ان چھوٹی چھوٹی باتوں پر حیران نہ ہوا کرو۔ تم جانتے ہو کہ ہم عام انسان نہیں ہے۔“ دادا جی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اور پھر کچھ سوچ کر بولے۔

”مجھے تم سے کچھ اور باتیں بھی کرنی ہے جو عظیم سوالہ نے مجھے بتائی ہیں۔ مگر اس کے لئے یہاں آنا ضروری تھا۔“ ان کے لہجے نے مجھے چونکا دیا۔

www.define.pk

”کیا باتیں دادا جی“ میں نے پوچھا۔

”بیٹا!۔۔۔ پہلی بات تو یہ کہ تمہارے جسم پر ایک تعویذ ہوگا۔ تم نے اس کی حفاظت خاص طور پر کرنی ہے۔ اس کی وجہ سے طالش یا کوئی بھی طاقتور جن وانس تمہارے بارے میں کچھ بھی نہیں جان سکے گا کہ تم کہاں ہو اور کس حال میں ہو۔ یہ تعویذ عظیم سوالہ نے تمہیں تمہاری پیدائش کے وقت پہنایا تھا۔“ دادا جی نے بتایا۔

میں نے اپنے گلے میں پڑے ہوئے تعویذ کو قیصر سے باہر نکلا کر دیکھا۔ وہ ٹھیک ٹھاک ہی تھا۔ اب مجھے سمجھ آئی کہ یہ تعویذ میرے ہوش سنبھالنے سے میرے ساتھ کیوں ہے۔

”دوسری بات یہ ہے کہ طالش جن کو پتہ چل چکا ہے کہ تمہیں اللہ نے ہادی بنا کر بھیجا ہے۔ اس لیے ہی اس نے تمہارے ماں باپ کو اور پھر عظیم شوالہ کو قتل کیا۔ اور اس کی خواہش ہے کہ وہ تمہیں اس وقت سے پہلے ہی قتل کر دے جب تم طاقتور ہو کر اس کے اور شہنشاہ کے خلاف نہ کھڑے ہو جاؤ۔ اس لئے اس وقت تک کا انتظار تم کو چھپ کر ہی کرنا ہوگا۔“ دادا جی نے مجھے مزید حیران کرتے ہوئے کہا۔

”تو کیا یہ سب قتل و غارت اس نے صرف میرے لئے کی؟“ میں نے حیرت سے پوچھا۔

”ہاں!۔۔۔ یہ سچ ہے۔ تمہارے والد اور والدہ درحقیقت تمہاری

جان بچانے میں اپنی جان سے گئے۔“ دادا جی نے میری سوچ کی تصدیق کرتے ہوئے کہا۔ اور میں ندامت کے احساس سے شرمندہ سا سر جھکا کر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد میں نے کہا۔

”مجھے لگتا ہے کہ سب کو بہت بڑی غلط فہمی ہوئی ہے میرے بارے میں۔ نہ تو مجھ میں کوئی خاص بات ہے اور نہ ہی کوئی خاص طاقت۔ یہ کیونکر ہو جائے گا کہ میں ایک بے ضرر سے لڑکا ایک شہنشاہ اور وہ بھی سلطنت سولومن کے شہنشاہ کو نیچا دکھا سکوں“ میں واقعی بے حد الجھ گیا تھا۔

”میرے ذہن میں بھی یہ خیال تھا اور میں نے عظیم سوال سے اس بابت بھی پوچھا تھا۔ انہوں نے کہا تھا کہ یہ کیسے ہو گا یہ تو نہیں جانتے مگر ان کو اپنے علم پر یقین ہے کہ وہ تم ہی ہو۔ یہ راز تم کو خود ہی افشاء کرنا ہے۔“ اتنا کہہ کر وہ خاموش ہو گئے اور میں بھی اپنے خیالات



میں کھو گیا۔ جو کچھ میرے ساتھ ہو رہا تھا اس میں مجھے اپنی حیثیت ایک کھلونے جیسی لگ رہی تھی۔ طالش نے تو میری ماں کو اس وقت قتل کیا تھا جب میں ہوش میں نہیں تھا مگر گویا کشن نے تو میری ماں کو میری آنکھوں کے سامنے زندہ جلادیا تھا اور میں کچھ بھی نہ کر سکا الٹا میں اس سے چھپتا پھر رہا ہوں۔ مجھے اپنے آپ پر شرم محسوس ہونے لگی۔ مگر میں کربھی کیا سکتا ہوں۔ یہ جسمانی جنگ نہیں تھی یہ تو جادو کی جنگ ہے اور مجھے جادو بالکل بھی نہیں آتا اور شاید میں سیکھنا بھی نہیں چاہتا کیونکہ جادو سیکھنے والا دائرہ اسلام سے خارج ہوتا ہے اور مجھے اپنا ایمان بہت عزیز تھا۔ اچانک میرے دماغ میں ایک اور سوال ابھرا۔ کیا دوا داجی مسلمان نہیں ہیں؟ انہوں نے مجھے خود بتایا تھا کہ وہ ایک ایسا عمل جانتے ہیں جس سے روحوں کو بلایا جاسکتا ہے اور انہوں نے عظیم سوال کی روح کو بھی بلایا تھا اور پھر میں نے اس غار میں ان کو



عجیب سی طاقت کی مدد سے دھانہ بند کرتے ہوئے بھی محسوس کیا تھا۔  
آیان نے بھی مجھے بتایا تھا کہ جاڑوں کی بستی کے تمام باسی سلطنت  
سولومن کے باسی ہیں کیونکہ وہ جادو جانتے ہیں۔ پھر میرے ذہن میں  
یہ بھی آیا کہ خود میرے والد صاحب جن کو آیان تاجی کے نام سے جانتا  
تھا وہ بھی جنات کے عملیات اور جادو کے ماہر تھے۔ یہ سب کچھ ذہن  
میں آتے ہی میں نے دادا جی سے اس کے بارے میں پوچھنے کا فیصلہ  
کر لیا۔

”دادا جی!۔۔۔ میں نے اپنے ایک بزرگ سے سنا ہے کہ جادو کرنے  
والا یا سکھنے والا دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ تو کیا آپ اور  
میرے والدین مسلمان نہیں تھے؟“ میرے لہجے میں تجسس کے  
ساتھ تشویش بھی شامل تھی۔

”ہا ہا ہا!“ دادا جی نے قہقہہ لگایا۔

”ایسی بات ہرگز نہیں ہے۔ الحمد للہ میں بھی مسلمان ہوں اور تمہارے والدین بھی مسلمان تھے۔“ انہوں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ ”عام لوگ جادو کا مطلب سہی طور پر سمجھ نہیں پاتے۔ میں کوشش کرتا ہوں کہ تم کو سمجھا سکوں۔ تم یہ تو جانتے ہو گے کہ انسان صرف اس گوشت پوست کے جسم کا نام نہیں ہے۔ اصل چیز روح ہے جو اللہ کی اپنی پھونکی ہوئی چیز ہے یعنی وہ اللہ کے وجود کا حصہ ہے۔ قرآن شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو پیدا کرنے کے بعد تمام فرشتوں کو فرمایا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ کیا تم نے کبھی سوچا کہ سجدہ تو صرف خدا کو جائز ہے انسان کو تو کیا کسی بھی اور مخلوق کو ہرگز نہیں مگر خود اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں کو حکم دیتا ہے کہ آدم کو سجدہ کرو۔ اور ایسا نہ کرنے کی وجہ سے ابلیس آج تک اور قیامت تک خدا کی بارگاہ میں ذلیل ہے۔“

دادا جی کے اس پوائنٹ نے میرے دماغ کی چولیس تک ہلا دیں۔  
واقعی اس انداز میں، میں نے آج تک نہیں سوچا تھا۔ دادا جی نے  
کچھ دیر سانس لینے کے بعد اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔  
”انسان کی پیدائش دو پرتوں پر ہوئی ہے۔ ایک ظاہر یعنی یہ جسم اور  
دوسری باطن یعنی روح۔ جس طرح یہ ظاہری جسم کے خواص ہیں اسی  
طرح روح کے بھی خواص ہیں۔ اگر کوئی انسان کسی نہ کسی طرح ان  
خواص کا استعمال کرتا ہے تو اسے جادو کا نام دے دیا جاتا ہے۔ ان  
خواص کو استعمال کرنے کے ایک سے زیادہ طریقے ہیں۔ پہلا طریقہ  
جو سب سے شارٹ کٹ ہے وہ ہے کالا علم جو شیطان کا طریقہ ہے اور وہ  
اسے اس انداز میں سکھاتا ہے کہ انسان اپنے ایمان سے جاتا ہے اور  
یہ علم ہمیشہ کسی دوسرے انسان کو نقصان پہنچانے کے لئے ہوتا ہے۔  
ایسے علم سے اللہ نے منع فرمایا ہے اور ایسا عمل کرنے والا دائرہ اسلام



سے خارج ہوتا ہے۔ دوسرا طریقہ وہ ہے جو سیدھا سا ہے مگر کچھ زیادہ  
کوشش اور ریاضت مانگتا ہے وہ علم روحانیت ہے۔ جو ہمارے باپ  
دادوں کے زمانے سے بہت سارے بزرگ سیکھتے اور سیکھاتے چلے  
آئے ہیں۔ وہ جب اس جادو کو استعمال کرتے ہیں تو ہم ان کو کرامات  
کہتے ہیں۔ ایک تیسرا اور بہت لمبا طریقہ بھی ہے جو ارتکا از توجہ سے  
شروع ہوتا ہے۔ مگر اس راستے میں اتنی زیادہ مشکلات ہیں کہ بہت کم  
لوگ ہی کامیاب ہو پاتے ہیں اور اگر کامیاب ہو بھی جائے تو ان کے  
حصے میں بہت ہی کم روحانی طاقت آتی ہے اور اگر وہ ریاضت چھوڑ  
دیں تو وہ بھی ختم ہو جاتی ہے۔ پہلا طریقہ چھوڑ کر باقی دونوں طریقے  
اسلام میں جائز ہیں۔ انسان جب ان طریقوں سے اپنے روح کا  
عرفان حاصل کر لیتا ہے تو پھر اس کے اندر روحانی خواص بیدار ہو  
جاتے ہیں۔“ دادا جی نے تفصیل سے بتاتے ہوئے کہا۔ میرے



دماغ میں نئے باب کھل رہے تھے۔

”دادا جی!۔۔۔ اگر جسم کی طرح روح کے بھی کچھ خواص ہیں اور

روح پیدائش سے لے کر موت تک ہمارے ساتھ ہے تو پھر ان

روحانی خواص کے لیے ہمیں خاص کوشش کیوں کرنی پڑتی ہے۔ ایسا

کیوں نہیں ہے کہ جس طرح بازو اور ٹانگیں ہمارے جسمانی خواص

خود بخود ہی کام شروع کر دیتے ہیں اسی طرح روحانی خواص کو بھی خود

بہ خود ہی کام کرنا شروع کر دیں۔“ میں نے سوال کیا۔

”خود بخود کچھ نہیں ہوتا اور یہ اللہ کی سنت کے بھی خلاف ہے۔“ دادا

جی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”ٹھہرو میں تمہیں مثال کے ساتھ سمجھاتا

ہوں۔ تمہارے جس کے ایک حصے کی مثال لے لیتے ہیں۔ جیسے

تمہاری ٹانگیں جن پر تم چلتے ہو اور تمہیں لگتا ہے کہ یہ خود بہ خود ہی چلنے

لگتی ہیں۔ اگر تم کسی بچے کی پیدائش کے وقت دونوں ٹانگیں کس کر

ایک کپڑے کے ساتھ باندھ دو تو پتہ ہے کیا ہوگا؟“ انہوں نے مجھ سے سوال کیا۔

”کیا ہوگا؟“ میں نے حیرت سے پوچھا۔

”اس کی ٹانگیں اس کے جسم کے ساتھ ساتھ بڑی نہیں ہونگی اور وہ ان

کے استعمال سے واقف بھی نہیں ہوگا۔ لہذا وہ اس طرح چل نہیں

سکے گا جیسا کہ تم چل رہے ہو۔ اگر اسی حالت میں وہ تمہاری عمر کو پہنچ

جائے اور پھر اس کو اپنی ٹانگوں کو ضرورت پڑے تو کیا وہ صرف کپڑا کھول کر ٹانگوں کا استعمال کر سکے گا؟ ہرگز نہیں۔ اسے خاص کوشش کر

کے ان ٹانگوں کو بڑھانا ہوگا اور پھر کسی استاد سے اس کا استعمال سیکھنا

ہوگا جیسے کہ تمہارے پالنے والے والدین نے تم کو ہاتھ پکڑ کر چلنا

سیکھایا۔“ دادا جی نے بڑے عالمانہ انداز میں وضاحت کرتے

ہوئے کہا اور میں حیرت سے یہ باتیں سن رہا تھا۔

”بالکل اسی طرح ہمارے ہمارے روحانی خواص بھی پیدائش کے وقت ہمارے ساتھ ہی ہوتے ہیں مگر نوزائیدہ، بہت کمزور اور ناقابل استعمال۔ چونکہ زیادہ تر لوگ ان کے استعمال سے واقف نہیں ہیں اس لئے کوئی ان کی تربیت یا بڑھوتری کی طرف توجہ نہیں دیتا۔ لہذا عمر میں اضافے کے ساتھ ساتھ وہ بڑھ نہیں پاتے اور انسان ان سے نا آشنا رہتا ہے۔ پھر کچھ روحانی لوگ خاص ریاضت سے ان خواص کو کسی نہ کسی حد تک قابل استعمال بنا لیتے ہیں۔ اللہ کے کلام میں بھی بہت طاقت ہے وہ بھی آپ کے ان خواص کو بیدار کرنے میں بہت مدد کرتا ہے مگر خود اس کا علم بہت کم لوگوں کے پاس ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے روح کو تمام علوم سکھائے ہیں۔“ دادا جی نے کہا اور پھر خاموش ہو گئے۔

میں ان کی بات کا قائل ہوتا جا رہا تھا کیونکہ ایک چیز کا تجربہ میں نے



خود بھی کیا تھا۔ چونکہ میں نے سورہ جن کا چلہ مکمل کیا تھا اس لئے میں فرق محسوس کر سکتا تھا۔ اس چلے سے پہلے میں آیاں کو دیکھ ہی نہیں پاتا تھا اور اس چلے کے بعد میں واضح طور پر آیاں کو دیکھ سکتا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ اللہ کے اس کلام نے میری وہ حس بیدار کر دی جو کہ غیر مرنی مخلوقات کو دیکھنے میں استعمال ہوتی ہے۔

”دادا جی کیا آپ مجھے اپنے روحانی خواص کو بیدار کرنے کا ہنر سکھا سکتے ہیں؟ اور یہ بھی بتائیں کہ یہ خواص کتنی قسموں کے ہوتے ہیں۔“ میں نے بڑی دلچسپی اور امید کے ساتھ سوال کیا۔

”بیٹا! اگر میں کسی قابل ہوتا تو شاید یوں نہ گمنامی کی زندگی بسر کر رہا ہوتا۔“ دادا جی کے الفاظ میں درد تھا۔ ”مگر میں کوشش کروں گا کہ تم کو جتنا میں جانتا ہوں سیکھا سکوں۔“

”جی دادا جی!۔۔ میں آپ کا احسان مند ہوں گا۔“ میں نے ممنوعیت



سے فوراً کہا۔

”تم اگر چاہو تو آج سے ہی اس کی ابتداء کر سکتے ہو۔“ دادا جی نے پیشکش کی اور میں خوشی سے جیسے ہواؤں میں اڑنے لگا۔

”جی ضرور“

”پہلا سبق یہ ہے کہ اپنی سوچوں کو ارتکاز دو۔ یاد رکھو اگر پانی بھی قطرہ قطرہ مسلسل ایک جگہ پر گرتا رہے تو یہ قطرے پتھر میں سوراخ کر دیتے ہیں۔ اسی طرح اگر تمہاری سوچ میں ارتکاز ہوگا تو تم اس ارتکاز کو استعمال کرتے ہوئے بہت سے کارنامے سرانجام دے سکتے ہو۔“

دادا جی نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

”مثال کے طور پر؟“ میں نے پوچھا۔

”تم نے ٹیلی پیٹھی اور ہپناٹزم کا نام سنا ہے“ انہوں نے سوال کیا۔

”جی صرف نام کی حد تک۔ مجھے نہیں معلوم کہ یہ کیا ہے مگر اتنا ضرور سنا

ہے کہ ان علوم پر مغرب میں بھی کافی ریسرچ ہو رہی ہے۔“ میں نے اپنی معلومات بتاتے ہوئے جواب دیا۔

”ہیپناٹزم ایک ایسا عمل ہوتا ہے جس کے ذریعے آپ اپنے سے کمزور قوت ارادی والے کسی بھی شخص کے دماغ کو کنٹرول کر سکتے ہیں۔ پھر وہ وہی کرے گا جو آپ چاہو گے۔ جبکہ ٹیلی پیتھی کی مدد سے آپ کسی بھی دوسرے شخص تک اپنے خیالات پہنچا سکتے ہو اور اس کے خیالات سن بھی سکتے ہو۔ یاد رکھوں خیالوں کی اپنی زبان ہوتی ہے۔“ دادا جی نے سوال کرتے ہوئے کہا اور اچانک مجھے وہ دوکان دار یاد آ گیا جس سے میں دادا جی کے گھر کا ایڈریس پوچھا تھا۔

”دادا جی!۔۔۔ تو کیا وہ دوکان دار جو ہونٹ ہلائے بغیر مجھ سے باتیں کر رہا تھا وہ اسی علم کو استعمال کر رہا تھا؟“ میں نے پوچھا۔

”کون؟“ دادا جی نے چونک کر پوچھا کیونکہ میں نے اس کے

بارے میں ان کو پہلے بتایا نہیں تھا۔

”جب میں اس بستی میں داخل ہوا تو آپ کے گھر کا پتہ پوچھنے کے لئے میں ایک کپڑوں کی دوکان میں چلا گیا تھا۔ وہ ادھیڑ عمر شخص کسی اجنبی زبان میں بات کر رہا تھا مگر پھر اچانک وہ میرے زبان میں باتیں کرنے لگا حالانکہ اس کی زبان تو اہل بھی نہیں رہی تھی۔ اور اس کے ہونٹ بھی ساکن تھے۔“ <sup>www.pdfbooksfree.pk</sup> تفصیل سے بتاتے ہوئے کہا۔

”اچھا تو تم سوریہ پا کے پاس چلے گئے تھے۔ ہاں وہ یہ علم جانتا ہے۔“

داداجی نے تصدیق کرتے ہوئے کہا۔ اور مجھے یہ علم سیکھنے کا اشتیاق ہونے لگا۔

”داداجی!۔۔ کیا آپ مجھے یہ علم سیکھا سکتے ہیں“ میں نے سوال کیا۔

”بیٹا!۔۔ میں نے ایک بار کوشش کی تھی سیکھنے کی اور کچھ کامیابی بھی ہوئی تھی مگر پھر میں اس کی مسلسل مشق نہ کر سکا۔ یہ علم مسلسل مشق



کرتے رہنے سے ہی تقویت پاتا ہے۔ میں تمہیں اس کا طریقہ کار بتا دوں گا آگے سیکھنا نہ سیکھنا تمہاری قسمت“ انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر اچانک کچھ سوچ کر بولے۔

”مگر میں تم کو وہ علم بہت آسانی سے سیکھا سکتا ہوں جس کی مدد سے میں نے بہت آسانی سے اس غار کا دھانا بہت بھاری اور بڑے وزنی پتھر سے بند کیا۔“ انہوں نے پیشکش کی۔

”ضرور مگر آپ نے یہ کیسے کیا؟“ میں نے پوچھا۔

”ارتکا زتوجہ سے۔“ انہیں نے جواب دیا۔ ”دیکھنا چاہوں گے کہ

ارتکا زتوجہ سے کیا کچھ ہو سکتا ہے؟“

”جی ضرور“ میں نے فوراً جواب دیا۔ انہوں نے مجھے اپنے ساتھ

آنے کا اشارہ کیا اور پھر ہم اس غار کے دھانے کے قریب چلے گئے

جہاں اس غار کا دھانا کسی بہت ہی بھاری پتھر سے ڈھکا ہوا



تھا۔ انہوں نے بہت غور سے غار کو دیکھنا شروع کیا اور پھر اچانک وہ پتھر اپنی جگہ سے ہٹنے لگا۔ میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب میں نے دیکھا کہ وہ پتھر اپنی جگہ سے سرک کر کچھ آگے بڑھ گیا اور اتنی جگہ بن گئی کہ ہم لوگ باہر نکل سکتے تھے۔ پھر دادا جی نے میرا ہاتھ پکڑا اور ہم باہر آ گئے۔ باہر آ کر انہوں نے کچھ دیر تلاش کرنے کے بعد ایک درخت تلاش کر لیا جہاں پر پھل لگے ہوئے تھے۔ انہوں نے اسی طرح غور سے ان میں سے ایک پھل کو دیکھا اور وہ پھل خود بہ خود ٹوٹ کر ہماری گود میں آ گرا۔

”لو اسے کھاؤ“ انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”یہ علم سیکھو گے یا پھر کچھ اور بھی دیکھاؤ“

”بس دادا جی۔۔۔ مجھے یہ علم سیکھا دیں۔“ میں نے فوراً جواب

دیا اور وہ پھل کھانے لگا۔ بہت لذیذ پھل تھا شاید آڑو تھا یا اسی کی

طرح کا کوئی اور پھل۔

”اچھا چلو پھر غار میں چلتے ہیں۔“ انہوں نے کہا اور پھر ہم غار میں واپس آ گئے۔ انہوں نے ایک شیشے کا گلاس اپنی گٹھڑی سے نکالا۔ اسکے پینڈے میں کوئی چپکنے والی چیز لگا کر اپنے سر کا ایک لمبا بال اتار کر اس کے ساتھ چپکا دیا۔ پھر وہ گلاس الٹا کر کے ایک بڑے پتھر جو فرش سے تقریباً دو یا ڈھائی فٹ اونچا ہو گا پر رکھ دیا۔ اب بال اس گلاس کے اندر گلاس کے پینڈے سے لٹکا ہوا صاف نظر آ رہا تھا۔ اس کا ایک سر اپینڈے سے چمٹا ہوا تھا جبکہ دوسرا سر نیچے کی جانب آزادانہ جھول رہا تھا۔

”ادھر بیٹھ جاؤ اور غور سے اس بال کی طرف دیکھو۔ اپنے ذہن سے سارے خیالات نکال دو اور کوشش کرو کہ یہ تمہاری مرضی کے مطابق حرکت کرے۔ میں تب مانوں گا اگر تم اس کے دوسرے سرے کو بھی

اوپر کی جانب اٹھا کر پینڈے سے چپکا دو۔ مگر بغیر ہاتھ پیر ہلائے“  
انہوں نے مشق سمجھاتے ہوئے کہا۔

میں اسی وقت اس گلاس کے سامنے فرش پر بیٹھ گیا اور غور سے اس بال  
کو دیکھنے لگا۔

”بیٹا اگر بھوک لگ رہی ہو تو کچھ کھاپی لو پھر کچھ دیر آرام کرنے کے  
بعد مشق کرنا۔“ انہوں نے پیشکش کی۔

”دادا جی میں انشاء اللہ اس بال کے دوسرے سرے کو پینڈے پر لگا کر  
ہی کھانا کھاؤ گا۔“ میں نے بڑے اعتماد سے کہا۔ کیونکہ میں طرام  
کے مقابلے میں بھی اسی طرح کی طاقت کا مظاہرہ کر کے آیا تھا اور  
مجھے معلوم تھا کہ آیت کریمہ کی مدد سے اگر میں طرام جیسے وزنی

پرندے کو روک سکتا ہوں تو یہ چھوٹا سا بال میرے لیے کیا چیز ہے۔

”بیٹا! صبر سے کام لو۔۔۔ ہو سکتا ہے کہ اس کام میں تمہیں کئی ہفتے یا



پھر کئی مہینے لگ جائے۔ ایسا نہ ہو کہ تم جلدی کے چکر میں مایوس ہو

جاؤ۔“ انہوں نے مجھے اپنے تئیں سمجھاتے ہوئے کہا۔

میں نے کوئی جواب نہیں دیا بلکہ بڑی توجہ کے ساتھ اس بال کو دیکھنے لگا

اور پھر میں نے زیر لب آیت کریمہ کا ورد شروع کر دیا۔ چند منٹ تک

میں بغور اس بال کو دیکھتا رہا مگر کچھ نہیں ہوا پھر میں نے کوشش کی کہ

اپنی توجہ کی قوت سے اس بال کو تھوڑا سا ہلاؤ اور یہ دیکھ مجھے بڑی خوشی

ہوئی کہ وہ بال ہل رہا تھا۔ پھر میں نے اسی طرح ورد کرتے ہوئے

اس بال کے دوسرے آزاد سرے کو اوپر اٹھا کر گلاس کے پینڈے چپکا

دیا۔ اس کام سے فارغ ہو کر میں نے خوشی خوشی دادا جی کہا۔

”چلیں اب بھوک لگی ہے۔ کچھ کھانے کو دیں۔“

انہوں نے چونک کر میرے طرف دیکھا اور پھر شاید وہ یہ سمجھے کہ میں

نے ان کی نصیحت مان لی ہے۔



”بس اتنی جلدی ہمت ہار گئے۔“ ان کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔  
”میں تو سوچ رہا تھا کہ ایک دو گھنٹے گزارنے کے بعد تم یہ الفاظ  
استعمال کرو گے۔“

”جب کام جلد ہو گیا ہے تو پھر انتظار کیوں کرنا۔ یہ دیکھے دوسرا سرا  
پنیدے سے چپکا ہوا ہے۔“ میں نے شوخی سے جواب دیا۔ اور دادا  
جی ایک دم حیران ہو گئے۔ پھر جلدی سے وہ میرے قریب آئے اور  
انہوں نے غور سے گلاس کی طرف دیکھا۔ پھر مجھے حیرت دے دیکھتے  
ہوئے بولے

”تم یقیناً یہ علم پہلے جانتے ہو اور مجھے بس الوہی بنا رہے تھے۔“

انہوں نے اس بار کچھ دکھ بھرے لہجے میں کہا۔

”نہیں دادا جی ہرگز نہیں۔“ میں نے فوراً ہی کہا۔ ”یہ تو بس اس

آیت کریمہ کی وجہ سے ہے جس کی طاقت کا مجھے اتفاقاً ہی پتہ چلا۔“

اور پھر میں نے ان کو ہوائی حویلی والی بات اور پھر طرام کے ساتھ  
ہونے والا واقعہ تفصیل سے بتا دیا۔

”ہوں تو یہ بات ہے۔“ انہوں نے سوچتے ہوئے کہا۔ اور پھر آگے  
بڑھ کر گلاس کا دوبارہ اٹھایا۔ اس کے دوسرے سرے کو پینڈے سے  
آزاد کر کے پھر الٹا لٹکا دیا۔

”اب دوبارہ مجھے ایسا ہی کر کے دکھاؤ مگر بغیر آیت کریمہ پڑھے۔“  
انہوں نے کہا۔

”ہوں۔۔۔ میں کوشش کرتا ہوں“ میں نے جواب دیا۔ اور پھر توجہ  
سے اس بال کو دیکھنے لگا۔ اس بار میں نے کوشش کی مگر وہ بال اپنی جگہ  
سے ٹس سے مس بھی نہ ہوا۔ میں نے بے چارگی سے دادا جی کی طرف  
دیکھا۔

”بس کوشش جاری رکھو۔“ انہوں نے کہا اور چل کر دور ایک پتھر پر جا

کر بیٹھ گئے۔ اور میں پھر اس بال کی طرف متوجہ ہو گیا۔ کچھ دیر اس کو دیکھنے لگا اور پھر اچانک میرے خیالات بھٹکنے لگے۔ میرا ذہن گولی کشن کی طرف چلا گیا اور اس کی خیال آتے ہی میرے تن بدن میں جیسے آگ لگ گئی۔ میں اس سے انتقام لینے کے بارے میں سوچنے لگا اچانک مجھے خیال آیا کہ میری توجہ بال سے ہٹ رہی ہے۔ پھر میں اس بال کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اسی طرح آدھا گھنٹہ میں اپنے خیالات سے الجھتا رہا۔ پھر سر میں درد ہونے لگا۔ میں نے بیچارگی سے دادا جی کی طرف دیکھا۔

”دادا جی اب تو سر میں درد شروع ہو گیا ہے۔“ میں نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔

”میں نے بولا تھا نا کہ جلدی نتیجے کی امید مت لگاؤ۔ بہر حال اب کچھ دیر آرام کرو، شام کو پھر شروع کر دینا۔“ انہوں نے کہا۔ اور پھر میں



اٹھ کر ان کے پاس چلا گیا۔ انہوں نے کھانا اپنی گٹھڑی سے نکالا اور پھر ہم اسے کھانے لگے۔ کھانا کھانے کے بعد وہ بولے۔

”یہ جو آیت کریمہ والا عمل ہے یہ میرے لیے بھی نیا ہے۔“ دادا جی کے لہجے میں حیرت نمایاں تھی۔ ”لگتا ہے کہ یہ آیت کریمہ تمہاری یا پھر ہر انسان کے روحانی خواص کو فوری طور پر مگر عارضی وقت کے لئے تو انا کر دیتی ہے۔ اور وہ اسی طرح کام کرتا ہے جیسے ایک تربیت حاصل کئے ہوئے شخص کا کرتا ہے۔“

”شاید“ میں نے جواب دیا ظاہر ہے اس کا مجھے کوئی خاص تجربہ نہ تھا۔ میں تو بس اتفاق سے ہی اس سے واقف ہو گیا تھا۔ اور اس اتفاق نے دو جگہ میرے مدد کی تھی۔

وقت تیزی سے گزرنے لگا۔ میں نے اپنے خیالات کو کنٹرول کرنے کی مشق جاری رکھی اور تقریباً دو ہفتوں کی محنت کے بعد میں اس قابل



ہو گیا کہ اس بال کو پھر سے پیندے سے لگا سکوں۔ مگر پھر دادا جی نے میرے مشق بدل دی۔ اب کی بار انہوں نے ایک مکڑی اس گلاس میں قید کر دی اور مجھے کہا کہ میں اس مکڑی کو اپنی مرضی کے مطابق حرکت دوں۔ میں نے کوشش کی مگر مکڑی خود بھی مزاحمت کر رہی تھی اس لئے بات نہ بنی۔ بہر حال چند ہفتوں تک میری اور مکڑی کی خوب جنگ ہوتی رہی اور پھر آخر کار میں نے اسے زیر کر ہی لیا۔ پھر دادا جی نے گلاس اٹھا دیا اور اس کی جگہ پر ایک ادھا پنچ موٹا پتھر رکھ دیا۔ اسے میں نے جلدی ہی اپنی توجہ کی قوت سے ہلا دیا۔ پھر دادا جی پتھر کا سائز بڑا کرتے رہے۔ حتیٰ کہ تقریباً ایک سال کی مدت میں میں اس قابل ہو گیا کہ غار کے دھانے پر پڑا پتھر بھی اپنی توجہ سے ہٹانے لگا۔ دادا جی نے مجھے خوب دل کھول کر شاباشی دی اور بتایا کہ میری سیکھنے کی رفتار بہت تیز ہے۔ جو صلاحیت انہوں نے خود پانچ سال میں حاصل

کی تھی وہاں میں صرف ایک سال میں پہنچ گیا تھا۔ پھر انہوں نے اگلی  
مشق کے بارے میں بتایا۔

”بیٹا!۔۔۔ اب دوسرا مرحلہ آتا ہے۔ یہ مرحلہ ہے اپنی روح سے  
رابطہ کرنا۔“ انہوں نے کہا اور میں چونک پڑا۔ ”بیٹا۔۔۔ اپنی روح  
سے رابطے کے لئے تمہیں مرنے سے پہلے مرنا ہوگا“

”جی کیا مطلب؟“ میں نے حیرت سے پوچھا۔

”مطلب یہ کہ اگر تم اپنے جسم کو مکمل طور پر بھلا دو اور اپنے ظاہری  
خواص کو مکمل طور سلا دو تو پھر تمہارے روحانی خواص تم پر طاری ہونگے  
اور تم روح کی حیثیت سے پہچانے جاؤ گے۔ اور ہر وہ کام کر سکو گے جو  
ایک روح کر سکتی ہے۔“ دادا جی نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔  
”اس مقام کو حاصل کرنے کے لئے مجھے کونسی مشق کرنی ہوگی؟“  
میں نے پوچھا۔

”اپنی پانچوں حواس کو بھلانا ہوگا۔“ دادا جی نے کہا۔ ”تم جانتے ہو کہ یہ پانچ حواس، دیکھنا، سننا، چکھنا، سونگھنا اور چھونا ہے۔ ان میں سے دیکھنا، چکھنا اور سونگھنا کسی حد تک اختیاری ہیں۔ اگر تم آنکھیں بند کر لو تو دیکھ نہیں سکو گے۔ اگر کچھ کھاؤ نہیں تو چکھ نہ سکو گے اور اگر ناک کی طرف کوئی خاص توجہ نہ دو تو آکسیجن کے سوا تم کوئی چیز سونگھ نہ سکو گے۔ مگر اصل مسئلہ باقی دھواں کا ہے یعنی سننا اور چھونا۔ کوئی بھی آواز اگر تمہارے ارد گرد ابھرتی ہے تو تم اسے سن سکتے ہو بغیر کسی کوشش کے اور اسی طرح تمہارے اپنے وجود کا احساس چھونے میں آتا ہے۔ تم ایک گھنٹہ تک بیٹھے رہو گے تو تمہیں تھکن کا احساس ہوگا۔ جی میں آئے گا کہ ہاتھ پاؤں کو ہلا کر دیکھو۔ وغیرہ وغیرہ۔ لہذا یہ مشق اصل میں ان دو حواس کو سلانے کی ہے۔ اس میں تم ان دو حواس کو کچھ انسانی ضروریات کو ترقی کر کے وقتی طور پر کمزور کر سکتے ہو۔ جیسے بھوک



اور پیاس۔ اس کی مشق یوں ہے کہ تمہیں ایک اندھیری جگہ پر مراقبہ کی حالت میں بیٹھنا ہے۔ نہ کچھ کھانا ہے اور نہ کچھ پینا بس اپنے آپ کی نفی کرنی ہے۔ کوشش کرنی ہے کہ تم بند آنکھوں سے کچھ دیکھ سکو۔ اور اس کوشش کو اتنی توجہ سے کرنا ہے کہ تمہیں اس کے علاوہ اور کچھ سمجھائی نہ دے۔ شروع میں یہ مراقبہ تم بارہ گھنٹوں کا کرو گے پھر چوبیس گھنٹوں کا اور اسی طرح بڑھاتے بڑھاتے چالیس دن تک کا۔ اس کی رفتار تمہاری قوت برداشت پر ہے۔ یہ مشق تمہارے جسم پر بہت بھاری ہے اس لئے تم اس کو اپنی استطاعت کے مطابق کرو مگر یاد رکھو، اس میں ایک بار اضافہ کیا تو پھر واپس کمی نہیں کرو گے ورنہ صلاحیت میں اضافے کی بجائے کمی ہو جائے گی۔“ انہوں نے تفصیل سے اس مشق کا طریقہ بتاتے ہوئے کہا۔

”میں اس کے لئے تیار ہوں دادا جی۔“ میں نے فوراً کہا۔ ”مگر اس



سے مجھے کیا ملے گا؟“

”اس کا انحصار تمہاری روح کی طاقت پر ہے۔ یاد رکھو اللہ تعالیٰ نے ہمیں بہت واضح الفاظ میں بتایا ہے کہ اگر ہم گناہ کریں گے تو دراصل خود اپنے پر ظلم کریں گے۔ یعنی اپنی روح کو کمزور کریں گے۔ اور اگر ہم نیک کام کریں گے تو اپنی ہی روح کو طاقتور کریں گے۔ اچھے کام اور اچھے خیالات روح کی غذا ہیں اور اسے بڑھنے پھولنے میں مدد کرتے ہیں۔ جتنی طاقت و تمہاری روح ہوگئی اتنا ہی زیادہ تم اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہو۔“ دادا جی نے روح کا اصول بتاتے ہوئے کہا۔

”ٹھیک ہے دادا جی میں تیار ہوں“ میں نے کہا۔  
”تو ٹھیک ہے کل سے مشق شروع کر دو۔“ انہوں نے کہا۔  
اس طرح میں نے روح کے عرفان کی مشق شروع کر دی۔ شروع

شروع میں مجھے ایسا لگتا تھا جیسے میں ایک ایسے ہوائی جہاز میں بیٹھا ہوں جس کا کنٹرول میرے بس میں نہیں ہے۔ عجیب و غریب سی دنیا نظر آتی تھی۔ نور ہی نور اور بہت بڑے بڑے اور اونچے اونچے ستون۔ پھر آہستہ آہستہ اس پر میرا کنٹرول ہونے لگا۔ میں زمین و آسمان میں گھومنے لگا۔ یہ سارا کچھ مجھے اپنا تخیل ہی لگتا تھا۔ میں روزانہ کی روداد دادا جی کو سناتا تھا ایک دن جب یہ بات میں نے ان کو بتائی کہ مجھے لگتا ہے کہ یہ سب تخیل کی کارستانی ہے تو وہ ہنس پڑے اور پھر کہنے لگے،

”اب اگر تمہارا کنٹرول اپنی روح پر ہو تو اپنے بابا کی دوکان پر جانے کی کوشش کرنا۔“ انہوں نے کہا اور میں چونک پڑا۔ میں تو واقعی اپنے بابا کو بھول ہی گیا تھا اس طلسم کی دنیا میں آکر۔

اگلے دن جب مجھ پر وہی حالت ہوئی تو میں نے اپنے بابا کا خیال کیا

اور اپنے آپ کو ان جانے پہچانے راہوں کی طرف موڑنے کی کوشش کرنے لگا جہاں میرا بچپن گزرا تھا اچانک میں نے محسوس کیا کہ میں ان ہی گلیوں میں اڑتا پھر رہا ہوں۔ اور پھر میں بابا کی دوکان پر پہنچ گیا۔ بابا حسب معمول دوکان پر مصروف تھے۔ میں ان کے ساتھ ساتھ ان کی روح کو بھی دیکھ سکتا تھا جو کہ ایک نورانی صیولا کی شکل میں ان کے سر کے کچھ اوپر معلق تھی۔ دیکھ کر مجھے دکھ ہوا کہ بابا کے چہرے پر ادا سی اور افسردگی کا راج تھا۔ طاہری بات ہے ایک شخص جس کی بیوی کو قتل کر دیا گیا ہو اور اس کا جوان بیٹا ان سے چھین لیا گیا ہو، اس کا اور کیا حال ہو سکتا ہے۔ ایسا سوچتے ہوئے میں اپنے کالج کی طرف چل پڑا۔ جھٹ سے میں کالج میں تھا اور پھر میں نے دیکھا کہ سب دوست کمرہ امتحان میں بیٹھے ہیں۔ میرا دوست عارف نقل کرنے کی کوشش کر رہا ہے کیونکہ انگلش کا پیپر ہے اور وہ ہمیشہ میری



مدد سے ہی اس میں پاس ہوتا تھا چونکہ میری تو سٹڈیز ہی جھوٹ چکی تھی اس لئے اب وہ کسی اور سے مدد حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اسی طرح ادھر ادھر گھومتے ہوئے میں نے وقت گزارا۔ اس دن جب میں نے یہ احوال دادا جی کو سنایا تو کہنے لگے۔ ”یہ سب کچھ سچ ہے۔ اب تم اپنے مراقبے کا وقت بڑھا دو۔ کل سے تم چوبیس گھنٹے کا مراقبہ کرو گے۔“

میں نے ایسا ہی کیا۔ میرا مراقبہ کا طریقہ یہ تھا کہ دادا جی اٹھنے کے وقت خود آ کر مجھے ہلاتے تھے اس لئے میں وقت کی پرواہ کئے بغیر مراقبہ جاری رکھتا تھا۔ اس بار انہوں نے اگلی صبح اٹھانے آنا تھا۔ اس دن میرا مراقبہ بارہ گھنٹے تو ٹھیک رہا مگر پھر بھوک نے تنگ کرنا شروع کر دیا۔ بہر حال میں نے کسی نہ کسی طرح اس پر بھی قابو پالیا۔ اس طرح میں چوبیس گھنٹے کا مراقبہ چوبیس گھنٹے کے وقفے وقفے سے



کرنے لگا۔ اب میری روح میری مرضی سے پرواز کرتی تھی۔  
میرے لیے وقت اور فاصلے سمٹ گئے تھے۔ میں جتنا وقت چاہتا  
تیزی سے گزر جاتا اور جتنا فاصلہ چاہتا بغیر کسی وقت کے طے کر  
لیتا۔ مجھے یوں لگتا تھا کہ میں خود آیان کی طرح اب پرواز کے قابل ہو  
گیا ہوں۔ دادا جی اس حالت کے بارے میں بتاتے تھے۔

”بیٹا!۔۔۔ روح زماں اور مگال کی قید سے آزاد ہوتی ہے۔ جب تم  
روح کے طور پر حرکت کر رہے ہوتے ہو تو ایک طرح سے مردہ ہوتے  
ہو اور تمہاری روح کے حواس کی مدد سے تم سب کچھ اسی طرح کر سکتے  
ہو جیسے کہ ایک روح کر سکتی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ تم ماضی میں  
نہیں جاسکتے اور نہ ہی مستقبل کی بات جان سکتے ہو۔“

پھر آہستہ آہستہ میرا قبہ ایک ہفتے کے دورانیے تک پہنچ گیا۔ اب  
میں زیادہ تر وقت تیزی سے گزارنے کی مشق کیا کرتا تھا تا کہ زیادہ

سے زیادہ لمبا مراقبہ کر سکوں۔ جب مراقبہ ختم ہونے کا وقت آتا تھا تو مجھے ایسا لگتا تھا جیسے میری روح بھی تھک سی گئی ہے۔ اس کا مطلب تھا کہ جیسے جیسے میں مراقبہ کی مدت بڑھا رہا ہوں اسی رفتار سے میری روح کی طاقت میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ اب میں دادا جی کے کہنے کے مطابق اپنی روح کے وجود کی طرف بھی توجہ دینے کی کوشش کرتا تھا۔ پھر ایک دن ایک عجیب سے واقعہ ہو گیا۔

ہوایوں کہ میں ایسے ہی پرواز کرتا ہوا بابا کی دوکان پر پہنچ گیا اور دیکھا کہ وہی استاد بابا کو تنگ کر رہا تھا۔ اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ اس نے بابا سے پھر بھتہ لینا شروع کر دیا تھا شاید اس کو معلوم ہو گیا تھا کہ میں اب وہاں نہیں ہوں۔ آج بھی وہ بڑی بدتمیزی سے بابا کے ساتھ پیش آرہا تھا۔ ایک بات پر میرا دل اتنا دکھا کہ میں نے اپنے تئیں آگے بڑھ کی اس کا گریبان پکڑنے کی کوشش کی مگر یہ دیکھ کر میری حیرت کی

انتہا نہ رہی کہ میرے تو ہاتھ ہی نہیں تھے۔ بس ایک نورانی وجود تھا جو استاد کے آر پار گزر گیا۔ ہاتھ پاؤں تو میرے ظاہری وجود کا حصہ تھے جبکہ اب میں ایک روح تھا۔ بہر حال سوائے استاد پر ظلملانے کے میں کچھ بھی نہ کر سکا۔ تاہم اس بار مراقبے کے احتتام پر جب دادا جی مجھے جوس اور نرم غذا دے رہے تھے میں نے پوچھا۔

”دادا جی!۔ کیا میں روح کی حیثیت میں کچھ بھی نہیں کر سکتا؟ اس بار میں نے دیکھا کہ ایک بد معاش میرے والد کو تنگ کر رہا ہے مگر میں اس کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکا۔“ میرے لہجے میں بچا رنگی تھی۔

”بیٹا!۔۔۔ میری اس پراسرچ نہیں ہے۔ میں نے خود کبھی اپنی

روح سے کوئی کام سوائے معلومات حاصل کرنے کی نہیں لیا۔“

انہوں نے صاف صاف بتاتے ہوئے کہا۔ ”تم کوشش کرو کہ اپنی

روح کے کچھ احوال کا ادراک کر سکو۔“



میں نے ایسا ہی کرنے کا سوچتے ہوئے وہ ہفتہ گزارا۔ طریقہ کار یہ تھا کہ ایک ہفتہ کچھ نہ کھانے کی وجہ سے میرے جسم پر جو کمزوری طاری ہوتی تھی اسے میں ایک ہفتہ نارمل غذا کھا کر دور کرتا تھا اور جب میرا جسم پھر ایک ہفتے کی مشق کے لئے تیار ہو جاتا تھا تو پھر میں مشق کے لئے بیٹھ جاتا تھا۔

اس بار مراقبے یا مشق کے دور میں نے کوشش کی کہ اپنے حواس پر غور کر سکوں۔ مگر کچھ خاص سمجھ نہ آیا۔ پھر ایک خیال کے تحت میں بابا کی دوکان پر چلا گیا۔ اور انہیں کام کرتے دیکھنے لگا۔ ابھی کچھ ہی وقت گزرا ہوگا کہ اچانک میں نے دیکھ کہ بابا کی دائیں جانب جو کول درنکس کے کریٹ پڑے تھے ان میں سے سب سے اوپر والا جو کچھ ٹیڑھا رکھا گیا تھا آہستہ آہستہ کھسک رہا تھا اور بس گرنے کو ہی تھا۔ اگر وہ گر جاتا تو سیدھا بابا کے اوپر ہی گرتا۔ میں نے بے دھیانی میں پوری



توجہ سے اس کریٹ کو دیکھا اور لاشعوری طور پر اپنی توجہ کی قوت سے اس کریٹ کو ٹھیک کرنے کی کوشش کی۔ یہ دیکھ کر میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ وہ کریٹ ایک جھٹکے سے اپنی جگہ پر سیٹ ہو گیا۔ بابا نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا کیونکہ کریٹ کے ملنے سے اچھی خاصی آواز پیدا ہوئی تھی۔ مگر ان کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ ظاہری بات ہے ان کے علم میں نہیں تھا کہ وہ کریٹ گمہ نے والا ہے ورنہ شاید وہ اسے ایسا ہی نہ چھوڑتے۔ اور اب وہ بالکل ٹھیک پڑا تھا اس لئے وہ بالکل بھی نہ سمجھ سکے کہ یہ آواز کس چیز کی تھی۔ مگر میرے لئے یہ بہت خوشی کا مقام تھا کہ میرے توجہ کی قوت میری روح کے ساتھ بھی تھی۔ بس پھر میں استاد کے آنے کا انتظار کرنے لگا۔ استاد حسب معمول اتوار والے دن آیا۔ آتے ہی اس نے بدتمیزی سے کہا۔

”اوہ رحمت علی!۔۔۔ چل مال نکال جو تو نے عیاشی کے لئے جوڑ رکھا

ہے۔“ اس کے لہجے میں تحقیر نمایاں تھی۔

”بیٹا!۔۔۔ میں نے کون سی عیاشی کرنی ہے اس عمر میں۔ میرا تو آگے پیچھے بھی کوئی نہیں ہے۔“ بابا کی آواز میں بہت درد تھا۔

”بلکہ اس بند کر اور آج سارا مال نکال دے۔ اگر تو نے عیاشی نہیں کرنی تو اتنے مال کا کیا کرے گا۔ تجھے تو دو وقت کی روٹی سے غرض

ہونی چاہیے۔“ اس نے اسی طرح بدتمیزی سے کہا۔ اور بابا نے

جلدی سے دراز کھول لیا۔ مگر اب میری ہمت جواب دے گئی تھی۔

میں نے پوری توجہ سے دراز کی طرف دیکھا اور دراز خود بخود بند ہو

گیا۔ ابھی استاد اور بابا حیرت سے دراز کو بند ہوا دیکھ ہی رہے تھے کہ

میں نے اپنی توجہ کی طاقت سے استاد کو پھر الٹا لٹکا دیا۔ کچھ دیر تو اس کی

سمجھ میں کچھ نہیں آیا مگر پھر وہ چیخنے لگا اور مجھ سے میرا نام لے کر معافی

مانگنے لگا۔ یقیناً اسے یاد آ گیا تھا کہ ایسا پہلے میں نے ہی کیا تھا اس

لئے اب بھی میں ہی کہیں سے ایسا کر رہا ہوں۔ میرا مسئلہ یہ تھا کہ میں بول نہیں سکتا تھا یا شاید جانتا نہیں تھا کہ روح کیسے بول سکتی ہے۔

بہر حال جب کافی مجمع اکٹھا ہو گیا تو میں نے اسے اوپر سے ہی ز میں پر گرنے کے لئے چھوڑ دیا۔ جب وہ زور سے تقریباً دس فٹ سے

نیچے گرا تو اسے اچھی خاصی چوٹ آئی۔ مگر وہ اس چوٹ کو بھول کر دم

دبا کر بھاگ پڑا۔ بابا اور سارا مجمع حیرت کا بت بنے ادھر ادھر دیکھ

رہے تھے۔ کسی کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ کچھ دیر تک یہی ماحول رہا

اور پھر سب اپنے اپنے کاموں پر لگ گئے۔ مجھے خوشی تھی کہ میں دور

سے ہی سہی مگر کچھ تو اپنے بابا کے کام آسکا۔

اس بار جب میری مشق ختم ہوئی تو میں نے دادا جی مزے لے لے کر

یہ واقعہ سنایا۔ وہ بہت خوش تھے کہ میں بہت تیزی سے یہ علم سیکھتا جا رہا

ہوں اور میری روح بھی طاقتور ہوتی جا رہی تھی۔ پھر میں نے دادا جی



عالم ارواح کے بارے میں پوچھا۔

”بیٹا!۔۔ جب تم روح کی صورت میں ہوتے ہو تو عالم ارواح میں جا سکتے ہو مگر اس سے پہلے اپنی روح کو مزید طاقتور کر لو کیونکہ عالم ارواح دنیا بھر کی روحوں کا مسکن ہے اس میں اچھی اور بری سب روہیں ہوتی ہیں۔ اور اگر تمہیں کوئی طاقتور روح اپنی مرضی سے روکنے یا پھر اپنے ساتھ لے جانے کی کوشش کریں تو پھر ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ تمہاری روح واپس تمہارے جسم میں آ ہی نہ سکے اور تمہاری جسم مقررہ مدت گزرنے کی وجہ سے خود بخود ختم ہو جائے۔“ دادا جی نے سنجیدہ الفاظ میں کہا۔

”دادا جی یہ روحوں کی کہانی کیا ہے؟ جیسے میں نے سنا ہے کہ کچھ روہیں دنیا سے جاتی ہی نہیں ہیں اور پھر بدروح بن جاتی ہیں۔“ میں نے پوچھا۔



”بیٹا!۔۔۔ روح ایک مقدس امانت ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسان کو عطاء کی ہے اور اسے ایک مقررہ مدت کے بعد واپس اللہ تعالیٰ کے پاس ہی جانا ہے مگر کبھی کبھی شیطان کسی انسان کی مرضی سے اس کی روح پر قابض ہو جاتا ہے۔ اس طرح وہ روح اس شیطان کی غلام بن جاتی ہے۔ اور پھر وہ آدمی جب مر جاتا ہے تو شیطان اپنی شیطانی قوتوں کو بروئے کار لا کر اس روح کو عالم ارواح میں جانے سے روک لیتا ہے۔ پس وہ روح کچھ عرصہ دنیا میں رہ کہ انسان اور روحوں کے راز جان جاتی ہے یا پھر شیطان اپنی شیطانی علوم سے اسے کچھ راز کھول کر دکھا دیتا ہے اور پھر وہ روح بد روح بن کر باقی لوگوں کے لیے تکلیف کا باعث بنتی ہے۔ ایسی ارواح کا آخری ٹھکانا بغیر کسی شک کے دوزخ ہی ہوتا ہے۔ بس ان کی رسی دراز ہو جاتی ہے۔“

داداجی نے تفصیل سے بتایا۔

”اور عظیم شوالہ کی روح؟“ میں نے سوال کیا۔

”بیٹا!۔۔۔ جو لوگ اپنی زندگی میں ہی روح کا عرفان حاصل کر لیتے

ہیں وہ مرنے کے بعد بھی نہیں مرتے۔ ان کی ارواح کے بارے میں

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ قبر میں اس طرح سوتے ہیں جیسے پہلے

رات کی دہن سوتی ہے۔ اب بھلا یہ بتاؤ۔ پہلے رات کی دہن بھی کبھی

سوتی ہے۔“ داداجی کے اندلڑ میں شرارت تھی۔

”اس کا مطلب ہے کہ وہ جب چاہیں دنیا میں آ سکتے ہیں؟“ میں

نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے پوچھا۔

”ہاں یہ سچ ہے۔“ انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔ ”تاہم وہ جان

بوجھ کر دنیاوی معاملات میں دخل نہیں دیتے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رضا

کے مطابق ان کا تعلق دنیا سے کٹ چکا ہوتا ہے۔ اور نیک ارواح وہ

کام کبھی نہیں کرتیں جن سے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا ڈر ہو۔“ داداجی

نے کہا۔

اگلی بار جب میری مشق کا دن آیا تو میں نے اپنی روح کو آسمانوں میں اڑنے پر لگا دیا۔ میں سیدھا اوپر آسمان میں اڑا جا رہا تھا۔ یہاں تک کہ مجھے دنیا ایک گول گیند کی مانند نظر آنے لگی اور پھر میں نے ایک حیرت انگیز منظر دیکھا۔ دنیا کے گرد ایک نورانی دائرہ بنا ہوا تھا جو اسے گھمار رہا تھا جب میں غور سے اس دائرے کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ اس دائرے میں لفظ اللہ ہی اللہ لکھا ہوا ہے۔ یعنی دنیا اللہ تعالیٰ کے نورانی دائرے کی وجہ سے گھوم رہی ہے۔ پھر میں مزید اوپر آسمانوں میں چلتا چلا گیا اور ایک جگہ پہنچ کر مجھے یوں لگا جیسے میری پرواز کی صائیتیں جواب دیتی جا رہی تھیں۔ شاید یہاں میری روح کی طاقت ختم ہو رہی تھی۔ میں پھر واپس آ گیا مگر دنیا کے گرد چکر لگانے لگا۔ اتنے میں، میں نے بہت سے ارواح کو دیکھا جو دنیا سے اٹھ اٹھ کر



آسمان کی طرف جارہی تھیں۔ عجیب سا عالم تھا اچانک میں نے ایک روح کو دیکھا اسے دو بڑے ہی خوفناک قسم کے جلا دھینچ کر لے جا رہے تھے۔ وہ جلا د شاید جن تھے مگر ان کے جسم عجیب انداز میں چمک رہے تھے۔ میں نے غور کیا تو مجھے اور زیادہ حیرت ہوئی کیونکہ روحوں کی زبان نہیں ہوتی یعنی ان کو قوت گویائی نہیں ملتی ہے اسی لئے میں باوجود کوشش کے اپنے بابا سے بات نہیں کر سکا تھا مگر وہ روح چیخ رہی تھی۔ غور کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ روح اپنے توجہ کی کوشش سے ہوا میں ایک خاص قسم کا ارتعاش پیدا کر رہی تھی جس سے آواز کی لہریں پیدا ہو رہی تھیں۔ جن کو دوسری روحوں سن سکتی تھیں۔ اب میں نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ یہ لہریں ان لہروں سے مختلف تھیں جو انسانوں کی زبانوں سے پیدا ہوتی تھیں۔ اسی وجہ سے شاید انسانی کان روحوں کی آوازوں کو سن نہیں سکتے ہیں۔ میں نے کوشش کی اور اپنی توجہ کی



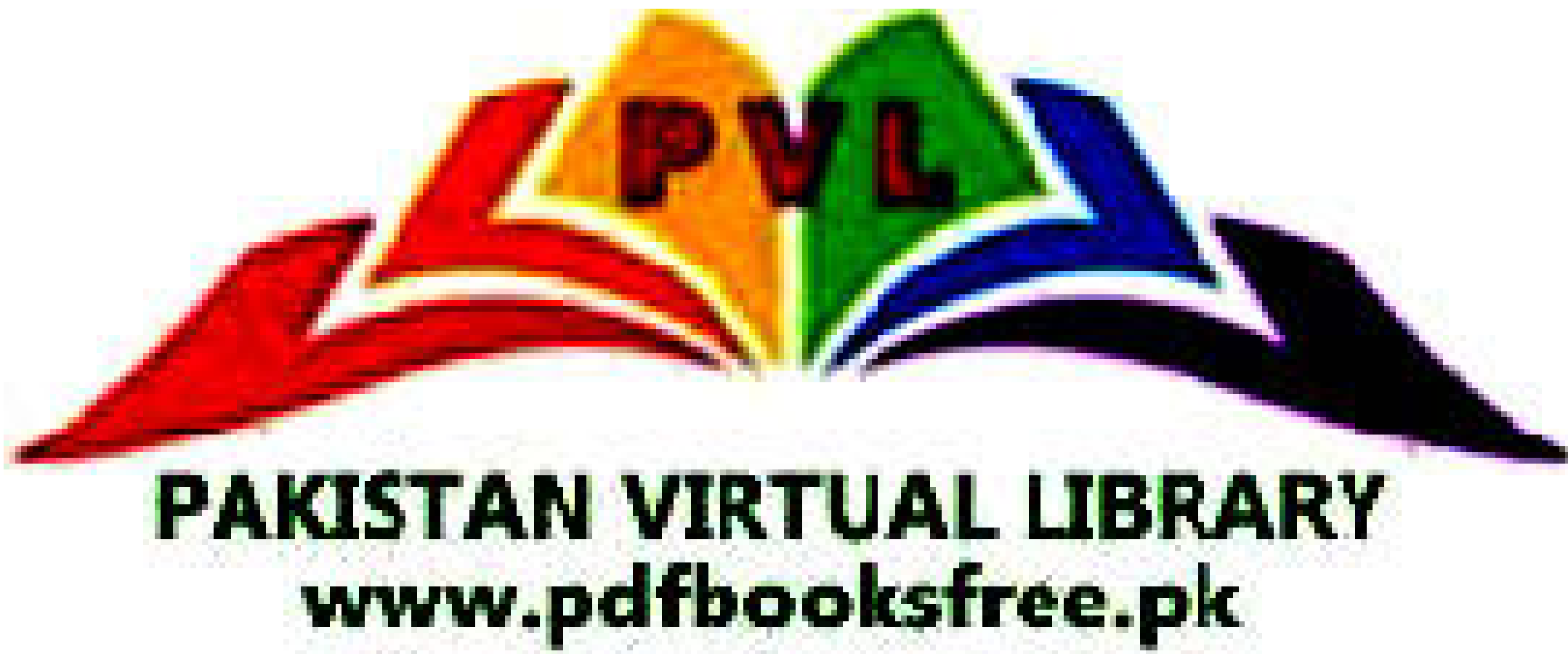
طاقت سے جو کہ پہلے ہی بہت بڑھ چکی تھی، اسی طرح ہواؤں میں ارتعاش پیدا کرتے ہوئے ان جلا دوں سے پوچھا کہ یہ روح کیوں چیخ رہی ہے۔ مجھے اپنی کامیابی کا اندازہ اس بات سے ہوا کہ ان جلا دوں نے گھور کر میری طرف دیکھا اور کہا۔

”یہ ایک بہت ہی گناہ گار شخص کی روح ہے۔ اس نے زندگی میں کبھی کوئی اچھا کام نہیں کیا۔ اب اسے اپنے کئے کا پھل کاٹنا ہوگا۔“ ان جلا دوں کی آوازیں بھی خوفناک تھیں۔

میں نے ایک جھر جھری سی محسوس کی اور جلدی سے آگے بڑھ گیا۔ پھر میں ایک طرف سے زمین کے پاس آ گیا اور ایسے ہی ہواؤں میں چکر لگانے لگا۔ اچانک مجھے گوپي کشن کی یاد آئی۔ میں نے سوچا کہ دشمن سے زیادہ عرصہ بے خبر رہنا مناسب نہیں کیوں نہ اس کی خبر لوں۔ یہ سوچ کر میں اس گھر کی طرف گیا جہاں میں ٹکراؤ گوپي کشن کے ساتھ

ہوا تھا۔ وہاں پہنچ کر میں نے جاوید یعنی گوپی کشن کو تلاش کیا مگر مجھے کہیں نہ ملا۔ میں تقریباً دو دن وہاں ہی چکر لگا تا رہا اور وہاں موجود لوگوں کی باتیں سنتا رہا۔ آہستہ آہستہ مجھے اندازہ ہوا کہ گوپی کشن اب وہاں پر موجود نہیں ہے اور جاوید بھی مر چکا ہے چونکہ گوپی کشن کی روح نے اس پر قبضہ کیا ہوا تھا اس لئے اس کے جاتے ہی جاوید کا جسم بھی بے جان ہو گیا۔ اس طرف سے مایوس ہو کر میں واپسی کے لئے چل پڑا مگر اس سے پہلے کہ میرے روح رفتار پکڑتی مجھے جاوید کے گھر کے کچھ فاصلے پر ایک باغ میں ایک روح کاھیولہ نظر آیا۔ میں نے جلدی سے ادھر کا رخ کیا کہ شاید یہ گوپی کشن ہو مگر قریب پہنچ کر میں حیران رہ گیا۔ وہ واقعہ گوپی کشن تھا۔ پھر اس سے پہلے کہ میں چھپنے کی کوشش کرتا، گوپی کشن یعنی جاوید نے مجھے دیکھ لیا اور پھر وہ تیزی سے میری طرف بڑھنے لگا۔ مجھے خطرے کا احساس ہو گیا شاید میں نے گوپی

کشن کی روح کے پاس آنے کی غلطی کر لی تھی۔



اگلے ہی لمحے گوپی کشن یا جاوید کی روح میرے سامنے تھی۔ اور پھر ہوا میں ارتعاش ہوا اور اس کی آواز مجھ تک پہنچی۔

”چھوٹی سرکار!۔۔۔ میرے مدد کریں۔ میں بہت دکھی اور اپنا راستہ بھولا ہوا ہوں۔“ اسکی آواز میں بلا کر درد تھا۔

”گوپی کشن میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں“ میں نے قدرے تند و تیز لہجے میں جواب دیا۔

www.define.pk

”چھوٹی سرکار!۔۔۔ میں گوپی کشن نہیں ہوں۔ میرا نام جاوید ہے۔ اس بد بخت نے میرے جسم پر قبضہ کر لیا تھا۔ کچھ عرصہ وہ میرے جسم پر قابض رہا اور جب وہ چھوڑ کر گیا تو میرے رشتے داروں نے مجھے مردہ قرار دے کر میرے جسم کو دفن کر دیا۔ جب تک میں اپنے جسم تک پہنچتا میرا جسم منوں مٹی تلے جا چکا تھا۔“ اس نے افسردہ لہجے میں کہا۔

”اوہو!۔۔۔ تو تم جاوید ہو۔“ میں نے پر خیال انداز میں دہرایا۔



”جی چھوٹی سرکار!۔۔۔ آپ جب اسے نکالنے آئے تھے تو میں یہی  
تھا مگر آپ کو ناکام ہوتا دیکھ کر مجھے بہت دکھ ہوا۔ اب آپ کی روح کو  
دیکھا تو سوچا کہ شاید آپ میری مشکل حل کر دیں۔“ جاوید کی روح  
نے کہا۔ پھر اچانک اس نے کسی خیال سے چونکتے ہوئے پوچھا۔  
”چھوٹی سرکار!۔۔۔ آپ کی وفات کیسے ہوئی؟“ وہ شاید یہ سمجھا تھا  
کہ میں مر چکا ہوں۔

www.define.pk

”تم میرے بات چھوڑو اور یہ بتاؤ کہ مجھ سے تم کس قسم کی مدد چاہتے  
ہو؟“ میں نے بات ٹالتے ہوئے پوچھا۔

”میں پتہ نہیں کب سے یہاں بھٹک رہا ہوں۔ مجھے سکون کی تلاش  
ہے۔ مہربانی فرما کر مجھے میرے اصل ٹھکانے پر پہنچا دیں جہاں میں  
نے شاید مرنے کے بعد پہنچنا تھا۔“ جاوید کی روح نے کہا۔

”مگر میں تمہیں کہاں پر پہنچا دوں؟“ میں نے حیرت سے پوچھا۔

مجھے تو خود نہیں معلوم تھا کہ اس کا اصل ٹھکانا کہاں پر ہے۔

”چھوٹی سرکار!۔۔۔۔۔ آپ کسی طرح پتہ لگائے۔ میں اسی طرح

کب تک بھٹکتا رہوں گا۔“ جاوید کی روح نے التجا کی۔

”اچھا میں کچھ کرتا ہوں تمہارے لیے۔ تم مجھے یہ بتاؤ کہ گوپی کشن کی

روح تمہارے جسم میں کیسے قابض ہوئی تھی؟“ میں نے موضوع کی

تبدیلی کے لیے پوچھا۔

”میرا اپنا ہی قصور ہے جی۔“ اس نے کہنا شروع کیا۔ ”مجھے ہی شوق

تھا کالاعلم اور جادوؤں نے سیکھنے کا۔ میں کوئٹہ گیا تھا ایک عامل کے

پاس۔ اس نے کہا کہ مجھے ایک خاص عمل سے اپنی روح کو اس کے

حوالے کرنا ہوگا۔ اس کے بعد میں بہت ساری طاقتوں کا مالک بن

جاؤں گا۔ میں نے اس کی ہدایات پر عمل کیا اور اس نے میرے جسم

سے مجھے نکال کر خود قبضہ کر لیا۔ بس اس وقت سے میں یوں ہی آوارہ

پھر رہا ہوں۔ نہ کوئی گھر ہے نہ ہی ٹکانا۔ مجھے معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے لیے کوئی نہ کوئی سزا تیار رکھی ہوگی اور میں اس کے لیے تیار بھی ہوں مگر میں وہاں تک کیسے پہنچوں؟“

”اچھا کیا تم مجھے یہ بتا سکتے ہو کہ وہ گویا کون کون کیا؟“ میں نے جلدی سے پوچھا۔

”پتہ نہیں۔ میں تو اس سے دور ہی جاتا تھا۔ وہ بہت ہی خطرناک علوم جانتا تھا۔ پتہ نہیں کب میرے خلاف کچھ کر دے۔“ اس نے ڈرتے ہوئے کہا۔

”دیکھو جاوید!۔۔۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ میں مرا نہیں ہوں۔ بلکہ ایک چلہ کر رہا ہوں۔ اس لیے مجھے خود نہیں معلوم کہ تمہاری اصل منزل کیا ہے۔ لگتا ہے کہ تم غیر معمولی طور پر اپنے وقت سے پہلے مر چکے ہو اس لئے شاید تمہیں اپنے وقت تک انتظار کرنا پڑے۔ تاہم میں پوری

کوشش کروں گا کہ جتنا بھی ہو تمہاری مدد کر سکوں۔ ابھی میں چلتا ہوں، کچھ دن بعد پھر ادھر ہی آؤں گا۔ تم یہی رہنا۔ میں اپنی پوری کوشش کروں گا۔“ میں نے صدق دل سے کہا۔

”ٹھیک ہے چھوٹی سرکار!۔۔۔ میں یہی انتظار کروں گا۔“ جاوید کی روح نے کہا۔ اور میں اسے چھوڑ کر پھر ہواؤں میں گھومنے لگا۔ میں نے دادا جی سے اس بارے میں مدد لینے کا سوچ لیا تھا۔ پھر مقررہ وقت پر جب میں نے اپنی مشق مکمل کی تو حسب معمول دادا جی نرم غذا لیے میرے منتظر تھے۔ کھانا کھاتے ہوئے میں نے انہیں جاوید کے متعلق بتایا۔

”بیٹا!۔۔۔ پہلی بات تو یہ کہ تم نے وہاں جا کر بہت بڑا خطرہ مول لیا تھا۔ آئندہ ایسی کوئی حرکت مت کرنا۔ تمہیں شاید اندازہ نہیں ہے کہ گوپي کشن کتنا طاقتور اور خطرناک ہے۔“ دادا جی نے فکر مندانہ



انداز میں کہا اور پھر جاوید کے متعلق بات کرتے ہوئے کہنے لگے۔  
”جاوید نے جادو ٹوٹنے کے چکر میں اپنا یہ حال کیا ہے اور اس کا وہ خود  
ذمہ دار ہے۔ جہاں تک میری معلومات ہیں اسے اب اپنی اصل  
موت کے وقت تک ایسے ہی انتظار کرنا ہے۔ تمہاری اور اس کی  
حالت ایک جیسی ہی ہے مگر فرق صرف اتنا ہے کہ تمہارا جسم یہاں پر  
زندہ حالت میں تمہارا انتظار کر رہا ہوتا ہے جبکہ اس کا جسم اپنا وجود کھو  
چکا ہے۔ بس اسے کہوں کہ اپنے گناہوں کی معافی مانگیں۔ اس کی  
توبہ کے دروازے ابھی تک بند نہیں ہوئے ہیں۔ بے شک جادو سیکھنے  
کے عمل میں وہ اپنے ایمان سے گیا ہے مگر ابھی بھی اگر وہ صدق دل  
سے توبہ جاری رکھے تو ہو سکتا ہے کہ خدا اس کی غلطی اس کے اصل  
وقت موت تک معاف ہی کر دے۔“

”دادا جی!۔۔۔ ہم اس کی کچھ دُعا کر سکتے ہیں؟“ میں نے پوچھا۔

”کچھ خاص نہیں۔“ انہوں نے جواب دیا۔ ”زندہ انسانوں کی  
روحوں کا عالم ارواح تک جانا تقریباً ناممکن ہوتا ہے۔ سب سے  
خطرناک بات یہ ہے کہ جاوید نے اپنی روح خود گوپی کشن کے  
حوالے کی ہے اس کا مطلب ہے کہ اب گوپی کشن اس کا مالک ہے۔  
جس طرح جنات انسانوں کے غلام ہو جاتے ہیں اسی طرح کچھ  
طاقتور روہیں بھی دوسرے زندہ انسانوں کی روحوں کو اپنا غلام بنا لیتی  
ہیں اور اس طرح اس سے اپنے جائز اور ناجائز کام کرواتی ہیں۔“  
”داداجی!۔۔ پھر تو جاوید کو اس خبیث گوپی کشن کے چنگل سے چھڑانا  
اور بھی زیادہ ضروری ہو گیا ہے۔“ میں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔  
”واہ بیٹا!۔۔ واہ!۔۔ خود تمہاری اپنی جان داؤ پر لگی ہوئی ہے اور  
ہم خود گوپی کشن سے چھپے بیٹھے ہیں مگر تم جاوید کی روح کو گوپی کشن  
کے چنگل سے چھڑانے کی بات کر رہے ہو۔“ داداجی نے کچھ حیرت

اور کچھ طنز سے کہا۔

”دادا جی!۔۔۔ میرا ایمان ہے کہ اگر آپ کسی کی مدد کرنے کی صدق دل سے نیت کر لیں تو خود اللہ تعالیٰ آپ کی مدد کرتا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں مگر پھر بھی میری کوشش ہوگی کہ میں کسی نہ کسی طرح جاوید کو اس مصیبت سے چھٹکارا دلاؤ۔“ میں نے بڑے خلوص سے کہا۔

”دادا جی!۔۔۔ کیا آپ مجھے بتا سکتے ہیں کہ ارواح کے کون کون سے عمل ہوتے ہیں جیسے آپ عظیم شوالہ کی روح کو یہاں بلا لیتے ہیں اور اسی طرح کیا ہم کسی روح کو اپنا غلام کیسے بنا سکتے ہیں؟“ میں نے پوچھا

”بیٹا!۔۔۔ کسی روح کو بلانے کے لیے ایک خاص قسم کا چلہ کرنا پڑتا ہے۔ اگر وہ روح خود آپ کے پاس آنے کے لئے تیار ہو تو پھر تو کچھ منٹوں میں بات بن جاتی ہے مگر بصورت دیگر آپ کو کئی کئی گھنٹے اور

کبھی کبھار کئی کئی دن لگ جاتے ہیں۔“ دادا جی نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

”دادا جی آپ مجھ کو چلستا نہیں میں عظیم شوالہ سے ملنا چاہتا ہوں۔“  
میں نے جلدی سے کہا۔

”بیٹا!۔۔ میں چلہ تو بتا دیتا ہوں مگر تم پہلے ہی ایک چلے کے عمل کے درمیان میں ہو۔ اگر تم نے چاہیں تو ہونے سے پہلے اس چلہ کو درمیان میں چھوڑا یا پھر کسی اور عمل کا چلہ کیا تو پھر یہ خود تمہارے لیے اچھا نہیں ہوگا۔ مختلف قسم کے روحانی خواہش آپس میں الجھتا رہتا رہا رہی ذہنی کیفیت کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔“ دادا جی نے سمجھاتے ہوئے کہا۔ ان کی بات سن کر میں نے سر جھکا لیا۔ یقیناً مجھے آہستہ آہستہ یہ عمل سیکھنے تھے۔ جلدی میرے اپنے لیے نقصان دہ ہو سکتی تھی۔

وقت اسی طرح سے گزر رہا تھا۔ میں نے اگلی شق میں جاوید کو جا کر یہ



ساری باتیں بتا دیں۔ وہ بے چارہ بھی انتظار کرنے پر مجبور تھا۔ تاہم  
میرے روح کے سفر کو اب ایک منزل مل گئی تھی۔ میں اب ساری دنیا  
میں روحوں سے متعلقہ ماہروں کو تلاش کرتا پھر رہا تھا۔ جب کوئی ایسا  
عامل مل جاتا تو میں اس کی نگرانی میں لگ جاتا اور خاموشی سے یہ  
دیکھنے کی کوشش کرتا کہ وہ اندوان کو جسم میں سے کیسے نکالتا ہے۔ مگر  
کوئی قابل ذکر عامل نہ مل سکا۔  
تقریباً دو ماہ کے مسلسل ہفتہ بھر کے چلے کرنے کے بعد دادا جی نے  
اس کی معیاد دو ہفتے تک کر دی۔ شروع شروع میں مجھے وہی جسمانی  
تکلیف کا سامنا کرنا پڑا مگر پھر جسم عادی ہو گیا۔ اور میں پھر اپنے مشن  
پر نکل پڑا۔ کچھ غلطیوں کے بارے میں، مجھے پتہ چلا مگر وہ سب بہت  
محدود عملیات والے تھے اور جو کچھ خاص تھا وہ صرف جنات کے  
چلے مکمل کرنے والے تھے اور جنات کو نکالنے اور ان کو قابو کرنے

کے ماہر تھے۔ بہر حال میں نے اپنی تلاش جاری رکھی۔ اس دوران میں احساس ہوا کہ میری روح کی رفتار بہت زیادہ تیز تھی۔ یقیناً اپنے چلے میں مدت کا اضافہ میری روح کے لئے زیادہ سے زیادہ طاقت کا باعث بن رہا تھا۔

تقریباً چھ ماہ کے عرصے میں، میں چالیس دن کے چلے تک پہنچ گیا اس دوران میں نے کچھ خاص چیزیں نوٹ کیں۔ پہلی بات تو یہ کہ اب جیسے ہی میں آنکھیں بند کرتا تھا تو وہ کیفیت طاری ہو جاتی تھی یعنی مجھے کچھ خاص ارتکاز توجہ کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ دوسری بات جو میں نے محسوس کی وہ یہ تھی کہ میرے روح کی آنکھیں بہت تیز ہو گئی تھیں۔ میں آسمان پر بہت اونچے مقام پر جا کر تقریباً آدھی دنیا کو دیکھ لیتا تھا اور بہت ہی تیزی سے کسی بھی علاقے میں چلتے ہوئے

انسانوں تک کو دیکھ لیتا تھا۔ اسی طرح روح کی رفتار میں بھی بہت

اضافہ ہو گیا تھا۔ اب میں جب چاہتا چند لمحوں میں ساری دنیا کا چکر لگا آتا تھا۔ جب میں نے پہلی بار چالیس دن کا چلہ ختم کر کے دوسری دفعہ چلہ شروع کیا تو ایک واضح فرق میں نے محسوس کیا وہ یہ تھا کہ اب میں انسانوں اور روحوں کے علاوہ جنات کو بھی اپنے روح کی آنکھوں سے دیکھ سکتا تھا۔ ناصرف جنات کو دیکھ سکتا تھا بلکہ ان کے مکانات اور ان کی آبادیاں بھی اب میری آنکھوں سے اوجھل نہیں تھیں۔

دنیا کے گرد چکر لگاتے ہوئے مجھے صاف طور پر نظر آ جاتا تھا کہ یہ انسانوں کی بستی ہے اور یہ جنات کی۔ پھر جب تیسری بار میں چلہ شروع کیا تو میرے حواس کچھ اور طاقتور ہو گئے۔ اب میں فرشتوں کو بھی دیکھ سکتا تھا۔ جب میں آسمانوں میں چلا جاتا تو مجھے لاتعداد فرشتے آسمان اور زمینوں میں آتے جاتے نظر آتے تھے۔ وہ بہت تیزی سے اپنے کاموں میں لگے ہوئے ہوتے تھے۔ میں نے ان کو

فرشتہ ہونا ان کی کمر پر لگے پروں سے پہچانا۔ دادا جی نے مجھے یہ پہچان بتادی تھی کہ جب بھی کسی غیر مرئی مخلوق کو دیکھو جو صرف اور صرف اپنے کام میں مصروف ہو اور ان کی کمر پر دو پروں تو سمجھ لو کہ وہ فرشتے ہیں۔ فرشتے اللہ تعالیٰ کی وہ مخلوق ہے جو کسی خاص کام کے لئے پیدا کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جس کام کا علم دیتے ہیں بس اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ نہ تو ان کو اپنے ارد گرد کی کوئی فکر ہوتی ہے اور نہ ہی علم۔ جیسے وہ مجھے اپنے درمیان محسوس نہیں کر سکتے تھے۔ مگر میں ان کو ان کے کاموں میں مشغول اچھی طرح سے دیکھ سکتا تھا۔ ان کی رفتار بہت تیز ہوتی تھی ایک دو بار میں نے ان کے ساتھ تیز بھاگنے کی کوشش بھی کی مگر وہ مجھے سے تیز ہی نکلے۔

چوتھی اور آخری بار جب میں چالیس دن کا چلہ کرنے لگا تو دادا جی نے مجھ سے مخاطب ہو کر کچھ ہدایات کیں۔



”بیٹا!۔ آج کا عمل اس لحاظ سے بہت اہم اور مشکل ہے کہ اس عمل میں تمہارے تمام روحانی خواص اپنی اصل قوت پر پہنچ جائیں گے اور اس قوت کے ساتھ وہ تمہارے جسم پر اثر انداز ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانی دماغ کا ایک حصہ ایسا بھی بنایا ہے جو ان روحانی خواص کا کنٹرول سینٹر ہوتا ہے۔ وہ حصہ اس سے پہلے کبھی حرکت میں نہیں آتا ہے۔ مگر تمہارے اس آخری عمل میں وہ حصہ متحرک ہو کر تمہاری روح کا کنٹرول سنبھالے گا۔ میں تم سے یہ ہی کہوں گا کہ اپنی انتہائے صبر سے کام لینا اور اس چلے کو ہر صورت میں مکمل کرنا چاہیے کچھ بھی کیوں نہ ہو جائے۔“ دادا جی کا لہجہ بہت ہی سنجیدہ تھا۔ بہر حال میں نے ان کی تمام ہدایات اچھی طرح سے ذہن نشین کر لیں اور پھر چلہ کرنے کے لیے اپنی مخصوص نشست پر بیٹھ گیا۔

شروع کے چند دن تو معمول کے مطابق ہی تھے مگر پھر میرے دماغ

میں ہل چل شروع ہو گئی۔ اب حالت یہ تھی کہ میں روح کی حیثیت میں پرواز بھی کر رہا ہوتا تھا اور اپنی جسمانی جگہ پر بھی موجود تھا۔ میرے سر میں مسلسل ہلکے ہلکے درد رہنے لگا جس سے میرے جسمانی خواص مکمل طور پر سوتے نہیں تھے اور میرے جسمانی اور روحانی احساسات ایک ساتھ ہی وقوع پذیر ہو رہے تھے۔ یہ دوہری کیفیت میرے سر درد کا باعث تھی۔ دس دن تک تو ایسی ہی کیفیت رہی مگر پھر درد بہت تیز ہو گئی۔ مجھے اپنا سر پھٹتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ اور ایک ایک لمحہ گزارنے مشکل ہو رہا تھا۔ میں اب اپنی روحانی پرواز سے بھی لطف اندوز نہیں ہو پا رہا تھا۔ پھر اس تکلیف نے میری بھوک بھی جگادی۔ صرف دو ہی دن میں میری یہ حالت ہو گئی کہ میں بے خودی میں چیخنے لگتا تھا۔ ایسی حالت میں اپنے خیالات کو ارتکاز دینا اور پھر روحانی پرواز کرنا تقریباً ناممکن تھا مگر میں ڈٹا ہوا تھا۔ اللہ اللہ کر کے پندرہ دن

گزر گئے۔ سر کے درد میں کچھ افاقہ ہوا تھا مگر اب ایک اور مصیبت نے سراٹھا لیا۔ مجھے اپنے گرد ہر چیز بہت چھوٹے چھوٹے ذرات پر مشتمل معلوم ہو رہی تھی جو نہ صرف زندہ تھے بلکہ مسلسل حرکت بھی کر رہے تھے۔ میری جسمانی آنکھیں تو بند تھیں مگر میری روحانی آنکھیں دیکھ رہی تھیں کہ جس پتھر پر میں بیٹھا تھا وہ بھی اسی طرح کی بہت ہی چھوٹے چھوٹے مگر مسلسل حرکت کرنے والے ذرات کا ایک مجموعہ تھا۔ اس چیز نے مجھے بہت بے چین کر دیا۔ پھر آہستہ آہستہ میں اس کا عادی ہوا تو میری روح نے کچھ پرواز کی اور اب میں دیکھ رہا تھا کہ آسمان سے لے کر زمین تک لاتعداد مخلوقات ہواؤں میں بکھری ہوئی تھیں۔ عجیب و غریب قسم کی مخلوقات۔ بہت سی تو ایسی بھی تھیں کہ جن کو دیکھ کر خوف محسوس ہوتا تھا۔ کچھ دن میں نے اسی طرح رنگ برنگ کی مخلوقات کا مشاہدہ کرنے میں گزارا اور پھر شاید وہ بیسواں دن تھا

جب اچانک ان تمام مخلوقات نے مجھے گھورنا شروع کر دیا اور پھر آہستہ آہستہ میرے پر حملہ کرنا شروع کر دیا۔ یہ بہت ہی تکلیف دہ سچویشن تھی۔ میں بس اپنے گارتک ہی محدود ہو گیا اور پھر میں نے دادا جی کی روح کو دیکھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ دادا جی کی روح مجھے اپنی روحانی پرواز میں نظر آرہی تھی۔ مگر ان کی روح کے بابت وہ تمام مخلوقات اب مجھ پر حملہ نہیں کر رہی تھیں۔ مگر جیسے جیسے وقت گزرتا گیا ان مخلوقات کی حملے کی خواہش شدید سے شدید ہوتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ کچھ دنوں بعد ہی مجھے ایسا لگنے لگا کہ جیسے ساری کائنات کی مخلوقات میرے اوپر دھاوا بولنے لگی ہیں۔ اور پھر انہوں نے یہی کیا۔ دادا جی مجھے بہت بچارہ تھے مگر وہ ہر طرف سے مجھ پر حملہ آور تھیں اور کوئی نہ کوئی مجھ تک پہنچ ہی جاتی تھی اور پھر میری روح کو زخمی کر رہی تھی۔ جی ہاں وہ نہ دیکھے زخم تھے مگر تھے ضرور۔ میں بہت ہی



خوفزدہ تھا۔ اتنے میں دادا جی کی روح نے میری طرف دیکھا اور مجھے ان کے خیالات سنائی دیئے۔

”بیٹا!۔۔ ہمت مت ہارو۔ ان سے مقابلہ کرو۔ تمہارے پاس بھی ارتکاز کی قوت ہے۔“ ان کی بات سن کر مجھے جیسے ہوش آ گیا۔ پھر میں نے اپنے ارتکاز کی قوت کو آزمایا۔ ایک بہت ہی خوفناک مخلوق جو ہر بار دادا جی کی روح کو چکمدے کر میری طرف آ ہی جاتی تھی اس بار جب میری طرف آئی تو میں نے اس پر اپنی توجہ گاڑ دی اور پھر اپنی ارتکاز کی قوت سے اسے دور دھکیل دیا۔ یہ دیکھ کر میری خوشی کی انتہا نہ رہی کہ وہ مخلوق بہت تیزی سے مجھ سے دور جانے لگی۔ اس مخلوق کو چہرے پر بے بسی کی آثار جیسے ثبت ہوئے ہوئے تھے۔ پھر کچھ فاصلے پر پہنچا کر میں نے توجہ ایک اور پاس آتی مخلوق پر دی اور اس کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ اب میرے ہاتھ اچھا مشغلہ آ گیا تھا۔ دادا جی بہت

ساری مخلوقات کو میرے پاس آنے ہی نہیں دیتے تھے جو آ جاتی تھیں  
انہیں میں دور دھکیل دیتا تھا۔ شاید کچھ دنوں تک یوں ہی چلتا رہا۔ اور  
شاید وہ تیسواں دن تھا کہ میں خود کو بہت ہی زیادہ تھکا ہوا پارہا تھا۔ ان  
مخلوقات کو مسلسل دھکیلتے رہنے سے اعصاب جیسے شل ہوئے جا رہے  
تھے۔ اچانک میں نے جھنجلا کر ایک مخلوق کو اپنے پاس آتے دیکھ کر  
اسے وہی معلق کر دیا اور پھر نہ جانے کیوں، غصے سے بھرے ہوئے  
میں نے آگ اگلتی آنکھوں سے اسے گھورا اور دل میں یہ خیال پیدا  
کیا کہ اس کو آگ لگ جائے اور دوسرے ہی لمحے وہ مخلوق آگ میں  
جل رہی تھی اور بری طرح سے اچھل کود کر رہی تھی مگر میری ارتکاز کی  
قوت اسے جکڑے ہوئے تھی۔ کچھ ہی دیر میں وہ جل کر اکھ بن گئی  
اور اس کے ساتھ ہی باقی تمام مخلوقات نے حملے ایک دم سے بند کر  
دیے اور خوفزدہ سے انداز میں مجھے دیکھنے لگیں۔ دادا جی کی روح نے

بھی حیرت بھرے انداز میں مجھے دیکھا۔ اور پھر وہ کہیں گائب ہو گئے۔ اب کسی مخلوق کی ہمت نہ تھی کہ میرے قریب بھی پھٹکتی۔ اس مصیبت سے تو جان چھوٹی تھی مگر جسمانی طور پر میری نقاہت بہت زیادہ بڑھ چکی تھی۔ مجھے یہ دن گزارنے قیامت لگ رہے تھے۔ چلہ ختم ہونے میں ابھی کچھ دن باقی تھے کہ جب میرا حوصلہ تقریباً ٹوٹ گیا اور میں نے ایک لمحے کے لیے سوچا کہ اس چلہ کو ترک کر کے کچھ دیر آرام کر لوں۔ صرف اتنے خیال سے ہی میرے جسم تو تیز اور زور دار جھٹکے لگنے لگے۔ ان جھٹکوں سے ایک دم میری آنکھیں کھل گئیں اور مشق کا سماع ٹوٹ گیا۔ اسی وقت میرے منہ سے خون کی ایک تہ نکلنے لگی اور میری ساری قمیض بھیک گئی۔ بھگی ہوئی قمیض مجھ پر الگ سے قیامت ڈھا رہی تھی۔ سردی سے میرا برا حال تھا ایسا لگ رہا تھا جیسے میں سخت سردیوں کے موسم میں برف کی سل پر بیٹھا ہوں۔ آہستہ

آہستہ مجھے اپنی ہوش رخصت ہوتے محسوس ہوئے۔ مگر اس سے پہلے کہ میں مکمل طور پر بے ہوش ہو جاتا اچانک ایک جوان لڑکی کہیں سے نمودار ہوئی۔ اور پھر ایک جوان آدمی بھی۔ دونوں کی آنکھیں پریشانی سے بھری ہوئی تھیں۔ اس جوان لڑکی نے اپنا ہاتھ میرے دل کے مقام پر رکھ دیا اور اس جوان آدمی نے کچھ پڑھ کر میرے سارے جسم پر سر سے پاؤں تک ہاتھ پھیرا۔ اس کے ہاتھ پھیرتے ہی مجھے سردی کی شدت میں اچانک بہت زیادہ کمی محسوس ہوئی۔ جیسے کسی نے مجھے کچھ اوڑھا دیا ہو۔ اس لڑکی کے دل پر ہاتھ رکھنے کی بدولت میرے ہوش تیزی سے بحال ہونے لگے اور چند منٹوں میں، میں بہت سنبھل چکا تھا۔ اتنے میں ان دونوں کی یک جان آواز آئی۔

”سلیمان بیٹا!۔۔ اپنا عمل مکمل کرو۔ فکر مت کرو۔ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔“ انکی آواز میں عجیب سے مٹھاس تھی جس نے میرے اندر



ایک نئی توانائی بھردی اور میں نے آنکھیں بند کر کے پھر سے مشق شروع کر دی۔ آنکھیں بند ہوتے ہی وہ دونوں اوتھل ہو گئے۔ اور میں پھر مشق میں مصروف ہو گیا۔ ایک آدھ دن تک اس نئی توانائی نے میرا بھرپور ساتھ دیا اور پھر وہی جسم کی نکاہت۔ میں نے چالیس دن کا چلہ پہلے بھی تین مرتبہ مکمل کیا تھا مگر ایسا حال پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ بہر حال کسی نہ کسی طرح سے میں نے چلہ مکمل کر ہی لیا۔ دادا جی کی اس آواز پر میں آنکھیں کھول دیں۔

”بیٹا!۔۔۔ مبارک ہو۔ تم کامیاب ہو گئے۔“ ان کا چہرہ خوشی سے چمک رہا تھا۔

میں نے آنکھیں کھول کر ان کی طرف دیکھا اور پھر اچانک مجھے چکر سا آیا اور میری آنکھیں بند ہوتی چلیں گئیں۔ میں بے ہوش ہو چکا تھا۔ دوبارہ ہوش آیا تو میں نے اپنے آپ کو ایک چار پائی پر دراز پایا۔ یہ

وہی گارہی تھی مگر یہاں ایک چارپائی موجود تھی جس پر میں لیٹا ہوا تھا اور دادا جی میرے منہ میں کوئی جوس قطرہ قطرہ کر کے ڈال رہے تھے۔ ہوش میں آنے کے بعد مجھے بہت ہی تیز بھوک کا احساس ہوا۔ اور پھر میں نے جوس کا گلاس لیٹے ہی لیٹے منہ سے لگالیا۔ دادا جی نے عقلمندی سے کام لیتے ہوئے مجھے ایک مخصوص مقدار سے زیادہ نہیں پینے دیا۔ ”بس بیٹا!۔۔۔ ابھی کچھ دیر سانس لے لو۔“ انہوں نے جوس کا گلاس پیچھے ہٹاتے ہوئے کہا۔ پھر چند لمحوں کے بعد انہوں نے مجھے اٹھا کر بیٹھا دیا اور گلاس میرے حوالے کر دیا۔ میرا حلق باوجود آدھا گلاس ختم کر دینے کہ کانٹوں سے بھرا ہوا تھا اور میں نے جلدی سے سارا جوس گلے میں انڈیلا۔ جوس خالی میدے میں گیا تو کچھ افاقہ ہوا۔ پھر کچھ دیر آرام کرنے کے بعد دادا جی نے نرم غذا مجھے کھانے کے لئے دی۔ چند گھنٹوں تک میرے طبیعت اعتدال پر آ چکی تھی۔

”بیٹا!۔۔ ایک بار پھر مبارک باد قبول کرو۔“ دادا جی نے خوشی سے بھرپور لہجے میں کہا۔

”شکر یہ دادا جی!۔۔ یہ سب آپ کی محنت اور مدد کی وجہ سے ممکن ہو سکا۔“ میں نے ممنوعیت سے کہا۔

”نہیں بیٹا!۔۔ تمہاری اپنی کوشش کمال کی تھی۔ اور یہ تو بتاؤ یہ غیر مرنی مخلوقات کو جلانے کا علم تم نے کہاں سے سیکھا؟“ انہیں اچانک یاد آ گیا اور انہوں نے حیرت سے پوچھا۔

”کہیں سے بھی نہیں۔“ میں نے جواب دیا۔ ”بس ارتکاز توجہ سے

اس مخلوق کو دیکھا اور دل میں خواہش پیدا کی کہ وہ جل جائے تو وہ جل

گیا۔ اصل میں، انہوں نے تھکا دیا تھا مجھے بھی اور آپ کو بھی۔“

”حیرت ہے۔ میں نے تو بہت دفعہ ایسی کوشش کی ہے مگر کبھی کامیاب

نہیں ہو سکا۔ اور تم نو آموز ہونے کے باوجود پہلی ہی کوشش میں

کامیاب ہو گئے۔“ دادا جی کے لہجے میں بہت حیرت تھی پھر مسکراتے ہوئے کہنے لگے۔” لگتا ہے تمہاری روح بہت طاقتور ہو گئی ہے۔“ میں بھی جواب میں بس ہنس دیا۔

چند دن آرام کرنے کے بعد میں اپنے پاؤں پر چلنے پھرنے کے قابل ہو گیا تھا۔ پھر دادا جی نے ایک دن عجیب سے فرمائش کی۔

”بیٹا!۔۔۔ مدینہ شریف کی کھجوریں کھلا دو۔“ انہوں نے فرمائش انداز میں کہا۔

”جی!۔۔۔ میں کیسے کھلا سکتا ہوں۔“ میں نے عاجزی سے پوچھا۔

”بھئی!۔۔۔ اب تم روحانی طاقت والے ہو گئے ہو۔ جب چاہو کر سکتے ہو۔ بس ایک لمحے کے لئے آنکھیں بند کرو اور اپنی روح کی پرواز سے مدینہ شریف جا کر کھجور لے آؤ۔“ انہوں نے یوں کہا جیسے کوئی بات ہی نہیں۔



میں نے کچھ سوچ کر ایسا ہی کرنے کا خیال کیا۔ اور پھر جیسے ہی دادا جی ایک پتھر پر بیٹھنے کے لیے جھکے میں نے آنکھیں بند کی فوراً ہی میرے روح کی آنکھیں کھل گئی اور پھر اگلے لمحے میں مدینہ شریف کے ایک بازار میں تھا۔ وہاں ایک دوکان سے ایک کھجور اپنی ارتکا زتوجہ سے اٹھائی اور ایک لمحے میں اسے لیے ہوئے اسی گار میں آمو جو دہوا۔ وہاں مجھے اپنا جسمانی وجود نظر آ رہا تھا۔ میں نے ارتکا زتوجہ کی مدد سے وہ کھجور اپنے ایک ہاتھ میں رکھی اور ساتھ ہی آنکھیں کھول دیں۔ میرے ہاتھ میں واقع ایک کھجور تھی۔ اور حیرت کی بات یہ تھی کہ ابھی دادا جی پوری طرح بیٹھ بھی نہ سکے تھے کہ میں نے وہ کھجور ان کی طرف بڑھا دی۔

”یہ لیس دادا جی!۔۔۔ آپکی مانگی ہوئی کھجور!“ میں نے شوخی سے کہا۔ انہوں نے میرے ہاتھ سے کھجور لے لی اور پھر کہنے لگے۔

”اب تو تمہیں معلوم ہو گیا ہوگا کہ میں نے تمہیں تمہارے وطن کے پھلوں کا رس کیسے پلایا تھا۔“ انہوں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”جی بالکل۔ مگر آپ اس کپڑوں کی الماری میں کیا لینے جاتے تھے؟“

میں نے سوال کیا۔

”کچھ بھی نہیں۔“ انہوں نے ایک قہقہہ لگایا۔ ”چونکہ تم اس علم سے واقف نہ تھے اس لئے بس تم سے چھپانے اور کسی حد تک تمہارے حیرت کم کرنے کے لیے میں ایسا کرتا تھا۔“ دادا جی نے وضاحت کی۔

”دادا جی!۔۔۔ یہ عمل بڑے مزے کا ہے۔ اس کا چلہ تو بہت ہی خوفناک تھا مگر مجھے اس غیر مرئی دنیا سے روشناسی حاصل کر کے اچھا لگا۔ خاصی دلچسپ دنیا ہے۔“ میں نے پر جوش لہجے میں کہا۔

”ہاں!۔۔۔ ایسا تو ہے۔ مگر کچھ عرصے میں تم اس کے عادی ہو جاؤ

گے۔“ دادا جی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ پھر کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بولے۔

”بیٹا!۔۔ ایک بات میں نے تم سے چھپائی تھی کیونکہ تم اس چلے میں مصروف تھے اور میں تمہارے توجہ بٹانا نہیں چاہتا تھا۔“ دادا جی نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

”وہ کیا دادا جی!“ میں نے حیرت سے پوچھا۔

”گوپی کشن تمہارا پیچھا کرتے ہوئے جاڑوں کی بستی پہنچ چکا ہے۔ مگر یہاں سے اسے تمہارا کوئی سراغ نہیں مل رہا۔ اس کے جاسوس ساری بستی میں پھیلے ہوئے ہیں اور بڑی سرگرمی سے تمہیں تلاش کر رہے ہیں۔“ دادا جی نے جواب دیا۔

”اوہ!۔۔ دادا جی کیوں نہ اس گوپی کشن سے بھی دو دو ہاتھ کر لیں اب؟“ میں نے دادا جی کی طرف دیکھتے ہوئے پر جوش لہجے میں

پوچھا۔

”بیٹا!۔۔۔ اتنا جوش اچھا نہیں ہوتا۔ جس طرح تمہارے پاس روحانی قوتیں ہیں اسی طرح اس کے پاس بھی ہیں۔ اور وہ اس کھیل کا پرانا کھلاڑی ہے۔ پتہ نہیں کیسی کیسی قوتیں اکھٹی کر رکھی ہوں گی اس نے۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ وہ ریاست سولومن کا بڑا عہدے دار ہے۔ اس لیے اگر تم کسی طرح اس پر غالب بھی آ جاتے ہو تو بھی ساری سلطنت کی فوج تمہارے خلاف اٹھ کھڑے ہوگی۔ تم کس کس سے لڑو گے؟“ انہوں نے تفصیل سے خطرات کا ذکر کرتے ہوئے کہا۔

”مگر دادا جی!۔۔۔ ہم ان سے کب تک ڈرتے اور چھپتے رہے گیں؟“ میں نے الجھ کر کہا۔

”وقت کا انتظار کرو بیٹا!۔۔۔ ہر کام اپنے مناسب وقت پر ہی اچھا



ہوتا ہے۔ ابھی ان کا وقت چل رہا ہے۔ تم اپنے وقت کا انتظار کرو۔“  
دادا جی نے مجھے سمجھاتے ہوئے کہا۔

میں خاموش ہو گیا۔ حالات کا تقاضہ یہی تھا کہ میں اپنے آپ کو  
حالات پر چھوڑ دوں۔ پھر میں نے سوچا کہ دادا جی سے اور علوم سیکھنے  
کی بات کروں۔

”دادا جی مجھے کسی اور علم کا طریقہ سکھائے جیسے روحوں کو بلانے والا  
جس سے آپ عظیم شوالہ کی روح کو بلاتے ہیں۔“ میں نے کہہ تو دیا  
مگر اچانک میری نظروں کے سامنے وہ دونوں جوان لڑکے اور لڑکی کی  
سورتیں گھوم گئیں جنہوں نے مجھے آخری دنوں میں جب میں تقریباً  
بے ہوش ہونے ہی والا تھا، سنبھالا تھا۔

”ضرور بیٹا!۔۔۔ مگر میرا خیال ہے کہ ابھی کچھ دن تم آرام کر لو۔  
تمہاری صحت بہت خراب ہو چکی ہے۔ سوکھ کر کانٹا بن گئے ہو۔ پہلے

کچھ اپنی حالت درست کر لو پھر یہ علوم سیکھتے رہنا۔“ دادا جی نے فکر مندی سے کہا۔

”دادا جی میں آپ سے کچھ اور بھی پوچھنا چاہتا ہوں۔ میری مشق کے آخری دنوں میں، میں تقریباً ہمت ہار چکا تھا اس وقت میری آنکھ بھی کھل گئی تھی اور مجھے بہت سخت سردی کا احساس ہو رہا تھا۔ قریب تھا کہ میں بے ہوش ہو جاتا کہ اچانک ایک جوان لڑکی اور لڑکا نمودار ہوئے۔ لڑکی نے میرے دل پر ہاتھ رکھ دیا جبکہ لڑکے نے کچھ پڑھ کر مجھے سر سے پاؤں تک پھونکا تو مجھے جیسے نئی توانائی مل گئی اور اسی وجہ سے میں اپنی مشق پوری کر پایا۔ وہ کون لوگ تھے؟“ میں نے تجسس سے پوچھا۔

”ہوں!۔۔۔ کیا تم مجھے تھوڑا سا ان کا حلیہ بتا سکتے ہو۔“ دادا جی نے کچھ سوچتے ہوئے سوال کیا۔ میں نے اپنے اندازے سے ان کو

حلیہ بتا دیا۔

”ٹھہر میں تمہیں ایک تصویر دکھاتا ہوں۔“ دادا جی نے اچانک کہا اور پھر انہوں نے آنکھیں بند کی اور اگلے ہی لمحے ان کے ہاتھ میں ایک فریم کی ہوئی تصویر تھی۔ اس تصویر میں وہی دونوں لڑکا اور لڑکی تھے جن کو میں نے دیکھا تھا۔

”جی دادا جی!۔۔۔ بالکل یہی تھے۔ یہ کون ہیں؟“ میں نے فوراً تصدیق کرتے ہوئے کہا۔

”یہ تمہارے والدین ہیں بیٹا!“ دادا جی نے مسکراتے ہوئے کہا اور میرے ذہن میں ایک جھناکسا ہوا۔ مجھے یاد بھی آرہا تھا کہ انہوں نے مجھے بیٹا کہا تھا۔ آہ۔۔۔ وہ میرے والدین تھے۔ میں ان کی اولاد اور وہ مجھے مرکز بھی نہیں بھولے۔ میں کافی دیر تک ان کے خیالوں میں ڈوبا رہا۔

چند دن میں نے آرام کرنے اور داداجی سے اپنے والدین کے بارے میں باتیں کرنے میں گزار دیئے اور پھر میں نے ضد کر کے داداجی سے روحوں کو بلانے والا عمل سیکھنا شروع کر دیا۔ اس عمل میں اپنی گرد آیت الکرسی کا حفاظتی حصار کھینچ کر کچھ قرآنی آیات کی تلاوت کرنا تھا۔ پھر اپنی توجہ اس روح کی طرف، جسے بلانا مقصود ہوتا تھا، مرکوز کر کے کچھ خاص الفاظ تھے جو بار بار پڑھنے تھے۔ اگر دس بار پڑھنے پر بھی وہ روح نہ آئے تو پھر دوبارہ وہ قرآنی آیات تلاوت کرنی تھیں۔ اسی طرح اس عمل کو اس وقت تک کرتے رہنا تھا جب تک کہ وہ مطلوبہ روح نہ جائے یا پھر ہم اس کو بلانے کا ارادہ ترک نہ کر دیں۔

میں نے اللہ کا نام لیا اور پھر ایک جگہ پر بیٹھ کر یہ عمل کرنے لگا۔ تقریباً دو گھنٹے کی کوشش کے بعد اچانک میں نے وہی بزرگ جو خواب میں



آتے تھے ان کو اپنے سامنے دیکھا۔ ان کی آنکھیں کسی بھی تاثر سے خالی تھیں۔

”عظیم سوال کیا یہ آپ ہیں؟“ میں نے پوچھا۔

”ہاں سلیمان!۔۔۔ یہ میں ہی ہوں۔ بولو مجھے کیسے یاد کیا۔“ انہوں نے پوچھا۔

”میں آپ کا شکر یہ ادا کرنا چاہتا تھا آپ نے میری بہت سے معاملات میں مدد کی۔“ میں نے ممنوعیت سے کہا۔

”میں نے اپنا فرض ادا کیا۔ اور کوئی بات“ انہوں نے اسی طرح سپاٹ سے لہجے میں کہا۔

”کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ گوی کشن سے مقابلے کے لیے مجھے کون کونسے علوم سیکھنے ہونگے؟“ میں نے پوچھا۔

”سب سے پہلے بلند حوصلے کا علم سیکھو! اس سے بڑا کوئی علم اس دنیا

میں نہیں ہے۔“ انہوں نے بڑے ہی عجیب سے لہجے میں کہا۔

”جی“ میں حیرت سے ہکا بکارہ گیا۔

”سلیمان!۔۔۔ تم پر ساری سلطنت سولومن کی نظریں لگی ہوئی ہیں۔

تمہارا مقابلہ طالش جیسے خطرناک جن سے ہے اگر تم چھوٹی چھوٹی

ہستیوں سے ڈر کر بیٹھے رہو گے تو پھر طالش سے مقابلہ کیا خاک کرو

گے۔“ انہوں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ اور مجھے شرمندگی کا

احساس ہونے لگا۔

”میں تو خود یہی چاہتا تھا مگر دادا جی کا خیال تھا کہ ہم مناسب وقت کا

انتظار کریں۔“ میں نے اپنی خفت مٹاتے ہوئے کہا۔

”دیکھو سلیمان!۔۔۔ تمہیں اپنی طاقتوں کا سہی طور پر ادراک نہیں

ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ گویا کشن تم سے طاقت میں بہت

آگے ہے مگر اس کے پاس ایمان کی قوت نہیں ہے جو تمہارے پاس

ہے۔ یاد کرو جب تم ہوائی حویلی میں قید تھے۔ تمہاری کس قوت نے تمہیں بچایا؟ صرف ایمانی قوت نے۔ اپنا ایمان پختہ رکھو اور عقل سے کام لیتے ہوئے آگے بڑھو۔ خدا تمہارا حامی و ناصر ہوگا۔“ عظیم شوالہ نے بڑے ٹھوس لہجے میں کہا۔ اور پھر اس سے پہلے کہ میں کوئی اور سوال کرتا ان کی روح ہوا میں تحلیل ہو گئی۔

میں نے گھوم کر داداجی کی طرف دیکھا۔ وہ بھی یہ سب کچھ سن رہے تھے۔ مجھے اپنی طرف دیکھتا پا کر بولے۔

”بیٹا!۔۔۔ میری اوقات ہی کیا ہے۔ تم خود سے اپنے فیصلے کیا کرو۔“ داداجی کے لہجے میں اداسی اور پشیمانی سی تھی۔

”داداجی!۔۔۔ میں آپ کی محبت کو سمجھتا ہوں۔ مگر جیسا کہ عظیم شوالہ نے کہا کہ مجھے ہاتھ پر ہاتھ دھرے نہیں رہنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہر موقع پر میری مدد کر رہے ہیں۔ مجھے ان پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔“ میں نے

جیسے اپنے آپ سے باتیں کرتے ہوئے کہا۔

”ٹھیک ہے!۔۔۔ اب تم کیا کرو گے؟“ انہوں نے ایک لمبا سانس لیتے ہوئے کہا۔

”پہلے مجھے یہ بتائیں کہ آپ مجھے اور کون سا عمل سیکھا سکتے ہیں جو اس کے خلاف میری مدد کر سکے؟“ میں نے کچھ سوچ کر سوال کیا۔

”بیٹا!۔۔۔ میں لڑائی جھگڑے سے دور رہنے والا بندہ ہوں اس لیے میرے تجربے سے تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا۔ ہاں تمہارے ذہن میں کچھ ہو تو بتاؤ۔“ دادا جی شاید ابھی تک ندامت کا شکار تھے کہ انہوں نے مجھے چھپے رہنے کا مشورہ دیا تھا جسے عظیم سوالہ نے رد کر دیا۔

”اچھا کیا آپ مجھے ایسا کوئی علم بتا سکتے ہیں جو گوبی کشن کی روح کو اس کے قابض جسم سے نکالنے میں مدد کرے؟“ میں نے کچھ سوچ



کر پوچھا۔

”بیٹا!۔۔۔ گوپی کشن ایک ہندو ہے۔ اس کے خلاف تمہارا سب سے بڑا ہتھیار خود کلام پاک ہے۔ اس پر آیات پڑھ کر پھونکو۔ خاص طور پر چاروں قل شریف۔“ دادا جی نے ایک ٹپ دیتے ہوئے کہا۔ اور میں نے اسے ذہن نشین کر لیا۔

وہ رات میں نے دادا جی کے ساتھ ہی آخری رات کے طور پر اس غار میں گزاری۔ پھر اگلی صبح میں نے انکو واپس بستی جانے کا کہا۔

”دادا جی!۔۔۔ اب آپ بستی جائیں۔ میں نہیں چاہتا کہ وہ آپ کو میرے ہمدرد کے طور پر شکار کر سکے۔ میں اس سے تنہا ہی ملنا چاہوں گا۔“ میں نے بڑے ہی پر عزم لہجے میں کہا۔

”ٹھیک ہے بیٹا!۔۔۔ جیسے تمہاری مرضی۔“ دادا جی نے کہا پھر جانے سے پہلے تاکید کی۔ ”بیٹا!۔۔۔ اپنا خیال رکھنا اور اگر کسی بھی موقع پر

میری ضرورت محسوس ہو تو بلا تکلف مجھے آواز دے دینا۔ یہ بوڑھی  
ہڈیاں جس بھی قابل ہوئیں تمہارے کام ضرور آئیں گیں۔“  
”میں آپ کا بہت شکر گزار ہوں اور بس آپ کی دعاؤں کا طالب ہوں“  
میں نے ممنوعیت سے کہا۔

”اللہ تمہیں اپنے حفظ و امان میں رکھے۔“ انہوں نے دعا دی اور پھر  
رخصت ہو گئے۔

ان کے جانے کے بعد میں نے اپنا پروگرام بنانا شروع کیا۔ اگر مجھے  
کسی طرح گوپی کشن کے ٹھکانے کا پتہ چل جائے تو یقیناً میں اس کی  
گردن پر پہنچ سکتا ہوں۔ پھر اچانک مجھے ایک خیال آیا۔ کیوں نہ گوپی  
کشن کی روح کو اپنے سامنے بلاؤں۔ پھر جو ہو گا دیکھا جائے گا۔  
کافی دیر میں اس پر سوچتا رہا مگر اس کے علاوہ مجھے کوئی اور خیال نہیں  
آیا۔ ابھی میں عمل شروع کرنے ہی والا تھا کہ مجھے آیا ان اپنے قریب

نظر آیا۔ میں اسے دیکھ کر چونک پڑا۔ چونکنے کی بات اس لیے تھی کہ  
آیاں تقریباً دو سال سے نہیں آیا تھا اور نہ ہی میں نے بلایا تھا۔ دوسرا  
یہ کہ وہ میری اس غار والی رہائش کے بارے میں بھی نہیں جانتا تھا۔  
اس سے پہلے کہ میں اس سے اس بارے پوچھتا۔ وہ خود ہی بول پڑا۔  
”آقا!۔۔۔ تکلیف دہی کی معذرت چاہتا ہوں۔ مگر آپ سخت  
خطرے میں ہیں۔“ آیاں نے مینے لہجے میں کہا۔ ”گوپی کشن اور اس  
کے سپاہیوں نے آپ کو چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے اور اس وقت  
جادوئی جالا بن رہے ہیں تاکہ آپ یہاں سے بھاگ نہ سکیں۔“  
”یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔“ میں نے حیرت زدہ ہوتے ہوئے پوچھا۔  
”اس کو میرے اس ٹھکانے کا کیسے پتہ چلا اور تم یہاں کیسے پہنچے؟“  
”آقا!۔۔۔ میں گوپی کشن کی دور ہی دور سے نگرانی کر رہا تھا۔ آپ  
نے تو مجھے جانے کو کہہ دیا تھا مگر میرا دل نہیں مان رہا تھا اور میں آپ کی

حکم عدولی بھی نہیں کرنا چاہتا تھا اس لیے اپنے طور پر گوپی کشن کے ساتھ لگا رہا۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے اس نے آپ کے دادا جی کو گرفتار کیا ہے جن سے اسے معلوم ہوا کہ آپ یہاں پر اس غار میں ہیں اس لیے وہ اب اس غار کو گھیرے ہوئے ہے۔ میں اس لیے اندر آ گیا کہ دیکھوں تو سہی کہ کیا واقعی آپ اندر ہیں۔ میرا مشورہ ہے کہ یہاں سے نکل چلیں۔ جادوئی جال بے غمے میں ان کو ایک آدھ گھنٹا تو لگ ہی جائے گا۔“ آیان نے مشورہ دیتے ہوئے کہا۔

”آیان!۔۔ میں تمہارا ممنون ہوں کہ تم نے میری یوں مدد کی مگر حقیقت تو یہ ہے کہ میں خود گوپی کشن کی تلاش میں تھا اور اسے ایک عمل سے بلانے ہی والا تھا۔ یہ اچھا ہوا کہ وہ خود ہی آ گیا۔ بس تم اپنے آپ کو بچاؤ۔ ان کو میں خود ہی سنبھال لوں گا۔“ میں نے بڑے ٹھوس لہجے میں کہا اور آیان حیرانی سے مجھے دیکھنے لگا۔ مگر وہ کچھ اور کر نہیں



سکتا تھا اس لیے خاموشی سے وہاں سے چلا گیا۔

آیان کے جانے کے بعد میں وہی زمین پر بیٹھ گیا اور پھر اپنے گرد آیت الکرسی کا حفاظتی حصار بنا کر میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ اپنے روح کی پرواز سے میں اس غار سے باہر نکلا اور پھر ادھر ادھر کا معائنہ کرنے لگا۔ بظاہر تو کچھ نہیں تھا مگر میری روحانی آنکھ نے مجھے دیکھا دیا کہ میرے گرد تقریباً بیس کے قریب جنات اور تین انسان گھیرا ڈالے چٹانوں کی اوٹ میں چھپے ہوئے تھے۔ میری غار کے ارد گرد وہ جنات ایک عجیب سا جالا بن رہے تھے۔ اس جالے کی ہر رسی اور گرہ سے عجیب سی شعاعیں نکل رہی تھیں۔ پھر میں ان تین انسانوں کی طرف متوجہ ہوا۔ ان میں سے کوئی بھی گولی کشن نہ تھا بلکہ دو تو جاڑوں کی بستی کا باشندے تھے جنہیں میں نے وہاں سے نکلتے وقت دیکھا تھا جبکہ ایک اجنبی تھا۔ میں ان کے پاس چلا گیا۔ وہ آپس میں

باتیں کر رہے تھے۔

”تمہیں یقین ہے کہ اس نے علم زوجیلہ مکمل کر لیا ہے؟“ ایک شخص

جس کی فرنیچ کٹ داڑھی تھی نے دوسرے آدمی سے پوچھا۔

”جی سر!۔۔۔ بابا فتح اس علم کا بڑا پرانا ماہر ہے اور ہمیں پتہ چلا ہے کہ

وہ اور یہ لڑکا تقریباً دو سال سے اسی غار میں رہ رہے ہیں۔ میرے

خیال میں اتنا عرصہ کافی ہوتا ہے اس علم کو سیکھنے کے لیے۔“ دوسرے

آدمی نے کہا جو کلین شیو تھا مگر اس کے سر کے بال گردن سے نیچے اس

کے کندھوں تک بکھرے ہوئے تھے۔

”شیو!۔۔۔ لگتا ہے تمہیں علم زوجیلہ کے بارے میں زیادہ معلومات

نہیں ہیں۔ اس کے سیکھنے کے لیے تو پانچ سال کا عرصہ بھی کم ہے۔

بہر حال یہ ایک اچھا اقدام ہے گوپی جی کا، کہ یہ جادوئی جال بن دیا

جائے۔ ویسے تو اس بات کا امکان کم ہی ہے کہ وہ یہ علم جانتا ہو گا مگر

اگر جانتا بھی ہوا تو اس جال سے نہیں نکل سکے گا۔“ اسی فریج کٹ  
داڑھی والے نے کہا۔ اور پھر تیسرے آدمی کی طرف متوجہ ہوتے  
ہوئے بولا۔

”اولنگا!۔۔۔ جاؤ دیکھ کر آؤ کہ کتنا کام رہ گیا ہے تاکہ ہم گوبی جی کو  
اطلاع کریں۔“

وہ تیسرا آدمی یہ حکم ملتے ہی چٹان کلاوٹ سے نکلا اور چند قدم پیچھے  
چٹان پر کھڑے جن سے مخاطب ہو گیا۔ وہ اس سے معلومات لے رہا  
تھا کہ کتنا کام رہ گیا ہے۔ اس جن نے بتایا کہ بس دس منٹ کا کام رہ  
گیا ہے۔ اولنگا یہ معلومات لے کر واپس اپنے پاس آ گیا اور  
کہنے لگا۔

”سر!۔۔۔ شرطاً جن کے مطابق دس منٹ کا کام رہ گیا ہے۔“ اس کا  
انداز کافی مودبانہ تھا۔

باس نے کچھ دیر سوچا اور پھر وہاں سے اٹھ کر ایک سمت کو چل پڑا۔ ایک بڑے سے ٹیلے کی اوٹ میں جا کر اس نے چار پتھر اٹھائے اور ان پر کچھ پڑھ کر ایک سمت میں ہوا میں اچھال دیا۔ اسی وقت وہاں جیسے ونڈسکرین اوپن ہو گئی۔ اس سکرین میں ایک شخص نظر آ رہا تھا۔ ”سیونا!۔۔۔ بول کا ہے کوکشت دیا ہمیں“ وہ سکرین والا شخص بولا تو میں چونک پڑا۔ یہ آواز گوپی کشن کی تھی۔

”سرکار!۔۔۔ تکلیف دہی کی معافی۔ آپ کو اطلاع دینی تھی کہ دس منٹ میں جادوئی جالا مکمل ہو جائے گا۔ سرکار خود شریف لائے گیس یا پھر ہم خود ہی اس باغی کرپٹر کر آپ کی خدمت میں پیش کر دیں۔“ اس باس نے جس کا نام گوپی نے سیونا لیا تھا بڑے مودبانہ انداز میں کہا۔

”نا بابا!۔۔۔ یہ چھوڑا تمہارے بس کا نا ہی ہے۔ ہم اوش پہنچ رہے



ہیں۔“ گوپی کشن نے کہا اور اس کے ساتھ ہی وہ سکرین ہوا میں تحلیل ہو گئی اور سیونا مطمئن انداز میں واپس چل پڑا اور تھوڑی ہی دیر میں وہ پھر اپنے ساتھیوں اولنگا اور شیوا کے پاس بیٹھا تھا۔

مجھے حالات سے کچھ تو آگاہی ہو گئی تھی تاہم مجھے یہ فیصلہ کرنے میں دیر لگ رہی تھی کہ مجھے اپنی کارروائی ابھی شروع کر دینی چاہیے یا پھر گوپی کا انتظار کرنا چاہیے۔ کچھ دیر سوچ کر میں نے اپنی کارروائی شروع کرنے کا فیصلہ کیا۔ وجہ یہ تھی کہ میں گوپی کشن کی قوتوں سے مکمل طور پر آشنا نہ تھا اس لیے اس کے ساتھیوں کے ساتھ اس کا مقابلہ مہنگا بھی پڑ سکتا تھا۔ جبکہ اکیلے میں اس سے نبھنا آسان ہوتا۔ یہ سوچ کر میں نے تمام جنات کو باغوردیکھاتا کہ ان کے چہرے میرے ذہن میں نقش ہو جائے اور پھر میں اپنی جگہ واپس پہنچ گیا۔ آنکھیں کھول کر میں نے دوبارہ ان سب بیس جنوں کے چہروں کے نقش

ذہن میں تازہ کیے۔ یہ ایک مشکل کام تھا مگر میں تقریباً دو سال سے  
یہی مشق کرتا آ رہا تھا اس لیے آسانی سے مجھے ان سے کے چہرے یاد  
رہ گئے۔ ان سب کی طرف متوجہ ہو کر میں نے وہ جناتی عمل شروع کر  
دیا جس سے جنات کو جلایا جاتا تھا۔ میرے اندازے کی مطابق مجھے یہ  
عمل تقریباً پانچ منٹ تک مسلسل کرنا تھا اور وہ سارے جن جل کر  
خاک ہو جاتے۔ پانچ منٹ پورے ہوتے ہی میں اس کا رد عمل  
جاننے کے لیے پھر روحانی طور پر باہر نکلا۔ یہ دیکھ کر میری خوشی کی انتہا  
نہ رہی کہ وہ سب جل کر بھسم ہو چکے تھے اور جال جہاں تک بنا تھا بس  
وہی تک رہ گیا تھا۔ میں جلدی سے سیونا اور اس کے ساتھیوں کے  
پاس پہنچا۔ وہ اسی طرح مطمئن انداز میں بیٹھے گویا کشن کا انتظار کر  
رہے تھے۔ ظاہری بات ہے گویا کشن نے تو آخری وقت پر آنا تھا  
تا کہ کام مکمل کرنے میں اسے کچھ انتظار نہ کرنا پڑے اس لیے وہ ابھی

تک نہیں پہنچا تھا۔ اب ان انسانوں سے نپٹنے کا کوئی منصوبہ بنانا تھا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ وہ کن طاقتوں کے ماہر ہیں۔ اچانک مجھے ایک خیال آیا۔ کیوں نہ ان کو آپس میں لڑا دیا جائے۔ یہ سوچ کر میں ان کے پاس گیا۔ وہ اس طرح بیٹھے تھے کہ سیونا جو کہ ان کا باس تھا کچھ آگے تھا اور غار کے دھانے کی طرف اس منہ تھا جبکہ اولنگا اور شیوا کی طرف پیٹھ تھی۔ شیوا درمیان میں مگر دائیں طرف جب کہ اولنگا سب سے پیچھے اور نسبتاً بائیں طرف تھا۔ میں نے اولنگا پر اپنی ارتکا زتوجہ مرکوز کرتے ہوئے اسے سیونا پر گرا دیا۔

”اوہو!۔۔۔ اولنگا تم ہوش میں تو ہو؟“ سیونا نے غصے سے بھرے لہجے میں کہا۔

اولنگا نے کچھ کہنے کے لیے زبان کھولی مگر میں نے اپنی توجہ سے اس کی زبان اس کے دانتوں میں الجھا دی۔ وہ جلدی سے بولنے کے چکر

میں اپنی ہی زبان چبا بیٹھا۔ تکلیف سے اس کا چہرہ بگڑ گیا۔ شیوا اس کو  
سنہبہا لنے کے لیا اٹھا ہی تھا کہ میں نے اپنی توجہ سے اولنگا کا دایاں  
ہاتھ پوری قوت سے گھما کر شیوا کہ منہ پر دے مارا۔ وہ تھپڑ بہت ہی  
زوردار تھا۔ شیوا چکرا کر نچے گرا۔ سیونا ایک دم کھڑا ہو گیا اور گھور کر  
اولنگا کو دیکھتے ہوئے بولا۔

”اولنگا!۔۔۔ تم ہوش میں تو ہو۔ یہ کیا حرکت ہے؟“ اس کے لہجے  
میں غصے سے زیادہ حیرت تھی۔

میں نے اس بار پھر اولنگا کا ہاتھ گھما دیا اور اس بار تھپڑ سیونا کے پڑا۔  
سیونا تھپڑ کھا کر گرتے ہی بجلی کی سی تیزی اٹھا۔ اس کا چہرہ غصے سے  
سرخ ٹماڑ ہوا ہوا تھا۔ اس نے کچھ پڑھ کر زور سے اولنگا کی طرف  
پھونکا اور اولنگا کا سارا جس شعلوں کی زد میں آ گیا۔ اولنگا عجیب سے  
انداز میں چیخ رہا تھا۔ زبان چبانے کی وجہ سے وہ سہی طور پر بول نہیں



پارہا تھا مگر تکلیف سے چیخ بھی رہا تھا اور شاید وہ وضاحت بھی دینے کی کوشش کر رہا تھا اتنے میں تکلیف کی شدت سے وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ سیونا شاید اسے مارنا نہیں چاہتا تھا اس لیے اس نے ایک اور منتر پڑھ کر اس پر پھونکا اور اولنگا کو شعلوں سے نجات مل گئی مگر وہ بے ہوش ہی تھا۔

”یہ اچانک اولنگا کو کیا ہو گیا۔“ شیوا جواب اٹھ چکا تھا حیرت زدہ سے انداز میں بولا۔

”پتہ نہیں۔ شاید یہ پاگل ہو گیا ہے۔ تم نے دیکھا نہیں کہ کس طرح اس نے اپنی ہی زبان کو چبا لیا۔“ سیونا نے اپنے طور پر وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ اور پھر جیسے ہی اس نے دوبارہ منہ موڑ کر غار کے دھانے کی طرف دیکھنا شروع کیا میں نے اس بار شیوا کے ہاتھ کو استعمال کیا۔ اس نے قریب ہی پڑا ہوا ایک بھاری پتھر اٹھایا اور تیزی

سے سیونا کے سر پر دے مارا۔ سیونا بچارا ایک تیز سسکاری لے کر وہی  
ڈھیر ہو گیا۔ پتہ نہیں مر گیا یا پھر بے ہوش ہوا تھا۔ جبکہ شیوا اپنے  
ہاتھوں کو حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ ظاہری بات ہے اسے یہ بات سمجھ  
نہیں آئی تھی کہ خود اس سے یہ سب کیسے ہو گیا۔ اب میرے لیے مسئلہ  
یہ تھا کہ اس کا کام کیسے تمام کروں۔ میرے پاس کوئی ایسا علم نہیں تھا  
کہ میں کسی انسان کو نقصان پہنچا سکتا۔ اچانک مجھے خیال آیا کہ کیوں  
نہ اسے بھی جلانے کی کوشش کروں جیسے چلے کے دوران میں نے ایک  
غیر مرنی مخلوق کو جلایا تھا۔ مجھے یقین تو نہ تھا مگر کوشش کرنے میں کوئی  
ہرج نہ تھا۔ اس لیے میں نے اپنی ارتکاز کی قوت سے اس کو آگ میں  
جلانے کے تصور کو ابھارا۔ اسی وقت میں نے شیوا کو آگ کے شعلوں  
میں جلتے دیکھا۔ جب تک میں نے توجہ مرکوز رکھی وہ جلتا رہا اور چیختا  
رہا۔ جب وہ بے ہوش ہو کر گرا تو میں نے آگ کا تصور ختم کر دیا اور

آگ خود بخود سرد ہو گئی۔

یہ سارا واقعہ میرے اعتماد کو بڑھانے کے لیے کافی تھی۔ جنات سے  
نبٹنا تو مجھے خوب آتا تھا مگر جادوگر انسانوں سے میں پہلی بار ٹکرایا تھا۔  
چونکہ اب میدان صاف تھا اس لیے میں نے انتظار کرنے کا فیصلہ  
کیا۔ ابھی چند منٹ ہی انتظار کیا تھا کہ میں نے ایک چٹان کے عقب  
سے گوپنیشن کو اس شکل میں آتے ہوئے دیکھا جس میں وہ سکریں پر  
نظر آ رہا تھا۔ اس نے سر گھما کر اس ادھورے جال کو دیکھا تو اس کے  
چہرے پر غصے اور حیرت کے ملے جلے تاثرات ابھر آئے۔ اسے شاید  
یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ کام ابھی تک مکمل نہیں ہو سکا ہے۔ اتنے میں وہ  
چلتا ہوا اس چٹان کے قریب پہنچ گیا جہاں پر اس نے اولنگا اور شیوا کو  
جلے ہوئے بے ہوش پایا۔ جبکہ سیونا بھی ان کے پاس ہی ڈھیر تھا۔  
گوپنیشن فوراً ہی معاملے کو سمجھ گیا۔ مجھے ڈر محسوس ہوا کہ کہیں یہ

بھاگ نہ جائے اس لیے میں نے جلدی سے اپنے ارتکاز کی توجہ سے اسے جکڑ لیا اور پھر ہوا میں انسانی آواز کا ارتعاش پیدا کرتے ہوئے کہا۔

”گوپی کشن مہاراج!۔۔۔ بھاگنے کا ارادہ ملتوی کر دو۔ اب تم مجھے سے نہیں بچ سکتے۔“ میرے لہجے میں وقار تھا۔

گوپی کشن نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا اور پھر اچانک اس نے آنکھیں بند کی اور اسی کی ساتھ میں نے دیکھا کہ اس کی روح کا جو چھوٹا ساھیولہ تھا وہ ایک دم سے قد آور اور مکمل روح کی صورت اختیار کر گیا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے مجھے دیکھ لیا۔

”اچھا تو یہ تم ہو چھوٹی سرکار!“ اس نے گھور مجھے دیکھا۔ ”بہت خوب

اب مزہ آوے ہے شکار کا۔“ اس نے زہریلے لہجے میں کہا اور پھر

اچانک ہی اس نے ہوا میں انسانی آواز کا کچھ ارتعاش پیدا کیا اور



ایک دم سے ایک خوفناک مخلوق پیدا ہو گئی۔ اس مخلوق نے گھور کر مجھے دیکھ اور تیزی سے حملہ آور ہوئی۔ اسے دیکھ کر مجھے وہ مخلوقات یاد آ گئی جو میں نے چلے کے دوران دیکھی تھیں۔ یہ بھی ان میں سے کوئی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ مجھ تک پہنچتی میں نے اسے ارتکا زتوجہ سے جلا دیا۔ اسے جلتا ہوا دیکھ کر گوپی کشن کی روح حیران رہ گئی۔ شاید یہ اس کی توقع کے بالکل برعکس ہوا تھا۔ میں نے موقع کی مناسبت سے اس کے زخموں پر نمک چھڑکا۔

”گوپی مہاراج!۔ کوئی اور جنتر منتر رہ گیا ہو تو وہ بھی آزمالو۔ پھر نہ کہنا کہ میں نے موقع نہیں دیا۔“ میرا لہجہ بہت ٹھوس تھا۔

گوپی کشن میری بات سنتے ہی آگ بھگولہ ہو گیا۔ اس نے پھر تیزی سے ہوا میں ارتعاش پیدا کیا اور اچانک ایک نہایت ہی خوفناک سی مخلوق ظاہر ہو گئی۔ اس کی خاص بات یہ تھی کہ وہ خود ایک عجیب سی نیلی

آگ میں نہائی ہوئی تھی۔ یعنی آگ اس کے جسم کا حصہ تھی۔ وہ تیزی سے مجھ پر جھپٹی۔ مجھے سمجھ نہ آیا کہ اس کے ساتھ کیا کرو کیونکہ یہ تو پہلی سے ہی آگ میں نہا رہی تھی۔ اتنے میں اس نے مجھے یعنی میری روح کو آلیا۔ میری روح کو ایک کرنٹ سا لگا اور ایک عجیب سے تکلیف میری روح کو شروع ہو گئی۔ شاید یہ جلنے کی تکلیف تھی۔ میں اس تکلیف سے روشناس نہ تھا۔ میری حالت تیزی سے بگڑ رہی تھی اور مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ میں کیا کروں اچانک مجھے آیت کریمہ یاد آ گئی جس نے گوپی کشن کے خلاف پہلے بھی میری بہت مدد کی تھی۔ میں نے جلدی سے ہوا میں آیت کریمہ کی تلاوت کا ارتعاش پیدا کیا۔ پہلی دفعہ آیت کی تلاوت ختم ہوتے ہی اس مخلوق کو ایک جھٹکا لگا اور وہ مجھ سے ایسے دور ہٹ گئی جیسے اسے کرنٹ لگا ہو۔ اس سے مجھے حوصلہ ملا اور میں نے اس بار بڑے خشوع و خضوع سے آیت کریمہ کی تلاوت

شروع کر دی۔ اس سے نا صرف وہ مخلوق بھاگ گئی بلکہ گوپی کشن کی روح بھی بہت بے چین ہو گئی۔ میں اس کے بے چینی دیکھ کر مسلسل تلاوت کرتا رہا اور وہ بے چین روح کی طرح ادھر سے ادھر چکر لگاتی رہی اور پھر اچانک گوپی کشن کی روح چھوٹے سے ہیولے کی صورت میں اس کے جسم کے اوپر معلق ہو گئی اور گوپی کشن نے آنکھیں کھول دیں۔ مگر اب میں اس کو بھاگنے کا موقعہ نہیں دینا چاہتا تھا اس لیے میں نے اس کے جسم کو اپنے ارتکاز توجہ کے شعلوں سے جلانا شروع کر دیا۔ گوپی کشن کے حلق سے چیخے نکلتے لگیں۔ چند منٹ میں وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا مگر میں اسے مسلسل آگ میں روست کرتا گیا۔ اور پھر چند منٹ بعد میں نے دیکھا کہ آسمان سے فرشتوں کا ایک غول تیزی سے نیچے اتر آیا۔ اور پھر انہوں نے اس بے دردی سے گوپی کشن کی روح کو اس جلع ہوئے جسم سے نکالا کہ گوپی کشن کی چیخوں سے میری

روح بھی کانپ اٹھی۔ اور پھر ایک فرشتہ اس کی روح کو ایک بہت ہی بڑے اور کانٹے دار کوڑے سے مارنے لگا۔ گوپي کشن کی روح بری طرح چیخنے کا ارتعاش پیدا کر رہی تھی۔ مگر یہ ارتعاش انسانی نہیں بلکہ روحانی تھا یعنی کوئی انسانی کان اسے نہیں سن سکتا تھا۔ پھر وہ فرشتوں کا غول اسی طرح اسے کوڑے سے مارتا ہوا آسمانوں میں غائب ہو گیا۔ میں حیرت زدہ اس منظر کو دیکھ رہا تھا۔ اچانک مجھے خیال آیا کہ ہندو مذہب کے مطابق وہ مردہ انسان کو جلا دیتے ہیں۔ چونکہ گوپي کشن تو پہلے ہی روح کی شکل میں تھا اور شاید اپنے اصل جسم کے ساتھ نہیں جلا تھا اس لیے اس کی روح کو عالم ارواح میں داخلہ نہیں مل سکا مگر اب جب کہ میں نے اسے جسم کو اس کی روح سمیت جلا دیا تھا تو شاید اس کی طبعی موت واقع ہو گئی تھی اس لیے اللہ تعالیٰ کے نظام کے مطابق اس کی روح کو فرشتے عالم ارواح میں لے گئے۔ اور وہ



کوڑے اس کو یقیناً اس کے اعمال کے نتیجے میں لگے ہونگے۔

بہر حال بہت ہی دردناک منظر تھا۔

اس سے فارغ ہو کر میں اپنی جگہ حاضر ہوا اور پھر غار کے دھانے سے

نکل کر باہر آ گیا۔ اچانک مجھے دادا جی کا خیال آیا۔ مجھے نہیں معلوم تھا

کہ وہ کہاں پر ہیں۔ میں نے ایک لمحے کے لیے آنکھیں بند کیں اور

پھر تیزی سے آسمان کی طرف اڑ گیا۔ پھر میں نے تیز نظروں سے دادا

جی کو ڈھونڈا۔ وہ مجھے کہیں نظر نہ آئے۔ پوری جاڑوں کی بستی میں نے

کنگال ماری مگر وہ وہاں کہیں موجود نہ تھے۔ ناکام ہو کر میں نے

آنکھیں کھول دیں۔ اور پھر کچھ سوچ کر میں نے آیاں کو بلایا۔ وہ

میری آواز پر نہیں آیا۔ مجھے معلوم تھا کہ اسے سورہ جن پڑھ کر آواز دی

جاسکتی ہے مگر مجھے سورہ جن زبانی یاد نہیں تھی اس لیے۔ میں واپس

غار کی طرف چل پڑا۔ غار میں پہنچ کر میں نے دادا جی کے رکھے

ہوئے ایک قرآن شریف سے سورہ جن کو اس خیال سے حفظ کرنا شروع کر دیا کہ مستقبل میں بھی اس کی ضرورت پڑ سکتی تھی۔ جب میں اسے حفظ کر چکا تو ایک بار پڑھ کر آیاں کو آوزیں دیں۔ تیسری آواز پر وہ حاضر ہو گیا۔

”آپ نے مجھے یاد کیا میرے آقا“ آیاں نے مودبانہ انداز میں کہا۔

www.define.pk

”آیاں!۔۔۔ جلدی سے پتہ لگاؤ کہ میرے دادا جی کہاں پر ہیں۔ مجھے ان کا کچھ پتہ نہیں چل رہا ہے۔“ میں نے جلدی سے پوچھا۔

”ان کو گویا کشن کے حکم سے جادوئی جالے سے باندھ کر سنگ مور کی جیل میں رکھ گیا ہے۔“ آیاں نے فوراً بتایا۔

”یہ سنگ مور کہاں پر ہے؟“ میں نے حیرت سے پوچھا۔

”آقا!۔۔۔ یہ آپ کی دنیا میں نیپال کے قریب ایک جگہ ہے جہاں

پر سلطنت سولومن کی سب سے خطرناک جیل ہے۔ یہاں پر بہت ہی طاقت ور اور خطرناک قیدی رکھے جاتے ہیں۔ آج تک وہاں سے کوئی بھی قیدی آزاد نہیں ہو سکا اور نہ ہی زندہ واپس آیا ہے۔“ آیان نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

”کیا تم میری وہاں تک راہنمائی کر سکتے ہو؟“ میں نے اس کی

تعریفوں سے متاثر ہوئے بغیر پوچھا۔

”ضرور آقا!۔۔۔ مگر اس کے گرد جادوئی مکڑے موجود ہیں جو کسی بھی قریب آنے والے جن کو دبوچ لیتے ہیں۔ اس لیے میں آپ کو کچھ دور سے ہی دکھا سکوں گا۔“ آیان نے کچھ پریشان لہجے میں جواب دیا۔

”چلو ٹھیک ہے۔ جہاں تک تم جاسکو مجھے لے چلو۔“ میں نے جلدی سے کہا۔

گوپی کشن کے ساتھ اس معرکے نے مجھے بہت اعتماد دیا تھا۔ اس

لیے میں نے سیدھا سنگ مور جانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ مجھے امید تھی کہ میں اپنی قوتوں کے بل پر دادا جی کو وہاں سے نکالنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔

آیان نے مجھے اٹھایا اور پھر تیزی سے ہواؤں میں بلند ہو گیا۔ ہم کچھ دیر تک فضا میں سفر کرتے رہے اور پھر ایک بڑے پہاڑ کو کراس کر کے آیان نے مجھے ایک جنگل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا۔

”آقا!۔۔۔ یہ جنگل ایک حفاظتی علاقہ ہے۔ یہاں پر بے شمار مکڑے ہیں جو کسی انسان یا جن کو جنگل میں گھسنے نہیں دیتے۔ جو بھی ان کے ہاتھ آ جاتا ہے اس کو باندھ کر کھا جاتے ہیں۔“ آیان کے لہجے میں خوف کی جھلک نمایاں تھی۔

”اچھا اگر میں ان سے بچ کر نکل جاؤں تو پھر؟“ میں نے پوچھا۔

”آقا!۔۔۔ اس جنگل کے تقریباً وسط میں ایک چھوٹا سا پانی کا حوض



ہے۔ اس حوض کے پینڈے میں سنگ مور میں داخلے کا دروازہ ہے۔  
مگر وہاں دو طاقتور جن تعینات ہیں جو ہر دم پہرہ دے رہے ہوتے  
ہیں۔ بس اس سے آگے کا مجھے کچھ معلوم نہیں ہے۔ یہ معلومات بھی  
میرے پاس اس لیے ہے کہ ایک بار جنات کے بہت بڑے گروہ  
نے اس جیل میں گھس کر طالوت جن کو رہا کروانے کی کوشش کی  
تھی۔ اس گروہ میں آدھے سے زیادہ مارے گئے تھے اور باقی بڑی  
مشکل سے واپس آپائے تھے۔ ان میں سے ایک سے میری جان  
پہچان ہے اسی نے مجھے اس کے بارے میں بتایا تھا۔“ آیان نے  
تفصیل سے بتاتے ہوئے کہا۔

”یہ طالوت جن کون ہے؟“ میں نے حیرت سے پوچھا۔  
”بہت ہی نیک جن ہے آقا!“ آیان نے بڑی عقیدت سے کہا۔  
”تقریباً ایک لاکھ جن اسے اپنا لیڈر مانتے ہیں مگر شہنشاہ نے ایک

معمولی سے اختلاف پر اسے یہاں قید کروادیا۔ طالوت جن کے بعد ہماری مشکلات سننے والا کوئی نہیں ہے۔“

”اچھا ٹھیک ہے تم مجھے اس جنگل کے باہر اتار کرواپس چلے جاؤ۔“

میں نے کہا اور اس نے جنگل کے بالکل ابتداء کے پاس مجھے اتار

دیا۔ اور خود واپسی کے لیے مڑ گیا۔ میں نے کچھ دیر ادھر ادھر کا جائزہ لیا

اور پھر کچھ پیچھے آ کر ایک محفوظ مقام پر ڈھونڈا۔ یہ ایک بہت بڑا برگد

کے درخت کا جھنڈ تھا۔ میں وہی الٹی پالٹی مار کر بیٹھ گیا اور پھر میں

نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ جسمانی آنکھیں بند ہوتے ہی میری

روح بیدار ہو گئی۔ میں نے ہوا میں کچھ بلند ہو کر جنگل کی طرف دیکھا

اور چونک پڑا۔ اس جنگل میں بے تحاشا غیر مرئی مخلوقات نظر آرہی

تھیں۔ تقریباً درمیان میں کچھ مخلوقات درخت نما تھیں۔ میں اونچائی

پر ہوا میں ہی اس جنگل کے تقریباً وسط میں پہنچ گیا۔ جنگل بہت گھنا تھا

اس لیے یہ اندازہ نہیں لگایا جاسکتا تھا کہ نیچے کوئی پانی کا حوض ہے کہ نہیں۔ میں نے خدا کا نام لے کر اس میں گھسنے کا ارادہ کر لیا۔ ایک مناسب جگہ ڈھونڈ کر میں تیزی سے جنگل میں گھس گیا۔ جیسے ہی میں جنگل کی حدود میں داخل ہوا ایک دم کہرام مچ گیا اور بے شمار مخلوقات میرے طرف جھپٹی۔ ان میں وہ مکڑے نما مخلوق بھی تھی جس کا آیان نے ذکر کیا تھا۔ میں نے چند ایک کو اپنی ارتکا زتوجہ سے جلا دیا۔ میرا خیال تھا کہ باقی ڈر کر مجھے سے دور بھاگے گیس۔ مگر ان پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ بلکہ ایک مکڑے نے مجھ پر اپنا جالا پھینک دیا۔ یہ جالا بڑا عجیب سا تھا۔ جیسے ہی میری روح پڑا مجھے ایک دم گھٹن کا احساس ہونے لگا اور میری روح تیزی سے زمین پر آگئی۔ مجھ سے اب جالے سمیت اڑا نہیں جا رہا تھا۔ یہ ویسا ہی جالا تھا جیسا شیوا اور اس کے ساتھی میری غار کے گرد بن رہے تھے۔ یقیناً یہ جادوئی جالا تھا۔ میں نے اپنی

ارتکاز کی توجہ سے اسے جلانے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکا۔ یہ میرے لیے حیرت کا ایک جھٹکا تھا۔ میرے زمین پر آتے ہی تمام مخلوقات میرے گرد اکٹھی ہو گئی۔ اور پھر ایک انتہائی بدنما اور کافی موٹی مخلوق جو کم از کم پندرہ فٹ اونچی تھی، نے مجھے جالے سمیت اٹھا لیا اور ایک طرف کوچل پڑی۔ میں نے جلدی سے ارتکاز توجہ سے اس مخلوق کو جلانے کی کوشش کی مگر کوئی کامیابی نہ ہوئی۔ مجھے احساس ہوا کہ اس جالے کی وجہ سے میری ارتکاز توجہ کی قوت بھی کام نہیں کر رہی اور اب مجھے روحانی تھکاوٹ بھی محسوس ہو رہی تھی بالکل اسی طرح جیسے مشق کے دوران جب مشق کا احتتام قریب ہوتا تھا تو مجھے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے میری روح تھک سی گئی ہے۔

وہ مخلوق مجھے لیے تیزی سے جنگل میں سفر کر رہی تھی مجھے احساس ہو گیا کیا وہ مجھے جنگل سے باہر کی جانب لے جا رہی ہے۔ اس بدنما مخلوق



کے چار پاؤں تھے اور کم از کم چھ ہاتھ تھے۔ ایک شاخ نماد م بھی تھی۔  
صرف چند لمحوں میں وہ مجھے لیے جنگل سے باہر آ گئی اور یہ دیکھ کر  
میرے اوسان خطا ہو گئے کہ اس کا رخ اسی برگد کے جھنڈ کی طرف تھا  
جہاں میں جسمانی طور پر الٹی پالٹی مارے بیٹھا تھا۔ یقیناً اسے میرے  
جسم کا پتہ چل گیا تھا۔ نجانے کیوں مجھے پہلی بار بہت خوف محسوس ہوا  
اگلے ہی لمحے وہ مخلوق مجھے لیے اس جھنڈ میں میرے اپنے جسم کے  
سامنے تھی۔ باقی مخلوقات جنگل میں ہی رہ گئی تھیں۔ اس مخلوق نے  
اپنے ایک ہاتھ سے میرے جسم کو ہوا میں اٹھایا اور ایک درخت کے  
تنے کے ساتھ باندھنے لگی۔ میری روح ایک دم سے بے چین ہو  
گئی۔ شاید اس لیے کہ جسم روح کو واپس مانگ رہا تھا اور میری روح  
اس جادوئی جالے میں قید تھی۔ عجیب سی بلکہ کسی حد تک تکلیف دہ بے  
چینی تھی وہ۔ جب وہ میرے جسم کو اچھی طرح باندھ چکا تو اچانک

اس نے مجھے جالے سمیت میرے اپنے جسم پر اچھا دیا۔ ایک چھنا کہ  
سا ہوا اور میری آنکھ کھل گئی۔ میں درخت سے بندھا ہوا تھا۔ وہ مخلوق  
اب مجھے نظر نہیں آرہی تھی یقیناً وہ صرف روحانی آنکھ سے ہی نظر آ سکتی  
تھی۔ اس نئی سچویشن نے مجھے ہلا کر رکھ دیا تھا۔ ابھی میں اس سے  
نجات کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک مجھے اپنے گرد  
جھاڑیاں سی اکھٹی ہوتی نظر آئیں۔ ایسا لگ رہا تھا کہ کوئی اندیکھی  
قوت وہ جھاڑیاں ادھر ادھر سے اکٹھی کر کے میرے گرد ڈالی جا رہی  
ہے۔ یقیناً یہ وہی مخلوق تھی جو اب مجھے نظر نہیں آرہی تھی۔ پھر کچھ ہی  
دیر میں میرے ارد گرد اتنا ڈھیر اکٹھا ہو گیا کہ میں خود اس میں دب کر  
رہ گیا۔ میں نے جلدی سے آنکھیں بند کر کے روحانی پرواز کی کوشش  
کی تو مجھے اپنی گرد وہی جادوئی جال نظر آیا۔ وہ ابھی بھی میرے گرد تھا  
مگر میری انسانی آنکھوں کو نظر نہیں آرہا تھا۔ اس جال کی وجہ سے میری

روح بے بس تھی۔

میں نے آنکھیں کھول دیں۔ مجھے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اس مخلوق سے  
چھٹکارا کیسے حاصل کیا جائے۔ ابھی میں اس کے بارے میں سوچ  
ہی رہا تھا کہ یہ دیکھ کر میرے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے کہ ان  
جھاڑیوں نے آگ پکڑ لی تھی۔ اسی مخلوق نے ایک طرف سے ان  
جھاڑیوں کو آگ لگا دی تھی۔ جھاڑیاں چونکہ کافی خشک تھیں اس لیے  
آگ بہت تیزی سے میرے چاروں طرف پھیل رہی تھی اور میرے  
قریب آتی جا رہی تھی۔ مجھے اپنی موت سامنے نظر آ رہی تھی۔ میں نے  
ارتکا زتوجہ سے اس آگ کو بجھانے کی بڑی کوشش کی مگر اس جادوئی  
جالے کی وجہ سے میری کوئی بھی کوشش کامیاب نہیں ہو سکی۔ اتنے میں  
آگ میرے بہت ہی قریب آ گئی اور مجھے اس کی تپش اپنے جسم پر  
محسوس ہونے لگی۔ میں شاید زندگی میں پہلی بار بہت خوفزدہ ہو گیا

تھا۔ مجھے اس مصیبت سے نجات کا کوئی راستہ سمجھائی نہیں دے رہا تھا۔ اور پھر آہستہ آہستہ آگ کی تپش میرے لیے ناقابل برداشت ہونے لگے اور نجانے کب میرے حلق سے درد بھری چیخیں نکلنے لگیں۔ آگ میرے سارے جسم کو جلانے جا رہی تھی۔ اس مصیبت کی گھڑی میں اچانک مجھے یاد آگیا کہ جب بھی میرے لیے سارے راستے بند ہوتے ہیں تو آیت کریمہ میری مدد کرتی ہے۔ بس اس خیال کے آتے ہی میں نے ہمت کر کے اپنی چیخوں پر قابو پایا اور اونچی آواز میں آیت کریمہ کی تلاوت کرنی شروع کر دی۔ آگ نے میرے جسم پر بہت سے آبلے بنا دیے تھے مگر میں اس تکلیف سے اپنے آپ بھلاتے ہوئے پورے انہماک سے آیت کریمہ پڑھ رہا تھا اور پھر میں آخری بار مکمل ارتکاز توجہ سے اپنے گرد موجو اس جادوئی جالے کو توڑنے کی کوشش کی۔ ایک جھٹکے سے میں آزاد ہو گیا۔ آیت کریمہ نے میری



پھر مدد کی تھی مگر شاید مجھے دیر ہو گئی تھی کیونکہ میرے چاروں طرف،  
اوپر اور نیچے آگ ہی آگ تھی اور میں اس آگ میں زندہ روسٹ  
ہوئے جا رہا تھا۔ میرے جسم کے گرد درسیاں بھی اب جلی چکی تھیں۔  
اب میری قوت برداشت بھی ختم ہو گئی تھی اس لیے میرے حلق سے  
صرف اور صرف چیخیں نکل رہی تھیں۔ لیکن جیسے کہتے ہیں کہ جب  
بات جان بچانے کی بات ہو تو انسان کی پتہ نہیں کون کونسی قوتیں بیدار  
ہو جاتی ہیں اسی طرح پتہ نہیں کہاں سے میرے اندر اتنی قوت پیدا  
ہوئی کہ میں نے ایک لمحے کو اپنی آنکھیں بند کیں اور اپنی روحانی  
آنکھوں سے خود اپنے جسم کو دیکھتے ہوئے ارتکاز توجہ سے اسے اس  
آگ سے نکالا۔ اور پھر مجھے کچھ ہوش نہیں رہا۔ آخری احساس یہ تھا  
کہ میں اس آگ لگے جھنڈ سے کوئی بیس فٹ دور گھاس والی زمین پر  
لیٹا ہوا تھا اور میرا سارا جسم بری طرح جل چکا تھا۔ بس اس احساس

کے ساتھ ہی میں بے ہوش ہو گیا۔

جی ہاں بے ہوش اس لیے کہہ رہا ہوں کہ اگر میں مر گیا ہوتا تو دوبارہ ہوش نہ آتا۔ مگر مجھے دوبارہ ہوش آیا۔ میں نے اپنے آپ کو ایک عجیب و غریب چھوٹی سی میٹھی میٹھی ایک بوڑھا میرے سارے جسم کو جو ننگ دھڑنگ زمین پر پڑا تھا کسی مائع سے لپ کر رہا تھا۔ وہ مائع اس کے ہاتھ میں موجود پیالے میں تھا۔ جیسے ہی مجھے ہوش آیا میرے حلق سے تکلیف کے مارے چیخیں نکلتی لگیں۔ اس بوڑھے نے ایک عجیب سے جڑی بوٹی میرے ناک کے قریب کی اور مجھے پھر کوئی ہوش نہ رہا۔ دوبارہ ہوش آیا تو میں اسی طرح لیتا تھا اور میرے جسم پر عجیب سے بڑے بڑے پتے موجود تھے اور اب مجھے جلن بہت کم اور قابل برداشت حد تک محسوس ہو رہی تھی۔ لگتا تھا اس مائع لپ نے اپنا اثر کیا تھا۔ میں نے آنکھیں کھما کر ادھر ادھر دیکھا مگر قریب کوئی بھی نہیں

تھا۔ جھونپڑی میں بہت کم روشنی تھی۔ شاید باہر اندھیرا ہونے والا تھا۔ میں کچھ دیر اسی طرح پڑا ادھر ادھر دیکھتا رہا۔ مجھے اپنے محسن کی تلاش تھی مگر وہ وہاں نہیں تھا۔ تقریباً ایک گھنٹے تک اسی طرح پڑے رہنے کے بعد آخر میں نے کچھ حرکت کا ارادہ کیا۔ کوشش کر کے میں اٹھا اور ابھی بیٹھ بھی نہ پایا تھا کہ مجھے تیز جلن نے بے حال کر دیا۔ میرے حلق سے پھر چیخیں نکلتی گئیں اور میں تکلیف کی شدت سے بے ہوش ہوتا چلا گیا۔

تیسری بار ہوش آیا تو ہر طرف اندھیرا سا تھا۔ اور اس اندھیرے میں بس ایک چراغ روشن تھا۔ میرے جسم میں درد پھر قابل برداشت تھی اور اب کی بار میں نے ڈر کے مارے سر بھی ہلانے کی کوشش نہیں کی۔ صرف آنکھوں کو حرکت دے کر دیکھا کہ وہ بوڑھا میرے پاس ہی بیٹھا ہوا تھا اور اس کی ہاتھ میں کوئی عجیب سے مالا تھی جس میں

بڑے بڑے پتھر چنے ہوئے تھے۔ اس نے کسی اجنبی سے زبان میں مجھے کچھ کہا۔ میں کچھ بھی نہ سمجھ سکا۔ پھر میں نے کچھ کہنے کی کوشش میں زبان ہلانے کی کوشش کی تو ایک صدمہ سا ہوا کہ میرا منہ سلا ہوا تھا۔ جی ہاں میرا منہ مکمل طور پر بند تھا اور میں زبان ہلانا تو دور کی بات منہ کھول بھی نہیں پارہا تھا۔ اس بوڑھے کو شاید میری اس کیفیت کا اندازہ ہو گیا اس لیے اس نے مجھے اشارے سے آرام کرنے اور حرکت نہ کرنے کا کہا۔ میں خاموش، زخموں اور نہ بولنے کے صدمے سے دوچار بے حرکت لیٹا رہا۔ پتہ نہیں کتنی دیر گزر گئی اور پھر میری آنکھ لگ گئی۔

آنکھ کھلی تو اپنی حالت پہلے سے کافی بہتر معلوم ہوئی۔ سب سے زیادہ خوشی کی بات یہ تھی کہ میرا منہ اب کھل رہا تھا۔ میں نے کوشش کر کے سر ہلایا اور یہ جان کر اور بھی خوشی ہوئی کہ کوئی نئی تکلیف سر ہلانے سے



پیدا نہیں ہوئی تھی۔ میں نے دیکھا کہ میری دائیں جانب جھونپڑی کا دروازہ تھا اور اس دروازے کے باہر وہ بوڑھا زمین پر بیٹھا کچھ اونچی آواز میں بڑبڑا رہا تھا۔ مگر وہ اجنبی زبان میری سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ میں کچھ دیر بیٹھا اسے دیکھتا رہا۔ پھر ایک عجیب سا منظر میری آنکھوں نے دیکھا۔ اس بوڑھے نے تیزی سے کچھ زمین پر پھینکا اور ایک سفید دھواں تیزی سے ہوا میں بلند ہوا۔ اس دھوئیں نے ایک ہیولے کی سی شکل اختیار کر لی اور پھر اس ہیولے میں ناک، کان اور آنکھیں نمایاں ہو گئیں۔ اس ہیولے کے بیچ و بیچ کوئی انسانی چہرہ نظر آرہا تھا۔ یہ منظر بڑا ہی حیرت انگیز تھا۔

اس بوڑھے نے اپنی زبان میں اس ہیولے سے کچھ باتیں کیں اور ایک بار پھر کچھ اسی طرح زمین پر پھینکا تو وہ ہیولہ ہوا میں تحلیل ہو گیا۔ اس کام سے فارغ ہو کر وہ اٹھ کر اندر آ گیا۔ مجھے ہوش میں دیکھ کر وہ

میرے پاس آ گیا۔ پھر اس نے مجھے سہارے سے اٹھا کر بیٹھا دیا۔  
اس بار مجھے اٹھنے سے تکلیف نہیں ہوئی تھی۔ پھر اس نے ایک پیالے  
میں کوئی عجیب سا مائع مجھے پینے کے لیے دیا۔ میں نے آہستہ آہستہ  
چھوٹے چھوٹے گھونٹوں میں اسے پینا شروع کر دیا۔ وہ عجیب سا پانی  
تھا مگر اسے پینے کے کچھ لمحوں کے بعد ہی مجھ اپنے جسم میں نئی توانائی کا  
احساس ہوا۔ میں نے ممنوعیت سے اس بوڑھے کی طرف دیکھا۔  
بوڑھے کا چہرہ سیاٹ تھا۔ اس میں خلوص یا ہمدردی نام کی کوئی چیز نہیں  
تھی۔ اس سے مجھے حیرت تو ہوئی مگر یہ سوچ کر میں نے اسے نظر  
انداز کر دیا کہ کچھ لوگوں کے چہرے ان کے جذبات کی درست  
ترجمانی نہیں کر رہے ہوتے۔

میں وہاں اس جھونپڑی میں تقریباً دس دنوں تک اسی طرح رہا۔ وہ  
بوڑھا روزانہ صبح کو میرے جسم پر وہ لیپ کرتا اور پھر انہی عجیب سے

بتوں سے میرا جسم ڈھک دیتا۔ تاہم میں نے محسوس کیا کہ وہ بوڑھا  
بہت ہی عجیب و غریب مشغال میں مصروف رہتا تھا۔ کبھی اسی ہیولے  
سے باتیں کرتا رہتا اور کبھی کچھ دیر کے لیے باہر جنگل میں چلا جاتا۔  
ایک بار بارش ہوئی تو اس جھونپری کی چھت ٹپکنے لگی۔ اس بوڑھے  
نے پتہ نہیں کیا عمل کیا کہ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کوئی شخص چھت پر  
چڑھ گیا ہو اور اس نے باقاعدہ اس حصے کی مرمت کی جہاں سے چھٹ  
ٹپک رہی تھی۔ ایسی ہی کچھ اور بھی عجیب و غریب حرکتیں میں نے اس  
سے سرزد ہوتی ہوئی دیکھیں۔ دس دن کے بعد اس نے لیپ کرنا بند کر  
دیا اور مجھے آزادی سے چلنے پھرنے کو کہا۔ تاہم اب اس نے ایک  
بتوں سے بنا لباس مجھے اوڑھنے کو دے دیا۔ میں حیران تھا کہ ان دس  
دنوں میں میرا مکمل طور پر جلا ہوا جسم بہت تیزی سے واپس بحالی کی  
طرف جا رہا تھا۔

میں نے کچھ چلتے ہوئے جھونپڑی سے باہر قدم رکھا اور پھر کچھ دیر تک چہل قدم کرتا رہا۔ اسی شام میں نے اپنے روحانی مشق کی اور مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ میری روح میرے جسم کی نسبت تروتازہ اور صحت مند تھی۔ پھر دوسرے دن میں نے اس بوڑھے سے اشاروں کی زبان میں بات کرنے کی کوشش کی۔ ویسے تو وہ ساری باتیں سمجھتا تھا اور مجھے جواب بھی دے رہا تھا مگر جب میں نے اس کا شکریہ ادا کرنے کی کوشش کی کہ اس نے میری جان بچائی تو وہ ایسا بن گیا جیسے اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا ہو۔ میں نے ایک بار یہ بھی پوچھا کہ اس نے میری جان کیوں بچائی مگر اسے بھی وہ سنی ان سنی کر گیا۔

بہر حال میں نے اس سے جانے کی اجازت مانگی تو اس نے بڑے سخت سے انداز میں مجھے وہی رہنے کو کہا۔ مجھے لگا کہ وہ جنگل میں رہ کر خود بھی جنگلی بن گیا ہے اس لیے بجائے محبت سے مجھے اپنے پاس



روکنے کے وہ سختی سے ایسا کہہ رہا ہے۔ یہ سوچ کر میں نے اس کے  
اس انداز کو بھی نظر انداز کیا۔

اسی دن شام کو میں اکتاہٹ سے مجبور ہو کر آیان کو بلانے کا فیصلہ کیا۔  
کوئی تو ہونا چاہیے تھا جس سے میں کچھ بات کر سکتا۔ سورہ جن مجھے  
حفظ ہو چکی تھی اس لیے میں نے وضو کیا اور اسے پڑھ کر آیان کو  
آوازیں دیں۔ تیسرے آواز پر وہ حاضر ہو گیا۔

”جی آقا!۔۔ آپ نے مجھے یاد کیا۔“ آیان نے غور سے مجھے دیکھتے  
ہوئے کہا۔

”ہاں آیان!۔۔ بس خاموش رہ رہ کر اکتا سا گیا تھا۔“ میں نے  
بدستور اکتاہٹ سے کہا اور پھر اسے اپنے پر بیتنے والی کہانی سنا دی۔  
”آقا!۔۔ میں نے تو آپ کو خبردار کیا تھا۔“ آیان نے مجھے یاد  
دلاتے ہوئے کہا۔

”ہاں تم ٹھیک کہتے ہو۔“ میں نے افسردہ لہجے میں کہا۔ ”غلطی میری

ہی ہے میں نے کچھ جلد بازی سے کام لیا۔“

”اب کیا ارادہ ہے آقا“ آیان نے پوچھا۔

”کچھ نہیں سوچا ابھی۔۔۔ فی الحال میں کسی طرح اس بوڑھے کا شکر

یہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔ اس نے ہی میری جان بچائی ہے۔“ میں نے

ممنوعیت سے بھرے لہجے میں کہا۔  
www.define.pk

”آقا یہ بوڑھا کون ہے؟“ آیان نے کچھ حیرت سے پوچھا۔

”مجھے نہیں معلوم۔ یہ شاید نیپالی زبان بولتا ہے جو میری سمجھ میں نہیں

آتی۔“ میں نے بے چارگی سے کہا۔

ابھی ہم باتیں کر رہے تھے کہ اچانک وہ بوڑھا آگیا اور یہ دیکھ کر

مجھے بڑی حیرت ہوئی کہ اس نے ایک دم آیان کی طرف دیکھا۔ یعنی

اسے آیان کی موجودگی کا عمل ہو گیا تھا جبکہ جن عام آدمیوں کو نظر نہیں

آتے۔ پھر اس سے پہلے کہ میں کچھ کہتا۔ اچانک ہی آیان نے  
مودبانہ لہجے میں اس بوڑھے سے کہا۔

”حضور آپ!۔۔۔ میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس ویرانے میں  
آپ سے ملاقات ہو جائے گی۔ ہم نے تو ہمیشہ آپ کو محل میں ہی  
دیکھا ہے۔“

میں آیان کے لہجے اور انداز پر بڑا حیران ہوا اور پھر دوسرا حیرت کا جھٹکا  
مجھے اس وقت لگا جب اس بوڑھے نے بھی اردو زبان میں جواب  
دیتے ہوئے کہا۔

”تم یہاں کیا کر رہے ہو۔“

یہ میرے لیے بڑھی حیرت کی بات تھی کیونکہ اتنے دنوں سے ہم ساتھ  
رہ رہے تھے مگر اس نے ہمیشہ مجھ سے اشاروں میں بات کی اور میں  
بھی یہ سمجھتا رہا کہ شاید وہ کوئی اجنبی زبان سمجھتا ہے۔

”حضور!۔۔۔ یہ سلیمان صاحب کسی دور میں میرے آقا رہے ہیں۔  
بس کبھی کبھی یہ مجھے یاد کر لیتے ہیں تو ان سے دو باتیں کرنے آ جاتا  
ہوں۔“ آیان نے اسی طرح مودبانہ لہجے میں کہا۔

اس سے پہلے کہ وہ بوڑھا کچھ بولتا۔ میں جلدی سے بول پڑا۔  
”آیان!۔۔۔ یہ سب کیا ہے۔ اور آپ بوڑھے میاں!۔۔۔ پہلے تو  
آپ مجھ سے اشاروں میں بات کھڑے تھے یہ اچانک آپ ہماری  
زبان کیسے بولنے لگے۔“ میں نے حیرت کی شدت سے کہا۔  
”ہم سب زبانیں بول لیتے ہیں مگر اسی وقت جب ضرورت ہو۔“  
اس بوڑھے نے بدستور سخت لہجے میں کہا۔

”آقا!۔۔۔ یہ مادھولال سرکار ہیں۔ مشرقی سولومن کے صوبیدار“  
آیان نے تعارف کرواتے ہوئے مجھے حیرت کا ایک جھٹکا دیا۔  
”بس بس!۔۔۔ اب تم جاسکتے ہو۔“ مادھولال نے جلدی سے کہا۔



شاید اسے آیان کا تعارف کروانا پسند نہیں آیا تھا۔

”جو حکم سرکار!“ آیان نے کہا اور پھر بغیر مجھ سے اجازت لیے وہ

وہاں سے چلا گیا اور میں حیرت کا بت بنا اس بوڑھے کو تکے جا رہا

تھا۔ کچھ دیر خاموشی کے بعد میں نے ہی سلسلہ کلام دوبارہ شروع کیا۔

”میں تو آپ کا شکر یہ ادا کرنا چاہتا تھا مگر آپ نے موقع ہی نہیں دیا۔

کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ اس میں کیا مصلحت تھی؟“ میں بدستور

www.pdfbooksfree.pk

حیرت زدہ تھا۔

”کبھی کبھی زیادہ جان لینا خطرناک ہوتا ہے اور یہ بات یہاں پر

بالکل درست ثابت ہوتی ہے۔“ مادھولال نے اسی طرح سخت لہجے

میں کہا۔ ”تمہاری اطلاع کے لیے صرف اتنا بتا دیتا ہوں کہ تم اس

وقت طالب سرکار کی قید میں ہو اور مجھے تمہارا نگران بنایا گیا ہے۔“

میرے سر پر حیرت کا ایک پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ کچھ دیر خاموش رہنے کے

بعد میں پھر گویا ہوا۔

”مجھے سخت حیرت ہے کہ اگر میں قید میں ہی ہوں تو مجھے مرنے سے بچایا کیوں گیا؟ میں نے اس جنگل میں گھس کر قانون شکنی کی تھی اس کی پاداش میں مجھے جلا دیا گیا۔ پھر تم نے یا پھر طالش سرکار نے مجھے کیوں بچایا؟“ میں نے انتہائی الجھے ہوئے لہجے میں کہا۔

مادھولال کچھ دیر تک خاموشی سے مجھے گھورتا رہا اور پھر ایک دم تیز لہجے میں بولا۔

”بس بس!۔۔۔ میں نے کہہ دیا نہ کہ کوئی اور بات نہیں۔ صبح طالش سرکار کی واپسی ہے۔ وہی تم سے مل کر کوئی فیصلہ کریں گے۔“ مادھو لال کا لہجہ حتمی تھا اس لیے میں نے مزید کوئی سوال نہیں کہا تاہم مجھے اب اچھی طرح احساس ہو گیا تھا کہ میں یہاں ایک قیدی ہوں۔ وہ دن بھی کسی نہ کسی طرح گزر گیا اور پھر اگلے دن مادھولال میرے پاس

آیا۔

”چلو تیار ہو جاؤ!۔۔۔ آج تمہاری پیشی ہے طالش سرکار کے ہاں“

اس کا لہجہ حسب معمول سخت ہی تھا۔ ”اور یہ بھی بتاتا چلوں کہ طالش

سرکار غصے کے بہت تیز ہیں اس لیے ان کے سامنے جھوٹ بولنے یا

پھر کوئی چلا کی کرنے کی کوشش مت کرنا۔“

میں نے سر جھکا لیا۔ تیار کیا ہونا تھا۔ بس جسم سے وہ پتے اتار کر ایک

لباس جو مادھولال ہی لایا تھا اسے پہن لیا۔ اور پھر مادھولال نے

جھونپڑی کی ایک دیوار پر کچھ پڑھ کر پھونکا۔ دیوار میں ایک دروازہ

نمودار ہوا۔ اس نے میرا ہاتھ پکڑا اور اس دروازے کو کھول کر اندر

داخل ہو گیا۔ میں بھی اس کے پیچھے پیچھے اندر داخل ہو گیا۔ اندر داخل

ہوتے ہی مجھے ایک جھٹکا لگا۔ ہم ایک بہت ہی عظیم الشان محل کے

سامنے کھڑے تھے۔ مادھولال مجھے لیے ہوئے آگے بڑھا۔ محل کے

دروازے پر محافطوں نے جھک کر اسے سلام کیا۔ ایک بار تو میرے  
دل میں آئی کہ میں یہاں سے بھاگ نکلوں۔ مگر مجھے اندازہ تھا کہ  
مادھولال مزاحمت کرے گا اور چونکہ میں اس کا ممنون تھا کہ اس نے  
میری جان بچائی ہے اس لیے میں فی الحال اس کو کوئی نقصان نہیں  
پہنچانا چاہتا تھا۔ دوسری بات یہ تھی کہ میں خود اب اس راز سے پردہ  
اٹھانا چاہتا تھا کہ مجھے زندہ کیوں دکھا گیا۔ اور طالش جو کہ میرے  
سارے خاندان کو قتل کرنے والا ہے۔ وہ مجھ سے ملنا کیوں چاہتا  
ہے۔

محل میں داخل ہوتے ہی ہم لوگ ایک راہداری میں چل پڑے۔ اس  
راہداری کے اختتام پر ایک دروازہ تھا جو بند تھا اور اس پر ایک دربان  
کھڑا تھا۔ مادھولال نے اس دربان کے ہاتھ اپنے آنے کا پیغام اندر  
بھجوایا۔ تھوڑی ہی دیر میں ہمیں اندر بلا لیا گیا۔



اندر ایک عظیم الشان کمرہ سجا ہوا تھا۔ ایک سائیڈ پر اونچی جگہ پر ایک بڑی کرسی پڑی تھی جس پر ایک بدنما شکل والا جن بیٹھا تھا۔ اس کے چہرے سے ہی فرعونیت ٹپکی پڑ رہی تھی۔

”عظیم طالش سرکار کی خدمت میں بندہ قیدی لیے حاضر ہے۔“

مادھولال نے سر جھکا کر انتہائی مودبانہ انداز میں کہا۔

”ہوں!۔۔۔ تو یہ ہے وہ ہادی“ طالش جن نے انتہائی برا سامنہ

بناتے ہوئے کہا۔ ”یہ تو بہت ہی بودا نکلا۔ وہ سوالہ تو ایسے ڈرار ہا تھا

جیسے یہ کوئی توپ چیز ہو۔“

”عظیم طالش سرکار کے سامنے تو توپ چیزیں بھی تنکے سے زیادہ

حیثیت نہیں رکھتی۔“ مادھولال نے خوشامدانہ لہجے میں کہا۔

”طالش کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ مجھے جلنے سے کیوں بچایا گیا۔ مجھے

علم ہے کہ تم نے میرے سارے خاندان کو قتل کیا اور میری بھی جان

کے پیچھے ہو۔ مگر مجھے سمجھ نہیں آئی کہ تم لوگوں نے میری جان کیوں بچائی۔“ میں نے الجھے ہوئے لہجے میں کہا۔

”ہم کیڑوں مکوڑوں سے بات نہیں کیا کرتے۔“ طالش جن نے منہ بناتے ہوئے کہا۔ ”مادھولال اس کو تخت پر لے چلو“

”جو حکم سرکار!“ مادھولال نے مجھے ایک طرف کوکھینچتے ہوئے کہا۔ مگر

اب میری ہمت جواب دے گئی تھی۔ میں نے ارتکا زتوجہ سے مادھو

لال کو اٹھا کر دور پٹخ دیا اور پھر اپنی مکمل یکسوئی سے طالش جن کو دیکھتے

ہوئے وہ ورد شروع کر دیا جس سے جنوں کے جسم کو آگ لگ جاتی

ہے۔ یہ وہ جن تھا جس نے میرے والدین کو میری ہوش سے پہلے ہی

قتل کروا کر مجھے لاوارث کر دیا۔ طالش جن جو کسی قدر حیرت سے

مادھولال کو دور گرتے دیکھ رہا تھا، ایک لمحے کے لیے اس کے چہرے

پر ناگواری کے تاثرات ابھرے۔ اس نے گھور کر میری طرف دیکھا

شاید اسے جلنے والی تکلیف کا سامنا تھا اور پھر اس نے منہ ہی منہ میں  
کچھ پڑھا۔ دوسرا لمحہ میرے پر بہت بھاری تھا۔ مجھے ایسا لگا جیسے  
میرے سارے جسم میں آتش فشان بھر گیا ہو۔ میرے جسم کا ذرہ ذرہ  
آگ اگل رہا تھا اور نہ چاہتے ہوئے بھی میرے حلق سے چیخیں نکل  
رہی تھیں۔ اتنے میں مادھو لال اٹھ کھڑا ہوا اور پھر اس نے مجھے گھور کر  
دیکھا اور میرا جسم ہوا میں اٹھتا چلا گیا۔ یقیناً وہ بھی ارتکا کا توجہ کا ماہر  
تھا۔ پھر وہ مجھے لیے ہوئے دوسرے کمرے میں داخل ہوا جہاں پر  
ایک لکڑی کا تخت پڑا تھا۔ اس نے مجھے اس تخت پر لٹا دیا۔ جیسے ہی میرا  
جسم اس تخت سے مس ہوا ایک دن اس تخت کے دونوں اطراف سے  
چمڑے کے بیلٹ میرے سارے جسم کے گرد کستے چلے گئے۔ میں  
حیرت سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا کہ اچانک اس تخت کا نچلہ حصہ جو  
میری کمر کے نیچے تھا تیز اور نو کیلے کیلوں میں تبدیل ہو گیا جو میرے

جسم میں تیزی سے گھس گئے۔ میرے حلق سے بے اختیار چنچیں نکلی  
تیز ہو گئی۔ طالش جن کے عمل سے تو میرا رواں رواں پہلے ہی آگ بنا  
ہوا تھا مگر اب ان نو کیلے کیلوں نے رہی سہی کسر بھی پوری کر دی۔ میں  
نے دیکھا کہ میرے جسم سے خون تیزی سے نکل رہا تھا۔ مجھے اور تو  
کچھ نہیں سوچا اپنے آخری داؤ کے طور پر میں اونچی آواز میں آیت  
کریمہ تلاوت کرنا شروع کر دی۔ آیت کریمہ کی تلاوت کی برکت  
سے طالش جن کے دیے ہوئے عذاب سے تو جان چھوٹ گئی مگر یہ  
نو کیلے مسلسل میرے جسم میں پیوست تھی اور خون بہت تیزی سے  
نکل رہا تھا۔ اب میں نے غور کیا کہ وہ خون مختلف راستوں سے ہوتا  
ہو اور زمین پر پڑے ایک بت کے سر پر گر رہا تھا۔ ابھی میں اسے  
دیکھ ہی رہا تھا کہ اچانک تیز روشنی کا چھنا کہ ہوا اور میں نے عظیم شوالہ  
کی روح کو دیکھا۔ عظیم شوالہ کے ہاتھ میں ایک لمبی سی چھتری تھی۔ اس



نے وہ چھتری زور سے مادھولال کی طرف جھٹکی اور مادھولال کا جسم کئی ٹکڑوں میں تقسیم ہو گیا۔ پھر انہوں نے اسی انداز میں چھتری کو جھٹکا دیا اور میرے نیچے موجود تخت درمیان سے ٹوٹ گیا۔ میں بدستور بندھا ہوا تھا مگر اس کے ٹوٹتے ہی نو کیلے کیل غائب ہو گئے اور چمڑے کے بیلٹ خود بہ خود کھل گئے۔ بیلٹ کھلتے ہی میں ایک جھٹکے سے نیچے گر پڑا عظیم شوالہ نے میرے قریب آ کر منہ ہی منہ میں کچھ پڑھا اور ایک دم میرے ارد گرد کا منظر تبدیل ہو گیا۔ اب میں ایک بند کمرے میں تھا جس میں ایک چار پائی پڑی ہوئی تھی۔ عظیم شوالہ نے جلدی سے ایک تعویذ میری طرف اچھالا۔

”اسے باندھ لو اور کبھی اپنے سے جدا مت کرنا۔ خدا تمہیں ان ظالموں سے محفوظ رکھے گا۔“ ان کے لہجے میں فکر مندی نمایاں تھی۔ اس تعویذ کو دیکھتے ہی مجھے یاد آیا کہ ایسا ہی تعویذ میرے پاس پہلے بھی

تھا مگر وہ آگ میں جلنے کی وجہ سے ضائع ہو گیا تھا۔ میں نے جلدی سے وہ تعویذ اپنے گلے میں لٹکا لیا۔

اسی لمحے اس کمرے کا اکلوتا دروازہ کھلا اور ایک نوجوان لڑکی اندر داخل ہوئی۔

”ثانی بیٹا!۔۔۔ یہ سلیمان ہے اور اب یہ تمہارے حوالے۔“ عظیم شوالہ نے جلدی سے کہا اور پھر تیزی سے ہوا میں بلند ہو کر تحلیل ہو گئے۔

یہ سب کچھ چشم زدن میں ہو گیا تھا۔ میں ابھی حالات کو سمجھنے کی کوشش ہی کر رہا تھا کہ مجھے تیز چکر آیا اور میں لڑکھڑا کر زمین پر گر پڑا تھا۔ میری صحت پہلے بھی اچھی نہ تھی اوپر سے بہت سارا خون بھی نکل چکا تھا۔ نکاہت سے برا حال تھا۔ اس لڑکی نے، جسے عظیم شوالہ نے ثانی کے نام سے پکارا، مجھے اپنی ارتکا زتوجہ سے اٹھایا اور بستر پر لیٹا دیا۔

پھر وہ باہر نکل گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں  
جوس کا ایک گلاس تھا۔ جوس کا گلاس اس نے میری طرف بڑھا دیا۔  
میں نے چھوٹے چھوٹے گھونٹوں میں وہ گلاس ختم کیا تو جیسے جسم میں  
توانائی لوٹ آئی۔

”میں آپ کے حالات سے واقف ہوں اس لیے مجھے کچھ بتانے کی  
ضرورت نہیں ہے۔ آپ آرام کریں اور کسی چیز کی بھی ضرورت ہو  
مجھے آواز دے دیجئے گا۔ میرا نام ثانیہ ہے۔ میں ابھی آپ کے لیے  
کھانے کا انتظام کرتی ہوں۔“ ثانی نے کہا اور مڑ کر کمرے سے باہر  
چلی گئی۔

میں ابھی بھی نکاہت محسوس کر رہا تھا۔ میری کمر پر زخم بھی ٹیسیں دے  
رہے تھے۔ اس لیے آنکھیں بند کیے لیٹا رہا اور اپنے حالات کا جائزہ  
لیتا رہا۔ میں جو اپنے آپ کو بہت بڑی روحانی قوت سمجھ بیٹھا تھا طالش

جن کے سامنے ایک بچے کی مانند تھا۔ اس نے کتنی آسانی سے مجھے شکست دے دی تھی۔ واقعی وہ بہت ہی زبردست قوت والا جن تھا اگر عظیم شوالہ عین موقع پر پہنچ کر مجھے بچانہ لیتے تو یقیناً آج میری زندگی کا آخری دن ہوتا۔ مگر یہ بات مجھے ابھی ابھی الجھن میں ڈال رہی تھی کہ آخر مادھولال اور طالش جن نے مجھے جلنے کے بعد بچایا کیوں۔ اگر مارنا ہی مقصود تھا تو وہ مجھے آسانی سے اس حالت میں مار سکتے تھے۔ اور نہیں تو وہ مجھے ویسا ہی جلا ہوا بے ہوش چھوڑ دیتے تو یقیناً کچھ گھنٹوں کے بعد میری موت یقینی تھی۔ میں انہی سوچوں میں گم تھا کہ ثانی دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی۔ میں نے پہلی بار اسے بھرپور نظروں سے دیکھا اور مجھے اندازہ ہوا کہ وہ بہت خوبصورت لڑکی تھی۔ ”مجھے معلوم ہے کہ آپ کے زخم ابھی ہرے ہیں لیکن پھر بھی آپ پہلے یہ کھانا کھالیں پھر میں ان زخموں پر مرہم لگا دوں گی۔ پیٹ میں کچھ



جائے گا تو آپ کا جسم زیادہ بہتر زخموں کے خلاف مزاحمت کر سکے گا۔“ ثانی نے کھانا میرے آگے ایک میز پر رکھتے ہوئے کہا۔ میں آہستہ سے اٹھ کر بیٹھ گیا اور آہستہ آہستہ کھانا کھانے لگا۔ ثانی مجھے بغور دیکھ رہی تھی۔

”آپ نہیں کھائیں گیں؟“ میں نے مروٹا پوچھا۔

”نہیں میں نے ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی کھانا کھایا ہے۔ اور آپ بھی کوئی تکلف نہ کیجئے۔ آپ زخمی ہیں اس لیے اس کھانے کا دوا سمجھ کر کھا جائیں۔“ اس بار ثانی کے لہجے میں شوخی تھی۔

میں نے خاموشی سے کھانا کھایا۔ اور پھر لیٹنے لگا تو ثانی نے کہا۔

”لائیں میں آپ کی کمر پر مرہم لگا دوں۔ اس سے زخم جلدی بھر جائیں گے۔“ ثانی نے مجھے لیٹتے دیکھ کر کہا۔

”آپ زحمت نہ کریں میں خود ہی لگا لوں گا۔“ میں نے جھجکتے ہوئے

کہا کیونکہ وہ بہر حال لڑکی تھی۔

”اوہو!۔۔۔ کوئی تکلف نہیں۔ میں نے ایسا شخص اپنی زندگی میں کبھی نہیں دیکھا جو اپنی کمر پر نہاتے ہوئی صابن ہی لگالے تو آپ مرہم کیا لگائے گے؟“ اس کے لہجے میں وہی شوخی تھی۔ مجھے اندازہ ہوا کہ وہ کافی شوخ اور چیخیل واقع ہوئی تھی۔ اب مزید تردد کرنا مناسب نہیں تھا کیونکہ مجھے زخموں میں ٹیسسیں اٹھتی محسوس ہو رہی تھیں اور ان سے نجات اس مرہم سے ہی ممکن ہو سکتی تھی۔

میں نے ثانی کی طرف پیٹھ کی اور پھر اپنی قمیض جو کافی پھٹ گئی تھی کمر سے اٹھالی۔ ثانی نے مرہم لگانا شروع کر دیا۔ حالانکہ میری حالت ایسی نہ تھی کی اس سچویشن میں کچھ ایسا ویسا سوچتا مگر بہت عجیب سے احساسات کا تجربہ ہو رہا تھا جب بھی اس کا ہاتھ میرے جسم کو چھوتا تھا۔ کچھ دیر میں اس نے تمام زخموں پر مرہم لگا دیا۔ پھر مجھے آرام

کرنے کے کہہ کر چلی گئی۔

بستر پر لیٹتے ہوئے میں کچھ سوچ رہا تھا مگر پتہ نہیں کہاں سے تیز نیند کا جھونکا آیا اور مجھے سلا گیا۔ میں کافی دیر تک سوتا رہا اور پھر جب اٹھا تو کمرے میں زیر و پا اور کابلب آن تھا۔ میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ کمرے کا جائزہ لیا تو دیکھا کہ ایک طرف کھڑکی تھی جو پہلے کھلی تھی مگر اب بند تھی۔ باہر یقیناً اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ گھڑی پر وقت دیکھا تو اندازہ ہوا کہ رات کے تین بجے ہوئے تھے۔ شاید میں دوپہر سے اب تک سوتا رہا تھا اس لیے اب نیند پوری ہونے پر آنکھ کھل گئی تھی۔ میں اب نکاہت محسوس نہیں کر رہا تھا۔ کچھ دیر تک بیٹھے رہنے کے بعد میں نے چند قدم چلنے کا فیصلہ کیا۔ تاہم جیسے ہی میں اٹھ کر کھڑا ہوا ایک دم چکر سا آیا۔ مگر میں ہمت کر کے کھڑا رہا۔ کچھ دیر بعد میں نے چند قدم چل کر دیکھا۔ اب چکر نہیں آ رہا تھا۔ چند منٹ تک میں چہل قدمی کرتا رہا

اور پھر بستر پر آ کر بیٹھ گیا۔ کچھ سوچ کر میں آنکھیں بند کیں تاکہ اپنی روحانی آنکھوں سے اس گھر کا جائزہ لے سکوں مگر جیسے ہی میں نے ارتکاز توجہ کی کوشش کی ذہن بہت بری طرح چکرایا اور ساتھ ہی سر میں تیز درد شروع ہو گئی۔ تکلیف کی وجہ سے میں نہ چاہتے ہوئے بھی بستر پر لیٹ گیا۔ کافی دیر تک میں لیٹا رہا مگر سر درد ختم نہیں ہوا۔ پھر کچھ دیر تک یونہی بے حس و حرکت لیٹے رہنے سے مجھے ایک بار پھر غنودگی کا احساس ہوا اور پھر مجھے نیند آ گئی۔

دوبارہ تیز روشنی کے آنکھوں پر پڑنے کی وجہ سے آنکھ کھولی۔ دیکھا کہ ثانی کھڑکی کھول رہی تھی اور سورج چڑھ آیا تھا۔

”گڈ مارننگ!۔۔۔ سلیمان صاحب“ ثانی نے اپنے مخصوص شوخ لہجے میں کہا۔

”اسلام و علیکم!“ بے اختیار میرے منہ سے نکل گیا کیونکہ اماں اکثر



مجھے کہا کرتی تھیں کہ صبح کو اٹھ کر جب سب سے ملوں تو پہلے سلام کرو۔  
اس سے سارے دن کے کاموں میں برکت ہوتی ہے۔ لیکن میرے  
اس طرح سلام کرنے سے ثانی شرمندہ سی ہو گئی۔

”وعلیکم اسلام!۔۔۔ سوری مجھے یوں انگریزوں کی طرح گڈ مارنگ  
نہیں کہنا چاہیے تھا۔ آخر ہم مسلمان ہیں۔“ ثانی واقعی شرمندہ تھی۔

”کوئی بات نہیں۔ میں نے تو یوں ہی سلام کر دیا تھا۔ دراصل میری  
والدہ نے مجھے سکھایا ہے کہ صبح اٹھ کر سب سے پہلے جو بھی ملے اسے  
سلام کرو۔“ میں نے صاف لہجے میں اصل بات بتاتے ہوئے کہا۔  
”آپ کی والدہ نے بہت اچھی تربیت دی ہے۔“ ثانی نے تعریفانہ  
انداز میں کہا اور میں اماں کے تذکرے پر افسردہ ہو گیا۔

”اچھا یہ بتائیں کہ اب آپ کیسا محسوس کر رہے ہیں؟“ ثانی نے  
مجھے افسردہ دیکھ کر موضوع تبدیل کرتے ہوئے کہا۔

”بہت بہتر۔ آپ کا بہت بہت شکریہ کہ آپ نے میرا بہت خیال رکھا اور آپ کے لگائے ہوئے مرہم نے بھی خوب کام کیا۔“ میں نے ممنوعانہ انداز میں کہا۔

”چلیں یہ تو بہت اچھی بات ہے۔“ ثانی نے پھر اپنے مخصوص شوخی بھرے لہجے میں کہا اور پھر اچانک سنجیدہ ہوتی ہوئی بولی۔ ”آپ باہر آئیں گے تو دائیں جانب والا دروازہ واش روم کا ہے۔ آپ فریش ہو جائیں جب تک میں ناشتہ لگاتی ہوں۔“ اس نے جلدی سے کہا اور اس سے پہلے کہ میں کچھ کہتا وہ باہر نکل گئی۔

میں خاموشی سے اٹھ کر اس کے پیچھے ہی کمرے سے باہر آ گیا۔ یہ ایک کشادہ سالانہ منج تھا سا منے شاید کچن تھا کیونکہ ثانی اندر داخل ہو رہی تھی۔ سائیڈ پر کھانے کا ٹیبل پڑا تھا اور بائیں جانب پہلا دروازہ واش روم کا اور دوسرا شاید کسی کمرے کا تھا۔

فریش ہونے کے بعد جب میں باہر نکلا تو دیکھا کہ ثانی نے ٹیبل پر  
نشتہ لگا دیا تھا اور بیٹھی شاید میری رائی انتظار کر رہی تھی۔ میں بھی اس کے  
ساتھ ہی بیٹھ گیا۔

”آپ یہاں اکیلی ہی رہتی ہیں؟“ میں نے پوچھا۔  
”جی نہیں!۔۔۔ میری رہائش تو شہر میں ہے میں ادھر دادا جان کی  
خواہش پر آئی ہوں تاکہ آپ کی میزبانی ہو سکے۔“ ثانی نے کہا اور  
پھر آلیٹ کی پلیٹ میرے سامنے رکھ دی۔

”آپ کے دادا جان؟“ میں نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف  
دیکھا۔

”عظیم شوالہ میرے دادا جان ہیں۔“ ثانی نے مجھے بتایا۔ ”وہ اکثر  
مجھے ملنے آ جاتے ہیں۔ میں اپنی دادی کی ساتھ بنگور شہر میں ہی رہتی  
ہوں۔ بس آج صبح وہ مجھے ملنے آئے اور بولے کہ میں اس گھر میں جو

ہماری عی ملکیت ہے ان کا انتظار کروں۔ آپ کے بارے میں بھی انہوں  
نے غمخوار بنایا تھا ویسے میں پہلے بھی آپ کے بارے میں سنا ہوا تھا  
اس لیے ملنے کی حسرت بھی تھی سو چلی آئی۔“

”میرے بارے میں کہاں سے سنا ہوا تھا“ میں نے حیرت سے پوچھا۔

"سولومن میں اخبارات اسی طرح چھپتے ہیں جیسے کہ ہماری اس انسانی  
انہیں صرف سولومنی کے ہاں ہی اسے دیکھ لو پڑھ سکتے ہیں۔  
میں کہتا ہوں کہ جن کو ان لوگوں نے لکھا ہے وہ بالکل غلط ہے۔  
مجھے یوں سے دل بہتر ہو گیا تھا کہ اب میں یہ کہتا ہوں کہ  
میں کائنات میں نہایت بڑے کاموں کی طرف متوجہ رہتا ہوں۔"  
یہ ایک نیا ہیرو ہے جو اپنے آپ کو "دلی"

www.definitive.com



”حیرت ہے۔ مجھے اس کا احساس ہی نہیں ہوا کہ میں اتنا مشہور ہو گیا ہوں۔“ میں نے بھی مسکراتے ہوئے کہا۔

”مجھے دادا جی نے بتایا تھا کہ آپ کے پاس حفاظتی تعویذ ہے اس لیے اب سرکاری کارندے آپ تک نہیں پہنچ سکتے۔ آپ یہاں پر ہی آرام سے رہیں جب تک کہ آپ مکمل صحت یاب نہیں ہو جاتے۔ مجھے تو جانا ہو گا مگر آپ کو کیچن میں ہر قسم کی چیز مل جائے گی اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ آپ کچھ خاص قوتوں کے بھی مالک ہیں اس لیے روزمرہ کی زندگی کی کوئی بھی چیز حاصل کرنا آپ کے لیے کوئی بڑی بات نہیں ہو گی۔“ ثانی نے اپنے مخصوص انداز میں بات کرتے ہوئے کہا۔

”میں ایک بار پھر آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہوں گا۔۔۔“ میں نے ابھی کہنا ہی شروع کیا تھا کہ اس نے مجھے ٹوک دیا۔

”اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے اپنا فرض پورا کیا۔ تاہم

اب مجھے چلنا ہوگا۔ میں کل کو پھر کسی وقت آؤں گی۔“ یہ کہہ کر وہ جانے کے لیے اٹھ گئی۔

ثانی کے جانے کے بعد میں نے گھر کا جائزہ لیا۔ یہ ایک چھوٹا سا خوبصورت سا گھر تھا جہاں دو کمرے، ایک کچن، ایک واش روم اور لاؤنج تھا۔ میں باہر نکلا تو دیکھا کہ یہ ایک ویران سا علاقہ تھا جہاں دور دور کہیں کہیں کوئی مکان نظر آتا تھا۔ ہر طرف لہلہاتے کھیت ہی کھیت تھے شاید یہ کھیتی باڑی کا علاقہ تھا۔

میں اس جگہ تقریباً ایک ماہ تک رہا۔ ثانی تقریباً روازانہ کچھ دیر کے لیے ملنے آ جاتی تھی۔ وہ بہت اچھی لڑکی تھی اور میرے دل میں گھر کرتی جا رہی تھی مگر میں احسان فراموش نہیں تھا اس لیے میرے دل کی بات دل ہی میں رہی۔ اس دوران جہاں میں نے اپنی صحت بہتر بنانے پر توجہ دی وہی مجھے سلطنت سولومن کے بارے میں بھی بہت

سے نئی باتوں کا علم ہوا جیسے کہ اب میں روزانہ صبح ناشتے پر سولومن میں شائع ہونے والے اخبارات کا مطالعہ کرتا تھا۔ وہ اخبارات بھی عجیب ہوتے تھے۔ ایک پرندہ اڑتا ہوا آتا تھا اور اخبار پھینک کر چلا جاتا تھا۔ بالکل سفید اور خالی کاغذ کے ٹکڑے۔ میں اسے اٹھا کر ایک مخصوص کوڈ بولتا تھا جسے ثانی نے بتایا تھا اور اس اخبار پر عبارت نمایاں ہو جاتی۔ بقول ثانی کہ ہمارے علاوہ کوئی عام آدمی اس پڑھ نہیں سکتا تھا۔ ان خبروں سے مجھے سلطنت سولومن کے حالات کا اندازہ ہوا۔ سلطنت سولومن کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ شمال، مشرقی، مغربی اور جنوبی سولومن۔ ہر حصہ ایک خود مختار ریاست تھا۔ ہر ریاست کا صدر یا سربراہ صوبیدار کہلاتا تھا۔ ہر صوبیدار کے ماتحت چار چار نائب صوبیدار ہوتے تھے۔ یہ چاروں مختلف امور میں حکومت چلاتے تھے اور صوبیدار کو ہی جوابدہ ہوتے تھے۔ یہ سسٹم ہمارے ہاں کے وزیر کی

ہی طرح تھا۔ ایک نائب صوبیدار رہائش سے متعلقہ امور کا نگران تھا تو دوسرا معاشیات اور تجارتی امور کا۔ تیسرا تعلقات عامہ کو سنبھالتا تھا تو چوتھا قانون نافذ کرنے والا محکمہ۔ گوبی کشن قانون نافذ کرنے والے محکمے کا انچارج تھا۔ پاکستان، افغانستان اور ایران مشرقی سولومن کی حدود میں آتے تھے۔ سولومن کے باسیوں کی تعداد سترالیس کروڑ بتائی جاتی تھی۔ جس میں سے تقریباً آدھے یعنی چوبیس کروڑ صرف مشرقی سولون میں ہی آباد تھے۔ ان سترالیس کروڑ میں تقریباً ستر فیصد جنات تھے، دس فیصد انسان اور باقی بیس فیصد دیگر مخلوقات۔

جنات کا سب سے بڑا لیڈر طالوت جن تھا جسے ژبام شہنشاہ نے سنگ مور کی جیل میں بچھو ادیا تھا۔ جنات اس کے بغیر چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں کی صورت میں تھے جو اکثر آپس میں لڑتی جھگڑتی رہتی تھیں۔ یہی



باہم اختلافات شہنشاہ کے راج کو طول دینے کا باعث تھے۔  
ایک دن ثانی مجھے اپنے استاد سے ملائے شہر لے گئی۔ اس کے استاد  
محترم شہاب الدین صاحب بہت بڑے عالم اور نیک الفطرت  
انسان تھے۔ انہوں نے مجھے ملتے ہی کہا۔

”آؤ سلیمان بیٹا!۔۔۔ مجھے ثانی نے تمہارے بارے میں بتایا تھا۔  
اب تمہاری صحت کیسی ہے؟“ ان کے لہجے میں بڑی اپنائیت تھی۔  
”جی میں اب اللہ کے فضل و کرم سے مکمل صحت یاب ہو چکا ہوں۔“  
میں نے احترام سے جواب دیا۔

”بہت خوب۔ بیٹا مجھے تمہارے حالات کا کچھ کچھ علم ہے۔ میری دعا  
ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں صبر اور استقامت عطا فرمائے تاکہ تم اپنے اصل  
مقام پر پہنچ سکو۔“ شہاب الدین صاحب نے دعا کرتے ہوئے  
کہا۔

ابھی میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اچانک ایک آدمی شہاب الدین صاحب کے پاس دوڑتا ہوا آیا۔

”سرکار سرکار!۔۔۔ وہ حسن کو پھر دورہ پڑا ہے۔ آپ جلدی چلیں۔“ اس آدمی کے لہجے میں بڑا کرب تھا۔

”اوہ۔۔۔ اچھا چلو میں چلتا ہوں۔“ شہاب الدین صاحب نے چونکتے ہوئے کہا اور پھر مجھ سے معذرت کر کے اٹھ کھڑے ہوئے۔ میں اور ثانی بھی اٹھ کر باہر آ گئے۔ ثانی مجھے اپنی گاڑی میں بنگلور شہر دکھاتی رہی۔ بلاشبہ میں انڈیا میں تھا مگر یہاں پھرتے ہوئے مجھے قطعی محسوس نہیں ہوا کہ میں کراچی سے باہر ہوں اور پھر شام ہونے سے پہلے ہی ہم واپس پہنچ گئے مجھے اسی گھر میں ڈراپ کر کے وہ اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گئی۔

میں شہاب الدین صاحب کے بارے میں جاننے کا اشتیاق مند تھا

کیونکہ مجھے مزید طاقت حاصل کرنے کے لیے مزید علم سیکھنے تھے اسی سلسلے میں، میں شہاب صاحب سے ملنے گیا تھا مگر ان کے اس طرح جلدی اٹھ جانے سے بات آگے نہ بڑھ سکی۔ گھر پہنچ کر میں اپنے مخصوص کمرے میں آ گیا اور پھر میں روحانی طور پر دوبارہ شہاب الدین صاحب کے پاس پہنچ گیا۔ وہ مغرب کی نماز پڑھا رہے تھے۔ نماز پڑھانے کے بعد وہ اپنے حجرے کی طرف چل دیے۔ ان کے چار بچے تھے۔ سب سے بڑی بیٹی اپنے گھر کی ہو چکی تھی اس سے چھوٹی بیٹی کی بھی شادی سر پر تھی۔ اس کے بعد دو بیٹے تھے جو ابھی تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ میں ان کے بارے میں معلومات حاصل کر کے واپس آ گیا۔ اگلے دن میں پھر ان کے ساتھ تھا۔ تقریباً دس بجے کے قریب وہ اسی شخص کے ساتھ پھر اس کے گھر گئے۔ مجھے تجسس ہوا کہ دیکھو کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ وہ شخص شہاب صاحب کو لے کر اپنے گھر

پہنچا۔ وہاں اس کا جوان بیٹا حسن رسیوں میں جکڑا بیٹھا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ حسن کے سر پر جناتیھیولہ موجود تھا۔ شہاب صاحب کو دیکھ کر وہ بہت جنونی ہو گیا اور ان پر حملہ آور بھی ہوا مگر رسیوں میں جکڑے ہونے کی وجہ سے وہ بے بس تھا۔ شہاب صاحب نے اس کے قریب بیٹھ کر کچھ آیات پڑھ کر اسے دم کیا اور پھر واپسی کے لیے چل پڑے۔ مجھے حیرت تھی کہ وہ حسن کی جان اس جن سے کیوں نہیں چھڑا رہے تھے۔ ابھی میں اسی کشمکش میں ہی تھا کہ مجھے اپنے گرد آہٹ محسوس ہوئی۔ میں نے جلدی سے واپسی کی چھلانگ لگائی اور اپنی جگہ آنکھیں کھول دیں۔ دیکھ کے سامنے پری زاد ثانیہ کھڑی غور سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ اسے دیکھتے ہی میرے چہرے پر مسکراہٹ آگئی۔ مجھے مسکراتا دیکھ کر وہ جھینپ سی گئی۔

”سلیمان!۔۔۔ یہ آپ کو نئے علم کی مشق کرتے ہیں۔ میں نے ایک



بار پہلے بھی آپ کو اس حالت میں دیکھا تھا مگر کچھ کہہ نہ سکی۔“ ثانی نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

”بس ایسے ہی خیالات کو اکٹھا کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہوں۔“ میں نے ٹالتے ہوئے کہا۔

”اچھا جیسے آپ کی مرضی۔“ ثانی نے خفا ہوتے ہوئے کہا۔

”ارے نہیں!۔۔۔ کوئی خاص بات نہیں ہے آپ تو ایسے ہی برا منا

گئی۔“ میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ ”اچھا یہ بتائیں کہ کیا شہاب

الدین صاحب سے ملوانے لے چلیں گی؟“ میں نے پوچھا،

”ہاں ضرور!۔۔۔ کل تو ملاقات ہی ادھوری رہ گئی تھی۔“ ثانی نے کہا

اور میں جلدی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ کچھ دیر بعد ہم لوگ شہاب الدین

صاحب کے مدرسے کی طرف جا رہے تھے۔

”کیا شہاب الدین صاحب روحانی علوم جانتے ہیں؟“ میں نے

پوچھا۔

”یقیناً!۔۔۔ مگر وہ اپنے آپ کو بہت ریزرو رکھتے ہیں۔ کبھی کوئی مافوق الفطرت حرکت سرزد ہونے ہی نہیں دیتے۔“ ثانی نے جواب دیا۔

”کیا وہ جنات کو بھی قابو کر لیتے ہیں؟“ میں نے اگلا سوال کیا۔  
”معلوم نہیں۔“ ثانی نے مختصراً جواب دیا۔

کچھ دیر میں ہم شہاب الدین صاحب کے پاس پہنچ گئے۔ رسمی کلمات ادا کرنے کے بعد میں نے ان سے جلد ہی مطلب کی بات شروع کر دی۔

”محترم استاد!۔۔۔ کیا آپ مجھے روحانی علوم سیکھنے میں کوئی مدد کر سکتے ہیں؟“ میں نے پوچھا تو وہ چونک پڑے۔  
”کیا سیکھنا چاہتے ہو بیٹا!“ انہوں نے پوچھا۔

”میرے مقابلے میں بہت ہی خطرناک طاقتیں ہیں۔ جو بھی آپ سیکھا سکیں۔ میں آپ کا مشکور ہوں گا۔“ میں نے مودبانہ انداز میں کہا۔

”بیٹا!۔۔ ہم لوگ تو اللہ کی عبادت کرنے والے لوگ ہیں۔ ہمیں ان قوتوں سے کیا لینا دینا۔ ہم سے سیکھنا ہے تو قرآن سیکھو یا پھر کوئی شرعی مسئلہ پوچھ لو۔“ انہوں نے عاجزی سے کہا۔

”استاد محترم!۔۔ ہم اپنی روح کو اتنا طاقت ور کیسے بنا سکتے ہیں کہ وہ جادوئی جالے کو توڑ سکے؟“ میں نے ایک سوال پوچھا تو شہاب الدین صاحب نے چونک کر میری طرف دیکھا۔ ثانی بھی مجھے گہری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

”بیٹا!۔۔ یقیناً اللہ تعالیٰ کے کلام میں بڑی طاقت ہے۔ کوئی نہ کوئی طریقہ تو یقیناً ہو گا مگر میں معذرت چاہتا ہوں کہ اس معاملے میں کوئی

راہنمائی یاد نہیں کر سکتا۔“ انہوں نے اسی طرح عاجزی سے کہا اور  
میں سمجھ گیا کہ وہ اس لائن کے بندے ہی نہیں ہیں۔ ابھی میں سوچ ہی  
رہا تھا کہ ان سے اجازت طلب کروں کہ وہی شخص آج پھر آدھمکا۔  
”سرکار!۔۔۔ کچھ وقت مل سکے گا؟“ اس نے اس بار کچھ سنجیدہ لہجے  
میں کہا۔

”ہاں ضرور!۔۔۔ چلو میں دم لے دوں گا“ انہوں نے اٹھتے ہوئے کہا۔  
”سرکار!۔۔۔ گستاخی کی معذرت چاہتا ہوں۔ مگر کیا آپ کسی اور  
عامل کا پتہ بتا سکتے ہیں؟ ہم دیکھ رہے ہیں کہ پچھلے ایک ماہ سے آپ  
مسلل دم کر رہے ہیں مگر کوئی افاقہ نہیں ہے۔ اگر آپ ہماری  
راہنمائی کسی اور عامل کے سلسلے میں کر دیں تو ہم بہت شکر گزار  
ہو نگے۔“ اس شخص نے بدستور سنجیدہ لہجے میں کہا۔

”دیکھو بھئی!۔۔۔ میں اپنی سی کوشش کر رہا ہوں اور اس کا تم سے کوئی



معاوضہ بھی وصول نہیں کر رہا ہوں۔ مجھے اگر کسی اور عامل کا علم ہوتا تو ضرور تم کو پہلے ہی اس طرف روانہ کر چکا ہوتا۔ میری کوشش ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام پاک سے اس کو شفاء یاب کروں۔ یقیناً کلام پاک میں بہت طاقت ہے مگر اگر تم مطمئن نہیں ہو تو کوئی بات نہیں میں اپنا عمل بند کر دیتا ہوں۔“ شہاب الدین صاحب کے لہجے میں خلوص صاف محسوس ہو رہا تھا اور میں نے دیکھا کہ آنے والے کے چہرے سے بھی شرمندگی ظاہر ہو رہی تھی۔

”اگر آپ اجازت دیں تو ایک نظر میں مریض کو دیکھ لوں؟“ اچانک میں نے کہا تو شہاب صاحب اور ثانی دونوں نے چونک کر میری طرف دیکھا۔

”بیٹا!۔۔۔ اگر تم کچھ علم رکھتے ہو تو ضرور چلو۔“ شہاب الدین صاحب جواب مجھے گہری نظروں سے دیکھ رہے تھے کچھ دیر خاموش

رہنے کے بعد بولے۔ اور پھر ہم سب اس آنے والے آدمی کے  
ساتھ چل پڑے۔ کچھ دیر کے بعد ہم اس شخص کے گھر پر تھے۔ اب  
میرے سامنے حسن اسی طرح رسیوں میں جکڑا پڑا تھا۔ شہاب الدین  
صاحب کو دیکھ کر وہ پھر ان پر حملہ آوار ہوا۔ مگر اس بار میں شہاب  
الدین صاحب کے سامنے آ گیا۔ مجھے ایک دم سامنے دیکھ کر حسن  
رک گیا۔ اس کے چہرے پر حیرت تھی۔  
”کون ہے تو اور کیوں اس جسم پر قابض ہے؟“ میں نے کڑک دار  
آواز میں پوچھا۔

حسن نے عجیب سی نظروں سے مجھے دیکھا اور پھر اونچے اونچے قہقہے  
لگانے لگا۔ پھر ایک دم سنجیدہ ہو کر بولا۔

”جوان!۔۔۔ بھاگ جا۔ بھاگ جا۔ نہیں تو مارا جائے گا۔“ میں  
نے صاف طور پر محسوس کیا کہ وہ آواز انسانی نہیں بلکہ جناتی تھی۔

”اچھا۔۔۔ تو تم جن ہو۔“ میں نے اسی طرح کڑک دار لہجے میں کہا۔ ”میں تمہیں آخری موقعہ دیتا ہوں کہ اسے چھوڑ دے ورنہ جلا کر بھسم کر دوں گا۔“

حسن پر قابض جن نے گھور کر مجھے دیکھا اور پھر قہقہے لگانے لگا۔ میں نے اس جن پر توجہ مرکوز کرتے ہوئے اسے جلانے والی آیات کا ورد شروع کر دیا۔ چند لمحوں کے بعد ہی اس جن کی چیخنے چلانے کے آوازوں سے وہ گھر گونج اٹھا۔

”تت۔ تت۔ تت۔ تم کون ہو۔“ اس جن نے چیختے ہوئے بامشکل پوچھا۔

”جو کوئی بھی ہوں۔۔۔ تم چھوڑ رہے ہو یا پھر میں اپنا عمل مکمل کرو تاکہ تم مکمل طور پر جل جاؤ۔“ میں نے بدستور کڑک لہجے میں کہا۔ ”ٹھیک ہے میں اسے چھوڑ رہا ہوں۔ مگر خدا کے لیے اس آگ کو بند

کرو۔“ اس جن کے سب کس بیل نکل گئے تھے۔

”چل باہر آ پہلے۔“ میں نے اصرار کیا۔

اسی لمحے میں نے دیکھا کہ ایک جن حسن کے پاس کھڑا مجھے گھور رہا تھا اس کے چہرے پر تکلیف کے آثار بہت نمایاں تھے۔ حسن بے ہوش گرا پڑا تھا۔

”کیا نام ہے تیرا“ میں نے سخت لہجے میں پوچھا۔

”سنیان“ اس نے تکلیف دہ لہجے میں جواب دیا۔

”دیکھ سنیان!۔۔۔ اب کی بار میں تجھے چھوڑ رہا ہوں۔ اگر دوبارہ تو

نے اس شخص پر قابض ہونے کی کوشش کی تو پھر تجھے جلنے سے کوئی

نہیں بچا سکے گا۔“ میں نے کڑک دار لہجے میں کہا۔ اور پھر دوسری

آیات کا ورد کر کے اسے اس تکلیف سے نجات دلائی۔

میں نے دیکھا کہ وہ وہی کھڑا مجھ کی نظر تو زنجیروں سے دیکھ رہا تھا۔



”مجھے سے دشمنی بڑی مہنگی پڑے گی جوان“ اس نے اس بار دھمکی آمیز لہجے میں کہا۔

میں نے اس کا جواب دینے کی بجائے اپنی ارتکاز کی توجہ اسے جکڑ لیا۔ اور پھر ایک بار ہوا میں بلند کر کے بہت تیزی سے زمین پر دے مارا۔ وہ دھڑام سے زمین پر گرا۔ اسے اچھی خاصی چوٹ آئی تھی اور اس کے چہرے پر تکلیف اور حیرت سے ملے جلے تاثرات تھے۔

”سنیان!۔۔۔ اتنا سبق بہت ہے یا پھر کچھ مزید کروں“ میں نے اسی طرح کڑک دار لہجے میں کہا۔

”مجھے معاف کر دو۔ میں نے تمہاری طاقت کا غلط اندازہ لگایا تھا۔ اب میں دوبارہ کبھی اس طرف کارخ نہیں کروں گا۔“ اس نے بے بسی سے کہا۔ وہ ابھی تک میری توجہ کی گرفت میں تھا۔ یہ سن کر میں نے اسے آزاد کر دیا اور وہ دم دبا کر بھاگ گیا۔

اس کے جاتے ہی میں نے چپے مڑ کر دیکھا تو شہاب الدین اور ثانی کو انتہائی حیرت کا شکار پایا۔

”تم یہ سب کیسے جانتے ہو۔“ ثانی نے بے اختیار ہوتے ہوئے پوچھا۔

”بس ایک بزرگ کی محبت ہے ورنہ میں کیا چیز۔“ میں نے عاجزی سے کہا۔

حسن کا والد بہت خوش تھا اس نے میرا بہت بہت شکریہ ادا کیا۔ وہاں سے رخصت ہو کر ہم شہاب الدین صاحب کو مدر سے چھوڑ کر واپس گھر آ گئے۔ ثانی مجھے بار بار غور سے دیکھتی تھی مگر بولتی کچھ نہیں تھی۔ گھر پہنچ کر وہ بولی۔

”سلیمان صاحب!۔۔ کیا آپ یہ جنات والا علم مجھے سیکھا سکتے ہیں۔“ اس کے لہجے میں معصومیت تھی۔ ”اس سے پہلے دادا جی نے

مجھے ارتکا زتوجہ یعنی یکسوئی حاصل کرنے کا طریقہ بتایا تھا۔ اس سے میں بہت بڑے بڑے کام جو شاید جسمانی طور پر میں نہ کر سکوں کر لیتی ہوں۔ مگر مجھے اور بھی علوم سیکھنے کا شوق ہے جیسے یہ جنات سے لڑنا اور ان کو اپنے قابو میں کرنا۔“

”اس کے لیے سورہ جن کا چلہ کرنا پڑتا ہے۔ مگر یہ کوئی خاص علم نہیں ہے۔ میں خود ایک طالب علم ہوں اور مزید علم سیکھنے کا خواہش مند ہوں تاکہ طالب سرکار سے مقابلہ کرنے کی پوزیشن میں آسکوں۔“ میں نے جواب دیا۔

”جیسے آپ کی مرضی“ ثانی نے مجھے ہوئے لہجے میں کہا۔  
”اچھا چلو۔۔۔ ناراض مت ہو میں تمہیں سکھاتا ہوں۔“ میں نے اس کے لہجے سے متاثر ہوتے ہوئے کہا۔ اور پھر میں اسے سورہ جن کا عمل بتانے لگا۔ یہ چالیس دن کا چلہ تھا۔ وہ اس عمل کی تفصیل بہت

غور سے سن رہی تھی۔

”یہ عمل کر کے میں جس جن کو چاہوں گی اپنا غلام بنا سکوں گی۔“ ثانی نے پوچھا۔

”نہیں۔ مگر تمہارے روحانی حواس جاگ جائیں گے۔ تم جنات کو دیکھ سکو گی۔ اس کامیاب عمل کے بعد ایک اور چھوٹا سا عمل ہے جس سے کسی کو غلام بنایا جاسکتا ہے۔ میں نے تفصیل بتاتے ہوئے۔“ اچھا ٹھیک ہے پہلے میں یہ چالیس دن والا عمل کر لوں۔ پھر پوچھوں گی کہ کسی جن کو کیسے غلام بنایا جاتا ہے۔“ ثانی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

”کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ تم کو اس کی کیا ضرورت پڑ گئی؟“ میں نے بغور اس کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”بس ویسے ہی۔ شاید کہیں ضرورت پڑ جائے۔“ ثانی نے سادہ سے



لہجے میں کہا۔ شاید وہ بتانا نہیں چاہتی تھی۔

کچھ دیر اسی طرح کی باتیں کر کے وہ چلی گئی۔ مگر میں سوچ میں پڑ گیا  
میری تو انائی بحال ہو چکی تھی اور میری روحانی صلاحیتیں بھی لوٹ آئی  
تھیں۔ اس لیے اب میں کچھ ایسے عمل سیکھنے کے لیے بے تاب تھا کہ  
جن کی مدد سے میں طالش سے ٹکر لیں سکوں۔ مجھے تو ویسے ہی اس

سے بڑے حساب چکنا کرنے تھے اور یہ اس نے میرے ساتھ ایسا  
سلوک کر کے ایک اور قرض میرے سر ڈال دیا تھا۔ پھر مجھے عظیم سوال  
کا خیال آیا۔ اگر میں ان کی روح کو بلا کر پوچھوں کہ وہ مجھے تک کیسے  
پہنچے اور آخر طالش نے مجھے بچانے کے بعد مارنے کی کوشش کیوں  
کی۔ یقیناً وہ اس کا جواب دے سکیں گے۔ یہ سوچ کر میں نے ایک  
کمرے میں رات کو عمل کرنے کے پروگرام بنایا۔

رات کو جب میں نے عمل شروع کیا اور ابھی میں نے تیسری بار ہی

عظیم شوالہ کی روح کو پکارا تھا کہ وہ آگئی۔

”کیا بات ہے سلیمان“ عظیم شوالہ کی روح نے پوچھا۔

”میں تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں مگر کچھ سوالات ایسے ہیں کہ

مجھے آپ کے علاوہ کوئی نظر نہیں آتا جو جواب دے سکے اس لیے میں

نے آپ کو بلانے کی تکلیف دی۔“ میں نے ڈرتے ہوئے کہا کیونکہ

پچھلی بار جب میں نے انہیں بلایا تھا تو وہ کچھ خفا لگ رہے تھے۔ جیسے

انہیں میرا بلانا اچھا نہ لگا ہو۔

”ہاں بولو۔ میں کوشش کروں گا کہ جتنا جانتا ہوں۔ وہ بتا سکوں“

عظیم شوالہ کی روح نے کہا۔

”طالش جن نے مجھے جلنے کے بعد کیوں بچایا۔ اور اگر مادھولال کی

مدد سے بچا ہی لیا تھا تو پھر مارنے کے لیے اس جادوئی تخت کے

حوالے کیوں کیا؟“ میں نے فوراً سوال کر دیا۔

”بیٹا!۔ ایک بات یاد رکھو۔ طالش جن تمہارا اس دنیا میں سب سے بڑا دشمن ہے۔ اس لیے اس کا کوئی بھی عمل تمہیں کسی بھی طرح سے دھوکے میں نہ ڈال دے کہ شاید وہ تمہارے بارے میں کوئی ہمدردی رکھتا ہے۔ اسی نے تمہارے ماں باپ کو قتل کیا۔ ژبام بادشاہ کی طرح یہ بھی بہت ظالم اور بے رحم ہے۔ تمہیں بچانے کا فیصلہ اس کا نہیں تھا۔ تم خود اپنی کوشش سے بچ گئے تھے۔ ہاں عین اس وقت جب تم بھاگنے والے تھے طالش جن نے تمہیں بے ہوش کر دیا۔ اس طرح اس نے تمہیں بھاگنے سے روک لیا۔ اور پھر اس نے مادھولال کو اس لیے تمہاری تیمارداری کی ڈیوٹی لگائی کیونکہ مادھولال نے طالش کو بتایا تھا کہ اگر جادوئی تحت کے ذریعے تمہارا خون شیطان کے بہت ہی عزیز بت پر ڈالا جائے تو تمہاری موت کے فوراً بعد تمہاری روح طالش کی غلام بن جائے گی۔ اور یہ سچ بھی ہے۔ چونکہ تم ایک

ہادی ہو اس لیے تمہاری روح کو کچھ خاص قوتیں حاصل ہیں جو کسی اور کو حاصل نہیں ہیں اس لیے تلاش جن لالچ میں آ گیا۔ اگر اللہ تعالیٰ کی خاص مدد حاصل نہ ہوتی اور میں عین وقت پر نہ پہنچ جاتا تو شاید وہ اپنے عمل میں کامیاب ہو چکا تھا۔“ عظیم شوالہ نے تفصیل سے بتاتے ہوئے کہا اور میرا دماغ اس ساری پلاننگ کے بارے میں سن کر ہی چکر اسا گیا۔

”مجھے ایک بات کی سمجھ نہیں آتی۔ تلاش جن اتنا طاقت ور ہے تو وہ مجھے تلاش کیوں نہیں کر سکتا؟ یہ جو آپکا دیا ہوا تعویذ ہے کیا یہ اتنا ہی طاقت ور ہے کہ وہ مجھے تلاش نہیں کر سکتا۔“ میں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

”تمہاری بات سچ ہے اور اس سوال سے تمہاری روحانی بصیرت کی عکاسی بھی ہوتی ہے۔ دراصل اس سوال کا جواب بہت گہرا ہے۔ مگر



میں تمہیں مختصر جواب دینے کی کوشش کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے تمہاری حفاظت کے لیے ایک خفیہ بندوبست کیا ہے۔ تمہارا مستقبل لوح محفوظ پر نقش نہیں ہے جو کہ ایک اچنبھے کی بات ہے۔ ہر انسان کا جو اس دنیا میں آجاتا ہے اس کا مستقبل، اس کی وفات تک کے حالات، سب لوح محفوظ پر نقش ہوتے ہیں۔ اور بہت بڑی روحانی طاقت کے حامل انسان اس لوح محفوظ سے کسی بھی انسان کے مستقبل کے بارے میں جان سکتے ہیں۔ طالش جن، جنات کی تاریخ کا سب سے طاقتور جن ہے اس لیے وہ بھی جب کسی انسان کی موجودہ جگہ کے بارے میں جاننے خواہش کرتا ہے تو اسی لوح محفوظ سے اس کا مستقبل اور حال پڑھ لیتا ہے۔ چونکہ تمہارا مستقبل اس پر نقش ہی نہیں ہے صرف ماضی ہی نقش ہوتا ہے اس لیے وہ بے بس ہے اور تم تک نہیں پہنچ سکتا۔ اس علم کے علاوہ ایک اور عام سا علم ہے جس میں روحانی

آنکھ کی مدد سے کسی بھی انسان یا جن کو ساری دنیا میں سکیئنڈز میں تلاش کر لیا جاتا ہے۔ مگر اس علم کا توڑ یہ تعویذ ہے۔ لہذا اطالشی جن اب دونوں طریقوں کو استعمال کر کے تم تک نہیں پہنچ سکتا۔“ عظیم شوالہ نے تفصیل سے بتاتے ہوئے کہا۔

”کیا آپ مجھے بتا سکتے ہیں کہ آپ اتنے وثوق سے کیسے کہہ سکتے ہیں کہ میں ہی ہادی ہوں۔ آپ کو یا طالشی جن کو میرے ہادی ہونے کا کیسے پتہ چلا؟“ میں نے اگلا سوال کیا۔

”بس اس سوال سے میں ڈرتا تھا۔“ عظیم شوالہ کی روح کچھ اضطراب کا شکار نظر آئی۔ پھر کچھ دیر کی خاموشی کے بعد انہوں نے کہنا شروع کیا۔

”سچ میں بہت طاقت ہے۔ اس لیے میں سچ ہی بولوں گا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ حماقت مجھ سے ہوئی تھی۔ جب طرابہ کے پاؤں بھاری

ہوے تو تمہارے والد ارمغان نے تمہارے مستقبل کے بارے میں جاننے کی کوشش کی مگر یہ دیکھ کر وہ حیران رہ گیا کہ تمہارا کوئی مستقبل لوح محفوظ پر نقش نہ تھا۔ اس نے اس سلسلے میں مجھے آگاہ کیا۔ میرے لیے بھی یہ حیرت کی بات تھی کیونکہ تم میری زندگی کے واحد انسان تھے جس کا مستقبل لوح محفوظ پر نقش نہیں تھا۔ اس لیے تجسّس کے ہاتھوں مجبور ہو کر میں نے قدرت کے گھل میں مداخلت کرتے ہوئے تمہارے والد ارمغان کی اجازت سے لوح مخصوصہ جو اللہ کے خاص لوگوں کے مستقبل کے نقش کو محفوظ رکھتی ہے تک رسائی حاصل کی۔ ایسا صرف انسان ہی کر سکتا ہے کوئی جن نہیں کیونکہ انسان اللہ کا نائب ہے۔ اور لوح مخصوصہ خاص فرشتوں کی حفاظت میں ہوتا ہے۔ وہاں میں نے تمہارا مستقبل ایک ہادی کی صورت میں دیکھ لیا۔ اور پھر جوش میں آ کر ارمغان کو بتا دیا۔ ہم لوگوں نے خیال نہیں کیا کہ ارمغان کا

ایک غلام جن شرارتنا ہمارے باتیں سن رہا تھا۔ وہ طالش کا خاص  
چیلہ تھا۔ لہذا اس نے یہ بات طالش تک پہنچا دی۔ چونکہ ہادی کا  
مطلب تھا کہ تم ژبام شہنشاہ کی شہنشاہت مٹانے آرہے ہو اور طالش  
کی حاکمیت بھی ژبام شہنشاہ کے دم خم سے ہی ہے اس لیے وہ تمہارا  
دشمن ہو گیا۔ چونکہ ارمغان بھی بہت سی طاقتوں کا مالک تھا اس لیے  
طالش نے دھوکے سے اسے مراد آباد اور مشہور کر دیا کہ وہ شہنشاہ کا  
غدار تھا۔ جب میں نے مداخلت کرنے کی کوشش کی تو میرے بھی  
خلاف ہو گیا اور پھر میرے ایک دیرینہ دشمن کی مدد سے اس نے مجھ پر  
بھی قابو حاصل کر لیا۔ مجھے راستے سے ہٹا کر وہ تمہاری تلاش میں  
طرابہ سے ٹکرا گیا۔ طرابہ نے بہت مقابلہ کیا مگر وہ طالش کے مقابلے  
میں کچھ بھی نہ تھی اس لیے وہ بچاری بھی اپنی جان سے گئی۔ تاہم  
مرتے ہوئے اس نے تمہیں اپنے ایک غلام جن کے حوالے کر دیا۔ یہ



ہے ساری کہانی اور میری کوتاہی جس نے اتنی ساری جانیں بھی لے  
لیں اور اللہ تعالیٰ کے قدرتی عمل میں بھی خرابی ڈالی۔ ورنہ تم اس وقت  
تک ایک نارمل زندگی گزارتے جب تک کہ تم ہادی کے روپ میں  
مکمل طور پر ڈھل نہ جاتے۔ پھر کوئی تمہارا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا  
تھا۔“ عظیم شوالہ نے افسردہ سے لہجے میں بہت سارے رازوں  
سے پردہ اٹھاتے ہوئے کہا۔ میرے لیے بہت ساری باتیں نئی  
تھیں۔ کچھ دیر میں ان تمام معلومات پر سوچتا رہا۔ آخر میں نے کہا۔  
”میں اسے آپ کی کوتاہی نہیں سمجھتا۔ شاید اللہ کو یونہی منظور تھا ورنہ آپ  
کبھی لوح مخصوصہ تک نہ پہنچ سکتے۔ بہر حال اب آپ مجھے راستہ  
بتائیں کہ میں کیسے اتنی طاقت حاصل کر سکتا ہوں کہ طالش کا مقابلہ کر  
سکوں اور واقعی ہادی کی صورت میں ژبام شہنشاہ کے ظلم کو اس کے  
انجام تک پہنچا سکوں۔“

”بیٹا!۔۔۔ میں تمہیں بہت کچھ دے سکتا تھا مگر چونکہ میں اس دنیا کا حصہ نہیں ہوں، اس لیے میں اب کچھ نہیں کر سکتا۔ تمہارے آزادی کے لیے بھی اللہ تعالیٰ کے حضور تمہارے والدین نے بہت گڑگڑا کر دعائیں کیں تھیں اس لیے مجھے اجازت ملی۔ مگر اب مزید میں تمہیں کچھ نہیں دے سکتا۔ یہ سب تم نے خود ہی کرنا ہے۔ اور ہم سب کو تم سے یہ امید ہے کہ تم کسی نہ کسی طرح راستہ نکال ہی لو گے۔“ عظیم شوالہ نے صاف ہی جواب دیتے ہوئے کہا۔ مجھے ان سے یہ امید نہ تھا۔ اس لیے کچھ دیر تو میں ہکا بکا سارہ گیا۔ بہر حال پھر کچھ سوچ کر بولا۔

”مگر کیا آپ میری راہنمائی کسی ایسے استاد تک نہیں کر سکتے جو مجھے اس مقام تک پہنچنے میں مدد کر سکے۔“

”ہاں۔۔۔ میں ایسا کر سکتا ہوں۔ میں ایک ایسے انسان کو جانتا ہوں

جو خود بھی طالش کا ساتھی ہے مگر اس کو ایسے علوم کا علم ہے جن سے  
طالش جن کا توڑ کیا جاسکتا ہے۔ وہی اصل میں میرا بھی قاتل ہے  
جس نے طالش کے ساتھ مل کر مجھے قتل کیا تھا۔“ عظیم شوالہ کی  
روح نے کہا۔

”کون ہے وہ؟“ میں نے جلدی سے کہا۔

”جو الا پروہت۔ وہ افریقہ میں رہتا ہے اندرون افریقہ ایک ریاست  
ہے زوگا بے۔ وہ اس کا سرکاری پروہت ہے۔ پروہت وہاں روحانی  
پیشوا کو کہتے ہیں۔ مگر جیسا کہ میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ وہ میرا دشمن ہے  
اور طالش کا خاص ساتھی اس لیے وہ کبھی بھی تمہیں تربیت نہیں دیگا۔  
تاہم اگر تم کسی طرح اس کا اعتماد حاصل کر لو اور اس کے خاص چیلوں  
میں داخل ہو جاؤ تو اس سے بہت کچھ سیکھ سکتے ہو۔“ عظیم شوالہ نے  
کہا۔

”میں صبح ہی چلا جاتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ یقیناً میری مدد کریں گے اور میں اپنے مقصد میں کامیاب و کامران لوٹوں گا۔“ میں نے بڑے پراعتماد لہجے میں کہا۔ چونکہ مزید میرے پاس پوچھنے کو کچھ نہ تھا اس لیے میں نے عظیم شوالہ کی روح کو خدا حافظ کہا اور خود افریقہ جانے کا پروگرام بنانے لگا۔

اگلی صبح جب ثانی مجھے حسب معمول ملنے آئی تو میں نے اسے اپنے جانے کی بات بتائی۔ ایک دم اس کا چہرہ اتر سا گیا۔ پھر وہ بولی۔ ”یقیناً آپ کا جانا ضروری ہے کیونکہ آپ ایک مشن پر کام کر رہے ہیں۔ بہر حال اگر زندگی کے کسی بھی موڑ کچھ وقت ملے تو مجھے ضرور یاد رکھیے گا۔“ ثانی کا لہجہ بہت اداس تھا۔

”ثنانی تم تو سمجھتی ہو کہ میرا جانا کتنا ضروری ہے۔ مجھے اماں اور بابا کے بعد اگر کسی سے انسیت ہوئی ہے تو وہ تم ہو۔“ میں نے اس کی آنکھوں



میں دیکھتے ہوئے کہا اور اس نے جلدی سے آنکھیں جھکا لیں۔ یقیناً وہ میرے جذبات سمجھ گئی تھی۔ مگر میں نے اپنے آپ کو بہکنے سے روکا۔ میرے مشن میں اس قسم کی ذاتی خواہشات کی کوئی جگہ نہیں تھی۔ پھر میں نے موضوع بدلنے کے لیے کہا۔

”بس اب میں کچھ دیر بابا کے پاس جاؤں گا اور پھر افریقہ کی طرف نکل پڑونگا۔ آگے جو اللہ تعالیٰ کو منظور ہو۔“ میں نے ثانی کو اپنا پروگرام بتاتے ہوئے کہا۔

پھر کچھ دیر باتیں کر کے میں نے اس سے اجازت لی اور گھر سے باہر نکل آیا۔ کچھ دور جا کر میں نے ایک دیور کی اوڑ میں اپنی آنکھیں بند کیں اور پھر اپنی روح کی آنکھیں کھلتے ہی ارتکاز توجہ سے اپنے جسم کو اٹھا کر سیدھا کراچی میں اپنے گھر پہنچ گیا۔ بابا ابھی دوکان پر نہیں گئے تھے۔ پچارے خود ہی ناشتہ تیار کر رہے تھے۔ وہ مجھے کافی کمزور

بھی محسوس ہوئے۔ اچانک مجھے اپنے پاس دیکھ کر وہ بہت خوش ہوئے۔

”بیٹا!۔۔۔ اب تو تمہیں دیکھنے کو آنکھیں ترس گئی ہیں۔“ بابا نے نم آنکھوں سے کہا۔

”بابا!۔۔۔ آپ جانتے ہیں کہ میری بھی کتنی خواہش ہے کہ آپ سے ملوں اور آپ کے ساتھ رہوں مگر مجھے یہ حالات اس بات کی اجازت نہیں دیتے۔ میں پہلے ہی اپنی اماں کو اس غلطی کی وجہ سے کھو چکا ہوں۔“ میں نے بھی جذباتی ہوتے ہوئے کہا۔

”اچھا بیٹا!۔۔۔ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ جیسے اس کی مرضی۔“ بابا جی نے ایک ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے کہا۔

”بابا!۔۔۔ آپ مجھے اپنا بیٹا مانتے ہیں۔ کیا مجھے اپنے لیے کچھ نہیں کرنے دیں گے؟“ میں نے سوال کیا۔

”کیا مطلب ہے بیٹا!“ بابا نے چونک کر پوچھا۔

”بابا!۔۔ مجھے اچھا نہیں لگتا کہ میرے ہوتے ہوئے آپ دوکان پر کام کریں۔ میں چاہتا ہوں کہ ایک اچھا سا مکان آپ کو لے کر دوں اور کچھ نوکر بھی جو آپ کی دیکھ بھال کریں۔ بہت کام کر لیا آپ نے اب بس آرام کریں۔“ میں نے اپنے دل کی بات کرتے ہوئے کہا۔

”بیٹا!۔۔ مجھے کسی چیز کی خواہش نہیں ہے۔ میں اس حال میں خوش ہوں۔ ساری زندگی دوکانداری کی ہے اب تو اس کے بغیر میں رہ بھی نہیں سکتا ہوں۔ تم میری فکر نہ کروں۔ تم خود بہت ہی غیر معمولی حالات کا شکار ہو۔ میری دعائیں تمہارے ساتھ ہے کہ اللہ تمہیں تمہارے مقصد میں کامیاب کرے۔“ بابا نے بڑے سنجیدہ لہجے میں کہا۔ میں نے ان کو اپنے حالات بتائے اور پھر افریقہ جانے کی

اجازت طلب کی۔ مگر انہوں نے ایک رات رکنے کا کہا۔ میں ان کی بات ٹال نہ سکا۔

اگلی صبح میں نے اجازت لے کر پہلے اپنی روح کی مدد سے براعظم افریقہ کا جائزہ لیا۔ اور پھر کچھ تنگ و دو کے بعد زوگا بے کی سلطنت کا پتہ چلا ہی لیا۔ پھر میں نے اپنے جسم کو وہاں منتقل کیا۔ میں نے اپنے جائزہ کے دوران دیکھ لیا تھا کہ یہ جگہ جنگلی قبائل پر مشتمل تھی۔ ان میں کچھ قبائل آگ کی پوجہ کرتے تھے اور کچھ سورج کی۔ میں ایک ایسے ہی قبیلے کے پاس رکا تھا جو ان سب میں زیادہ سلیقہ شعار اور سورج کی پوجہ کرنے والا تھا۔ میرا پروگرام تھا کہ میں اپنی روحانی طاقتوں کی وجہ سے اس قبیلے میں جگہ بناؤں گا۔ اور پھر وہاں سے کسی طرح جوالا پروہت تک پہنچنے کی کوشش کروں گا۔

میں اندازے سے آبادی کی طرف چل پڑا۔ ابھی میں آبادی سے کچھ



دور ہی تھا کہ اچانک میں نے ایک تیز سٹی کی آواز سنی۔ ابھی میں اس پر غور ہی کر رہا تھا کہ اچانک تیز بھاگتے لوگوں کی آوازیں آئی۔ وہ جنگلی تھے۔ تعداد میں چھ۔ انہوں نے بھالے اٹھار کھے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی انہوں نے بھالے میری طرف سیدھے کر لیے۔ میں نے جلدی سے ہاتھ اٹھا کر انہیں اپنے نہتے ہونے کا احساس دلایا اور یہ بھی کہ میں ان سے جنگ نہیں چاہتا۔ ان میں سے ایک آگے بڑھا اور اس نے عجیب سے زبان میں کچھ کہا۔

”میں تمہاری زبان نہیں سمجھتا۔ مجھے اپنے سردار کے پاس لے چلو۔“ میں نے اپنے طور پر بولتے ہوئے کہا۔ ساتھ ہی ساتھ میں ہاتھوں سے اشارے بھی کر رہا تھا تا کہ انہیں کچھ نہ کچھ بات سمجھ آ جائے کیونکہ ظاہری بات ہے کہ وہ میری زبان نہیں سمجھتے تھے۔

میری بات کو کسی حد تک سمجھتے ہوئے وہ مجھے اپنے گھیرے میں لے

کر آبادی کی طرف چل پڑے۔ تھوڑی دیر میں ہم آبادی میں پہنچ گئے۔ پھر مختلف راستوں سے گزر کر وہ مجھے لے کر ایک نسبتاً بڑے جھونپڑے کے سامنے پہنچ گئے۔ وہاں ہر طرف جھونپڑیاں ہی جھونپڑیاں تھیں۔ اس جھونپڑے کے باہر ایک دربان کھڑا تھا۔ اس نے میرے بارے میں اندر اطلاع کی تو ایک ہٹا کٹا جنگلی باہر نکل آیا۔ وہ اپنے چہرے سے بہت خوفناک لگ رہا تھا۔ اس نے سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھا۔

”مجھے سورج دیوتا نے بھیجا ہے۔ اور میں دیوتا کا اوتار ہوں۔“ میں نے اپنے سے انداز میں بولتے ہوئے اور ساتھ ہی ساتھ اشاروں کی زبان میں کہا۔

پہلے تو مجھے عجیب سے نظروں سے دیکھتا رہا پھر اچانک اسے پتہ نہیں کیا سو جھی کہ اس نے چیخ کر کچھ کہا اور ایک دم میرے سامنے کھڑے

جنگلی نے اپنا بھالا بہت تیزی سے میرے سینے میں اتارنے کی کوشش کی۔ یہ سب کچھ بہت تیزی سے ہوا تاہم عین آخری وقت میں نے ارتکاز توجہ سے اس کا بھالا روک لیا۔ چند لمحوں کی دیر مجھے ہمیشہ کے لیے سلا سکتی تھی۔ یہ سوچتے ہی مجھے پسینہ آنے لگا۔ بہر حال اب جنگ کی ابتداء ہو چکی تھی تو ان کو اوتار بن کر بھی دکھانا تھا۔ لہذا میں نے اپنی ارتکاز کی قوت سے ان کا خوب بھروسہ کس نکالا۔ سردار حیرت سے مجھے دیکھ رہا تھا کہ میں بغیر ہاتھ ہلائے چھ آدمیوں سے لڑ رہا تھا۔ چند لمحوں میں وہ چھ کے چھ لمبے لیٹے ہوئے تھے۔ یہ حالت دیکھ کر اس ہٹے کٹے جنگلی نے کسی کو چیخ کر آواز دی۔ میں مکمل طور پر تیار تھا۔ مگر کچھ نہ ہوا۔ میں ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ میرا گلہ قدم کیا ہونا چاہیے کہ میں نے دیکھا کہ ایک طرف سے ایک عجیب سا جنگلی آدمی جس کے سر کے سارے بال سرخ رنگ میں رنگے ہوئے تھے ہاتھ میں لاٹھی

لیے آہستہ آہستہ چلا آ رہا تھا۔ ہٹ کٹا جنگلی اسے دیکھ کر احترام سے ایک طرف ہو گیا۔ اس نئے جنگلی نے بڑے غور سے میری طرف دیکھا اور پھر اسی طرح کسی اجنبی زبان میں کچھ کہا۔ مجھے کچھ سمجھ نہیں آئی۔ جواب میں نے بھی وہ سورج کے اوتار والی بات دہرا دی۔ سورج کی طرف اشارے سے وہ بھی چونک پڑا۔ پھر وہ میرے سے چند قدموں کے فاصلے پر آ کر رگ گیا۔ ابھی میں اس کی طرف دیکھ ہی رہا تھا کہ ایک دن اس نے اپنی لاٹھی کو ایک خاص انداز میں حرکت دی اور دوسرے ہی لمحے آسمان سے ایک تیز شعلہ تیزی سے میرے پر لپکا اور آن واحد میں میرا سارا جسم آگ میں نہا گیا۔ بہت ہی تیز آگ میرے سارے جسم کو جھلسائے جا رہی تھی۔ میں نے جلدی سے اپنی ارتکا ز توجہ سے اس آگ کو بھانے کی کوشش کی مگر یہ دیکھ کر میرے اوسان خطا ہو گئے کہ اس آگ پر کوئی اثر نہیں پڑا تھا۔



میرا جسم آگ میں جلس رہا تھا اور میری ارتکا ز توجہ کی قوت اسے  
بجھانے میں ناکام رہی تھی۔ لیکن میرے لیے یہ سچوئیشن کوئی نئی نہیں  
تھی۔ میں نے جلدی سے آیت کریمہ کی تلاوت شروع کی اور ایک  
جھٹکے سے میرے ارد گرد موجود آگ بجھ گئی۔ آگ بجھتی ہوئی دیکھتے ہی  
سرخ بالوں والے جنگلی کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی۔ جبکہ ہٹا کٹا  
سردار بھی حیرت سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ میں نے پھر سورج کی طرف  
دیکھ کر ان کو اشارہ کیا کہ مجھے اس نے بھیجا ہے۔ اس بار شاید سرخ  
بالوں والے کی سمجھ میں کچھ آ گیا۔ اس نے پھر اپنی زبان میں کچھ کہا  
جو بالکل میری سمجھ میں نہیں آیا۔ بڑی عجیب سی سچوئیشن تھی۔ وہ میری  
بات شاید سمجھ نہیں پا رہے تھے اور میں ان کی۔ پھر میں نے دیکھا کہ  
سرخ بالوں والے نے سردار کو کچھ کہا۔ سردار نے مجھے ایک جھونپڑی  
کی طرف اشارہ کیا۔ میں سمجھ گیا کہ وہ مجھے وہاں جانے کا کہہ رہا

ہے۔ میں اسی چھونپڑی کی طرف چل پڑا۔ سردار نے دروازہ کھول کر مجھے بڑے احترام سے اندر جانے کو کہا۔ میں چھونپڑی میں چلا گیا۔ چھونپڑی اندر سے بہت کشادہ اور خوبصورتی سے سجائی گئی تھی۔ یقیناً یہ کوئی گیسٹ ہاؤس ٹائپ کی کوئی چیز تھی۔ میں وہی ایک کرسی نما موڑھے پر بیٹھ گیا۔ ابھی تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ اچانک دو جنگلی عورتیں جو شکل و صورت سے کچھ خوبصورت لگ رہی تھیں دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئیں۔ پہلے تو میرے سامنے کھڑی رہیں مگر پھر بے تکلفی سے آگے بڑھ کر میرے کپڑے اتارنے کی کوشش کرنے لگیں۔ میں سمجھ گیا کہ سردار نے شاید ان کو میری ”خدمت“ کرنے کے لیے بھیجا ہوگا۔ میں نے نرمی سے انہیں اپنے سے دور کیا مگر وہ حد سے گزرتی جا رہی تھیں۔ ایک نے تو جلدی سے اپنے جسم پر موجود مختصر سے کپڑے اتار دیے۔ اس خطرناک سچوئیشن کو دیکھ کر میرے

پاس اور کوئی راستہ نہیں تھا کہ زبردستی انہیں باہر جانے کا کہتا۔ میں نے  
ارتکاز توجہ سے انہیں دروازے کی طرف دھکیل دیا اور غصے سے  
دروازے سے باہر جانے کا اشارہ کیا۔ میری طاقت کا تماشا دیکھ کر وہ  
گبھرا گئیں اور پھر جلدی سے باہر چلی گئیں۔ میں نے اس مصیبت  
کے ٹلنے پر خدا کا شکر ادا کیا۔

تقریباً ایک گھنٹہ اسی طرح انتظار کرنے کے بعد مجھے ایک جنگلی نے دروازے سے جھانک کر باہر آنے کا اشارہ کیا۔ میں باہر نکلا تو دیکھا کہ کافی لوگ اکٹھے ہوئے ہوئے تھے۔ سب سے نمایاں ایک بہت بوڑھا جنگلی تھا جس نے اپنے گلے میں ہڈیوں کی مالا پہنی ہوئی تھی اس کے ایک ہاتھ میں ایک لاٹھی تھی جس کے اوپری سرے سے دھواں اٹھ رہا تھا۔ اس کے دائیں طرف سرخ بالوں والا جنگلی مودبانہ انداز میں کھڑا تھا۔ میں نے باقی لوگوں پر نظر ڈالی تو مجھے سردار بھی نظر آ



گیا۔ اور پھر ایک طرف مجھے ایک ایشیائی شخص بھی نظر آیا۔ اس نے کافی پرانی اور پھٹی ہوئی پینٹ شرٹ پہنی ہوئی تھی۔ مجھے شکل سے وہ چینی باشندہ لگا۔ اس بوڑھے جنگلی نے اس چینی باشندے کی طرف دیکھ کر اونچی آواز میں کچھ کہا۔ پھر چینی باشندے نے ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں مجھ سے پوچھا کہ میں کون ہوں اور یہاں کیا کرنے آیا ہوں۔

مجھے خوشی ہوئی کہ ان کے ساتھ بات کرنے کا کوئی تو طریقہ ملا۔ میں نے بھی انگریزی میں اسے بتایا کہ میں سورج دیوتا کا اوتار ہوں اور مجھے سورج دیوتا نے اس خطے میں مذہب کی تبلیغ کے لیے بھیجا ہے۔ میری بات سن کر چینی حیرت سے مجھے دیکھنے لگا جیسے میرے سر پر سینگ اگ آئے ہوں۔ مگر اس نے ترجمہ کرتے ہوئے میری بات ان جنگلیوں تک پہنچا دی۔ جیسے ہی انہیں اس بات کا علم ہوا ایک دم

سے تمام موجود جنگلیوں میں کھلبلی مچ گئی۔ کچھ مجھے احترام سے دیکھنے لگے اور کچھ شک سے۔ بوڑھے جنگلی نے چینی سے کچھ کہا اور پھر اس چینی نے ترجمہ کرتے ہوئے مجھ سے اس بات کا ثبوت مانگا۔

میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ان کو کیا ثبوت فراہم کروں۔ پھر کچھ سوچ کر میں اس چینی کو کہا کہ وہ ان لوگوں سے پوچھے کہ وہ کیا ثبوت مانگتے ہیں۔ چینی نے میری بات سن کر پہنچا دی۔ یہ بات سن کر بوڑھا جنگلی اور سرخ بالوں والا آپس میں کھسرپسر کرنے لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد بوڑھے جنگلی نے اس چینی سے کچھ کہا جس کا ترجمہ اس نے ان الفاظ میں کیا۔

”ہمارے ہاں یہ روایت ہے کہ ایک سورج دیوتا کا اوتار آنے والا ہے مگر اس کی نشانی یہ ہے کہ وہ جب چاہے گا سورج کی روشنی مدہم کر دے گا کیونکہ سورج دیوتا اس کی خواہش کا احترام کرتے ہیں۔ یہی

اس اوتار کی سب سے بڑی نشانی ہے۔ اگر تم یہ نشانی دکھا سکتے ہو تو ہم تمہیں سورج دیوتا کا اوتار مان لیتے ہیں۔“

اس عجیب سی فرمائش نے مجھے مشکل میں ڈال دیا۔ میری روحانی قوت اس قدر نہیں تھی کہ میں سورج کی روشنی مدھم کر سکتا۔ اور اگر میں ایسا کرنے سے انکار کر دیتا تو یقیناً وہ مجھے اپنا اوتار نہ سمجھتے جس سے میرا ان کے پاس قیام بہت مشکل ہو جاتا۔ مجھے یقیناً کسی مصلحت سے کام لینا تھا۔ میں ابھی یہ سوچ ہی رہا تھا کہ بوڑھے جنگلی نے اسی چینی باشندے کے توسط سے پھر کہا کہ اگر میں یہ نہیں کر سکتا تو پھر مجھے اپنا بیان واپس لے لینا چاہیے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ میں ایسا نہیں کر سکتا کیونکہ ایسا صرف اصل اوتار ہی کر سکے گا جو میں نہیں ہوں۔ بات بگڑتے دیکھ کر میں نے فوراً ایک فیصلہ کیا اور ان کو کہا کہ میں تیار ہوں مگر سورج دیوتا کی مرضی ہے کہ میں یہ کرتب دودن کے بعد دکھاؤں۔



میرا مقصد کچھ وقت لینا تھا مگر میری بات سن کر بوڑھا جنگلی اور سرخ بالوں والا، دونوں چونک پڑے۔ پھر انہوں نے کچھ کہا جس کا ترجمہ اس چینی نے یوں کیا۔

”بے شک، دو دن کے بعد سورج دیوتا کی عبادت کا دن ہے۔ تم شاید دیوتا کے اوتار ہی ہو جو تم نے اس مبارک دن کا انتخاب کیا مگر پھر بھی اپنے دل کی تسلی کے لیے ہم اس نشانی کو ضرور دیکھیں گے اور تب تک تم ہمارے پاس مہمان کی حیثیت سے رہو گے۔ تمہیں جو چاہیں تم مانگ سکتے ہو۔“

مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ میں نے وقت لینے کے لیے جو چال چلی تھی وہ اتفاقاً ان کے عبادت والا دن ثابت ہوئی۔ بہر حال اتنی بات کر کے وہ لوگ منتشر ہونے لگے اور پھر میں بھی اپنے اسے گیسٹ ہاوس نما چھوٹیڑے میں آ گیا۔ تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ وہ چینی اندر



داخل ہوا۔

”مجھے سردار نے آپ کے پاس بھیجا ہے تاکہ اگر آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو میں انہیں بتا سکوں۔“ اس چینی نے اسی طرح ٹوٹی پھوٹی انگلش میں کہا مگر اس کا لہجہ مودبانہ تھا۔

”ٹھیک ہے۔۔۔ تم باہر بیٹھو۔ مجھے ضرورت محسوس ہوئی تو میں بلا لوں گا۔“ میں نے اس کو جواب دیا کہ میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ ہر وقت میرے سر پر سوار رہے۔

اس کے باہر جاتے ہی میں زمین پر بیٹھ گیا اور پھر میں نے اپنی روحانی پرواز سے پوری بستی کا ایک چکر لگایا۔ سردار اپنی جھونپڑی میں چلا گیا جبکہ وہ بوڑھا جنگلی اور سرخ بالوں والا بھی ایک طرف جارہے تھے اور آپس میں باتیں بھی کرتے جارہے تھے۔ مجھے ان کی زبان سے ناواقفیت کا بڑا افسوس ہوا ورنہ میں ان کی باتوں سے کافی معلومات

حاصل کر سکتا تھا کہ وہ میرے بارے میں کیا سوچ رہے ہیں اچانک مجھے خیال آیا کہ کیوں نہ اس چینی کے ذریعے ان جنگلیوں کی زبان سیکھنے کے کوشش کی جائے۔ یہ سوچ کر میں نے اپنی روحانی پرواز ختم کر کے آنکھیں کھول دیں۔ پھر اٹھ کر باہر سے اسی چینی کو بلایا۔ وہ جھونپڑی کے باہر ہی موجود تھا۔

جب میں نے اس سے ان جنگلیوں کی زبان سکھانے کا کہا تو وہ فوراً ہی رضا مند ہو گیا۔ پھر اس نے مجھے زبان سکھانے کی کوشش شروع کر دی۔ میرے لیے وہ سب کچھ اجنبی تھا اس لیے ایک گھنٹے تک مختلف الفاظ ذہن نشین کرتے کرتے میرے سر میں درد شروع ہو گیا۔ پھر میں نے اسے باہر جانے کا کہا اور آرام کرنے ایک بستر پر لیٹ گیا جو اسی جھونپڑے میں لگا ہوا تھا۔

اس دن شام کو میں نے آیاں کو بلانے کا ارادہ کیا۔ میں اس سے مشورہ

کرنا چاہتا تھا کہ سورج کی روشنی کو مدہم کرنے کا کونسا علم ہو سکتا ہے۔ میں نے سورہ جن پڑھ کر اسے آواز دی۔ تیسری آواز پر وہ میرے سامنے تھا۔

”جی آقا!۔۔۔“ آیان نے مودبانہ انداز میں کہا۔  
”آیان!۔۔۔ مجھے تم سے ایک مشورہ کرنا ہے۔“ میں نے فوراً ہی کہا۔

www.define.pk

”حکم کریں سرکار۔“ آیان نے کہا۔  
”مجھے یہ جاننا ہے کہ کس عمل سے سورج کی روشنی کو مدہم کیا جاسکتا ہے؟“ میں نے پوچھا۔ اور میرے سوال پر وہ چونک پڑا۔  
”آقا!۔۔۔ سورج کی روشنی تو مدہم نہیں ہوتی ہاں البتہ سورج کو گرہن لگ سکتا ہے۔“ آیان نے کچھ الجھے ہوئے انداز میں کہا اور میں چونک پڑا۔ یہ تو بالکل سامنے کی بات تھی کہ سورج کو اگر گرہن لگ



جائے تو ایسا ہی لگے گا جیسے روشنی کم ہو گئی۔ مگر گرہن لگے گا کیسے۔  
”کیا تم مجھے بتا سکتے ہو کہ سورج کو گرہن کب لگے گا“ میں نے کچھ  
سوچتے ہوئے کہا۔

”آقا!۔۔۔ کم از کم اس سال تو کوئی چانس نہیں ہے۔“ آیان نے  
کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ”میرے اندازے کے مطابق تین سال کے  
بعد فروری کے مہینے میں کسی دن سورج گرہن لگنے کا چانس ہے۔  
”کیا تم کسی طرح سورج گرہن لگا سکتے ہو؟ میرا مطلب ہے عارضی  
طور پر؟“ میں نے اشتیاق سے پوچھا۔

”نہیں آقا!۔۔۔ یہ میری قوت میں نہیں ہے۔“ آیان نے صاف  
لہجے میں کہا۔

”اچھا کوئی اور طریقہ بتاؤ جس سے سورج کی روشنی کسی طرح مدہم کی  
جاسکے؟“ میں نے الجھے ہوئے انداز میں کہا۔



”آقا!۔۔۔ بات کیا ہے۔ آپ سورج کو گرہن کیوں لگانا چاہتے ہیں؟“ آیان نے سوال کیا۔ جواب میں میں نے ساری کہانی سنا دی۔

”یہ تو ہو سکتا ہے۔ اگر مقصد صرف اس بستی تک ہی ہے تو میں اس کا بندوبست کر سکتا ہوں۔“ آیان نے جلدی سے کہا۔

”وہ کیسے؟“ میں نے چونک کر پوچھا۔

”آقا!۔۔۔ اگر میں کچھ اوپر آسمان پر جا کر سورج اور اس بستی کے درمیان میں کوئی بڑی سے شے رکھ دوں تو یقیناً سورج کی روشنی اس بستی تک نہیں پہنچ سکے گی یا پھر کم پہنچے گی۔ اس سے ان کو لگے گا جیسے سورج مدہم ہو گیا ہے۔ آپ جب چاہیں گے میں اسے ہٹالوں گا تو روشنی پھر ویسی کی ویسی ہو جائے گی۔“ آیان نے اپنا منصوبہ بتاتے ہوئے کہا۔

”مگر تم کوئی شے لے کر آسمان پر جاو گے اور کیا وہ حجم میں بہت بڑی ہوگی؟“ میں نے اگلہ سوال کیا۔

”نہیں آقا!۔۔۔ جتنا میں آسمان میں اوپر جا سکوں گا اتنی چھوٹی چیز سے کام بن جائے گا۔ آپ یہ مجھ پر چھوڑ دیں۔ بس آپ مجھے اس وقت بلا لیجئے گا جب وہ آپ سے یہ شعبہ دیکھنے کی ضد کریں۔“

آیان نے مجھے مطمئن کرنے والے انداز میں کہا۔

”اچھا چلو ٹھیک ہے۔“ میں نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا۔

یہ ایک بڑا بوجھ تھا جو میرے کندھوں سے اتر گیا تھا۔ مجھے آیان کی

صلاحیت پر پورا اعتبار تھا۔

کچھ دیر باتیں کرنے کے بعد آیان رخصت ہو گیا۔ میں نے پھر چینی

باشندے کو بلا کر اس سے جنگلی زبان کا اگلا سبق دینے کو کہا۔ کچھ دیر

اس جنگلی زبان کا سبق پڑھنے کے بعد میں نے تجسس کے ہاتھوں مجبور

ہو کر اس سے اس کی یہاں موجودگی کا سبب پوچھا۔ جواب میں اس نے بتایا کہ اس کا نام چانگ جن ہے اور وہ یہاں شکار کھیلنے آیا تھا کہ ان جنگلیوں نے اس کو قید کر لیا۔ چونکہ وہ اکیلا ہی آیا تھا اس لیے اس کی مدد کو بھی کوئی پیچھے نہیں آیا۔ مجھے اس کی کہانی کچھ عجیب سے لگی۔ وہ اکیلا شکار پر کیوں آیا تھا۔ اسے اپنے ساتھ کوئی گائیڈ یا پھر کوئی ملازم وغیرہ کو رکھنا چاہیے تھا۔ بہر حال میں نے اس سے مزید باز پرس نہیں کی۔

شام کا کھانا بڑا پر تکلف تھا۔ آدھا پہاڑی بکرا بھنا ہوا تھا۔ اور اس کے ساتھ کافی سارے پھل بھی۔ میں نے حسب ضرورت کھا کر باقی انہیں واپس بھجوا دیا۔ رات کو سونے سے پہلے میں نے پھر ایک بار چانگ جن کو بلا کر ایک اور سہتی لیا۔ وہ زبان اب کچھ کچھ میری سمجھ میں آرہی تھی مگر ابھی بہت کچھ ایسا تھا جو مجھے مزید ذہن نشین کرنا تھا۔

اگلے دو دن بھی اسی طرح کی مصروفیت میں گزر گئے۔ اس دوران میرا قابل ذکر کارنامہ یہ ہی تھا کہ میں ان جنگلیوں کی زبان سے اتنا واقف ہو گیا تھا کہ ان کی کچھ باتیں میری سمجھ میں آنے لگی تھیں اور میں خود بھی چند الفاظ بول لیتا تھا۔ سورج دیوتا کی عبادت والے دن میں نے آیان کو بلایا۔ وہ ناصر ف آگیا بلکہ اس نے مجھے تسلی بھی دی کہ وہ اپنے اس خیال کا تجربہ ایک جگہ کرے <sup>www.pdfbooksfree.pk</sup>۔ اس لیے مجھے فکر نہیں کرنے چاہیے۔ پھر کافی دن چڑھے ایک جنگلی مجھے بلانے آیا۔

میں جب باہر نکلا تو دیکھا کہ سارا قبیلہ وہاں موجود تھا۔ وہ سارے کے سارے مجھے حیرت بھری نظروں دیکھ رہے تھے۔ پھر اسی بوڑھے جنگلی نے اس چینی کے توسط سے مجھے بتایا کہ پہلے سورج دیوتا کی عبادت کی جائے گی اور اس کے بعد وہ مجھے اپنی نشانی دکھانے کو کہیں گے۔ میں نے بھلا کیا اعتراض کرنا تھا۔ مگر مجھے اندازہ نہیں تھا کہ وہ عبادت کیسے



کرتے ہیں۔ اور جب انہوں نے عبادت شروع کی تو میرے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔

ان کی عبادت دراصل قربانی کی ایک رسم تھی۔ انہوں نے ایک عورت کو ایک عجیب سے چبوترے پر باندھ دیا اور پھر اس کے گرد رقص کرنے لگے۔ چند منٹوں کے رقص کے بعد انہوں نے بڑے ہی بے رحمانہ طریقے سے نیزے مار مار کر اس لہو لہان کر دیا۔ وہ عورت بڑی بے چارگی سے چلا رہی تھی۔ پھر چند جنگلیوں نے اس عورت کا خون ایک پیالے میں بھر کر بڑے پجاری کے سامنے رکھ دیا۔ اس پجاری نے خون کو سورج کی طرف بلند کر کے کچھ عجیب سے کلمات پڑھے اور پھر بہت تیزی سے اس خون کو سورج کی جانب اچھال دیا۔ خون کچھ دیر ہوا میں رہنے کے بعد زمین پر گر گیا اور نرم مٹی میں جذب ہونے لگا۔ پھر اس پجاری نے ایک بڑی سی چادر اس گرے ہوئے خون پر

ڈال کر اس ڈھک دیا اور اسی کے پاس بیٹھ کر کچھ پڑھنے لگا۔  
میں حیرت زدہ اس کو دیکھ ہی رہا تھا کہ مجھے اس خون والی جگہ پر کچھ  
عجیب سے حرکت محسوس ہوئی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے کوئی چیز اس  
چادر کے نیچے حرکت کر رہی ہو۔ میں نے فوراً آنکھیں بند کر کے اپنی  
روحانی آنکھوں سے دیکھا تو وہ کچھ عجیب سی چھوٹی چھوٹی مگر بہت ہی  
بدنما مخلوق تھی۔ اور وہ مخلوق بہت تیزی سے مٹی پر گرا خون چاٹ رہی  
تھی۔ چند ہی لمحوں میں اس نے خون کا نام و نشان تک مٹا دیا۔ اور پھر  
وہ ہوا میں تحلیل ہو گئی۔ اتنے میں پجاری نے چلا کر کچھ کہا اور سارے  
جنگلی خوشی سے چہچہانے لگے۔ پھر اس پجاری نے وہ چادر زمین سے  
اٹھا دی۔ وہ جگہ جہاں خون گرا تھا وہاں اب کوئی ایک چھوٹا سا دھبہ  
بھی نہیں تھا۔ اسے دیکھتے ہی جنگلیوں نے اونچی آواز میں چلانا شروع  
کر دیا۔ اور پجاری بہت مطمئن انداز میں چلتا ہوا ایک طرف کھڑے

سردار کے پاس کھڑا ہو گیا۔

پھر سردار نے چانگ جن سے کچھ کہا اور مجھے اندازہ ہو گیا کہ اب میری باری ہے۔ چانگ جن نے مجھے اس کا ترجمہ کر کے یہی بات بتائی کہ اب مجھے اپنی اوتار والی نشانی دکھانے کو کہا جا رہا ہے۔ میں چند قدم آگے بڑھ کر سب کے درمیان آ گیا تا کہ وہ لوگ مجھے دیکھ سکیں اور پھر ایسے ہی چند عجیب و غریب کلمات پڑھ کر میں نے اپنے دونوں ہاتھ ہوا میں بلند کر لیے جیسے میں کوئی غیر مرئی چیز ہلانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ پھر میں نے آیان جو میرے ساتھ ہی کھڑا تھا اسے اپنا کام شروع کرنے کا اشارہ کیا۔ وہ جلدی سے ہوا میں بلند ہوتا چلا گیا۔ میں اپنا ڈرامہ جاری رکھے ہوئے تھا اور اس بات منتظر تھا کہ کب آیان سورج کو گرہن لگائے تو میں ڈرامے کا اگلہ سین شروع کروں۔ مگر کافی انتظار کے بعد بھی جب روشنی میں کمی نہ ہوئی تو مجھے حیرت ہوئی۔



اسے تو اپنا کام چند لمحوں میں کر دینا چاہیے تھا۔ پھر اتنی دیر۔ پریشانی میں میں نے آنکھیں بند کر کرے اپنی روحانی آنکھ سے آسمان کی طرف دیکھا تو حیران رہ گیا۔ وہی عجیب سے مخلوق جو میں نے خون چاٹتے دیکھی تھی آسمان پر لاتعداد بکھری پڑی تھی اور انہوں نے آیان کو مکمل طور پر جکڑا ہوا تھا۔ وہ بے چارہ اپنی جگہ سے ہل بھی نہیں پارہا تھا۔ میں حیرت زدہ اسے دیکھ رہا تھا کہ مجھے زمین پر کچھ ہل چل محسوس ہوئی۔ میں نے اپنی روحانی آنکھ سے دیکھا کہ کچھ نیزا بردار میرے گرد آکھٹے ہو چکے تھے اور ان کے تیور کچھ اچھے نہیں لگ رہے تھے۔ یہ سچویشن بڑی عجیب سی ہو گئی تھی۔ یقیناً انہیں اس تاخیر کی وجہ سے مجھ پر شک ہو گیا تھا۔ میرے پاس وقت بہت کم تھا لہذا پہلے میں نے آیان کی مدد کا فیصلہ کیا۔ فوری طور پر اس سے چمٹی ہوئی مخلوق کو اپنی ارتکاز توجہ سے پرے دھکیل دیا ان کی گرفت سے آزادی ملتے ہی



آیان گولی کی سی رفتار سے آسمان کی طرف اڑ گیا۔ اسے تاخیر کا اندازہ تھا۔ پھر میں نے زمین پر اپنے گرد کھڑے نیزہ برداروں میں سے ایک کے ہاتھ سے نیزہ اس کے اپنی ہی پاؤں پر مار دیا۔ وہ تکلیف سے چیخنے لگا اور باقی سب اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ عین اسی وقت سورج کی روشنی مدہم ہونے لگی۔ اور میں نے اپنی روحانی پرواز ختم کر کے اپنے ڈرامے کا اگلہ سین شروع کر دیا۔ میں نے اونچی آواز میں انہی جنگلیوں کی زبان میں کہا۔

”اے لوگوں!۔۔۔ میرے اوتار کو تسلیم کرو اور جو یہ کہے ویسا ہی کرو۔“ میں نے جان بوجھ کر اپنی آواز کو بدلا ہوا تھا اور اسے حتی الامکان گونج دار بنایا ہوا تھا۔

اس کرشمے کو دیکھتے ہی سارے کے سارے جنگلی سجدے کی حالت میں گر گئے۔ میں نے پجاری کی طرف دیکھا تو وہ بہت ہی تعجب سے

مجھے دیکھ رہا تھا اور پھر اپنی ساتھ کھڑے سردار کو سجدے میں گرتے  
دیکھ کر وہ بھی سجدے میں گر گیا۔ شاید اس کے پاس مجھے تسلیم کرنے  
کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

پھر چند لمحوں کے بعد میں نے آہستہ آہستہ اپنے پھلائے ہوئے بازو  
سمیٹ لیے۔ میرا اشارہ سمجھتے ہوئے آیان نے اس عارضی سے گرہن  
کو ختم کر دیا اور روشنی پھر اپنی نارمل سطح پر آ گئی۔

جنگلی سجدے سے اٹھ کھڑے ہوئے اور میرے گرد رقص کرنے لگے۔  
سردار کے چہرے پر بھی عقیدت کے آثار تھے جبکہ پجاری مجھے مشکوک  
نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

کافی دیر تک ایک طوفان بدتمیزی مچا رہا اور پھر آہستہ آہستہ جنگلی اپنے  
اپنے گھروں کی طرف چل دیے۔ سردار مجھے ساتھ لے کر اپنے  
چھونپڑے کی طرف چل پڑا۔ بوڑھا پجاری بھی ساتھ ساتھ تھا۔ ہمارا

مترجم چانگ جن بھی ساتھ ہی تھا۔ سردار کا چھوٹیڑا اندر سے بہت صاف ستھرا اور کافی بھرا بھرا سا تھا۔ اسے دیکھ کر مجھے پرانے بادشاہوں کا زمانہ یاد آنے لگا جو کبھی کبھی ہم ٹیلی ویژن پر پرانی فلموں میں دیکھا کرتے تھے۔ ایک بڑا سا چبوترہ بنا ہوا تھا جس پر شیر کی کھال سکھا کر ڈالی ہوئی تھی۔ ارد گرد دو ملازمائیں پنکھا جھل رہی تھیں۔ سامنے بیٹھنے کے لیے سٹول نما کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔ سردار نے مجھے عزت دیتے ہوئے اپنے ساتھ چبوترے پر بیٹھا لیا جبکہ بوڑھا پجاری سامنے پڑے ایک سٹول پر بیٹھ گیا۔

”سورج کے اوتار کا ہمارے لیے پہلا حکم کیا ہے؟“ سردار نے احترام سے پوچھا جس کا ترجمہ مجھے چانگ جن نے کر کے سنایا۔

”سورج دیوتا کو تمہاری عبادت بالکل پسند نہیں ہے خاص طور پر عورتوں کی قربانی دینا۔“ میں نے وہ بات کر دی جو کافی دیر سے



میرے ذہن میں پھنسی ہوئی تھی۔ چانگ جن نے جب اس کا ترجمہ کیا تو پجاری بہت مضطرب نظر آنے لگا۔

”ٹھیک ہے!۔۔۔ جو حکم آپکا۔۔۔ اگلی عبادت پر آپ کے حکم کے مطابق عبادت کی جائے گی۔“ سردار نے اسی طرح احترام بھرے لہجے میں کہا۔

”ابھی مجھے آرام کرنا ہے۔“ میں نے جان چھڑانے کے لیے کہا۔

میرے بات کا ترجمہ ہوتے ہی بوڑھے پجاری نے جلدی سے کہا۔

”سورج دیوتا اپنا اوتار صرف خاص موقعوں پر ہی بھیجا کرتے ہیں۔ کیا

آپ ہمیں بتانا پسند کریں گے کہ آپ کو کس خاص کام کے لیے بھیجا گیا

ہے۔“ پجاری کے چہرے پر شک نمایاں تھا۔ چانگ جن نے بھی

اسے محسوس کر لیا تھا مگر اس نے بغیر کوئی تاثر لئے اس کی بات کا ترجمہ

کر دیا۔



”ہاں!۔۔۔ یہ حقیقت ہے مگر اس بات کا پتہ وقت آنے پر ہی چلے گے۔ سورج دیوتا اپنی باتیں عام لوگوں پر ظاہر نہیں کرتے۔“ میں اس بار پھر اپنا پہلو بچاتے ہوئے کہا۔ جب چانگ جن نے اس کا ترجمہ کر کے پجاری کو بتایا تو صاف لگ رہا تھا کہ وہ قطعی طور پر مطمئن نہیں ہوا تھا۔

میں نے اس کی پرواہ نہ کرتے ہوئے وہاں سے اٹھنے کا قصد کیا۔ میرے اٹھتے ہی سردار بھی اٹھ کھڑا ہوا اور پھر وہ اور پجاری مجھے باہر دروازے تک چھوڑنے آئے۔ پھر سردار نے مجھے ایک جنگلی کے ہمراہ ایک اور جھونپڑے کی طرف بھیج دیا۔ یہ جھونپڑا پہلے والے سے کافی کشادہ تھا اور یہاں رکھا ہوا سامان بھی سردار کے جھونپڑے کے مقابلے کا تھا۔ چانگ جن بھی میرے ساتھ ہی تھا۔ مجھے کافی تھکاوٹ محسوس ہو رہی تھی مگر یہاں کی زبان سیکھنا بہت ضروری تھا۔ اس لئے

میں نے ہمت کر کے چانگ چن سے مزید سبق لیا اور پھر اسے جانے  
کا کہہ کر آرام کرنے لیٹ گیا۔ ادھر ادھر کی سوچے سوچتے ہوئے مجھے  
نیند آ گئی۔

یہ شاید رات کا پچھلا پہر تھا جب اچانک مجھے اپنی سانس رکتی سے  
محسوس ہوئی۔ میں نے گھبرا کر آنکھ کھولی تو اندھیرے کے سوا کچھ نہ  
تھا۔ مگر میرے لیے سانس لینا ممکن نہ تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے کسی نے  
میرے ناک اور منہ کے آگے نہ نظر آنے والی کوئی چیز باندھ دی ہو جو  
سانس کے راستے میں روکاؤٹ بن رہی تھی۔ میں ابھی اس سچوئیشن کو  
سمجھ بھی نہ پایا تھا کہ اچانک یہ سانس بندی ختم ہو گئی اور میں نے بے  
اختیار ایک گہرا سانس لیا مگر اس سانس کے ساتھ ہی ایک انتہائی  
ناگوار بو بھی ناک کے راستے اندر چلی گئی اور پھر میرے ذہن پر غنودگی  
چھا گئی۔ مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ میں اپنے کنٹرول میں نہیں ہوں

اور میرے ارد گرد کا ماحول بڑی تیزی سے بدل رہا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے کوئی تیز رفتار سے فلم کو فارورڈ کرتا ہے۔ پھر مجھے کچھ دیر کے لیے بالکل ہوش نہ رہا۔

ہوش آیا تو ایک ایسی جگہ پر کہ میں نہ زمین پر تھا اور نہ آسمان پر۔ ایک درخت کے ساتھ مضبوط سارسہ بندھا ہوا تھا جس کو میری کمر کے ساتھ لپیٹا گیا تھا اور اسی رے سے شاید میرے ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھا۔ میں اسی طرح جھول رہا تھا جیسے پھانسی پر چڑھنے والا کوئی مجرم جھولتا ہے بس فرق اتنا تھا کہ میرے گردن کی بجائے رے میری کمر پر بندھا ہوا تھا۔ پھر میں نے اپنی اطراف پر غور کیا تو دیکھا کہ میرے ارد گرد سفید سا دھواں پھیلا ہوا تھا۔ نیچے مجھے زمین اس دھوئیں کی وجہ سے نظر نہیں آرہی تھی مگر یہ دھواں نیچے سے ہی کہیں سے آرہا تھا۔



کچھ دیر مجھے مکمل طور پر ہوش میں آنے میں لگی اور پھر میں نے محسوس کیا کہ کوئی اونچی آواز سے کچھ پڑھ رہا تھا۔ اور پھر اچانک مجھے اپنے دماغ میں ایک آواز سنائی دی۔

”تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو۔“ ایک بوڑھی مگر مضبوط آواز نے پوچھا۔ میں نے فوراً ہی بوڑھے پجاری کی آواز کو پہچان لیا۔

”میں سورج دیوتا کا اوتار ہوں۔ تم نے مجھ پر حملہ کر کے اچھا نہیں کیا۔“ میں نے اونچی آواز میں کہا مگر پھر مجھے احساس ہوا کہ وہ

پجاری آواز نہیں بلکہ خیالات سے بات کر رہا تھا۔ شاید اس کو بھی ٹیلی پیٹھی کا علم آتا تھا جس کا ایک مظاہرہ میں جاڑوں کی بستی میں دیکھ چکا تھا۔

”تم جھوٹ بولتے ہو۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ یہاں کوئی سورج دیوتا نہیں ہے۔ یہ کہانی تو ہم لوگوں نے سادہ لوح جنگلیوں کو بے وقوف



بنانے کے لیے گھڑی ہوئی ہے۔“ پجاری نے طنزیہ انداز میں کہا۔  
”تمہارے لیے بہتر ہے کہ مجھے صاف صاف بتا دو کہ تم کون ہو ورنہ  
ایک تکلیف دہ موت کے لیے تیار ہو جاؤ۔“ آخر میں اس کے لہجے  
میں سختی آ گئی تھی۔

مجھے اس کا یہ سخت انداز بالکل پسند نہیں آیا تھا۔ چونکہ اب کی بار پجاری  
نے براہ راست حملہ کیا تھا اس لیے میرے لیے بھی براہ راست جواب  
دینا آسان ہو گیا تھا۔ اس لیے میں نے اسے سبق سیکھانے کا فیصلہ کر  
لیا۔ پھر میں نے آنکھیں بند کر کے روحانی آنکھوں سے اسے دیکھنے  
کی کوشش کی مگر میں حیران رہ گیا کہ میری روحانی آنکھوں کے سامنے  
اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ اور میری روح پرواز نہ کر پا رہی تھی۔ یہ میرے  
لیے حیرانی کا باعث تھا۔ جسمانی آنکھوں سے تو مجھے دھواں نظر آ رہا  
تھا مگر روحانی آنکھیں مکمل اندھیرا ہی دکھا رہی تھیں۔ اچانک مجھے

احساس ہوا کہ یہ دھواں کوئی خاص دھواں ہے جس نے میرے روحانی  
حواس کو معطل کر دیا ہے۔ اس خیال کے آتے ہی مجھے پریشانی نے  
آگھیرا۔ یہ بیماری بھی کوئی توپ چیز ثابت ہو رہا تھا۔

”میں تمہیں آخری بار کہہ رہا ہوں کہ مجھے صاف صاف اپنے بارے  
میں بتادو ورنہ اب میں اپنا عمل شروع کر دوں گا جس سے تم انتہائی  
تکلیف کا شکار ہو جاؤ گے اور مجھ ہی تکلیف تمہاری جان لے لے  
گی۔“ بیماری نے دھمکی دیتے ہوئے کہا۔

میں نے بھی اپنا آخری ہتھیار آزمانے کا فیصلہ کیا اور آیت کریمہ بلند  
آواز میں پڑھنے کے کوشش کی مگر۔۔۔ یہ کیا!۔ مجھے آیت کریمہ بھول  
گئی تھی۔ یہ میرے لیے ناقابل یقین بات تھی مگر یہ ایک مسلمہ  
حقیقت تھی اسی طرح جس طرح یہ کہ میں اس وقت بندھا ہوا تھا۔  
باوجود انتہائی کوشش کے مجھے آیت کریمہ کے الفاظ یاد نہیں آرہے

تھے۔ آیت کریمہ ہی کیا مجھے کوئی بھی قرآنی آیت یاد نہیں آرہی تھی  
حالانکہ میں بہت ساری سورتیں حفظ کی ہوئی تھیں۔ اب میرے  
ہاتھوں کے طوطے اڑ چکے تھے۔ بغیر روحانی طاقتوں کے میرے پاس  
صرف آیات قرآنی ہی ایک ہتھیار تھا جو کسی وجہ سے ناقابل استعمال  
ہو گیا تھا۔ ان سب کے بغیر میں بے بس اور لاچار ایک عام انسان  
کے سوا کچھ نہیں تھا۔ اسی سوچ نے مجھے دماغ میں اندھیرے  
پھیلائے شروع کر دیے۔ مگر اچانک مجھے عظیم سوال کی وہ بات یاد آ گئی  
جس میں انہوں نے کہا تھا کہ انسان کی اصل طاقت تو حوصلہ ہوتا  
ہے۔ اگر انسان حوصلے سے کام لے تو خود خدا بھی اس کی مدد کرتا  
ہے۔ بس یہی سوچ کر میں نے ایک نئے ولولے اور جوش سے اپنے  
گرد حالات کا جائزہ لینا شروع کیا۔ اب چونکہ میری جسمانی آنکھیں  
دھوئیں کی عادی ہو چکی تھیں اس لیے مجھے کسی حد تک نظر آنے لگا تھا۔



میں دیکھ سکتا تھا کہ زمین پر عین میرے نیچے ایک آدمی کاھیولہ سا تھا جو

ایک آگ جلائے بیٹھا تھا۔ یقیناً یہ بوڑھا پجاری ہی تھا۔

”ٹھیک ہے!۔۔۔ جیسے تمہاری مرضی۔ اب میں اپنا عمل شروع

کرنے لگا ہوں۔“ اس بار پجاری کا لہجہ انتہائی سخت تھا اس نے

میرے سارے بدن میں سرد سے لہر دوڑادی۔

”تم میرے بارے میں کیا جانتا چاہتے ہو؟“ میں نے مزید وقت

لینے کے غرض سے پوچھا۔

”تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟“ بوڑھے پجاری نے اپنا سوال

دہرایا۔

”میرا نام سلیمان ہے اور میں جادوئی علوم سیکھنے کی غرض سے افریقہ آیا

ہوں۔“ میں نے صاف گوئی سے کام لیا مگر جان بوجھ کر تفصیل نہیں

بتائی۔



”وہ کون تھا جس نے سورج کی روشنی کو مدہم کیا۔ اور میرے بیرے  
اسے روک نہ سکے؟“ اس بار پجاری نے قدرے حیرت سے  
پوچھا۔

”وہ ایک جن ہے جو میرا دوست بنا ہوا ہے اور وقتاً فوقتاً میرے کام  
آتا رہتا ہے۔ میرا خیال تھا کہ اپنے آپ کو سورج دیوتا کا اوتار ثابت  
کر کے مجھے یہاں کے پجاری اور دوسرے جادوگروں کا خاص کرب  
حاصل ہو جائے گا اور اس طرح میں ان سے جادوئی علوم سیکھ سکوں  
گا۔“ میں نے کچھ اور تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔ جھوٹ بولنا میرے  
لیے بہت مشکل کام تھا مگر میں حقائق کو کسی حد تک اپنے انداز میں  
بیان کر رہا تھا تا کہ جھوٹ بھی نہ بولوں اور ساری تفصیلات بھی نہ ظاہر  
کروں۔

”حیرت ہے۔ تم جادوئی علوم کیوں سیکھنا چاہتے ہو؟“ پجاری نے

اس باز پھر حیرت سے پوچھا۔

”بس میرا شوق ہے۔“ میرے پاس اس کا کوئی جواب نہ تھا اس لیے میں نے گھسا پٹا ساعی جواب دے دیا۔

”دیکھو!۔۔۔ تمہارے باتوں سے میرے دل میں تمہارے لیے ایک نرم گوشا پیدا ہوا ہے۔ اسے جھوٹ بول کر ضائع مت کرو۔ میں ابھی بھی تمہیں اپنا چیلہ بنا کر جادوئی علوم سیکھا سکتا ہوں مگر اس کے لیے تمہیں سچ بولنا ہوگا۔“ پجاری نے اس بذوق قدرے نرم لہجے میں کہا۔

میرے لیے پچوٹن مشکل ہو گئی تھی۔ وہ میرے اندر تک جھانک رہا تھا اس لیے بازو کو کوشش کے میں جھوٹ نہیں بول پڑا تھا اور جو جھوٹ بولا تھا وہ اس نے فوراً پکڑ لیا تھا۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد میں نے اپنی اسی پالیسی کے تحت مسئلہ حقائق کا ایک حصہ ظاہر کر دیا۔

”در اصل!۔۔۔ مجھے ایک انتہائی طاقتور جن سے اپنی ماں کی موت کا

بدلہ لینا ہے جس نے میری آنکھوں کے سامنے میری ماں کو زندہ جلا دیا۔“ یہ کہتے ہوئے نجانے کیوں میرے جسم میں گرمی کی ایک لہری دوڑ گئی۔

”ہاں!۔۔ اب تم نے سچ بولا ہے۔“ پجاری شاید میرے لہجے سے مرعوب ہو گیا تھا۔

”میرا نام ڈوسائی ہے اور میں جس قبیلے کا سب سے بڑا پجاری ہوں۔ میں نے اپنی عمر کے پچاس سال یہاں اس قبیلے کو دیئے ہیں۔ اب تم میرے چیلے ہو۔ تم اسی طرح اوتار بن کر یہاں پر رہو گے مگر اب وہ ہی کرو گے جو میں کہوں گا۔ اگر تم میری باتوں پر عمل کرتے رہے تو میں تمہیں وہ علوم سیکھا دوں گا جس کے لیے تم یہاں آئے ہو۔“ اس بوڑھے پجاری جس کا نام ڈوسائی تھا، نے ایک طرح سے حکم سنایا۔

اس وقت میرے پاس کوئی اور راستہ نہیں تھا۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد میں رضا مند ہو گیا۔ کچھ ہی دیر میں دھواں اٹھنا بند ہو گیا اور میں نے دیکھا کہ نیچے درخت کی جڑ میں وہی بوڑھا پجاری الٹی پالٹی مار کر بیٹھا تھا اور اس کے سامنے آگ جل رہی تھی۔ ایک طرف کپڑے کی تھیلی پڑی ہوئی تھی جس میں سے شاید کچھ نکال کر وہ آگ میں پھینک رہا تھا جو اس دھواں کو پیدا کرتا تھا۔

اس آگ کو بجھا کر اس نے منہ ہی منہ میں کچھ پڑھا اور میرا رسہ اوپر سے ڈھیلہ ہونے لگا۔ میں آہستہ آہستہ زمین پر آنے لگا۔ جیسے ہی میرے پاؤں زمین پر پڑے اسی وقت میری کمر کے گرد رسہ خود بخود کھل کر اوپر اٹھنے لگا جیسے درخت کے اوپر سے کوئی اسے کھینچ رہا ہو۔ بوڑھے ڈوسائی نے مجھے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا اور میں اس کے پیچھے چل پڑا۔



کچھ ہی دور اس پجاری کی جھونپڑی تھی۔ اس نے مجھے اپنے ساتھ اندر آنے کا کہا اور اس میں داخل ہو گیا۔ میں بھی اس کے پیچھے پیچھے اندر چلا آیا۔ اس نے مجھے ایک موڑے پر بیٹھنے کا کہا اور پھر دوسرے موڑے پر خود بیٹھ گیا۔

”تم نے بہت چلا کی سے اپنی جگہ اس قبیلے میں بتائی ہے۔ اس بات نے مجھے خوش کیا مگر یہ کمال تمہیں میرا خاص چیلہ بتانے کے لیے کافی نہیں ہے کہ میں تمہیں اپنے علوم سیکھاؤں جو میں نے برسوں کے ریاضت سے حاصل کیے ہیں۔ تمہیں اس کے لیے کچھ اور بھی کرنا ہو گا۔“ بوڑھے ذوساٹ نے کچھ سوچتے ہوئے اپنی زبان میں کہا۔ میں چونک کچھ کچھ اس زبان کو سمجھ سکتا تھا اس لیے اس کا مدد کا کافی حد تک سمجھ گیا۔

”مجھے اور کیا کرنا ہو گا؟“ میں نے اس کی شکل زبان میں پوچھا۔

”تمہیں میرے لیے ایک کام کرنا ہوگا مگر میں اس کے بارے میں تمہیں چند دنوں کے بعد ہی بتاؤں گا۔ تب تک تم سورج دیوتا کے اوتار بن کر عیش کرو۔ اور ہاں۔۔۔ جتنی جلدی ہو سکے ہمارے زبان پر عبور حاصل کر لو۔ اس کے بغیر تم کچھ نہیں بن سکو گے۔“ بوڑھے ڈوسائی نے ہاتھ ہوا میں بلند کرتے ہوئے کہا اور آخر میں مجھے باہر جانے کا اشارہ کیا۔

میں خاموشی سے اٹھ کر باہر نکل آیا۔ پھر کچھ دیر ادھر ادھر بھٹکنے کے بعد میں نے اپنا جھونپڑا تلاش کر ہی لیا۔ وہاں دروازے پر دو پہر اداں اونگھ رہے تھے۔ مجھے اپنی طرف آتا دیکھ کر وہ چونک پڑے اور پھر حیرت سے مجھے دیکھنے لگے۔ شاید مجھے ان کے سامنے سے نہیں لے جایا گیا تھا اور وہ حیرت زدہ تھے کہ میں باہر کیسے نکلا جو اب واپس آ رہا ہوں۔ میں ان کو حیرت زدہ چھوڑ کر اندر جھونپڑی میں چلا گیا۔

بستر پر گر کر میں ان حالات کے بارے میں سوچنے لگا۔ بوڑھا ڈوسائی  
میرے اندازے سے زیادہ طاقتور نکلا اور اس نے نجانے کیسے  
میرے روحانی حواس پر قابو حاصل کر کے مجھے اس طرح بے بس و  
لاچار اپنی بات ماننے پر مجبور کر دیا۔ یقیناً وہ دھواں ہی اس کی اصل  
طاقت تھا ورنہ وہ مجھے اور آیان کو مصنوعی سورج گرہن لگانے میں کبھی  
کامیاب نہ ہونے دیتا۔ پھر اچانک مجھے اپنی روحانی قوتوں کی بندش  
کا خیال آیا۔ میں نے جلدی سے آنکھیں بند کر کے روحانی پرواز کی  
اور یہ جان کر میری خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا کہ میری قوتیں بحال ہو  
چکی تھیں۔ میں نے آنکھیں کھول کر آیت کریمہ یاد کرنے کی کوشش کی  
تو وہ بھی مجھے ایسے یاد آگئی جیسے کبھی بھولی ہی نہ تھی۔ یہ سب کچھ  
میرے لیے بہت عجیب تھا۔ پتہ نہیں دنیا میں کیسے کیسے جادوئی علوم  
بھرے پڑے تھے۔ بہر حال مجھے یہ سب سیکھنے تھے یا کم از کم اتنا جو

مجھے طالش سرکار کے مقابلے کی سکت دے سکے۔

یہی سب کچھ سوچتے سوچتے مجھے نیند آ گئی اور پھر صبح کو سورج چڑھے  
میری آنکھ کھلی۔ میری تو وضع پر تکلف ناشتہ سے کی گئی۔ اس کے بعد  
سردار نے مجھے اپنے ساتھ لے کر سارے قبیلے کا چکر لگایا۔ اسی طرح  
وقت گزرتا گیا۔ میں نے چانگ جن کی مدد سے اب بہت حد تک ان  
قبیلے والوں کی زبان پر عبور حاصل کر لیا تھا۔ تاہم اس دوران ڈوسائی  
سے کوئی ملاقات نہ ہو سکی۔ اور پھر ایک دن وہ میرے جھونپڑے میں  
داخل ہوا۔

”خوب عیش ہو رہے ہیں؟“ ڈوسائی نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

”ہاں“ میں نے بھی اکھڑا انداز میں کہا۔

”بہر حال!۔۔۔ میں یہ بتانے آیا تھا کہ کل پھر سورج دیوتا کی عبادت

کا دن ہے اور میں چاہتا ہوں کہ تم میرے بتائے ہوئے طریقہ کار



میں کوئی تبدیلی مت کرو۔“ ڈوسائی نے سپاٹ سے لہجے میں کہا۔  
”یعنی وہی عورت کو بے رحمانہ انداز میں قتل کرنے والا طریقہ؟“  
میں نے تلخ لہجے میں پوچھا۔

”ہاں!۔۔۔ میرے بیروں کو خون کی ضرورت ہوتی ہے اور اس کی  
لیے مجھے یہ سب کچھ کرنا پڑتا ہے۔“ ڈوسائی نے تیز لہجے میں ایک  
ہاتھ بلند کرتے ہوئے کہا۔ ”بلن تمہاری زبان بند رکھنا ورنہ۔۔۔“  
میں ڈوسائی کی دھمکی اچھی طرح سمجھتا تھا اس لیے کچھ نہ بولا اور پھر وہ  
تھوڑی دیر بعد واپس چلا گیا۔ وہ دن میرا سب سے بور دن گزرا۔ میرا  
موڈ سخت آف ہو گیا تھا۔ ٹھیک ہے کہ ڈوسائی کے پاس کچھ قوتیں  
میری سمجھ سے باہر تھیں مگر اس طرح حکم ماننے کی مجھے بھی عادت نہیں  
تھی۔

اسی رات میں نے آیان کو بلا کر اسے مشورہ کیا کہ اس ڈوسائی کے

ساتھ کس طرح پیش آنا چاہیے۔

”آقا!۔۔۔ ڈوسائی کے پاس بہت بڑی تعداد میں بیر ہیں۔ یہ بیر

اس کی مرضی کے مطابق ہر جائز و ناجائز کام کرتے ہیں۔ چونکہ یہ

انسانوں کو نظر نہیں آتے اس لیے وہ ان کو جادو سمجھتے ہیں۔ اس طرح

ڈوسائی ان سادہ لوح جنگلیوں پر حکم چلاتا ہے۔ اس برتری کو قائم

رکھنے کے لیے اسے یہ سب کچھ کہنا پڑتا ہے اور وہ کرتا رہے گا۔“

آیان نے اپنے سمجھ کے مطابق حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے کہا۔

”وہ تو ٹھیک ہے مگر صبح میں ایک اور عورت کا خون ہوتے نہیں دیکھ

سکتا۔“ میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

”جو آپ بہتر سمجھے۔ میرے لیے کیا حکم ہے؟“ آیان کے لہجے میں

واضح خوف کی جھلک تھی۔

”تم اس ڈوسائی سے خوفزدہ ہو؟“ میں نے پوچھا۔

”جی ہاں!۔۔۔ کیونکہ یہ بیر بہت طاقت ور ہیں۔ چونکہ مجھے ان کا تجربہ ہو چکا ہے اس لیے میں کہہ سکتا ہوں کہ یہ عام بیروں سے جو کالا جادو سیکھنے والے عالموں کے پاس ہوتے، سے ہزار گنا زیادہ طاقتور ہیں اور ہم جنوں کے تو یہ ویسے بھی بہت بڑے دشمن ہوتے ہیں۔ پھر آپ نے خود ہی بتایا تھا کہ اس ڈوسائی نے آپکو بھی اپنے بے بس کر لیا تھا۔ مجھے لگتا ہے کہ اس کے پاس بہت خطرناک قوتیں ہیں۔ ایسی صورت میں اس سے ٹکرانے کی حکمت عملی خطرناک بھی ہو سکتی ہے۔ ویسے بھی آپ کی یہاں آمد کا مقصد ان عورتوں کو بچانا نہیں بلکہ کچھ اور ہے۔“ آیان نے صاف لہجے میں جواب دیا۔ مجھے اس کی یہ بات بہت اچھی لگتی تھی۔ وہ صاف بات کرتا تھا چاہے اس کا انجام کچھ بھی ہو۔

”تم ٹھیک کہتے ہو۔ میں تو اس کوشش میں ہوں کہ کسی طرح اس

دوسائی سے کچھ سکھ لوں مگر کیا کروں یہ دل بھی نہیں مانتا ہے۔“ میں نے بے بسی سے کہا۔

آیاں کچھ دیر تک مجھے سمجھا تا رہا اور پھر وہ رخصت ہو گیا۔ میں دیر تک یونہی بیٹھا سوچتا رہا۔ حالات کا تقاضہ یہ تھا کہ میں کسی نہ کسی طرح اپنے آپ پر قابو رکھتا اور دوسائی کا دل جیتنے کی کوشش کرتا تا کہ وہ مجھے اپنے علوم سکھائے جبکہ ایک بے قصور عورت کے قتل پر میرا ضمیر مجھے خاموش بیٹھنے کے اجازت نہیں دیتا تھا۔ پچھلی بار تو مجھے معلوم نہ تھا کہ وہ کیا کرنے والے ہیں مگر اس بار تو میں جانتا ہوں اور چاہوں تو سردار کو کہہ کر اسے رکو ابھی سکتا ہوں۔ مگر دوسائی ایسا نہیں چاہتا تھا۔

سوچتے سوچتے میرے سر میں درد ہونے لگا اور پھر میں اپنے جھونپڑے سے باہر نکل آیا۔ یہ چاند کی بارھویں رات تھی اس لیے ہر طرف چاندنی کا سیرا تھا۔ اس چاندنی میں قبیلے کے گرد موجود



درختوں نے بہت ہی محصور کن منظر باندھ رکھا تھا۔ عموماً میں رات کو جھونپڑے سے باہر نہیں نکلتا تھا اس لیے اس قدر ترقی حسن سے بے خبر تھا۔ آج اس کا نظارہ کرتے ہوئے مجھے اپنے دماغ میں شگفتگی کا احساس پیدا ہوا۔ اس بے بسی کی گھٹن میں یہ احساس بہت فرحت بخش تھا اس لیے میرے قدم خود بخود ہی آگے بڑھتے گئے اور میں گھنے جنگل کی طرف چل پڑا۔ ایک بہت بڑے برگد کے درخت کے نیچے کافی بڑا سا تالاب بنا ہوا تھا۔ اس میں موجود پانی کے اندر مجھے چاند کا چہرہ بہت بھلا لگ رہا تھا۔ میں اسی برگد کے درخت کے پاس بیٹھ گیا اور پتہ نہیں کتنی دیر یونہی پانی کے اندر چاند کے عکس کو دیکھتا رہا۔ پھر اچانک مجھے وقت کے گزرنے کا احساس ہوا تو میں اٹھ کھڑا ہوا۔ ابھی واپسی کے لیے قدم اٹھایا ہی تھا کہ ایک آواز نے میرے قدم روک لیے۔

”اے سورج دیوتا کے اوتار!۔۔۔ کیا تم میرے کچھ مدد کر سکتے ہو؟“

ایک مدھم مگر قدرے واضح آواز میں کسی نے التجا کی۔

میں نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا مگر کچھ بھی نظر نہ آیا۔ میں نے سوچا کہ شاید میری سماعت کو دھوکہ ہوا ہو گا مگر اس سے پہلے کے میں آگے بڑھنے کے لیے قدم اٹھاتا، وہی آواز پھر سنائی دی۔

”مہربانی کر کے۔۔۔ میری مدد کرو۔“ زبان بلاشبہ جنگلی ہی تھی مگر

اب میں اس سے کافی حد تک عبور حاصل کر چکا تھا اس لیے میں بغیر کسی غلطی کے اسے سمجھ سکتا تھا۔ یقیناً کوئی تھا جو مجھے مدد کے لیے پکار

رہا تھا اور میں اسے سن تو رہا تھا مگر دیکھنے سے قاصر تھا۔ اس بار میں نے غور سے اس سمت دیکھا جدھر سے آواز آئی تھی مگر کچھ نہ دیکھ پایا۔

پھر اپنے روحانی حواس کو آزمانے کا فیصلہ کرتے ہوئے میں نے آنکھیں بند کیں اور اپنی روحانی خوردبینی آنکھوں سے جنگل کا یہ حصہ

کنگالنے لگا۔ بلا آخر وہ مجھے مل گیا۔

وہ ایک تین سے چار انچ کا چھوٹا سا انسان تھا۔ جی ہاں!۔۔۔ بونا۔

۔۔ جو مجھ سے کوئی دس قدم کے فاصلے پر زمین پر ایک درخت کی چھوٹی سی ٹہنی میں پھنسا ہوا تھا۔ وہ ٹہنی انگلش کے لفظ Y کی شکل کی تھی

اور پتہ نہیں کیسے وہ اس میں اس طرح پھنس گیا تھا کہ باوجود کوشش

کے نکل نہیں پار ہا تھا۔ یہ صرف میری روحانی آنکھ کا کمال تھا کہ میں

اسے دیکھ پایا تھا ورنہ شاید میں کبھی بھی اسے دیکھ نہ پاتا۔

میں نے آنکھیں کھول دیں اور پھر آہستہ آہستہ اس کی طرف چل پڑا۔

بہت غور سے اور قریب سے دیکھنے پر مجھے وہ نظر آ گیا۔

”بہت بہت شکریہ!۔۔۔ مہربانی کر کے مجھے اس مشکل سے نجات

دلائیں۔“ اس نے مجھے قریب آتے دیکھا تو پھر التجاء بھرے لہجے

میں کہنے لگا۔



”تم کون ہو اور کس طرح اس ٹہنی میں پھنس گئے؟“ میں نے حیرت بھرے لہجے میں پوچھا۔

”میرا نام۔۔ سروکا ہے اور میں اپنے قبیلے کا سردار تھا۔ ہمارے ایک دشمن قبیلے نے ہمارے قبیلے پر رات کی تاریکی میں حملہ کر دیا اور سب مردوں کو مار کر مجھے موت کی سزا سن کر یہاں چھوڑ گئے۔ ابھی تھوڑی دیر میں کوئی خونخوار جنگلی بلی یا لکڑی اور جانور مجھے مار کر کھا جائے گا۔ یہ ایک اسی سزا ہے کہ میں سوائے بے بسی سے اپنی موت کا انتظار کرنے کے کچھ نہیں کر سکتا۔ میری قسمت شاید اچھی ہے کہ آپ ادھر آ گئے اور میری طرف متوجہ بھی ہو گئے ورنہ انسان تو ہمیں دیکھ ہی نہیں پاتے۔“ اس نے جلدی جلدی اپنی کہانی سناتے ہوئے کہا۔ ”اب آپ جلدی سے مجھے اس مصیبت سے چھٹکارا دلائے اس سے پہلے کہ کوئی جانور مجھے اپنا نشانہ بنالے۔“



میں نے آگے بڑھ کر بڑی احتیاط سے اسے اس ٹہنی سے علیحدہ کیا۔  
ٹہنی کو جان بوجھ کر ادھا کٹ لگا کر کھولا گیا تھا اور اس کے بیچ و بیچ  
اسے پھنسا یا گیا تھا۔ یقیناً اپنے وجود کے تناسب سے جتنی بھی طاقت  
اس میں تھی وہ اس سے اپنے آپکو آزاد نہیں کروا سکتا تھا۔ جب میں  
نے اسے آزاد کر دیا تو مجھے احساس ہوا کہ وہ کچھ زخمی بھی تھا۔ شاید اس  
کی پسلیاں دباؤ کا شکار ہو گئی تھیں۔  
”تم ٹھیک تو ہو؟“ میں نے تشویش سے پوچھا۔  
”ابھی تو نہیں۔۔۔ مگر کچھ دیر میں چلنے کے قابل ہو جاؤں گا۔“ اس  
نے تکلیف سے کراہتے ہوئے کہا۔  
”تم اسی طرح پڑے رہے تو پھر بھی کوئی نہ کوئی جانور تمہیں اٹھا کر کھا  
جائے گا۔ تم میرے ساتھ چلو۔“ میں نے اپنا ہاتھ آگے بڑھاتے  
ہوئے کہا۔

”شکریہ!۔۔۔ آپ یقیناً ٹھیک کہہ رہے ہیں۔“ بونے نے جس کا نام سروکا تھا نے جلدی سے کہا اور پھر باوجود تمام تکلیف کے اٹھ کر میرے ہاتھ کی ہتھیلی پر بیٹھ گیا۔ میں اسے لیے ہوئے کھڑا ہو گیا اور آہستہ آہستہ اپنے جھونپڑے کی طرف چل پڑا۔ تھوڑی ہی دیر میں، میں اپنے جھونپڑے کے سامنے تھا۔ میں نے دانستاً سروکا کو اپنی مٹھی میں دبا کر اپنا ہاتھ اپنی کمر پر باندھ لیا تا کہ پہرے دار اس کو نہ دیکھ سکیں۔ اندر داخل ہو کر میں نے سروکا کو ایک موڑھے پر کھڑا کر دیا۔

”تم اب یہاں محفوظ ہو۔“ میں نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

”اگر آپ کو تکلیف نہ ہو تو کچھ کھانے کو مل سکتا ہے؟“ اس نے کسی قدر جھجکتے ہوئے پوچھا۔

”ضرور“ میں نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا اور پھر ایک ٹوکری سے کچھ پھل لا کر اس کے سامنے رکھ دیئے۔ اس نے بامشکل ادھانچ

کے برابر کیلا کھایا اور موڑھے پر لیٹ گیا۔ میں بغور اسے دیکھے جا رہا تھا۔ جب میں نے دیکھا کہ وہ کھانے سے فارغ ہو گیا ہے تو تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر میں نے سوال کر دیا۔

”دوست!۔۔۔ کچھ اپنے بارے میں اور بتاؤ۔ تم مجھے کیسے جانتے ہو اور تم جیسے اور کتنے بونے جنگل میں آباد ہیں؟“

”اے دیوتا کے اوتار!۔۔۔ اس جنگل میں ہماری تعداد کوئی سات سو کے لگ بھگ ہے۔ ہم لوگ زیر زمین گھروں میں رہتے ہیں اور ہمیشہ انسانوں کی آبادیوں سے دور رہتے ہیں۔ ہماری ساری آبادی چھوٹے چھوٹے بے شمار قبائل میں بٹی ہوئی ہے۔ ہم انسانوں سے دور تو رہتے ہیں مگر ہمارے جاسوس ہمیشہ انسانوں کے قریب رہتے ہیں تاکہ یہ جان سکیں کہ کہیں انہیں ہمارے بارے میں علم تو نہیں ہو گیا۔ ہم جانتے ہیں کہ جس دن انسانوں کو ہمارے بارے میں علم ہوا



تو وہ فوراً ہمیں مارنے کے لیے دوڑ پڑے گے۔ اس لیے ہم نے اپنی حفاظت کے غرض سے جاسوس قریبی آبادیوں پر نظر رکھنے لیے معمور کیے ہوئے ہیں۔ اس لیے میں یہ جانتا ہوں کہ آپ دیوتا کے اوتار ہیں اور اس آبادی میں رہتے ہیں۔“ سروکا بونے نے تفصیل سے بتاتے ہوئے کہا۔

”حیرت ہے۔۔ ہماری دنیا تم لوگوں کے بارے میں لاعلم ہی ہے۔“ میں نے سچی حیرت سے کہا۔

”اچھی بات ہی ہے۔ شاید اسی لیے ہم بھی زندہ ہیں۔“ پہلی بار سروکا بونے نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”ہاں شاید تم ٹھیک کہتے ہو۔“ میرے پاس اس کے گمان کو غلط ثابت کرنے کے لیے کوئی دلیل نہ تھی۔ ”اچھا!۔۔۔ اب تم کہاں جاؤ گے؟ یقیناً اپنے قبیلے کا بدلہ لو گے؟“ میں نے پوچھا۔



”نہیں!۔۔۔ وہ لوگ بہت طاقتور ہیں اور میں اکیلا ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ میں کوشش کروں گا کہ شمال کی جانب ایک اور قبیلہ زرطہ ہے جس کا سردار میرا بہت اچھا دوست ہے، اگر میں اس کے پاس پہنچ سکا تو یقیناً اسے اپنی مدد کے لیے آمادہ کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ پھر وہ یقیناً میرا بدلہ اس قبیلے سے لے سکے گا۔“ سروکا نے اپنا منصوبہ بتاتے ہوئے کہا۔

”تمہارے دشمن قبیلے نے تمہارے قبیلے کو کیوں تباہ کیا اور اس کے تم لوگوں سے کیا دشمنی تھی؟“ میں نے سوال کیا

”وہ قبیلہ روطاس کے نام سے جانا جاتا ہے اور بہت ہی جنگجو مشہور ہے۔ ہمارے قبیلے کہ ایک گروہ نے ان کے قبیلے کے ایک قافلے کو غلطی سے لوٹ لیا۔ بس وہ طیش میں آکر ہم پر چڑھ دوڑھے۔ چونکہ ہم پر حملہ رات کے وقت ہوا تھا اس لیے ہم تیار نہ تھے اور مات کھا

گئے۔ میرے قبیلے پچاس مرد اور پینتالیس عورتیں تھیں۔ انہوں نے سارے مردوں کو قتل کر دیا اور عورتوں کو اپنی باندی بنا کر ساتھ لے گئے۔“ سروکانے افسوس سے اس دردناک واقعے کی تفصیل بتائی۔ ”ٹھیک ہے دوست!۔۔۔ تم جب تک چاہو یہاں رہو۔ تم مجھے ایک دوست ہی پاؤ گے۔ اگر میں تمہارے کوئی مدد کر سکوں تو بسر و چشم کروں گا۔ ورنہ جہاں تم کہو میں تمہیں چھوڑ آؤں گا۔“ میں فراخ دلی سے پیش کش کی۔

”آپکا بہت بہت شکریہ!۔۔۔ میں آپ کو زیادہ تنگ نہیں کروں گا اور صبح ہوتے ہی یہاں سے نکل جاؤں گا۔“ سروکانے جواب دیا۔ میں اسے اس کے حال پر چھوڑ کر سونے کے لیے لیٹ گیا۔ مگر نیند آنکھوں سے قوسوں دور تھی۔ پچھلے ہفتے ہونے والی عورت کی قربانی کا واقعہ بار بار میری آنکھوں کے سامنے آ رہا تھا۔ اور مجھے ایسا لگ رہا تھا

کہ وہ عورت مجھ سے رحم کی بھیک مانگ رہی تھی۔ جبکہ میں بے بسی کی تصویر بنا اس کا بے رحمانہ قتل ہوتے دیکھ رہا تھا۔ یہ سب کچھ مجھے بے چین کرنے کے لیے کافی تھا اور اس بے چینی میں نیند کے آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ میں بہت کوشش کر رہا تھا کہ اپنا دماغ ان فوائد کی طرف لگاؤ جو مجھے خاموشی سے اس قربانی کی رسم کو ہوتے ہوئے دیکھ کر ہونے تھے مگر میرا دل میرے بس میں نہیں تھا۔ آخر کار میں نے اپنے دل کے سامنے ہتھیار چھینکتے ہوئے یہ فیصلہ کیا کہ کم از کم میرے ہوتے ہوئے یہ کھیل دوبارہ نہیں کھیلا جاسکتا۔ ٹھیک ہے کہ میں یہاں جادوئی علوم سیکھنے کے لیے آیا ہوں مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں اپنی آنکھوں کے سامنے مظلوم عورتوں کا خون ہوتے دیکھتا رہوں۔ ایسی طاقت کا کیا فائدہ جو کسی مظلوم کے کام نہ آ سکے؟

اس فیصلے کے ساتھ مجھے اپنے اندر سکون کا سا احساس ہوا اور پھر اسی



سکون کے احساس نے مجھے گہری نیند سلا دیا۔

اگلی صبح مجھے اٹھانے والا۔۔۔ سروکا تھا۔ وہ پتہ نہیں کس طرح میرے سینے پر چڑھ آیا تھا۔ اور بلکل میرے سر کے سامنے موجود تھا۔ اس کی آواز سے ہی میری آنکھ کھلی تھی۔

”اے سورج دیوتا کے اوتار!۔۔۔ میں تیرا بہت شکر گزار ہوں کہ تو نے میری جان بچائی۔ اگر ہو سکتا تو کبھی میں بھی اس احسان کا بدلہ چکانے کی کوشش کروں گا۔ فی الحال مجھے اجازت دوتا کہ میں قبیلہ زرطہ جا کر اپنے لوگوں کے ناحق خون کا بدلہ لینے کی کوئی سبیل کروں۔“ سروکا نے مجھے سے جانے کی اجازت طلب کرتے ہوئے کہا۔

”ٹھہرو!۔۔۔ کچھ کھاپی کر چلے جانا۔“ میں نے جلدی سے کہا۔

”نہیں!۔۔۔ مجھے جلدی جانا ہے تاکہ ان انسانوں کے اٹھنے سے پہلے میں اس آبادی سے نکل جاؤں اور ویسے بھی ہم لوگوں کے لیے



کھانے پینے کی چیزوں کی کبھی تنگی نہیں رہی۔ آپ اس کی فکر نہ کریں۔“ سروکا نے خوشدلی سے کہا۔ اس کے صحت کافی بہتر لگ رہی تھی۔ شاید رات بھر کے آرام نے کافی حد تک اسے تازہ دم کر دیا تھا۔ میں نے اس کی خوشی میں اسے جانے کی اجازت دے دی اور اسے آہستہ سے پکڑ کر میں نے زمین پر اتار دیا۔ زمین پر پاؤں لگتے ہی وہ بڑی تیزی سے ایک طرف کو بھاگ گیا۔ اس کی پھرتی بالکل جنگلی بلیوں جیسی تھی۔ یقیناً ایک انسانی آنکھ سے اس دیکھ لینا ذرہ مشکل کام تھا۔ اگر کوئی اس کی ایک جھلک دیکھ بھی لیتا ہوگا تو یہ ہی خیال کرتا ہوگا کہ شاید کوئی چوہا یا جنگلی جانور گزرا ہے۔

اس کے جانے کے بعد میں نے اٹھ کر باہر کا جائزہ لیا تو دیکھا کہ ابھی صبح کی روشنی اچھی طرح نہیں پھیلی تھی۔ میں نے لیٹ کر پھر سونے کی کوشش کی مگر نہ سوسکا۔ اسی اثناء میں مجھے اپنا رات والا فیصلہ یاد آ

گیا اور پھر میں اس کے بارے میں سوچنے لگا۔ ڈوسائی یقیناً بہت طاقتور تھا مگر یقیناً اس کی بھی کچھ کمزوریاں ہونگی۔ اگر میں اس کی کمزوریاں پکڑ لوں تو وہ اس طرح آسانی سے مجھ پر قابو نہ پاسکے گا۔ ایسا سوچتے ہی مجھے یاد آیا کہ سورج کو نفلی گرہن لگاتے وقت وہ مجھے نہیں روک سکتا تھا۔ بظاہر اس کی طاقت وہ بیرہی تھی جو بقول آیان کے بہت طاقتور تھے۔ مگر میری ارتکاز کی قوت نے انہیں پرے دھکیل کر آیان کو آزاد کروالیا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ میں اپنے ارتکاز کی قوت سے ان کا مقابلہ کر سکتا تھا اور شاید ان کو جلا بھی سکتا تھا۔ مگر پھر اچانک مجھے اس رات کا واقعہ یاد آیا جب ڈوسائی نے مجھے باندھ کر بے بس کر لیا تھا۔ ڈوسائی اس دھویں سے مجھے بے بس کر سکتا تھا۔ ظاہری سی بات ہے کہ اگر میں اپنے قوتیں کھو دوں تو پھر وہ جو چاہے کر سکتا تھا۔ تو اس مسئلہ اس کے بیروں کا نہیں

بلکہ اس دھویں کا تھا بلکہ اس دھویں کو پیدا کرنے والے سفوف کا تھا جو اس تھیلے میں بند تھا جسے ڈوسائی نے اس وقت آگ کے پاس رکھا ہوا تھا۔ یہ سب سوچ کر میں نے اس سفوف کو تلاش کرنے کی ٹھانی۔ اپنے روحانی پرواز کے ذریعے میں ڈوسائی کے چھوٹیڑے کے پاس پہنچ گیا۔ چونکہ وہ میری روحانی پرواز سے آشنا نہ تھا اس لیے میں بے دھڑک اس کی چھوٹیڑی میں داخل ہو گیا۔ ڈوسائی ابھی تک سو رہا تھا۔ میں نے اس کے چھوٹیڑے کی تلاشی لینا شروع کی اور آخر کار مجھے وہ تھیلہ مل ہی گیا۔ میں نے ارتکا کی قوت سے اسے کھولا اور اس کے اندر موجود کالے رنگ سفوف کا معائنہ کیا۔ بظاہر تو وہ ریت سے مشابہ تھا مگر مجھے اس کی حقیقت کا اندازہ تھا۔ میں نے اس سفوف والے تھیلے کو اس کی چھوٹیڑی سے نکال کر دوڑ پہاڑوں میں لے جا کر گرا دیا۔ پھر جیسے ہی، میں واپس اس کی چھوٹیڑی پہنچا۔ میں نے اس کے



بیروں کو دیکھا۔ تقریباً درجن بھر کے قریب بیرے ڈوسائی کی چارپائی کے پاس کھڑے تھے۔ ان کا قد بمشکل دو سے تین فٹ تھا۔ ان کی جسامت کسی حد تک بندروں جیسے تھی مگر شکل بہت ہی مکروہ اور اس پر باہر کو نکلے ہوئے دانت ان کے چہرے کو اور بھی زیادہ ہیبت ناک بنا رہے تھے۔ ابھی میں ان کا جائزہ لے ہی رہا تھا کہ ان میں سے ایک نے ڈوسائی کو زور سے ہلا کر جگا دیا۔

”اوہ۔۔۔ تم!۔۔ کیا بات ہے؟“ ڈوسائی نے چونک کر بیروں کی طرف دیکھتے ہوئے چلا کر کہا۔

”بھوک۔۔۔ بھوک۔۔۔ بھوک“ جواب میں وہ اکھٹے ہو کر چلانے لگے۔

”اچھا۔۔۔ اچھا!۔۔ صبر کرو۔۔ آج تمہیں اگلہ شکار مل جائے گا۔ تم

بھول گئے کہ آج قربانی کا دن ہے۔ میں ابھی اس کا انتظام کرتا



ہوں۔“ ڈوسائی نے ان کو تسلی دی اور پھر ایک طرف کو بنے ہوئے غسل خانے کی طرف چل پڑا۔ میں نے اس کے جانے کے فوراً بعد ہی ایک تجربہ کرنے کا فیصلہ کیا اور ایک بیرے کو اپنی ارتکاز کی بھرپور طاقت سے اٹھا کر جھونپڑے سے باہر لے آیا۔ میں نے نوٹ کیا کہ باقی بیروں نے اس بات کا کوئی خاص نوٹس نہیں لیا۔ باہر لا کر میں اس بیرے کو کچھ دور لے گیا اور پھر ارکان کی قوت سے اسے جلانے لگا۔ اس بیرے کے جسم میں آگ لگ گئی اور اس کی خلق سے دردناک چیخیں نکلتی لگئیں۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ راکھ کا ڈھیر بنا ہوا میرے سامنے تھا۔ اس کا یہ حشر دیکھ کر مجھے اپنے اندر اپنی خود اعتمادی واپس لوٹتی ہوئی محسوس ہوئی۔ میں ایسے ہی ان سے ڈر گیا تھا۔ یہ تو میرے مقابلے میں کچھ بھی نہیں تھے۔ میں پھر واپس جھونپڑے میں آ گیا۔ باقی بیرے ویسے کہ ویسے کھڑے تھے۔ تھوڑی دیر میں ڈوسائی

باہر آگیا۔ اس نے اپنا مخصوص پجاریوں والا لباس پہنا ہوا تھا اور گلے میں مالا بھی لٹکائی ہوئی تھی۔ پھر وہ جھونپڑی سے باہر نکل آیا۔ وہ سیدھا اس میدان میں پہنچا جہاں پر قربانی ہونا تھا۔ پھر ایک خاص جگہ کا تعین کر کے اس نے ان بیروں کو زمین پر ایک خاص حصے کی طرف متوجہ کیا۔ وہ بیر بہت تیزی سے وہاں اکٹھے ہو گئے۔ پھر وہ ان کو وہیں چھوڑ کر سردار کی جھونپڑی کی طرف چل دیا۔

تقریباً اودھے گھنٹے میں وہاں پر تمام قبیلے والے جمع تھے۔ پجاری کا سرخ بالوں والا چیلہ کہیں سے ایک عورت بھی لے آیا تھا۔ وہ عورت شکل سے ہی بہت ڈری ڈری لگ رہی تھی۔ اسے وہ جنگلیوں نے باندھ کر اپنے قابو میں کیا ہوا تھا۔ پھر سردار نے ایک جنگلی کو مجھے لانے کے لیے بھیجا۔ میں فوراً اپنے روحانی پرواز ترک کر کے اپنی جسمانی جگہ حاضر ہوا اور باہر جانے کی تیاری کرنے لگا۔ پھر جیسے ہی وہ جنگلی

وہاں پہنچا میں اس کے ساتھ اسی میدان کی طرف چل دیا۔

”آج عبادت جلدی کرنے کا پروگرام ہے؟“ میں نے وہاں پہنچتے ہی سردار سے سوال کیا۔ میرے اس سوال پر وہ گڑبڑا گیا۔ پجاری نے حالات کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے فوراً ہی مداخلت کی۔

”اے دیوتا کے اوتار!۔۔۔ انہیں میں نے آج جلدی کرنے کو کہا تھا۔ آپ تو جانتے ہیں کہ عبادت جتنی جلدی ہو جائے اتنا ہی اچھا ہوتا ہے۔“ پجاری نے اپنی ایک آنکھ کو تھوڑا سا دباتے ہوئے کہا۔

”اس عورت کو میرے سامنے پیش کیا جائے“ میں نے پجاری ڈوسائی کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ فوراً ہی جنگلی اس عورت کو لے کر میرے سامنے پیش ہو گئے۔ میں نے اس عورت سے پوچھا کہ وہ ان کے ہاتھ کیسے لگی۔ اس عورت نے مختصر بتایا کہ پچھلی رات سرخ بالوں والا اسے گھر سے اٹھالایا تھا۔ رات بھر زیادتی



کرنے کے بعد اب وہ اس کی قربانی دینا چاہتا ہے۔ یہ سب سن کر  
میں نے قہر آلود نظروں سے سرخ بالوں والے کو دیکھا جو میرے  
گھورنے سے ہی لرزنے لگا تھا۔

”تم ان عورتوں پر بہت ظلم کرتے ہو اور سورج دیوتا کو یہ بلکل پسند  
نہیں ہے۔“ میں نے گونج دار آواز میں کہا۔ ”آج سے کسی عورت  
کی قربانی نہیں کی جائے گی۔ اور اس عورت کے ساتھ زبردستی کرنے  
کے جرم میں، اس سرخ بالوں والے کو سزائے موت سنائی جاتی  
ہے۔“

میرے اس اعلان پر ڈوسائی بری طرح اچھل پڑا۔  
”مگر اوتار!۔۔۔ یہ ضروری ہے۔“ ڈوسائی نے سخت لہجے میں کہا۔  
”خبردار!۔۔۔ اپنی آواز نیچی رکھوں ورنہ قتل کر دیے جاؤ گے۔“ میں  
نے کڑک دار لہجے میں کہا اور پجاری تیز نظروں سے مجھے گھورنے لگا۔



”سردار!۔۔۔ اس سرخ بالوں والے کو یہیں سب کے سامنے موت کے گھاٹ اتارا جائے۔“ میں نے سردار کو مخاطب کرتے ہوئے کہا اور اس نے ہچکچاتے ہوئے جنگلیوں کو ایسا ہی کرنے کا حکم دیا۔ مگر اچانک پجاری نے چیخ کر انہیں روک دیا اور دو قدم آگے بڑھ کر میرے سامنے کھڑا ہو گیا۔

”تم اپنی اوقات سے آگے بڑھ رہے ہو۔ اب تمہارا پول کھولنا ضروری ہو گیا ہے۔“ پھر اس نے جنگلیوں کی طرف منہ کر کے کہا۔ ”اے قبیلے والو!۔۔۔ یہ شخص دھوکے باز ہے اور یہاں جادوئی علوم سیکھنے آیا ہے۔ یہ دیوتا کا اوتار نہیں ہے اور محض تم لوگوں کو بے وقوف بنا رہا ہے۔ میں ابھی اسے ٹھکانے لگاتا ہوں۔“

یہ کہتے ہی اس نے میرے طرف منہ کیا اور منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑانے لگا۔ اگلے ہی لمحے مجھے اپنے ارد گرد غیر مرئی آوازیں سنائی

دیں۔ میں سمجھ گیا کہ اس نے اپنے بیرمجھ پر حملہ کرنے کے لیے بھیجے ہیں۔ میں نے فوراً آنکھیں بند کر کے اپنی روحانی آنکھوں سے انہیں دیکھا۔ وہ تعداد میں چھ تھے۔ میں نے فوراً اپنی ارتکاز کی توجہ سے ان سب کو بیک وقت جلانا شروع کر دیا۔ ان کے حلق سے نکلنے والی چیخیں صرف ڈوسائی ہی سن سکتا تھا۔ اور وہ سر تا پا حیرت زدہ کھڑا تھا۔ ان کو جلانے کے بعد میں نے آنکھیں کھول دیں۔

”اے پجاری!۔۔۔ سورج دیوتا کی شان میں گستاخی کر کے تم نے اپنی موت کو آواز دی ہے۔ اب تم سے جو ہو سکتا ہے کر لے۔ میں سورج دیوتا کی مدد سے تجھے تیرے انجام تک پہنچاؤں گا۔“ میں نے کڑک دار لہجے میں کہا۔ میرے آواز سن کر وہ ایک دم سے چونک پڑا اور پھر اس نے اپنا دوسرا حملہ کیا۔ اس بار آگ نے مجھے گھیر لیا مگر میں اسے پہلے بھی ناکام بنا چکا تھا اس لیے آیت کریمہ پڑھ کر میں نے

جلدی سے اس پر قابو حاصل کیا اور پھر بغیر کوئی وقت ضائع کیے۔

ڈوسائی کو اپنی ارتکاز کی توجہ سے جلائے لگا۔

آگ نے جب ڈوسائی کے جسم کو جلسایا تو وہ حلق پھاڑ پھاڑ کر چیخنے

لگا۔ کچھ ہی دیر میں اس کا جسم راکھ کی شکل میں میرے سامنے تھا۔ اور

پھر اچانک ہر طرف غیر مرئی آوازیں آنے لگیں۔ اس کے ساتھ ہی

جنگلیوں کے چیخنے کے آوازیں بھی شامل ہو گئیں۔ میں نے غور سے

دیکھا تو حیران رہ گیا۔ ایسے لگ رہا تھا کہ جیسے کسی نادیدہ فوج نے

سارے قبیلے والوں پر ہلا بول دیا ہو۔ میں نے فوراً آنکھیں بند کر

کے روحانی آنکھ کھولی تو ایک حیران کن منظر میرے سامنے تھا۔

سارے قبیلے پر ہزاروں کی تعداد میں بیروں نے حملہ کر دیا تھا۔

میرے دیکھتے ہی دیکھتے بہت سے جنگلی اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

ان کو مرتاد یکھ کر باقی بھاگ کھڑے ہوئے۔ میں نے آخری کوشش



کے طور پر کچھ بیروں کو اپنی ارتکاز کی قوت سے جلایا مگر باقی ٹس سے  
مس نہ ہوئے اور اس جنگ میں بہت سے جنگلی مارے گئے اور باقی  
کہیں بھاگ گئے۔ اس کے ساتھ ہی تمام کے تمام بیروں نے  
میرے جسم کی طرف رخ کیا جواب اکیلا اس میدان میں کھڑا تھا۔  
میرے لیے یہ ممکن نہ تھا میں ایک ہی وقت میں ان ہزاروں بیروں کو  
جلا دیتا اس لیے مجھے اپنے جسم کو بچانے کو اولین ترجیح دینا پڑی۔ میں  
نے فوراً اپنے ارتکاز توجہ سے اپنے جسم کو اٹھایا اور پرواز کرتے ہوئے  
وہاں سے دور لیجانے لگا۔ مگر مجھے احساس ہو گیا کہ تمام بیر میرے  
پیچھے ہی لگے ہوئے تھے۔ یہ ایک عجیب مصیبت گلے پڑ گئی تھی۔ میں  
اپنے جسم کو لیے آگے آگے پرواز کر رہا تھا جبکہ میرے پیچھے ہزاروں  
بیر میری ہی طرح پرواز کرتے ہوئے پیچھا کر رہے تھے۔ میرا  
دماغ تیزی سے اس کا حل سوچ رہا تھا مگر کوئی واضح حل نظر نہیں آ رہا



تھا۔ ان بیروں کی رفتار میری رفتار سے کسی طور بھی کم نہ تھی۔ مجھے احساس ہو رہا تھا کہ میں زیادہ دیر تک یوں ہی بھاگ نہیں سکتا۔ اچانک میں نے ایک جزیرہ دیکھا جو مکمل طور پر درختوں کے جھنڈوں سے ڈھکا ہوا تھا تاہم اس کے بیچ و بیچ ایک جھونپڑی موجود تھی جس کے گرد کچھ فاصلے تک درختوں کو کاٹ کر کھلا میدان بنایا گیا تھا۔ مجھے اس میدان کو دیکھ کر ایک ترکیب سوچیں۔ اگر میں اس میدان میں اتر جاؤں اور پھر ان درختوں میں آگ لگا دوں تو یقیناً یہ ہزاروں کی تعداد میں میرا اس چھوٹے سے میدان میں نہ سما سکیں گے اور یقیناً جل جائے گے۔ اس ترکیب کے آتے ہی میں نے تیزی سے اپنے جسم کو اس جھونپڑی کے سامنے اتارا اور فوراً ارتکاز توجہ سے درختوں کو آگ لگانے لگا۔ بہت سے بیر میرے قریب اتر گئے تھے مگر باقی ابھی بھی ہوا میں تھے اور اس آگ کا شکار ہو رہے تھے۔ مگر وہ بیر جو میرے

قریب اترے تھے انہوں نے میرے جسم پر حملہ کر دیا۔ تکلیف کے احساس سے میری روحانی پرواز ختم ہو گئی۔ میں نے جلدی سے آنکھیں کھول دیں۔ مگر اب مجھے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا اور بس یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی نادیدہ قوت میرے پر حملہ کر رہی تھی اور میرا جسم تیزی سے لہولہاں ہو رہا تھا۔ میں ان کو دھکیلنے کے لیے لاشعوری طور پر ہاتھ پاؤں ہلا رہا تھا کہ اچانک مجھے آہستہ کریمہ کا خیال آیا۔ مجھے ہمیشہ کلام پاک نے ہی ایسی مشکلات سے نکالا تھا۔ پھر مزید وقت ضائع کیے بغیر میں نے آیت کریمہ کا ورد کرنا شروع کر دیا۔ مگر یہ دیکھ کر مجھے تعجب ہوا کہ ان بیروں پر کوئی اثر نہ ہوا۔ اب میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اتنے میں ایک ننگ دھڑنگ مگر ہٹا کٹا آدمی جھونپڑی سے نکلا۔ اس کی شکل پر سخت غصے کے آثار تھے۔ اس نے کچھ پڑھ کر ادھر ادھر پھونکا اور درختوں کو لگی آگ تیزی بجھنے لگی۔ جیسے جیسے آگ بجھ

رہی تھی۔۔۔ اتنے ہی زیادہ بیراس میدان میں آکھٹے ہو رہے تھے  
اور مجھے اپنے جسم پر کٹنے کی تکلیف تیزی سے بڑھتی محسوس ہو رہی تھی۔  
تکلیف اب اتنی زیادہ ہو چکی تھی کہ اب میری برداشت نے جواب  
دے دیا۔ میرے حلق سے نکلنے والی چیخوں نے درختوں پر بیٹھے  
پرندے بھی اڑا دیے۔ پھر مجھے کچھ ہوش نہ رہا۔  
میری آنکھ کھلی تو میں نے اپنے آپ کو ایک چارپائی پر پایا۔ یہ چارپائی  
درختوں کی شاخوں اور پتوں سے بنی ہوئی تھی اور بہت بری طرح سے  
چبھ رہی تھی۔ مگر جب میں نے غور سے دیکھا تو احساس ہوا کہ یہ چبھن  
اس چارپائی کی نہیں بالکل میرے جسم پر لگے ہزاروں زخموں سے  
اٹھنے والی ٹیسوں کی وجہ سے تھی۔ میرے جسم کے گرد کیڑے بس نام  
کے ہی تھے۔ لاشعوری طور پر میں نے اپنے بازو پر بندھے تعویز کو  
دیکھا تو سکھ کا ایک سانس لیا کیونکہ وہ وہی پر موجود تھا۔ اس کا مطلب



تھا میں ابھی تک طالش سرکار کی نظروں سے اوجھل ہی تھا۔ یہ سوچ کر مجھے کچھ تسلی ہوئی۔ پھر گزرا ہوا وقت میری آنکھوں کے سامنے کسی فلم کی طرح گھوم گیا۔ ہزاروں کی تعداد میں بیروں نے میرے جسم پر ہلا بولا تھا۔ ایسی صورتحال میں میرا زندہ بچ جانا حیرت انگیز تھا۔ ابھی میں بیٹھا ان حالات پر غور ہی کر رہا تھا کہ میں نے اسی ہٹے کٹے ننگ دھڑگ آدمی کو سامنے سے اپنی طرف آتے دیکھا۔ میں سمجھ گیا کہ کسی طرح اس آدمی نے میری جان بچائی ہے۔ اس سوچ کے ساتھ ہی میرے اندر اس کے لیے احترام اور تشکر کے جذبات اٹھ اُٹے۔

میرے قریب آ کر اس آدمی نے کسی اجنبی زبان میں کچھ کہا۔ اس کا لہجہ تیز تھا مگر بات میرے سمجھ میں نہ آئی۔ یقیناً وہ کسی بات پر ناراض تھا۔ شاید اس بات پر کہ میں نے ان درختوں میں آگ لگائی تھی۔

میں نے کچھ سوچ کر جنگلی زبان جو میں نے اس چائینز سے سیکھی تھی،



اس سے معذرت کی۔ اس نے چونک کر مجھے دیکھا اور پھر بولا۔  
”تم سورجھی قبیلے سے ہو؟“ اس بار اس نے اسی جنگلی زبان میں  
سوال کیا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ اس زبان کو بھی جانتا تھا۔  
”جی ہاں!“ میں اپنے اندر کی خوشی چھپائے بغیر نہ رہ سکا۔  
”تم کب سے ان بیروں کو اپنے قابو میں کرنے کی کوشش کر رہے  
تھے؟“ اس نے اگلے سوال کیا اور اس سے پہلے کہ میں کوئی جواب دیتا  
۔۔۔ وہ خود ہی بول پڑا ”مگر یہ بات ذہن میں رکھو کہ اب میں ان کا  
مالک ہوں اور وہ میرے غلام ہیں۔“ ایسا کہتے ہوئے اس کے لہجے  
میں غضب کا غرور تھا۔

”دراصل میں ان بیروں کو اپنا غلام نہیں بنانا چاہتا تھا بلکہ انہوں نے  
مجھ پر حملہ کیا تھا۔ میں نے ایک لڑائی میں ان کے مالک کو مار دیا تھا۔  
شاید اس لیے انہوں نے مجھ پر حملہ کر دیا۔“ میں نے جلدی سے اس

کی غلط فہمی دور کرتے ہوئے کہا۔ میرے جواب سے وہ چونک پڑا۔  
”تم مجھے اپنی کہانی ذرا تفصیل سے بتاؤ۔“ اس نے حکمیہ لہجہ میں کہا۔  
مجھے اس کا لہجہ کافی ناگوار لگا مگر یہ یاد کر کے میں اسے پی گیا کہ اس  
نے میری جان بچائی تھی۔ پھر میں نے مختصراً اپنی کہانی سنائی جس  
میں نکلی دیوتا کا اوتار بننا اور پھر ڈوسائی کے ساتھ لڑائی بھی شامل  
تھی۔ میرے کہانی سننے کے بعد وہ کچھ دیر سوچتا رہا۔ پھر بولا۔  
”تو۔۔ تم جادوئی طاقتیں حاصل کرنا چاہتے ہو۔۔ مگر جس طرح تم  
نے ڈوسائی پجاری کو قتل کیا ہے اس سے لگتا ہے کہ تم بھی جادوئی  
طاقتیں رکھتے ہو۔“ پھر کچھ دیر مزید سوچنے کے بعد وہ دوبارہ بولا۔  
”میں بھی اسی راہ کا مسافر ہوں۔ دس سال سے اس جزیرے پر ہوں  
اور مختلف عملوں کے ذریعے اپنی طاقت بڑھا رہا ہوں۔ اگر تم مجھے اپنی  
قوتوں کا راز بتا دو تو میں بھی تمہیں بہت سارے عمل بتا سکتا ہوں۔ اس

سے تمہارے قوت میں بہت اضافہ ہو جائے گا۔“ اس بار اس کے لہجے میں عیاری نمایاں تھی۔

”تم سچ کہتے ہو۔ میرے پاس بھی قوتیں ہیں۔ مگر میں اس بات پر کیسے یقین کر لوں کہ تم مجھے کچھ سیکھاؤ گے۔ اور یہ بھی کہ تمہارے پاس واقعی کچھ ایسے قوتیں ہیں جن سے مجھے فائدہ ہو سکتا ہے؟“ میں نے کچھ سوچ کر ایک چال چلتے ہوئے کہا۔

”ہوں۔۔۔ تم مجھ پر شک کرتے ہو۔۔۔ سیڈھا پر شک۔“ اس بار اس نے بڑے غصے سے کہا۔ وہ یقیناً غصے کا تیز تھا۔

”نہیں۔۔۔ مگر کیا تم مجھے اپنی قوتوں کے بارے میں کچھ بتا سکتے ہو؟“

تاکہ مجھے اندازہ ہو سکے کہ اگر میں تمہیں اپنی قوت کا راز بتا دوں تو

بدلے میں مجھے کیا ملے گا۔“ میں نے صورتحال بدلتی دیکھ کر جلدی

سے وضاحت کی۔



”تم ٹھیک کہتے ہو۔۔۔ تمہارے اندازے کے لیے میں صرف یہ بتا دیتا ہوں کہ میرے پاس پانچ لاکھ بیر ہیں۔ جو میرے اشارے پر کچھ بھی کر سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ مجھے آزاد بیروں کو قابو کرنے کا عمل بھی آتا ہے جس کی مدد سے میں نے تم پر حملہ آوار بیروں کو قابو میں کیا تھا۔ میں ایسے بہت سے عملیات جانتا ہوں جس سے کسی بھی انسان کو آگ میں جلایا جاسکتا ہے یا پھر مختلف طریقوں سے اذیتیں دے دے کر قتل کیا جاسکتا ہے۔“ وہ آدمی جس نے اپنا نام سیڈھا بولا تھا نے بڑے فخر یا انداز میں تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

”بس یہ ہی۔۔۔۔“ میں نے جان بوجھ کر اس کو غصہ دلایا۔ میں جانتا تھا کہ وہ غصے کا تیز ہے اس لیے یقیناً بڑھ کر بولے گا اگر وہ کچھ اور جانتا ہوا تو۔ میرا تیر نشانے پر لگا۔ اس کا چہرہ غصے سے لال پیلا ہو رہا تھا۔ پھر وہ غضبناک لہجے میں بولا۔



”کیا تمہاری تسلی کے لیے اتنا کافی نہیں ہے کہ میں افریقہ کے سب

سے بڑے پروہت جوالا کا چیلہ ہوں؟“

میں نے چونک کر اسے دیکھا۔ یہی تو وہ نام تھا جس کی تلاش میں میں  
یہاں پر آیا تھا۔ تو یہ اس جوالا پروہت کا چیلہ تھا جس سے مجھے وہ سب  
کچھ سیکھنا تھا جس سے میں تلاش سرکار کا مقابلہ کر سکوں۔

”بس بس۔۔۔ اتنا کافی ہے۔ مگر تم جوالا پروہت کے چیلے ہو تو پھر  
یہاں اس جزیرے میں دس سال سے کیا کر رہے ہو۔“ میں نے کچھ  
سوچتے ہوئے پوچھا۔

اب چونکنے کی باری اس کی تھی۔

”میں تم کو کیوں بتاؤ۔۔۔ اب تم بتاؤ۔۔۔ تمہارے پاس وہ کونسی  
طاقت ہے جو تم مجھے سیکھا سکتے ہو۔“ سیڈھا نے سنبھلتے ہوئے کہا۔  
شاید اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ غصے میں وہ کچھ زیادہ ہی بول گیا۔

”میرے پاس ایسی قوت ہے کہ میں بڑے سے بڑے پتھر کو بڑی آسانی سے بغیر ہاتھ ہلائے اٹھا سکتا ہوں۔ اور میں پلک چمکنے میں ساری دنیا کا چکر بھی لگا سکتا ہوں۔“ میں نے اس پر رعب ڈالتے ہوئے کہا۔

”پتھر اٹھانے والے طاقت تو کچھ خاص نہیں ہے۔ میرے پیر آسانی سے یہ کام کر سکتے ہیں۔ مگر یہ جو بات تم نے دنیا کا چکر لگانے کی کہی ہے۔ مجھے اس کے بارے میں اور بتاؤ۔ میں یہ سب کیسے سیکھ سکتا ہوں۔“ سیڈھا نے دلچسپی لیتے ہوئے کہا۔

”میں ضرور سیکھاؤں گا۔ مگر تم دیکھ رہے ہو کہ میں کافی زخمی ہوں۔ کیا تم میرے صحت یاب ہونے تک انتظار نہیں کر سکتے؟“ میں نے اس سے وقت لینے کی غرض سے کہا۔

”ضرور۔۔۔ ضرور۔۔۔ اور تب تک تم میرے مہمان ہو۔“ سیڈھا

نے جلدی سے کہا۔ اس کے لہجے میں خوشی نمایاں تھی۔

”میں تمہارے لیے سو لکھی لے کر آتا ہوں۔ اس سے تم جلدی ٹھیک

ہو جاؤ گے۔“ سیڈھانے کچھ سوچتے ہوئے کہا اور پھر تیزی سے ایک

سمت بڑھ گیا۔ اس کے جاتے ہی میں نے ارد گرد کا جائزہ لیا۔ وہ

شاید جھونپڑی کی اندرونی حصہ تھا۔ میری چار پائی کے ارد گرد گھاس

پوس کی کثرت تھی۔ چھت بامشکل آٹھ فٹ کے فاصلے پر تھی اور دیوار

کے قریب دو چراغ روشن تھے جن کی روشنی سے پوری جھونپڑی روشن

تھی۔ ارد گرد کے جائزے کے بعد میں اس سیڈھانامی شخص کے

زر لیے پروہت جوالاتک پہنچنے کا ترکیب سوچنے لگا۔

سیڈھانے خاص توجہ سے میرا علاج کیا اور میں چند دنوں میں ہی اچھا

بھلا ہو گیا۔ اس دوران میرا قیام اسی جھونپڑی تک ہی محدود رہا

تھا۔ سیڈھا بہت عجیب سا انسان تھا۔ ہر وقت کسی نہ کسی عمل میں



مصرف رہتا تھا یا پھر جنگل میں گھومنے نکل جاتا تھا ایک دو بار میں نے اپنی روحانی پرواز سے اس کا پیچھا بھی کیا مگر وہ بس ویسے ہی جنگل میں گھوم پھر کر واپس چلا آتا تھا۔ اس نے کبھی مجھ سے زیادہ بات نہیں کی تھی بس صرف اتنی جس کی ضرورت ہو۔ جب اس کو احساس ہوا کہ میں اب بہت بہتر حالت میں آگیا ہوں تو اس نے اصرار شروع کر دیا کہ میں اسے روحانی پرواز کا عمل سکھاؤں۔ چونکہ جھوٹ بولنا مجھے اچھا نہیں لگتا تھا اس لیے میں نے وہ سارا عمل اسے بتا دیا جو مجھے میرے دادا نے سکھایا تھا۔ تاہم اس کی تفصیل سے ہی وہ کچھ پریشان لگ رہا تھا۔ مگر اس نے ارتکاز توجہ کی مدد سے بہت چھوٹے پتھر کو ہلانے کے عمل کی پریکٹس شروع کر دی۔ جواب میں، اس نے مجھے وہ عمل بتایا جس سے کسی بھی بیر کو اپنی مرضی کا کام کرنے کے لیے آمادہ کیا جاسکتا تھا۔ دراصل یہ کوئی عمل نہیں تھا بلکہ ان بیروں کی نفسیات



سے واقفیت تھی۔ وہ مجھے اپنے ایک بیر کے ساتھ کچھ وقت کے لیے اکیلا چھوڑ دیتا تھا اور چاہتا تھا کہ میں اس سے اپنی مرضی کا کام لوں۔ شروع شروع میں تو مجھے کچھ سمجھ نہیں آیا مگر پھر آہستہ آہستہ میں اسے سمجھنے لگا۔ اس میں بیروں کو لالچ اور ڈر دونوں دے کر اپنا کام نکالنا ہوا تھا۔ اس دوران مجھے علم ہوا کہ بیر بھی عام جانوروں کی طرح زندگی بسر کرتے ہیں۔ ان کو بھی بھوک لگتی ہے اور مختلف بیر مختلف قسم کی چیزیں خوراک کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ جیسے ڈوسائی کے بیر انسانی گوشت اور خون کھاتے تھے۔ کچھ بیر گھاس پوس اور جڑی بوٹیا بھی کھاتے ہیں۔ گوشت کھانے والے بیر گھاس پوس کھانے والے بیروں سے حد درجہ زیادہ طاقتور ہوتے ہیں۔ ان سے کام نکالنے کے لیے اپنے ذہن کا استعمال کرنا پڑتا ہے یا پھر ان کو اپنی غلامی میں لے لیا جاتا ہے۔ اگر ایک بیر آپ کی غلامی میں آجائے تو پھر آپ کو

اس کے خوراک کا مکمل طور پر خیال رکھنا ہوتا ہے۔ کسی بھی بیر کو غلامی میں لانے کے لیے مختلف عمل کرنے پڑتے ہیں جن کے بارے میں مجھے سیڈ ہانے بعد میں بتانے کا کہا اور فی الحال کسی ایک بیر سے اپنی مرضی کا کام لینے کے عمل کی پریکٹس کرنے کو کہا۔ اس عمل میں مہارت کے لیے یقیناً بہت پریکٹس کی ضرورت تھی اور میں اس میں مصروف ہو گیا۔

www.define.pk

ایک دن جب سیڈ ہارات کا کھانا میرے ساتھ کھارہا تھا کہ میں نے ایسے ہی ایک سوال کر دیا۔

”سیڈ ہا!۔۔۔ تم یہ علوم کیوں سیکھنا چاہتے ہو؟“

اس نے چونک کر مجھے دیکھا پھر کچھ سوچ کر بولا۔

”طاقت کس کو بری لگتی ہے؟ اور تم؟“ اس نے الٹا مجھ سے یہی سوال

کر دیا۔

”مجھے کسی سے بدلہ لینا ہے۔ وہ میرا دشمن ہو گیا ہے۔ یا تو وہ مجھے مار دے گا یا پھر مجھے طاقت ور بن کر اسے مارنا ہے۔ بس اسی لیے میں در بدر طاقت حاصل کرنے لیے بھاگ دوڑ کر رہا ہوں۔ مگر تمہارا معاملہ عجیب ہے۔ ایسے شوق کا کیا فائدہ کہ جس کے اظہار کا موقع ہی نہ ملے۔ میرا مطلب ہے کہ جیسے تم دس سال سے یہی پرہو اور پتہ نہیں کب تک یہاں پر رہو گے۔ باہر کی دنیا تو شاید تمہارے بارے میں کچھ جان ہی نہ پائے گی۔“ میں نے اس کے سوال کا جواب دیتے ہوئے پھر اس سے سوال کر دیا۔

”تم ٹھیک کہتے ہو۔ مگر میں چاہتا ہوں کہ کوئی بہت بڑی طاقت بن کر ہی یہاں سے جاؤں۔“ سیڈھا نے مختصر سا جواب دیا۔

”تم نئے عمل کہاں سے سیکھتے ہو؟ اور تم نے بتایا تھا کہ تم جو والا پروہٹ کے پیلے ہو۔ اگر ان کے پیلے ہو تو ان کے پاس کیوں نہیں جاتے



تا کہ وہ تم کو زیادہ سے زیادہ طاقت حاصل کرنے میں مدد کر سکیں۔“  
میں نے پھر اپنے سوال کی وضاحت کی اور اس ٹاپک پر آ گیا جس کو  
شروع کرنا ہی میرا مقصور کلام تھا۔

”ان کے چیلے کے لیے ان کے پاس جانا ضروری نہیں ہوتا۔ وہ جہاں  
پر بھی ہوں اپنے چیلوں کی راہنمائی کر سکتے ہیں۔ میری بھی وہ وقتاً  
نوقتاً راہنمائی کرتے رہتے ہیں۔ بعد اصل میں ایک ایسے عمل کے  
پیچھے ہوں جس کے لیے بہت زیادہ محنت کی ضرورت ہے۔ میں نے  
بڑی خدمت کر کے پروہت جی سے اس عمل کی تفصیل تو معلوم کر لی  
ہے مگر ابھی تک اس میں کوئی خاطر خواہ کامیابی حاصل نہیں کر پایا  
ہوں۔“ سیڈھانے اس بار کچھ تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔ مگر اس کے  
لہجے میں مایوسی کا عنصر نمایاں تھا۔

”اگر تم مجھے اس عمل کے بارے میں کچھ بتاؤ تو شاید میں کچھ مدد



کر سکوں۔“ میں نے جلدی سے آفر کی۔

”تم“ اس نے حقارت سے کہا۔ ”تم ابھی بہت پیچھے ہو۔ بس اسی عمل پر توجہ دو جو میں نے بتایا ہے۔ ویسے بھی تمہارے بتائے ہوئے عمل سے بھی مجھے کچھ فائدہ حاصل نہیں ہو رہا۔ مجھے تو لگتا ہے کہ تم نے ٹالنے کے لیے مجھے ایسا مشکل عمل بتایا ہے۔“

”نہیں ایسا نہیں ہے۔“ میں نے جلدی سے وضاحت کی۔ ”اس عمل میں واقعی بہت محنت کرنا پڑتی ہے۔ میں بھی سالوں کی ریاضت سے اس پر عبور حاصل کیا ہے۔“

”اچھا۔۔ اچھا۔۔ ٹھیک ہے۔ اب مجھے چلنا ہے۔“ حسب معمول کھانے سے فارغ ہوتے ہی وہ اٹھ کر ایک طرف کوچل دیا۔

اس دن میں نے سوچا کہ مجھے جوالا پر دہشت تک پہنچنے کے لیے کوئی اور ترکیب سوچنا ہوگی۔ یہ سیڈھا شاید میرے کچھ مدد نہ کر سکے۔ مگر اس

دوسری ترکیب کے بارے میں سوچتے سوچتے میرے دماغ کی چولیس ملنے لگیں۔ آخر تھک کر میں نے اس پر سوچنا ہی چھوڑ دیا۔

اس بات چیت کے دوسرے روز چند جنگلی سیڈھا سے ملنے آئے۔ اس نے ان سے ملاقات اپنے جھونپڑے میں کی۔ ویسے تو اس نے مجھے اندر آنے سے منع کیا تھا مگر میں روحانی پرواز سے ان کے درمیان پہنچ گیا۔ وہ سب سیڈھا کے دوست تھے اور اسے ایک خاص خبر دینے آئے تھے۔ اور وہ خبر تھی کہ منحوس جوشو واپس آ گیا ہے۔ اس خبر کو سن کر سیڈھا بہت پریشان ہو گیا تھا پھر وہ کچھ دیر باتیں کرنے کے بعد چلے گئے۔ مگر سیڈھا مسلسل پریشان ہی تھا۔ میں نے روحانی پرواز ختم کی اور اس سے مزید معلومات کے لیے اس کے پاس چلا آیا۔

”خیریت تو ہے سیڈھا!۔۔۔ تم بہت پریشان دکھائی دے رہے ہو۔“

میں نے اس سے سوال کیا۔

”نہیں کوئی خاص بات نہیں۔۔۔ میں بس۔۔۔ ٹھیک ہوں“ اس نے

اسی طرح پریشان لہجے میں جواب دیا۔

”دیکھوں سیڈھا!۔۔۔ میں نے تو تمہیں اپنا دوست مان لیا ہے۔ تم

بھی اگر مناسب سمجھو تو مجھے اپنے دوست کا درجہ دے دو۔ میں شاید

تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا مگر دکھ اور پریشانی بانٹنے سے ہمیشہ کم ہوتی

ہیں۔“ میں نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

”تم شاید ٹھیک ہی کہتے ہو۔“ اس نے تھکے تھکے سے لہجے میں کہا۔“

میں بھی اب اس بوجھ کو اٹھا اٹھا کر تھک گیا ہوں۔ شاید تم ہی اس کا

کوئی حل تلاش کرنے میں میری مدد کر سکو۔ کبھی کبھی چونٹیاں بھی ہاتھی

کو مار گراتی ہیں۔“

مجھے اس کی مثال قطعی طور پر پسند نہیں آئی مگر میں نے اس کے حوصلہ

آفزائی کرتے ہوئے کہا۔



”ضرور!۔۔۔ اگر میں کسی قابل ہوا تو یقین رکھوں۔۔۔ جو بھی ہوسکا تمہاری مدد کروں گا۔“ میری حوصلہ افزائی سے شے لے کر اس نے تفصیل سے بتانا شروع کیا۔

”میں اپنے قبیلے میں اپنے ماں باپ اور اپنے دو چھوٹے بھائیوں کے ساتھ اچھی زندگی بسر کر رہا تھا کہ پھر وہ منحوس جوشو ہمارے قبیلے میں آگیا۔ اسے اپنے کسی کام کے لیے مزدوروں کی ضرورت تھی۔ میں اور میرا ایک چھوٹا بھائی مزدور کی حیثیت سے اس کے ساتھ چل دیے۔

اس نے ہم سے ایک بہت بڑی جھونپڑی بنوائی۔ اور اچھی خاصی مزدوری بھی دی مگر یہ قسم بھی لی کہ ہم کسی کو بھی اس جھونپڑی کے بارے میں کچھ نہیں بتائیں گے۔ ہم کچھ عرصے بعد ہی اس وقوعہ کو بھول گئے مگر ایک دن وہ واپس آیا اور کہنے لگا کہ ہم لوگوں میں سے کسی نے اس قسم کو توڑا ہے جس کی وجہ سے اسے کافی نقصان ہوا



ہے۔ یا تو ہم وہ بندہ اسے دے دیں جس نے قسم توڑی ہے یا پھر سب لوگ اس کا خمیازہ بھگتنے کے لیے تیار ہوں جائیں۔ ہم نے بڑی قسمیں کھا کر اس یقین دلانے کے کوشش کی کہ ہم میں سے کسی نے کسی کو کچھ نہیں بتایا مگر وہ بضد رہا۔ پھر ایک جوشی کو بلایا گیا جو علم نجوم جانتا تھا۔ اس نے اپنے علم کی مدد سے میرے بھائی کا نام نکال دیا۔ بس پھر کیا۔۔۔ جوشو نے میرے بھائی کو اپنے ساتھ چلنے کا کہا۔ میں یہ کیسے برداشت کر سکتا تھا۔ اس لیے میں نے جوشو اور اس کے جوشی دونوں کو خوب برا بھلا کہا اور اپنے بھائی کو لے کر اپنے گھر آ گیا۔ جوشو کے دو آدمیوں نے مجھے روکنے کی کوشش کی مگر میری جسمانی قوت ان سے زیادہ تھی اس لیے وہ کچھ نہ کر سکے۔ لیکن پھر وہ منحوس جوشو اپنے اصل روپ میں آ گیا۔ ایک دن صبح جب ہم اٹھے تو ہماری ماں کا سر ان کے جسم سے الگ پڑا ہوا تھا۔ حالانکہ ہم ساری رات ان کے

ساتھ ہی سوئے تھے مگر کسی نے کسی قسم کی بھی کوئی آواز یا اماں کی چیخ  
نہیں سنی تھی۔ ہم سب بھائی بہت غمگین اور پریشان بھی تھے۔  
بہر حال اپنی اماں کو دفنا کر واپس آئے تو جوشو نے ایک آدمی کے  
ذریعے پیغام بھجوایا کہ ابھی بھی وقت ہے میں اپنے چھوٹے بھائی کو  
اس کے حوالے کر دوں ورنہ اور بھی لاشیں دفنانے کے لیے تیار ہو  
جاؤں۔ یہ جان کر کہ وہ منحوس ہی میری ماں کا قاتل ہے میں تو سیخ پا ہو  
گیا۔ ایک دم سے اس آدمی پر چڑھ دوڑا جو پیغام لے کر آیا تھا۔ اس  
کی اچھی خاصی ٹھکائی کر کے میں نے ایک نیزا اٹھایا اور اسی جھونپڑی  
کی طرف چل دیا جو ہم نے اس جوشو کے لیے بنائی تھی۔ یقیناً وہ اسی  
میں رہتا تھا۔ جھونپڑی کے باہر پہنچ کر میں نے جوشو کو للکارا۔ مگر  
کوئی باہر نہ آیا۔ کچھ دیر باہر سے للکارے کے بعد میں اس جھونپڑی  
کے اندر چلا گیا مگر جوشو وہاں نہ تھا۔ جوشو کو وہاں نہ پا کر میں واپس گھر

پہنچا تو یہ روح فرساں خبر میرے انتظار میں تھی کہ کسی نے میرے باپ کو بھی قتل کر دیا ہے۔ طریقہ کار وہی تھا کہ ان کا سر ان کے جسم سے الگ پڑا ہوا تھا مگر کسی نے بھی ان کے چیخنے یا پھر کسی لڑنے کی کوئی آواز نہ سنی تھی۔ میرا دماغ غصے اور غم کی شدت سے اپنا توازن کھو بیٹھا اور میں پاگلوں کی طرح ارد گرد کھڑے لوگوں پر نیزے سے حملے کرنے لگا۔ مجھے تو اچھی طرح یاد نہیں مگر لوگ بتاتے ہیں کہ میں نے کم از کم دس جنگلیوں کو زخمی کیا تھا۔ پھر سردار کے حکم سے مجھے پکڑ کر ایک جھونپڑے میں قید کر دیا گیا۔ میں وہاں تقریباً ایک سال تک رہا۔ اس دوران ہمارے قبیلے کے وچ ڈاکٹر نے میرا علاج کیا۔ پھر جب میرا دماغ ٹھکانے پر آیا تو مجھے احساس ہوا کہ میں اپنا سب کچھ کھو چکا تھا۔ ماں باپ اور بھائی بھی۔ میرے دونوں چھوٹے بھائی لاپتہ تھے۔ قبیلے میں کوئی بھی ان کے بارے میں نہیں جانتا کہ وہ کہاں



گئے۔ مجھے یقین کی حد تک شک ہے کہ انہیں اس منحوس جوشو نے اغواء کروایا ہوگا۔ مگر میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ بہت طاقتور ہے۔ بس اس دن سے میں نے انتقام کی ٹھانی اور افریقہ کے سب سے بڑے پروہت جوالا کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کا چیلہ بن گیا۔ انہوں نے ہی مجھے اس جزیرے پر ایک کام دے کر بھیجا۔ ساتھ ہی کچھ عمل بھی بتا دیے تاکہ میں ان کے کام کے ساتھ ساتھ عمل بھی سیکھ کر طاقتور بن جاؤں۔ آج مجھے میرے قبیلے کے لوگ بتانے آئے تھے کہ وہی منحوس جوشو آج کل پھر مزدوروں کی تلاش میں قبیلے میں آیا ہوا ہے۔ وہ کبھی کبھار ہی قبیلے میں آتا ہے اور مزدور ملتے ہی چلا جاتا ہے۔ پھر اسے کوئی تلاش نہیں کر پاتا۔ میرے پاس وقت بہت کم ہے مگر مجھے اندازہ نہیں ہے کہ اس کے پاس وہ کونسی قوت ہے جس سے وہ آدمی کا سر کٹوا دیتا ہے اور اسے پتہ بھی نہیں



چلتا۔ اگر اس نے وہی حملہ مجھ پر کیا تو میں شاید اس سے بچاؤ نہ کر سکوں۔“ سیڈھا نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔ آخر میں اس کے لہجے میں خوف اٹھ آیا تھا۔

”ہوں۔۔۔ تو یہ بات ہے۔۔۔ میرا خیال ہے کہ میں تمہارے بہت سی مدد کر سکتا ہوں۔“ میں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔  
”وہ کیسے؟۔۔۔ جلدی بتاؤ۔“ سیڈھا چونک پڑا۔

”تم شاید میری روحانی پرواز والی قوت کو بھول رہے ہو۔ اگر تم مجھے کسی طرح اس جوشو سے روشناس کروا دو تو میں تمہیں بتا سکتا ہوں کہ وہ کہا جاتا ہے۔ اور کچھ دن تک اس کی نگرانی کر کے یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ اس کے پاس اور کون کونسی قوتیں ہیں۔“ میں نے پر جوش انداز میں کہا۔ سیڈھا کے چہرے پر اچانک جوش نظر آنے لگا۔  
”اگر تم ایسا کر سکتے ہو۔۔۔ تو مہربانی فرما کر جلدی کرو۔ میں اس

منخوس سے انتقام لینے کے لیے بے چمن ہوں۔“ سیدھا نے بے چمنی سے کہا۔

”مگر میں اسے نہیں پہچانتا۔“ میں نے بے چارگی سے جواب دیا۔  
”اچھا چلو۔۔ تم میرے ساتھ میرے قبیلے میں چلو۔ میں ابھی تم کو رو سے اس منخوس کی شناخت کرو دیتا ہوں۔“ سیدھا نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

”اچھا چلو۔“ میں بھی جلدی سے تیار ہو گیا۔

اچانک سیدھا کچھ سوچ کر بولا۔

”غصہ رو!۔۔ مجھے پروہت جی کو بتانا ہو گا کہ میں کچھ دیر کے لیے قبیلے میں جا رہا ہوں۔ تم بس ایک منٹ ادھر بیٹھو۔۔ میں ابھی آؤں۔“  
سیدھا یہ کہہ کر جلدی سے میری طرف سے ہرنگل گیا۔

میرے لیے یہ لمحات بہت قیمتی تھے۔ چلا سکتا تھا کہ سیدھا

جوالا پروہت سے کس طرح رابطہ کرتا ہے۔ لہذا میں نے جلدی سے آنکھیں بند کیں اور روحانی پرواز کرتا ہوا سیڈھا کے پیچھے چل دیا۔ وہ ایک طرف کو بنے درختوں کے جھنڈ کی طرف بڑھا جا رہا تھا۔ پھر عین درختوں کے جھنڈ کی جڑ میں پہنچ کر وہ الٹی پالٹی مار کر بیٹھ گیا اور کوئی منتر تیزی سے پڑھنے لگا۔ چند لمحوں بعد ہی سامنے ایک بڑے درخت کے تنے نے ایک انسانی چہرے کے شکل دھار لی۔

”کیا بات ہے سیڈھا!“ اسی انسانی چہرے نے پوچھا۔

”سرکار!۔۔۔ اس وقت زحمت دینے پر معذرت خواہ ہوں۔ مجھے اپنے مہمان کے ساتھ تھوڑی دیر کے لیے قبیلے میں جانا تھا۔ اگر آپ اجازت دیں تو ہو آؤ؟“ سیڈھا نے بڑی عاجزی سے سوال کیا۔

اس چہرے نے کچھ جواب دینے سے پہلے ادھر ادھر آنکھیں گھما کر دیکھا۔ پھر کہنے لگا۔

”تم یہاں تنہا نہیں ہو۔ کوئی ہے جو ہم کو دیکھ رہا ہے۔۔۔ کون ہے وہ؟“ وہ چہرے جو یقیناً پروہت جوالا کا ہی تھا نے کسی حد تک غصیلے لہجے میں کہا۔

”مم مگ۔ مگر۔۔۔ سرکار ادھر تو کوئی بھی نہیں ہے۔ میں اکیلا ہی ہوں۔“ سیڈھا فوراً گھبرا گیا۔

”نہیں۔۔۔ کوئی ہے۔۔۔ کوئی ضرور ہے۔۔۔ اچھا تم جاؤ۔۔۔“

میں اس کا کھوج کھود ہی لگا لوں گا۔“ اسی چہرے نے پر خیال لہجے میں جواب دیا اور فوراً درخت کا تنہ اپنی اصل شکل میں آ گیا۔

میں سمجھ گیا کہ پروہت جوالا کو میری موجودگی کا احساس ہو گیا تھا۔ لہذا میں نے فوراً اپنی جگہ حاضر ہونے میں عافیت جانی۔ تھوڑی دیر میں سیڈھا آ گیا۔

”چلو۔۔۔ آؤ چلیں۔“ اس نے مجھے چلنے کے لیے کہا۔



”ویسے تمہارا نام کیا ہے“ اچانک اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔  
اتنے دن ہو گئے مگر میں نے کبھی تم سے تمہارا نام ہی نہیں پوچھا۔“  
”سلیمان!۔۔۔ مجھے سلیمان کہتے ہیں۔“ میں نے جلدی سے  
جواب دیا۔

”اچھا تو سلیمان!۔۔۔ کیا تم اپنی روحانی پرواز کے ذریعے میرے  
پاس موجود تھے جب میں جوالا پروہت سے بات کر رہا تھا۔“ سیڈھا  
نے سادہ سے لہجے میں کہا۔ میں اپنے آپ کو چونکنے سے باز نہ رکھ  
سکا۔

”دیکھو!۔۔۔ اگر وہ تم ہی تھے تو گھبراؤ نہیں۔ میں سب سنبھال لوں  
گا مگر دیکھو دوست کہا ہے تو اعتماد بھی کرو۔“ سیڈھا نے بڑے ٹھوس  
لہجے میں کہا۔

”ہاں۔۔۔ سیڈھا!۔۔۔ وہ میں ہی تھا۔ پروہت جوالا بہت بڑی

طاقت ہیں۔ اس لیے انہوں نے میری موجودگی کا احساس کر لیا۔  
میں ان سے ملنے کا بہت خواہش مند ہوں۔ بس اس لیے اپنی خواہش  
کے ہاتھوں مجبور ہو کر تمہارے پیچھے لگ گیا۔“ میں نے اقرار کرتے  
ہوئے کہا۔

”تمہاری یہ طاقت بہت عجیب ہے۔ مگر بہت زبردست۔ تم جب  
چاہو جس کے بھی چاہو پیچھے لگ کر بہت کچھ معلوم کر سکتے ہو۔ اب تو  
تم سے ڈر لگنے لگا ہے۔“ سیڈھانے ہنستے ہوئے کہا۔  
”تم میرے دوست ہو۔ اس لیے تمہیں مجھ سے ڈرنے کی ضرورت  
نہیں۔ ہاں مگر شاید۔۔۔ جو الا پروہت مجھ سے ناراض ہوں۔“ میں  
نے اپنے خدشات کا اظہار کیا۔

”تم ان کو نہیں جانتے۔ چونکہ اس میں میری یا تمہاری کوئی غلطی نہیں  
ہے اس لیے مجھے معلوم ہے کہ وہ ہمیں معاف کر دیں گئے۔ بس آئندہ

تم میرا پیچھا مت کرنا۔“ سیڈھا نے اطمینان بھرے لہجے میں کہا۔  
اس کے اطمینان پر میں بھی اس پریشانی کو اپنے دماغ سے نکال باہر  
کیا۔

ایک اونچے سے ٹیلے پر پہنچ کر سیڈھا نے مجھے اپنا ہاتھ پکڑنے کو کہا۔  
میں نے جیسے ہی اس کا ہاتھ پکڑا۔ سیڈھا نے کوئی منتر پڑھ کر زمیں پر  
پھونکا۔ چند ہی لمحوں میں ہم دونوں آسمان کی طرف بلند ہو رہے  
تھے۔ میں نے چند لمحوں کے لیے آنکھیں بند کر کے اپنی روحانی آنکھ  
سے دیکھا کہ ایک بہت بڑا پرندہ ہمیں اپنی پروں کے درمیان اپنی  
پشت پر رکھے اڑا جا رہا تھا۔ پھر میں نے آنکھیں کھول کر سیڈھا سے  
پوچھا۔

”یہ پرندہ کون ہے اور تم نے اسے کس طرح اپنا غلام بنایا؟“  
”کونسا پرندہ؟“ سیڈھا نے چونک کر پوچھا ”اچھا یہ جو ہمیں اٹھا کر



لے جا رہا ہے۔ یہ پرندہ نہیں ہے۔ میرا ایک بیر ہے۔ اسے توڑ چھا  
کہتے ہیں۔ بڑی مشکل سے میں نے اسے قابو میں کیا ہے۔ اس کی  
خوبی ہے کہ یہ کسی بھی پرندے یا جانور کا روپ دھار سکتا ہے۔ میں  
نے جان بوجھ کر اسے آنکھوں سے اوجھل رکھا تھا تا کہ تم ڈرنہ جاؤ مگر  
لگتا ہے کہ تم اپنی روحانی قوت سے اسے دیکھ سکتے ہو۔“ سیڈھانے  
تفصیل سے بتاتے ہوئے کہا: آخر میں اس کے لہجے میں مرعوبیت  
نمایاں تھیں۔

”ہاں!۔۔۔ میں اسے اپنی روحانی آنکھ سے دیکھ سکتا ہوں۔ مگر یہ  
بہت زبردست بیرا ہے۔“ میں نے تحسین آمیز لہجے میں اس کی  
تعریف کی۔

”اگر تم نے جوشو کے خلاف میری مدد کی تو میں ایسا ایک بیر تمہیں تحفے  
میں دوں گا۔“ سیڈھانے فراخ دلانہ لہجے میں کہا۔



”شکریہ“ میں نے مسکراہتے ہوئے کہا۔ ”مگر میری دوستی کسی

لاچ کے لیے نہیں ہے۔“

”تم کمال کے بندے ہو۔“ سیڈھانے آنکھیں گھوماتے ہوئے

کہا۔ ”لوگ تو شاید اس بیر کے لیے اپنی زندگی بھی داؤ پر لگا دیں۔ مگر تم

اسے لینے سے ہچکچا رہے ہو۔“

”لے لوں گا۔۔۔ مگر ابھی نہیں۔ اس وقت میرے تمام مدد بغیر کسی

لاچ کے لیے ہے۔ اس لیے اس کو لاچ سے پاک ہی رہنے دو۔“

میں نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔ میرے لہجے سے سیڈھا میرے

احساسات کو سمجھ گیا اور پھر اس نے کوئی اور بات نہیں کی۔ دراصل

جب سے مجھے معلوم ہوا تھا کہ ڈوسائی ان بیروں کی انسانی گوشت اور

خون کھلاتا تھا، اس وقت سے میرے اندر ان بیروں کو اپنا غلام بنانے

کی خواہش دم توڑ گئی تھی۔ میں ایسی کوئی قوت حاصل نہیں کرنا چاہتا تھا

جو مجھے مجرمانہ اقدامات کرنے پر مجبور کر دے۔

کچھ دیر سمندر پر سفر کرنے کے بعد ہم ایک خشکی کے علاقے میں پہنچ گئے۔

پھر ایک جگہ اس اندیکھے پرندے نے ہمیں زمین پر اتار دیا۔

”آؤ سلیمان!۔۔۔ یہاں سے میرا قبیلہ قریب ہی ہے۔“ سیڈھا

نے مجھے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ پھر باقی کا سفر ہم نے

پیدل ہی طے کیا۔ آبادی کے آغاز شروع ہوتے ہی ہم محتاط ہو گئے۔

قبیلے میں داخل ہوتے ہی کچھ جنگلیوں نے سیڈھا کو پہچان لیا۔ مگر

سیڈھا نے ان کو دور سے ہی ہاتھ ہلا کر قریب آنے سے روک دیا۔

چلتے چلتے ہم ایک بازار نما راستے میں پہنچ گئے۔ کچھ دیر تلاش کرنے

کے بعد ایک مجمع کی طرف دیکھتے ہوئے سیڈھا چونک پڑا۔ اور پھر اس

کے چہرے پر سخت ناگواری کے آثار نمایاں ہو گئے۔ وہاں مجمع میں

ایک ادھیڑ عمر آدمی جو اپنے حلیے سے کافی مالدار لگ رہا تھا ایک کرسی پر

براجمان تھا۔ اس کے ساتھ دو ملازم کھڑے تھے جو چیخ چیخ کر لوگوں کو  
کچھ کہہ رہے تھے۔

”یہ ہے وہ منحوس جوشو۔“ سیڈھانے منہ بناتے ہوئے کہا۔  
”ٹھیک ہے۔۔۔ میں اسے جان گیا ہوں۔ چلو واپس چلیں۔“ میں  
نے اس کی ناگواری سے متاثر ہوتے ہوئے کہا۔ پھر ہم واپسی کے  
لیے چل پڑے۔ جب ہم قبیلے سے باہر نکل آئے تو پھر ایک بار پھر  
سیڈھانے اپنے بیرے کو بلایا۔ مگر اس بار وہ آنکھوں سے اوجھل نہ  
تھا۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے ایک تین فٹ کے عجیب سے بیرے نے  
ایک پرندے کی شکل اختیار کر لی۔ اور پھر وہ ہمیں لیے ہوئے ہوا میں  
پرواز کرنے لگا۔ چند منٹ بعد ہی ہم سمندر سے ہوتے ہوئے واپس  
اپنی جھونپڑی کے پاس ٹیلے پر موجود تھے۔ جھونپڑی میں واپس پہنچ  
کر میں نے الٹی پالٹی ماری اور پھر روحانی پرواز کرتے ہوئے واپس



اسی قبیلے میں جا پہنچا۔ جوشوا بھی تک اپنے آدمیوں کے ساتھ وہی موجود تھا۔ میں اپنی جگہ حاضر ہو کر سیڈھا کو اس کے بارے میں بتانے لگا۔

”ٹھیک ہے۔ تم اس کے پیچھا جاری رکھو۔ وہ تقریباً سورج ڈھلے ہی جائے گا۔ مگر ہو سکتا ہے کہ جلدی بھی چلا جائے اگر اس کو اس کے مطلب کے مزدور جلدی مل گئے۔“ سیڈھا نے کہا اور پھر جھونپڑی سے باہر نکل گیا۔

اس کے جانے کے بعد میں نے پھر اپنی روحانی پرواز شروع کر دی اور اس قبیلے کے گلی کوچوں سے اپنے آپ کو روشناس کرانے لگا۔ میں کچھ کچھ وقت کے بعد جوشو پر بھی ایک نظر ڈال لیتا تھا کہ کہیں وہ چل نہ پڑے۔ لیکن وہ دن ڈھلے ہی اٹھا۔ پھر وہ اور اس کے غلام ایک بڑے مزدوروں کے مجمع کو لیے ہوئے قبیلے سے باہر کی طرف چل



دیئے۔ میں ان کا پیچھا کر رہا تھا۔ تقریباً آدھا گھنٹہ چلنے کے بعد وہ عین جنگل کے بیچ بیچ بنے ایک جھونپڑے میں پہنچ گئے۔ وہ اتنا بڑا جھونپڑا تھا کہ سارے کے سارے مزدور آسانی سے اس کے اندر چلے گئے۔ اب صرف جوشوا اور اس کے دو ملازم ہی باہر رہ گئے تھے۔ جوشوا نے کچھ دیر تک ان سے کچھ بات کی اور پھر انہیں جھونپڑے کے دروازے پر پہرہ دیتے پھوٹ کر خود جنگل میں ایک طرف کوچ کر دیا۔ میں اس کے پیچھے ہی تھا۔ بامشکل سو قدم چل کر اس نے ایک درخت کی جڑ میں زور سے پاؤں مارا۔ اگلے ہی لمحے درخت کا تناکی دروازے کی طرح کھل گیا۔ جوشوا اس کھلے ہوئے تنے میں گھس گیا۔ میں نے بھی اس میں گھسنے میں جلدی کی۔ اندر اندھیرا تھا مگر جیسے ہی کھلا ہوتا بند ہوا ایک دم سے روشنی پھیل گئی اور میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ ہم ایک بہت کشادہ سے جھونپڑے میں موجود تھے۔ ہمارے

بالکل ساتھ وہ دروازہ موجود تھا جو شاید ہمارے اندر آنے کا سبب بنا  
تھا۔ جوشو تیزی سے چلتا ہوا ایک دیوار کی طرف بڑھا جہاں پر ایک  
الماری لٹکی ہوئی تھی۔ اس نے اس الماری کا ایک پٹ کھولا اور پھر اندر  
سے ایک آئینہ نکال لیا۔ اس آئینے کو اپنے سامنے رکھ کر وہ کچھ منتر  
پڑھنے لگا۔ اگلے ہی لمحے ایک ناگوار سی بوسا رے جھونپڑے میں پھیل  
گئی اور اس آئینے میں ایک انتہائی مکروہ سی مخلوق نظر آنے لگی۔  
اس مکروہ مخلوق نے کسی اجنبی سی زبان میں جوشو سے کچھ باتیں کیں  
اور پھر وہ جس طرح ظاہر ہوئی تھی اسی طرح کہیں گم ہو گئی۔ وہ آئینہ  
اب ایک نارمل آئینہ بن چکا تھا۔ جوشو نے اسے ایک طرف پڑی ایک  
چارپائی کی طرف اچھالا اور پھر خود ایک چھوٹے کمرے میں چلا  
گیا۔ میں نے اس کا پیچھا کیا مگر یہ دیکھ کر واپس آ گیا کہ وہ نہانے لگا  
تھا۔ جب تک وہ نہاتا رہا۔۔۔ میں اس کے اس عجیب و غریب گھر کی

تلاشی لیتا رہا۔ اس کے گھر میں کوئی خاص چیز نہ تھا۔ بس عام استعمال کی چیزیں تھیں۔

نہادھو کر وہ ایک طرف رکھے ہوئے پھل کھانے لگا۔ میں تقریباً بیس منٹ تک اسے مختلف کام کرتے دیکھتا رہا۔ وہ کھانا کھانے کے بعد کمرے میں موجود چار پائی پرسونے کے لیے لیٹ گیا۔ میں اس وقت تک وہاں موجود رہا جب تک کہ وہ سو نہیں گیا۔ پھر جب اس کے خراٹے گونجنے لگے تو میں نے واپسی کی ٹھانی۔ مگر یہ دیکھ کر میں حیران رہ گیا کہ میری روح اس تنا نما جھونپڑی سے باہر نہ آ پار ہی تھی۔ عموماً میری روح دیواروں اور درختوں کے درمیان سے آرام سے گزر جاتی تھی مگر یہ کچھ عجیب سی جگہ تھی کہ میں باوجود کوشش کے ان کی دیواروں سے نہ گزر پا رہا تھا۔ یقیناً یہ کوئی جادوئی جگہ تھی اور میں شاید یہاں پر قید ہو کر رہ گیا تھا۔ کچھ دیر اسی پریشانی میں، میں سوچتا رہا اور حیرت



سے وہاں کی دیواروں سے نکلنے کی کوشش کرتا رہا۔ پھر تھک ہار کر میں اس دروازے کی طرف متوجہ ہوا جہاں سے جوشوا ندر داخل ہوا تھا۔ اس بات کا اچھی طرح اطمینان کر کے کہ جوشو کا سورہا ہے۔ میں نے ارتکا ز توجہ کی مدد سے آہستہ سے وہ دروازہ کھولا۔ دوسری طرف اندھیرا ہی اندھیرا نظر آ رہا تھا۔ بلا آخر تمام خطرات کو بالائے طاق رکھ کر میں اس دروازے میں گھس گیا۔ اندر اندھیرا ہی تھا مگر جیسے ہی میرے پیچھے اس کمرے کا دروازہ بند ہوا ایک دم سے میں نے اپنے آپ کو اسی درخت کے تنے میں موجود پایا جہاں سے جوشوا ندر گیا تھا۔ یہ بہت ہی عجیب سا تجربہ مجھے یہاں حاصل ہوا تھا۔ میری معلومات کی حد تک یہ واحد جگہ تھی جہاں میری روحانی پرواز محدود ہو گئی تھی۔ بہر حال اس درخت کا محل وقوع اچھی طرح ذہن نشین کر کے میں چشم زدن میں اپنے جگہ حاضر ہو گیا۔



کچھ دیر انتظار کرنے پر سیڈھا بھی آ گیا۔

”میں پہلے بھی آیا تھا۔ کھانا لے کر مگر تم اپنے عمل میں مصروف تھے۔“  
سیڈھا نے مسکراہٹے ہوئے بتایا۔ اب وہ میرے ساتھ کافی بے تکلف  
ہو گیا تھا۔

”اچھا!۔۔۔۔۔ ہاں۔۔۔ میں وہ جوشو کا پیچھا کر رہا تھا۔“ میں نے اسے  
بتایا۔

”کیا پتہ چلا؟“ سیڈھا نے تجسس سے پوچھا۔ اور جواب میں میں  
نے ساری روداد سنا دی۔

”ہوں۔۔۔۔۔ تو اس کا مطلب ہے وہ اسی تنے میں رہتا ہے اسی لیے  
کوئی اسے نہیں دیکھ پاتا۔ وہ آئینہ درحقیقت ایک جادوئی آئینہ ہے  
جسے کسی کے ساتھ بات چیت کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ اس نے  
یقیناً کسی سے بات کی ہوگی۔“ سیڈھا نے اپنا اندازہ لگایا۔

”ہاں!۔۔ چونکہ میں تمہارے قبیلے کے زبان نہیں جانتا اس لیے ان کے درمیان ہونے والی گفتگو سمجھ نہیں سکا۔“ میں نے بیچارگی سے کہا۔

”ہاں میں سمجھ سکتا ہوں۔۔ مگر اتنا بھی بہت ہے۔ میرا خیال ہے اس سے دو دو ہاتھ کرنے کا وقت آ گیا ہے۔“ سیڈھانے پر خیال انداز میں بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

”جیسے تمہاری مرضی۔۔۔ میرے خیال سے تو پہلے اس کی طاقتوں کے بارے میں جان لینا بہتر ہوگا۔“ میں نے رائے دی۔

”جو ہوگا دیکھا جائے گا۔۔۔ جب سے میں نے اسے دیکھا ہے میرے تن بدن میں آگ لگی ہوئی ہے۔ مجھے اپنے آپ پر قابو رکھنا مشکل ہو رہا ہے۔ اب تو اسکا ٹھکانہ بھی معلوم ہو گیا ہے۔ میرے خیال میں اب دیر کرنا مناسب نہ ہوگا۔“ اس نے تیز لہجے میں کہا۔

”چلو پھر چلتے ہیں۔“ میں نے جلدی سے کھڑے ہوتے ہوئے کہا

مگر اس نے جلدی سے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

”نہیں دوست۔۔۔ یہ میرا انتقام ہے اور میں اکیلا ہی جاؤں گا۔ بس

تم مجھے اس قبیلے سے اس کا راستہ سمجھا دو۔“ سیڈھانے کہا۔

”دیکھو۔۔۔“ میں نے کچھ کہنے کی کوشش کی مگر اس نے مجھے ٹوک

دیا۔

”دوست!۔۔۔ میں تمہیں کسی مشکل میں نہیں ڈالنا چاہتا۔ ویسے بھی

تمہارے وہاں موجود ہونے سے وہ تمہاری کمزوری کا فائدہ بھی اٹھا

سکتا ہے۔ میں اپنی حفاظت کرنا جانتا ہوں۔ مگر ہو سکتا ہے کہ تمہاری

حفاظت نہ کر سکوں۔ اس لیے اگر تم مجھے مضبوط دیکھنا چاہتے ہو تو ضد

مت کرو۔“ سیڈھانے مضبوط لہجے میں کہا۔ میرے لیے اب

مزید اصرار کرنا مناسب نہ تھا۔ اس لیے میں نے اسے زمین پر نقشہ بنا



کر راستہ سمجھا دیا۔ میں چاہتا تو اسے اپنی روحانی ارتکاز توجہ سے بھی وہاں پہنچا سکتا تھا مگر مجھے پتہ نہیں کیوں ایسا کرنا اپنی طاقت کا رعب ڈالنے کے مترادف محسوس ہوا۔ بس اس لیے میں نے سوچا کہ اسے جگہ سمجھا دوں۔ ویسے بھی وہ اس بڑے سے جھونپڑے کے بارے میں پہلے سے ہی جانتا تھا۔ اس سے آگے کا راستہ اور بھی آسان تھا۔ کھانے کھا کر سیڈھا جوشو کو سبق سکھانے کے لیے چل دیا۔ میں بظاہر تو اس جھونپڑے میں ہی رہ گیا مگر مجھے قرار کہا تھا۔ بس فوراً روحانی پرواز کی اور اس کے ساتھ ساتھ ہولیا۔

کچھ دیر میں ہی سیڈھا اسی تناور درخت کے سامنے کھڑا تھا جہاں میں جوشو کے ساتھ اندر داخل ہوا تھا۔ اس نے پہلے چاروں طرف سے اس درخت کا جائزہ لیا اور پھر اس سے کچھ فاصلے پر کھڑا ہو کر کوئی منتر پڑھنے لگا۔ میں نے دیکھا کہ کوئی ایک درجن کے قریب بیرے



اچانک کہیں سے نمودار ہوئے اور تیزی سے اس درخت کو کھانے لگے۔ سیڈھا کچھ دور کھڑا یہ تماشا دیکھ رہا تھا۔ چند منٹوں میں ہی ان بیروں نے تقریباً آدھا تنا کھا لیا اور اب درخت جو کافی پھیلا ہوا تھا جھولے لینے لگا۔ تاہم ابھی بھی وہ کافی مضبوط تھا۔ پھر اچانک ایک تیز گڑگڑاہٹ کی آواز سنائی دی اور ایک طرف سے ایک انتہائی بد صورت ہاتھی نما کوئی جانور برآمد ہوا اور اس نے آناً فاناً ان بیروں کو کھانا شروع کر دیا۔ چند لمحوں بعد وہاں ان بیروں کا نام و نشان تک نہ تھا۔ سیڈھا حیرت سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ اس پر مزید ظلم یہ کہ دیکھتے ہی دیکھتے وہ تنا پھر سے بھر گیا اور اب ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے وہاں پر کچھ ہوا ہی نہیں تھا۔ بس وہ ہاتھی نما جانور کھڑا چنگاڑ رہا تھا۔ پتہ نہیں کیوں اس نے سیڈھا کو کچھ نہیں کہا تھا۔ پھر اس سے پہلے کہ سیڈھا کوئی اور منتر پڑھتا۔ ایک دم سے اس تنے کا دروازہ کھلا اور

جوشو باہر نکل آیا۔

”کون ہو تم؟۔۔۔ اور تم نے مجھ پر حملہ کرنے کی جرات کیسے کی؟“

جوشو کے لہجے میں غضب کا غصہ تھا۔

”جوشو!۔۔۔ اچھا ہوا تو خود ہی باہر آ گیا۔۔۔ دیکھ پہچان مجھے۔۔۔ تو

نے میرے سارے خاندان والوں کو مار دیا۔ آج تیرا روز حساب ہے۔ اچھی طرح پہچان لے مجھ سے پہلے کہ میں تجھے موت کے گھاٹ اتار دو۔“ سیڑھا جو اسے دیکھتے ہی غصے سے لال پیلہ ہو رہا تھا، نے دھاڑتے ہوئے جواب دیا۔

پہلے تو جوشو حیرت سے اسے دیکھتا رہا کہ شاید اتنی جرات سے اس کے سامنے کوئی نہ بولا تھا مگر پھر اس پر غصے کا غلبہ آ گیا۔

”میں نہیں جانتا کہ تم کون ہو مگر جو کوئی بھی ہو۔۔۔ اپنی حد سے گزر چکے ہو۔ اس لیے مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔“ اس بار جوشو کے لہجے میں

غور نمایاں تھا۔

سیڈھانے بجائے کوئی جواب دینے کے جلدی سے ایک منتر پڑھا اور اس کے ساتھ ہی میں نے دیکھا کہ کم از کم ایک درجن کے قریب بیر کہیں سے نمودار ہوئے اور اس ہاتھی نما جانور کو چمٹ گئے جو وہاں کھڑا چنگاڑا تھا۔ میں نے ان بیروں کو پہچان لیا۔ یہ ڈوسائی کی بیر تھے یعنی گوشت خور۔ اور پھر اس سے پہلے کہ جوشو کچھ سمجھتا۔ وہ ہاتھ نما جانور چمٹا چنگاڑا جنگل کی اندرونی طرف بھاگ پڑا۔ جوشو حیرت سے اس کو دیکھ رہا تھا۔ وہ شاید ان بیروں کو دیکھ نہیں پایا تھا۔ ”اچھا تو تم بھی کچھ جنتر منتر جانتے ہو۔ چلو اب سنہلو“ یہ کہتے ہی جوشو نے کچھ پڑھ کر ہوا میں پھونکا اور میں نے دیکھا کہ اس کی پھونک سے لاتعداد چھوٹے چھوٹے اڑنے والے کیڑے نکلے۔ وہ سائز میں مکھی سے کچھ بڑے تھے۔ اور وہ تیزی سے سیڈھا پر جھپٹے۔ سیڈھا



شاید ان کو دیکھ نہیں پایا تھا اس لیے اس افتاد کا درست اندازہ نہ کر سکا۔ ان کیڑوں نے چاروں طرف سے اسے گھیر لیا اور بری طرح کاٹنے لگے۔ سیڈھا ایک لمحے کے لیے تو پریشان ہو گیا مگر اگلے ہی لمحے اس نے کچھ پڑھ کر زور سے اپنے ارد گرد پھونکا۔ میں نے دیکھا کہ اس کے ارد گرد نیلی روشنی کا ایک حصار قائم ہو گیا تھا۔ اب وہ اڑنے والے کیڑے اس نیلی روشنی سے ٹکرا کر مر رہے تھے مگر سیڈھا تک نہیں پہنچ پا رہے تھے۔ چند لمحوں میں وہ سارے کے سارے کیڑے مر چکے تھے۔

”اب میری باری ہے۔“ سیڈھا نے چیخ کر کہا اور پھر وہی منتر پڑھ کر زمیں پر پھونکا جس سے اس نے ڈوسائی کے بیروں کو بلایا تھا۔ اور میں نے دیکھا کہ ایک درجن کے قریب بیرے اچانک نمودار ہوئے اور جوشو پر ٹوٹ پڑے۔ مگر اگلے لمحے میرے اور سیڈھا دونوں



کے لیے حیران کن تھا کیونکہ وہ بیر جیسے ہی جوشو پر حملہ آوار ہوئے، وہ اس کے بیچ و بیچ گزر کے آگے بڑھ گئے۔ ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے جوشو کا جسم دھوئیں کا بنا ہوا ہو۔ ڈوسائی کے بیر بے بسی سے ادھر ادھر منہ مار رہے تھے۔

”ہاں بھی!۔۔۔ چلو اپنا وار۔۔۔ میں انتظار کر رہا ہوں۔“ جوشو نے تند و تیز لہجے میں کہا۔ پتہ نہیں وہ واقعی ان بیروں کو دیکھ نہیں پایا تھا یا پھر سیڈھا کا مذاق اڑا رہا تھا۔

بہر حال اس کی بات سن کر سیڈھا غصے سے بڑھک اٹھا۔ اس نے فوراً ایک منتر پڑھ کر اس کی طرف پھونکا اور تیز آگ کے شعلوں نے جوشو کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ مگر اگلہ لمحہ حیرت انگیز تھا۔ جوشو بجائے چیخنے کے بڑے خوشگوار موڈ میں گنگنا رہا تھا جیسے وہ آگ سے بھلی لگ رہی ہو۔ اور واقعی وہ آگ اسے جلانے میں ناکام تھی۔ یہ سب کچھ سیڈھا

کے ہوش اڑانے کے لیے کافی تھا۔ ادھر میں بھی بڑی تیزی سے اس  
سچوئیشن پر غور کر رہا تھا۔ اچانک میرے ذہن میں ایک خیال بجلی کے  
کوندے کی طرح آیا۔۔۔ کہیں جوش بھی کسی اور جگہ موجود ہوتے  
ہوئے یہ سب کچھ تو نہیں کر رہا؟ اس خیال کے آتے ہی میں نے  
تیزی سے جوش کے پاس موجود درخت کی جڑ پر ارتکا ز توجہ سے وزن  
ڈالا۔ فوراً دروازہ کھل گیا۔ اور میں گلے ہی لمحے میں اندر تھا۔ میں نے  
اس بات پر غور نہیں کیا کہ کسی نے اس طرح دروازہ کھلتے ہوئے دیکھا  
یا نہیں۔ جیسے ہی میں اندر پہنچا۔ دیکھا کہ سامنے جوش الٹی پالتی  
مارے زمین پر آنکھیں بند کیے بیٹھا تھا۔ اب میں اس کی ساری  
کارستانی سمجھ گیا۔ وہ کسی قوت کے ذریعے اپنے عکس کے ذریعے لڑ رہا  
تھا اس لیے سیڈھا کا کوئی بھی عمل اس پر کارگر نہیں تھا۔ ابھی میں اس کا  
جائزہ ہی لے رہا تھا کہ میں نے باہر سے سیڈھا کے چیخنے کے آواز

سنی۔ میں فوراً باہر نکلا۔ دروازہ کھلنے کے آواز پر جوشو نے چونک کر اس طرف دیکھا۔ مگر اس کی آنکھوں میں حیرت کے سوا کچھ نہیں تھا۔ یقیناً وہ مجھے نہیں دیکھ پا رہا تھا۔ مگر دوسری طرف سیڈھا آگ کے شعلوں میں بری طرح جل رہا تھا۔ اب اس کے گرد نیلی روشنی کا حصار بھی نہیں تھا۔ شاید اس بار جوشو کا وار چل گیا تھا۔ میں اپنے دوست کو اس طرح جلتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ لہذا اب میرا مدخلت کرنا ناگزیر ہو گیا تھا۔ میں نے فوراً اپنی ارتکا زتوجہ سے اس کی آگ کو بجھانے کی کوشش کی اور میں اپنی کوشش میں کامیاب رہا۔ آگ بجھ گئی مگر سیڈھا بری طرح جل چکا تھا۔ جوشو حیرت کا بت بنا ادھر ادھر ہوا میں گھور رہا تھا۔ میں تیزی سے فیصلہ کر رہا تھا کہ مجھے اب کیا کرنا چاہیے۔ جوشو کو ٹھکانے لگانا چاہیے یا پھر سیڈھا کو نکال کر اس کی جان بچانے کے جتن کرنے چاہیے۔ آخر کار فیصلہ سیڈھا کی طرف ہوا۔ اور میں اسے



ارتکا زتوجہ سے اٹھا کر چشم زدن میں اپنے جزیرے والے جھونپڑے  
میں لے آیا۔ پھر آنکھیں کھول کر تیزی سے اس کی طرف بڑھا۔ وہ  
بری طرح جلا ہوا تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ درد سے کراہتے ہوئے بولا۔  
”وہ۔۔۔ وہ۔۔۔ اس الماری میں جلے کی دوا ہے۔“ اس کا اشارہ  
ایک طرف دیوار کے ساتھ کھڑی الماری کی طرف تھا۔ میں نے  
بھاگ کر اس الماری کو کھولا۔ وہاں بہت ساری دوائیں پڑی ہوئیں  
تھیں۔

”کون سی؟“ میں نے چیخ کر پوچھا۔

”نی۔۔ نیلے رنگ کی ڈبیا۔“ سیڈھانے اسی طرح کراہتے ہوئے  
کہا۔

میں نے جلدی سے ایک نیلی ڈبیا اٹھائی جو وہاں پاس ہی پڑی تھی اور  
بھاگتا ہوا سیڈھا کے قریب پہنچا۔ پھر جلدی جلدی اس کے اندر موجود



مرہم اس کے جلے ہوئے جسم پر لگانے لگا۔ وہ کافی بڑی ڈبیا تھی مگر پھر بھی اس کے جسم پر لگاتے لگاتے وہ ختم ہو گئی۔ مگر اب سیڈھا کی طبیعت کافی بہتر لگ رہی تھی۔

”ادھر کونے میں جو بکس پڑا ہے۔ اس میں اور بھی ڈبیاں ہیں۔“ اس نے ایک طرف پڑے ٹرنک کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے آگے بڑھ کر جلدی سے اسے کھولا۔ اس میں واقع کئی اقسام کی دوائیں پڑی ہوئیں تھیں۔ ان میں ہی نیلی ڈبیاں بھی تھیں۔ میں نے ایک ڈبیا اٹھائی اور سیڈھا کے جسم کے باقی حصوں پر بھی ملنے لگا۔ کچھ دیر میں ہی اس کا سارا جسم اس مرہم سے ڈھکا ہوا تھا۔ سیڈھا نے آنکھیں بند کر لیں اور جسم کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔ کچھ دیر تک تو میں اسے دیکھتا رہا مگر پھر تشویش کے ہاتھوں مجبور ہو کر بول پڑا۔

”سیڈھا!۔۔۔ تم ٹھیک تو ہو؟“

اس نے چونک کر آنکھیں کھولیں۔ پھر میری طرف دیکھ کر بولا۔  
”ہاں دوست!۔۔۔ میں ٹھیک ہوں۔ اور تمہارا احسان مند بھی۔  
آج تم نے اپنی قوت سے میری جان بچائی۔ میں جتنا بھی تمہارا  
شکریہ ادا کروں۔۔۔ اتنا کم ہے۔“ اس کے لہجے میں تشکر نمایاں  
تھا۔

”ایسی بات مت کرو۔۔۔ دوست ہونے کے ناطے یہ تو میرا فرض  
تھا۔“ میں نے جلدی سے کہا۔

”تم عظیم ہو۔۔۔ بلاشبہ تم عظیم ہو۔۔۔ اس مرہم میں نیند کی دوا ہے  
اس لیے مجھے معاف کرنا۔ مجھ پر نیند کا غلبہ بہت تیزی سے ہو۔۔۔ رہا  
ہے۔“ سیڈھا نے اتنا ہی کہا اور پھر اس نے آنکھیں بند کر لیں۔  
میں اس کو سوتا چھوڑ کر جھونپڑی سے باہر نکل آیا۔ ویسے بھی جھونپڑی  
میں جلنے کی سڑاند دماغ کو بھاری کیے جا رہی تھی۔ پھر کچھ دیر تک چہل

قدی کر کے ایک مناسب جگہ پر میں سونے کے لیے لیٹ گیا۔  
جھونپڑی سے باہر سونا میرا معمول تھا۔ مجھے تازہ ہوا میں سونا ہمیشہ اچھا  
لگتا تھا۔ سونے سے پہلے میں نے احتیاط کے طور پر اپنی روحانی پرواز  
سے اس جزیرے کا ایک چکر لگایا۔ اور پھر جوشو کے تنا نما گھر کا رخ  
کیا۔ وہاں اب کوئی بھی نہیں تھا۔ میں بے دھڑک اس تنے کے اندر  
بھی گیا مگر وہاں بھی کوئی نہ تھا۔ میں نے اس آئینہ کو تلاش کرنے کے  
کوشش کی جس سے جوشو نے کسی سے بائیں کی تھی مگر وہ بھی وہاں  
موجود نہیں تھا۔ یقیناً جوشو نے اپنی اس رہائش کو خیر آباد کہہ دیا تھا۔ مگر  
مجھ سے چھینا مشکل تھا۔ میں نے فوراً آسمان کی طرف چھلانگ  
لگائی۔ اور مناسب فاصلے پر پہنچ کر اپنی تیز روحانی آنکھوں سے اسے  
تلاش کرنے لگا۔ کم و بیش سارے افریقہ کو میں نے چھان مارا مگر وہ  
کہیں نظر نہ آیا۔ میں سمجھ گیا کہ وہ پھر کسی اور تنے نما گھر میں چھپ گیا



ہوگا۔ یقیناً وہ میری روحانی نگاہ سے بھی اوجھل تھا۔ بہر حال اس کی تلاش ختم کر کے میں اپنی جگہ حاضر ہوا اور پھر نیند کی وادی میں کھو گیا۔ اگلی صبح میں معمول سے کچھ پہلے ہی اٹھ گیا۔ اندر جھونپڑی میں گیا تو سیڑھا ابھی تک سو رہا تھا۔ آج پہلے بار میں نے اس کے لیے ناشتے کا بندوبست کیا۔ جب میں پھل وغیرہ لے کر واپس آیا تو وہ بھی اٹھ گیا تھا۔

”دوست!۔۔۔ تم نے میری زندگی بچا کر مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔“ اس نے مجھے دیکھتے ہی معنویت سے کہا۔

”دوست بھی کہتے ہو اور غیروں جیسی بات بھی کرتے ہو۔۔۔ بس

۔۔۔ بس۔۔۔ اب دوبارہ میں تمہارے منہ سے ایسی کوئی بات نہ

سنو۔۔۔ حقیقت تو یہ ہے کہ کل ہمارے ہاتھوں سے جوشونج گیا۔“

میں نے جلدی سے کہا اور پھر جان بوجھ کر اس کا دھیان جوشو کی طرف



”ہاں!۔۔۔ وہ میری توقع سے کہیں زیادہ طاقت ور نکلا۔ تم ٹھیک کہتے تھے۔ مجھے اس کی طاقت کا اندازہ کرنے بعد ہی اس پر حملہ کرنا چاہیے تھا۔“ یہ کہہ کر اس نے میرے ساتھ ناشتا شروع کر دیا۔

”ویسے تمہاری قوت بھی بہت زبردست ہے۔ مجھے تو پہلی بار اندازہ ہوا ہے کہ تم بھی کمال ہو۔“ ناشتے سے فارغ ہو کر اس نے پھر میری تعریف شروع کر دی۔

”ہوں!۔۔۔ مگر تمہارے سامنے کچھ نہیں“ میں نے مسکراہٹے ہوئے کہا۔

”شاید!۔۔۔ تم مجھ سے بھی زیادہ طاقت رکھتے ہو۔ مگر ظاہر نہیں کرتے ہو۔“ سیڈھانے پر خیال انداز میں کہا۔ پھر اچانک بولا۔

”مجھے پروہت جی کو اس واقعہ کی اطلاع کرنا ہوگی۔ میرا خیال تھا کہ

میں اسے آسانی سے قابو کر لوں گا۔ مگر اب اس حالت میں مجھے  
ہر صورت میں ان کو ساری صورتحال سے باخبر کرنا ہوگا۔ اور۔۔۔  
مہربانی کر کے تم اس بار میرا پیچھا نہ کرنا۔“ یہ کہہ کر وہ جھونپڑی سے  
باہر جانے لگا۔ آخر میں اس نے تیز نظروں سے مجھے گھورا تھا۔  
وہ واقعی جسمانی طور پر بہت مضبوط واقع ہوا تھا۔ ورنہ اتنا جلنے کے  
باوجود اپنے پاؤں پر کھڑا بھی نہ ہوتا۔ بہر حال اس بار میں نے اس  
کا پیچھا نہیں کیا کیونکہ جوالا پروہت میری موجودگی کا احساس کر لیتا  
تھا۔

کچھ دیر کے بعد وہ واپس آیا۔ اور کہنے لگا۔  
”پروہت جی نے بلایا ہے۔ تم بھی چلو۔۔ وہ تم سے بھی ملنا چاہتے  
ہیں۔“ سیڈھانے کہا اور ایک طرف الماری سے اپنا لباس نکالنے  
لگا۔ میں اس کی بات پر چونک پڑا۔

جوالا پروہت سے ہی ملنے کے لیے تو میں بے قرار تھا۔ اور ایک دم وہ وقت آ گیا۔ یہی وہ شخص تھا جو مجھے طالب سرکار کے مقابل لانے میں میری مدد کر سکتا تھا۔ مگر ابھی تو شاید ملاقات ہی تھی۔ پتہ نہیں اس کی نظروں میں آنے کے لیے اور اس سے اپنے مطلب کا علم حاصل کرنے کے لیے کون کونسے جتن کرنے پڑنے تھے۔ یہی سب کچھ سوچتے سوچتے میں سیڈھا کے ساتھ باہر کی طرف چل دیا۔

اس بار سیڈھا نے جنگل کی طرف جانے کی بجائے جھونپڑی کے پچھلے سمت قدم بڑھا دیے۔ میں بھی اس کے ساتھ ہو گیا۔ ابھی ہم بمشکل دس قدم جھونپڑے سے دور آئے ہوئے کہ اس نے مجھے ہاتھ پکڑا نے کو کہا۔ میرا ہاتھ پکڑ کر اس نے تیزی سے ایک طرف کو بڑھنا شروع کر دیا۔ اس کا انداز تقریباً بھاگنے والا ہی تھا۔ مجبوراً میں بھی اس کے ساتھ ہی بھاگنے پر مجبور ہو گیا۔ مگر اگلہ لمحہ بڑا حیرت انگیز تھا۔ اس



نے بڑی تیزی سے دو درختوں کے بیچ کھڑی ایک چھوٹی سے مگر  
سپاٹ چٹان کو ٹکرا مار دی۔ یہ سب کچھ اتنا جلدی ہوا کہ میں سنبھل بھی  
نہ سکا۔ مگر جیسے ہی ہم دونوں اس چٹان سے ٹکرائے ایک چھناکا ہوا  
اور ہم ایک وادی جنت نظیر میں موجود تھے۔ سیڑھا مجھے حیران دیکھ کر  
مسکرا رہا تھا۔

”پروہت جی کہاں رہتے ہیں؟“ کوئی نہیں جانتا۔۔۔ بس یہ ہی  
ایک راستہ ہے جو اس وقت کھلتا ہے جب وہ کسی کو بلاتے ہیں۔ اس  
کی تفصیل اگر میں تمہیں پہلے بتانے کی کوشش کرتا تو شاید شام ہی ہو  
جاتی۔ اس لیے میں نے سوچا کہ خود ہی دیکھ لو تو بہتر ہے۔“ سیڑھا  
کے چہرے پر گہری مسکراہٹ تھی۔ میں نے بس سر ہلانے پر ہی اکتفا  
کی۔

پھر وہ مجھے لے کر ایک طرف چل دیا۔ ابھی ہم مشکل سے سو قد ہی



چلیں ہونگے کہ سامنے دور ایک خوبصورت سامکان نظر آیا۔ وہ پکی اینٹوں سے بنا کوئی چھوٹا سے قلعہ معلوم ہوتا تھا۔ ہم آہستہ آہستہ چلتے ہوئے اس کے دروازے پر پہنچ گئے۔ ابھی ہم چند قدم دور ہی تھے کہ دروازہ خود بخود کھلتا چلا گیا۔ ہم بھی ر کے بغیر اندر چلے دیے۔ دروازے کے اندر ایک کشادہ صحن تھا اور وہاں کا ماحول بڑا ہی رنگین تھا۔ بے شمار خوبصورت لڑکیاں مختلف لباس میں ادھر سے ادھر بیٹھی مختلف کاموں میں مصروف تھیں۔ ہم ان کے درمیان سے گزرتے ہوئے سیدھے آگے بڑھ گئے۔ سامنے ایک دروازہ تھا جسے سیڑھا نے آگے بڑھ کر کھولا۔ یہ ایک خوبصورت کمرہ تھا جہاں بڑا ہی بیش قیمت سامان رکھا ہوا تھا۔ سیڑھا نے مجھے ایک صوفہ نما کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود بھی ایک اسی طرح کی کرسی پر بیٹھ گیا۔ ابھی ہمیں بیٹھے کچھ منٹ ہی ہوئے تھے کہ ایک اندرونی دروازے کے کھلنے کی آواز

سنائی دی۔ میں نے چونک کر ادھر دیکھا۔ ایک بوڑھا مگر تندرست دکھائی دینے والا ایک شخص اندر داخل ہو رہا تھا۔ اس کی چال میں ٹھہرو تھا۔ پہلی چیز جو اس کی شخصیت میں میں نے نوٹ کی وہ اس کی آنکھیں تھیں۔ بہت ہی تیز اور چمکدار۔

اسے اپنی طرف آتے دیکھ کر سیڈھا احتراماً کھڑا ہو گیا۔ میں بھی جلدی سے کھڑا ہو گیا۔

”ہم پروہت جی کی شکر گزار ہیں کہ آپ نے ہمیں شرف ملاقات بخشا۔“ سیڈھا نے بڑی عاجزی سے ہاتھ باندھ کر کہا۔

”بیٹھو!۔۔۔ اور مجھ سے اپنے دوست کا تعارف کروا۔“ جوالا پروہت نے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے نرم لہجے میں کہا۔

”یہ میرا دوست ہے۔ اس کا نام سلیمان ہے۔ یہی ہے وہ جس نے میری جان بچائی۔“ سیڈھا نے جلدی سے میرا تعارف کرواتے

ہوئے کہا۔

”بہت خوب۔۔۔۔۔ جوشو سے بچ نکلنا اتنا آسان نہ تھا۔ بھی تم تو

خوب طاقت رکھتے ہو۔“ جوالا پروہت کی آنکھوں میں مکاری

جھلک رہی تھی۔

”پروہت جی۔۔۔ میں کیا اور میری اوقات کیا۔ بس یوں سمجھ لیں کہ

بھاگنے میں تیز ہوں۔“ میں نے عاجزی سے جواب دیا۔ ”تاہم

مجھے طاقتور بننے کی بڑی جستجو ہے۔ اگر آپ مجھے اپنی شاگردی میں

لے لیں تو یہ میرے لیے بہت بڑی اعزاز کی بات ہوگی۔“ میں فوراً

ہی اپنے مدعا پر آگیا۔

جوالا پروہت نے چند لمحوں تک مجھے دیکھا پھر بولا۔

”اتنی جلدی اچھی نہیں ہوتی سلیمان!۔۔۔۔۔ پہلے تو مجھے اپنے بارے

میں کچھ بتاؤ۔ کون ہو کہاں سے آئے ہو۔“ اس بار بھی جوالا پروہت



کے لہجے میں عیاری نمایاں تھی۔

”میرا خیال ہے کہ عظیم جوالا پروہت کے لیے یہ جان لینا کوئی بڑی بات تو نہیں کہ میں کون ہوں اور کہاں سے آیا ہوں۔“ میں نے بھی اس بار کچھ سنبھلتے ہوئے ٹال مٹول سے کام لیا۔ مگر میرے اس جواب پر جوالا پروہت چونک پڑا۔

”ہوں!۔۔۔ تو تم مجھ سے اپنے آپ کو خفیہ رکھنا چاہتے ہو۔“ اس بار اس کے لہجے میں حیرت کے ساتھ ساتھ غصہ بھی تھا۔ پھر اس نے چند لمحوں کے لیے اپنی آنکھیں بند کیں اور ایک دم جھٹکے سے کھول دیں۔

”تو تم علم زوجیلہ کے ماہر ہو۔۔۔ تمہاری ارتکاز کی قوت بھی بہت خوب ہے۔ لگتا ہے کسی بڑے استاد کے شاگرد ہو۔ کیا مجھے اپنے استاد کے بارے میں بتانا پسند کرو گے؟“ اس بار جوالا پروہت کے لہجے



میں حیرت بہت زیادہ نمایاں تھی۔

”پروہت جی!۔۔۔ مجھے یہ علم میرے دادا نے سکھایا ہے۔ وہ کوئی مشہور انسان نہیں ہیں۔ بس ایک عام سے انسان مگر انہیں کسی نے اس علم کے بار میں بتایا تھا۔ وہ اس کا علم جانتے تھے اس لیے انہوں نے مجھے اس کی تفصیل بھی بتائی اور میرے راہنمائی بھی کی۔ بس یہ ہے ساری کہانی۔“ میں نے جان بوجھ کر مختصر انداز میں اپنی کہانی بتائی تاکہ کسی بھی طرح سے وہ میری اصلیت نہ جان سکیں۔

”ٹھیک ہے!۔۔۔ اب تم مجھ سے کیا چاہتے ہو۔“ جوالا پروہت کی چہرے سے اندازہ لگانا مشکل تھا کہ اس نے میرے بات پر یقین بھی کیا ہے کہ نہیں۔

”جی میں اور زیادہ علوم سیکھنا چاہتا ہوں۔ آپ کی شاگردی میں رہ کر بہت کچھ بننا چاہتا ہوں“ میں نے جلدی سے کہا۔

”مجھے کیا ملے گا؟“ اچانک جوالا پروہت نے تیز لہجے میں پوچھا۔

اور میں نے چونک کر انہیں دیکھا۔

”میں آپ کو کیا دے سکتا ہوں؟“ میں نے حیرت سے پوچھا۔

”اگر تم مجھے سونالی کا ایک انڈا لا کر دو تو میں تمہیں ایک ایسا علم بتا سکتا

ہوں جس کی مدد سے تم سارے افریقہ پر حکومت کر سکتے ہو۔“ جوالا

پروہت کی لہجے میں بدستور عیار کی نمایاں تھی۔ سیڈھا سونالی کی نام پر

بری طرح چونک پڑا تھا۔

”یہ۔۔۔ یہ۔۔۔ کہاں ملے گا؟“ میں نے لاشعوری طور پر پوچھا۔

”پتہ نہیں۔۔۔ اس کا پتہ کرنا تمہارا کام ہے۔ تم مجھے یہ انڈا لا دو

اور جو بولو گے میں تمہیں وہ سیکھاؤ گا۔“ جوالا پروہت نے بڑے

فراخ دلانہ انداز میں ہاتھ اٹھا کر کہا۔

”مگر اس کے بارے میں کچھ تو بتائیں۔ یہ کہاں ملے گا یا میں اسے

کہاں پر تلاش کروں؟“ میں نے حیرت میں ڈوبے ہوئے کہا۔  
”بس اتنا جان لو۔۔۔ کہ سونالی ایک ایسے جانور کا نام ہے جو زیر  
زمین رہتا ہے۔ کم از کم دس میل کی گہرائی پر۔ اگر وہ اس سے اوپر  
آجائے تو ٹھنڈ سے مر جائے۔ اس کے جسم کو بہت زیادہ گرمی کی  
ضرورت ہوتی ہے جو زمین کی اندرونی تہوں میں ہی مل پاتی ہے۔  
اس کو تلاش کرنے کے لیے تمہیں زمین کی تہوں میں جانا ہوگا اور پھر  
اس کا پیچھا کر کے اس کا انڈہ چرا کر لانا ہوگا۔۔۔ میں جانتا ہوں کہ  
یہ کوئی آسان کام نہیں ہے مگر تمہیں علم زوجیلہ پر عبور حاصل ہے اور پھر  
تم ارتکا زتوجہ میں بھی کمال رکھتے ہو۔۔۔ ان دونوں کی موجودگی میں  
مجھے یقین ہے کہ تم اس کو حاصل کر سکتے ہو۔“ جوالا پروہت نے  
تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

”ٹھیک ہے۔۔۔ میں یہ انڈہ لے کر آؤں گا اور آپ مجھے اپنی



شاگردی میں لے کر مجھے مزید طاقتور بننے میں مدد کریں گے؟“ میں نے کچھ سوچ کر کہا اور پھر ایک بار ان سے وعدہ لینے کے غرض سے اسے دوہرایا۔

”ہاں!۔۔۔ میں تمہیں زبان دیتا ہوں۔ اور یاد رکھو۔۔۔ جو والا کبھی اپنی زبان کے خلاف نہیں جاتا۔“ جو والا پروہت نے بڑی سنجیدہ انداز میں کہا۔

اتنے میں ایک دروازہ کھلا اور چند حسینائیں ایک طاق میں کچھ شربت کے گلاس رکھیں اندر داخل ہوئیں۔ ان کو دیکھ کر اور باہر موجود حسیناؤں کو دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ جو والا پروہت حسن کا دلدادہ واقع ہوا تھا۔ بہر حال ہم نے شربت پیا اور پھر کچھ دیر وہاں بیٹھنے کے بعد اجازت طلب کی۔

”ٹھیک ہے!۔۔۔ اب تم جاؤ۔۔۔ اور دیکھو جب بھی وہ انڈہ حاصل کر



لو۔۔ تو اسی راستے سے یہاں آ جانا جس راستے سے تم آج آئے ہو۔ یہ راستہ تمہارے لیے ہمیشہ کھلا ہوگا۔“ جوالا پروہت نے تاکید کرتے ہوئے کہا اور ہم نے ان کا شکریہ ادا کر کے واپسی کے چل پڑے۔

اس قلعہ نما عمارت سے نکل کر سیڈھا مجھے لیے ہوئے ایک بڑے سے چشمے کی طرف چل پڑا۔ میں نے کچھ بولنے کی کوشش کی مگر اس نے مجھے اشارے سے منع کر دیا۔ پھر جیسے ہی ہم چشمے کے پاس پہنچے۔ اس نے اپنا رخ اس چشمے کے ماخذ کی طرف کر دیا۔ ہمیں تھوڑا سا پہاڑی راستہ طے کرنا پڑا اور پھر ہم اس آبشار کے سامنے پہنچ گئے جہاں سے پانی نیچے گر رہا تھا۔

”بس ہمیں اس آبشار کو چھلانگ لگا کر۔۔۔ کر اس کرنا ہے۔ یہی واپسی کا راستہ ہے۔ جیسے ہی ہم اس کو کر اس کریں گے۔ ہم واپس اسی

جگہ ہونگے جہاں سے ہم نے یہاں آنے کے لیے چٹان کو پھلانگ  
تھا۔“ سیڈھا نے مجھے سمجھاتے ہوئے کہا۔ میں چونکہ اس قسم کے  
تجربے سے پہلے بھی گزر چکا تھا۔ اس لیے بغیر کسی حیرت کے  
رضا مند ہو گیا۔ پھر ہم دونوں نے ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر ایک زور  
دار چھلانگ اس آبشار کی طرف لگا دی۔ جیسے ہی ہمارے جسموں نے  
اس آبشار کے پانی کو کراس کیا ایک جھٹکے سے ہمارے ارد گرد ماحول  
تبدیل ہو گیا اور ہم نے اپنے آپ کو اسی جگہ کھڑے پایا جہاں چٹانی  
راستے سے ہم اس میں داخل ہوئے تھے۔

سیڈھا مجھے لیے تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اپنی جھونپڑی کی طرف چل دیا۔  
”تم نے بغیر کچھ سوچے سمجھے سونالی کے انڈے کو لانے کا وعدہ کر لیا۔“  
سیڈھا نے بات شروع کرتے ہوئے کہا۔

”تو اور میں کیا کرتا۔۔۔ مجھے پروہت جی سے بہت کچھ سیکھنا ہے۔“

اور انہوں نے اس کے لیے یہ شرط رکھ دی۔ اب تم ہی بتاؤ میں اور کیا کرتا؟“ میں نے بے چارگی سے کہا۔

”جانتے ہو۔۔۔۔۔ سونالی کا انڈہ آج تک کوئی انسان چرا نہیں سکا ہے۔ مجھے ایک دفعہ خود پر وہت جی نے ہی بتایا تھا کہ جب سے نسل انسانی اس دنیا پر قائم ہوئی ہے۔۔۔ بہت سوں نے کوشش کی مگر اس انڈے تک کوئی نہ پہنچ سکا۔“ [www.dere.pk](http://www.dere.pk) ہاں نے اپنی معلومات مجھے بتاتے ہوئے کہا۔

”جو بھی ہو۔۔۔ اب دیکھا جائے گا۔“ میں نے پر عزم لہجے میں کہا۔

اتنی دیر میں ہم جھونپڑی کے سامنے پہنچ گئے۔ جیسے ہی ہم نے جھونپڑی کے اندر قدم رکھا اچانک کسی نے پیچھے سے ہمیں اندر کی طرف دھکا دیا۔ ہم اس دھکے کی وجہ سے اوندھے منہ اندر جا گرے

اور ایک دم ہمارے اوپر ایک جال پھینک دیا گیا۔ میری چھٹی حس نے فوراً ہی خطرے کی گھنٹی بجا دی۔ کیونکہ یہ جادوئی جال تھا جس سے میرا پالا پہلے بھی ایک بار پڑ چکا تھا۔

”تم کیا سمجھتے تھے کہ جوشو پر حملہ کر کے یوں آسانی سے بھاگ سکو گے؟“ ہمارے کانوں میں منحوس جوشو کی آواز پگھلائے ہوئے سیسے کی طرح اترتی چلی گئی۔



جھونپڑی میں ہمارے علاوہ جوشو اور اس کے ساتھ دو اشخاص اور بھی تھے۔ ان میں سے ایک وہ تھا جس نے ہمیں پیچھے سے دھکا دیا تھا اور ہمارے ساتھ ہی جھونپڑی میں داخل ہوا تھا۔ دونوں ہی شکل سے بڑے خوفناک لگ رہے تھے۔ ان کے جسم پہلوانوں کی طرح خوب تندرست و توانا تھا۔ جوشو سامنے ایک کرسی نما موڑھے پر بیٹھا تھا جبکہ ہم اس کے سامنے زمین پر جبا دوئی جا لے میں جکڑے پڑے تھے ”سیڈھا!۔۔۔ تم خوش قسمت ہو کہ پہلی بار کی طرح کل بھی بچ نکلے مگر آج میں دیکھتا ہوں کہ تم مجھ سے کیسے بچتے ہو۔“ جوشو نے تیز و تند لہجے میں کہا۔

”جوشو!۔۔۔ خوش قسمت تو تم تھے جو بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ آج بچ کر نکل سکو تو مانوں۔“ میں نے سیڈھا کے چہرے کا رنگ فق پڑتے دیکھ کر اس کا حوصلہ بڑھانے کے لیے کہا۔

جوشو نے چونک کر میری طرف دیکھا۔

”تم کون ہونے؟“ جوشو کے لہجے میں حیرت عیاں تھی۔ ظاہری بات ہے وہ حیران تھا ایک نوجوان کس طرح اسے چیلنج کر رہا ہے۔

”میری عمر کو تم چھوڑو۔۔۔ اپنی فکر کرو۔“ میں نے اسی طرح اڑک لہجے میں کہا۔

”اس کی ٹانگ میں توڑتا ہوں“ اسی آدمی نے کہا جس نے ہمیں پیچھے سے دھکا دیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی وہ آگے بڑھا۔ جوشو نے بھی اس کو روکنے کی کوشش نہیں کی۔ اس نے ایک دم سے ہاتھ بڑھا کر میری ایک ٹانگ پکڑنے کی کوشش کی۔ مگر اسی لمحے میں نے اونچی آواز میں آیت کریمہ کا ورد کیا اور اپنی ارتکاز توجہ کی کوشش سے جادوئی جائے کو ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا۔

شاید وہ پہلوان اس جائے سے واقف نہ تھا اس لیے اس بات کا

احساس کیے بغیر ہی اس نے میری ٹانگ پکڑ لی۔ مگر اس سے پہلے کے وہ کوئی داؤ آزما تا، میں نے ارتکا ز توجہ کی قوت سے اسے جھونپڑی کے دروازے کی طرف زور سے دھکیل دیا۔ وہ ایک جھٹکے سے تقریباً اڑتا ہوا دروازے سے ٹکرایا اور دروازہ توڑتا ہوا باہر جا گرا۔ اس سے پہلے کہ دوسرا پہلوان اپنے حواص بحال ہونے دیتا۔ میں نے اسے ارتکا ز توجہ سے اٹھا کر دوسری طرف موجد کھڑکی سے باہر پھینک دیا۔ کھڑکی کے دوسری طرف ایک چھوٹی سی کھائی تھی۔ اس پہلوان کی بس ایک گھٹی گھٹی سے چیخ ہماری سماعتوں سے ٹکرائی اور بس۔ اتنے میں وہ پہلے والا پہلوان اٹھ چکا تھا۔ اور غصے میں بھرے ہوئے سائڈ کی طرح ڈکراتا ہوا میری طرف بھاگا۔ شاید اس کا ارادہ مجھے ٹکر مارنے کا تھا۔ مگر میں نے بڑی آسانی سے اسے اپنے ارتکا ز توجہ سے دوسرے پہلوان کی ہی طرح کھڑکی سے باہر اچھال دیا۔ وہ بیچارہ تو

چنچ بھی نہ سکا۔ ان کی طرف سے فارغ ہو کر میں جوشو کی طرف متوجہ  
ہوا جو اتنی آرام سے اپنی نشست پر براجمان تھا۔ بس اس کی آنکھوں  
میں حیرت تھی۔

”اب تمہارا کہا جانے کا ارادہ ہے؟“ میں نے طنزیہ انداز میں  
پوچھا۔

جوشو نے چونک کر مجھے دیکھا بھیجے وہ ایک دم سے کسی خواب سے  
بیدار ہوا ہو۔ پھر بدستور حیرت زدہ انداز میں تقریباً اشعوری انداز  
میں بولا۔

”میں نے آج تک کسی کو اس جادوئی جالے سے آزاد ہوتے نہیں  
دیکھا۔ یہ تم نے کیسے کر لیا؟“

”تم اس چھوٹی سے بات کو چھوڑو۔۔ یہ بتاؤ تمہارے ساتھ کیا  
سلوک کیا جائے۔“ میں نے جان بوجھ کر اس پر رعب ڈالتے ہوئے



کہا۔ ویسے سیڈھا بھی اس وقت سے حیران تھا مگر شاید اس کا تجسس اس جوشو کی موجودگی کی وجہ سے دبا ہوا تھا۔

”ہوں!۔۔۔۔۔ تو تم اپنی جان کے دشمن ہو ہی گئے ہو۔“ جوشو نے ہنکارہ بھرا۔ شاید اب اسے چوٹیشن کا اندازہ ہو گیا تھا۔ ”میں تو ابھی تک کھیل رہا تھا۔ اب سنبھلو۔“

جوشو نے کچھ پڑھ کر اپنے اوپر پھونکا اور پھر دوسرا منتر پڑھ کر میری طرف پھونکا۔ میں نے فوری طور پر آنکھیں بند کر کے اپنی روحانی آنکھوں سے اس کے حملے کو دیکھا۔ اس نے بہت ساری اڑنے والی چیونٹیوں کو میری طرف پھینکا تھا۔ مگر دوسرے ہی لمحے میرے کچھ کرنے سے پہلے ہی سیڈھا نے کچھ پڑھا اور ایک عجیب و غریب سی ایک مخلوق میرے اور ان اڑنے والی چیونٹیوں کے درمیان حائل ہو گئی اور اس نے بڑے مزے سے تمام چیونٹیوں کو ہڑپ کر لیا۔

جوشو نے گھور کر سیڈھا کی طرف دیکھا۔

”تو تم سمجھتے ہو کہ دونوں مل کر مجھے شکست دے سکیں گے؟“ جوشو کے لہجے میں غصہ نمایاں تھا۔

”جوشو!۔۔۔ اب تمہیں مجھ سے کوئی نہیں بچا سکتا۔“ سیڈھا نے غصے سے لرزاتے ہوئے کہا اور پھر جلدی سے کچھ پڑھ کر اس کی طرف پھونکا۔ میں نے اپنی روحانی <sup>www.darululoom.com</sup> نکتہ سے دیکھ کر بہت سارے بیرے اکٹھے ہو کر جوشو کی طرف بڑھے۔ یہ وہی ڈوسائی کے گوشت خور بیرے تھے۔ مگر وہ جوشو کے قریب جا کر رک گئے۔ میں نے محسوس کیا کہ جوشو کے جسم کے گرد ایک بہت ہی باریک نیلے رنگ کا حصار قائم تھا۔ شاید اس نے اپنے گرد کوئی حفاظتی حصار قائم کر رکھا تھا۔ وہ حصار ہی ان بیروں کو اپنے قریب آنے نہیں دے رہا تھا۔

”اور بھی کچھ کر سکتے ہو تو آزماتو۔۔۔ پھر نہ کہنا جوشو نے موقعہ نہیں

دیا۔“ جوشو نے طنز بھرے لہجے میں کہا۔

سیڈھانے غصے کی حالت میں دو تین اور وار کیے مگر ان سب کا انجام بھی وہی ہوا جو ڈوسائی کے بیروں کا ہوا تھا۔ وہ جوشو کو چھو بھی نہ سکے۔

”تم بھی اپنے داؤ پیچ آزمالو۔۔۔ بچے!۔۔۔ پھر میرے باری ہو

گی۔“ جوشو نے غرور اور حقارت سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

مجھے احساس تھا کہ جوشو نے اپنے آپ کو حفاظتی حصار میں قید کیا ہوا

ہے جو اسے ہر وار سے بچا رہی تھا۔ مگر شاید وہ میرے ارتکاز توجہ کا توڑ

نہ کر سکے کیونکہ ارتکاز توجہ کسی بیرے کی مدد سے وار نہیں کرتی۔ یہی

سوچ کر میں نے اس پر ارتکاز توجہ آزمانے کے کوشش کی۔ اور پوری

توجہ سے اسے زمین سے اٹھالیا۔ اور وہ اٹھ گیا۔۔۔۔۔ جی ہاں!۔۔۔

میرا اندازہ درست تھا۔ اس کا حصار بیروں کے خلاف تو کارآمد تھا مگر

میری ارتکاز توجہ کی قوت کے خلاف وہ بالکل زیر و ثابت ہوا۔

میں نے اسے تقریباً پانچ سے چھ فٹ زمین سے اٹھا کر زور سے  
واپس زمین پر پھینک دیا۔ وہ ایک دھماکے سے گرا اور اس کے حلق  
سے چیخ نکل گئی۔ اس کی آنکھیں حیرت کی شدت سے پھٹنے کے  
قرب تھیں۔

”جوشو!۔۔۔ میں تو تمہیں بہت بڑی طاقت سمجھتا تھا۔ تم تو بالکل ہی  
بودے نکلے۔“ میں نے مایوسانہ لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا۔ پھر  
اسے سنبھانے کا موقعہ دیے بغیر ہی میں نے اپنی ارتکا زتوجہ سے اسے جانا  
شروع کر دیا۔ جوشو کا جسم آگ میں گھرا ہوا تھا اور اس کے حلق سے  
چیخیں نکل رہی تھیں کہ اچانک وہ آگ بجھ گئی اور دوسرے ہی لمحے  
جوشو اپنی جگہ سے گائب تھا۔ میں ہکا بکا اس جگہ کو دیکھے جا رہا تھا جہاں  
کچھ دیر پہلے جوشو آگ میں جل رہا تھا۔ سیڑھا کی حالت بھی مجھ سے  
مختلف نہ تھا۔



”یہ کہاں گیا؟“ میں نے بے اختیار سوال کیا۔

”پتہ نہیں۔“ سیڈھا نے حیرت سے جواب دیا۔

ابھی ہم حیرت سے نکل بھی نہ پائے تھے کہ اچانک ایک جانی پہچانی آواز ہوا میں گونجی۔

”تم جوشو کی فکر چھوڑو۔۔۔ اور اپنے کام پر روانہ ہو جاؤ۔ یہ ہمارا

خاص جیلہ ہے۔۔۔ ہم اسے ابھی ماننا نہیں چاہتے۔“

بلاشبہ یہ آواز جواا پر وہت کی تھی۔ ہم حیرت سے ادھر ادھر دیکھ رہے

تھے۔ پھر یکایک میں نے اپنی آنکھیں بند کیں۔ جواا پر وہت

ہمارے سامنے ہی کھڑا تھا اور جوشو بھی مودبانہ انداز میں اس کی دائیں

جانب کھڑا تھا۔ جواا پر وہت نے میرے روحانی وجود کی طرف دیکھ

کر اشارے سے کچھ نہ کرنے کا کہا۔ اور پھر تیزی سے جوشو کا ہاتھ پکڑا

اور بہت تیزی سے ہوا میں پرواز کر گیا۔ روحانی پرواز بہت تیز ہوتی ہے

اس لیے بظاہر وہ ایک جھناکاسا ہی تھا۔ مگر چونکہ میں خود اس پرواز کا ماہر تھا اس لیے دیکھ سکتا تھا کہ وہ اتنی پرواز کے ذریعے یہاں سے گیا تھا۔ تاہم یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ اس نے جوشو کو کس عمل سے ہمارے آنکھوں سے او جھل کیا تھا۔ بہر حال یہ اب طے تھا کہ جوشو جوالا پروہت کی امان میں تھا اس لیے اب اس کا کچھ بگاڑنا مشکل تھا اور شاید جوالا پروہت کے ساتھ جنگ کے مترادف ہوتا جو میں قطعاً نہیں چاہتا تھا۔ اس سے تو مجھے بہت کچھ سیکھنا تھا اور یہی میرے افریقا آنے کا مقصود تھا۔

میں نے اپنی پرواز ختم کی تو دیکھا کہ سیڈھا مجھے ہی دیکھ رہا تھا۔ ”کیا ہوا؟“ سیڈھا نے بدستور حیرت آمیز لہجے میں پوچھا۔ ”جوالا پروہت جی۔۔۔۔۔ اے اپنے ساتھ لے گئے ہیں۔“ میں نے آہستہ سے کہا اور پھر ایک طرف پڑے موڑھے پر بیٹھ گیا۔

سیڈھا بھی خاموشی سے زمین پر ہی بیٹھ گیا مگر میں اس کے چہرے سے اس کے اندر چلنے والی آندھیوں کا اندازہ کر سکتا تھا۔ جس شخص نے اس کے سارے خاندان کو تباہ کیا اور جس کی خاطر سیڈھا نے اتنے سال ریاضت کی، وہ جواا پر وہت کا چیلہ نکالا اور جواا پر وہت ہی اس کو بچا کر لے گیا۔ سیڈھا جس کو اپنا گرو سمجھتا تھا اور جس سے مدد کا خواہاں تھا وہی اس کے دشمن کی بھی مدد کر رہا تھا۔ یقیناً بڑے جذباتی لمحات تھے جن سے وہ گزر رہا تھا۔ ہم تقریباً دس منٹ تک اسی طرح خاموش بیٹھے اپنے اپنے خیالات سے جنگ کرتے رہے اور پھر میں نے ہی اس خاموشی کو توڑا۔

”جوشو جواا جی کا چیلہ ہے۔ انہوں نے ہمیں اس کو بھول جانے کا مشورہ دیا ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ یہ مناسبت وقت نہیں ہے کہ ہم جوشو کو اس کے انجام تک پہنچا سکیں۔ تمہارا کیا خیال ہے؟“ میں نے ایک

طرح سے اسے اپنا فیصلہ سنایا۔

”تم ٹھیک کہتے ہو۔ جوا! جی کا حکم سر آنکھوں پر۔“ سیڈھانے  
بیچارگی سے کہا۔ ظاہری بات تھی کہ میری مدد کے بغیر وہ جوشو سے  
انتقام نہیں لے سکتا تھا اور اگر میں اس پر راضی نہیں تھا تو وہ کیا کر سکتا  
تھا۔ اس لیے مجبوری کو اس نے اپنی رضا بنانا ہی مناسب سمجھا۔  
”مجھے لگتا ہے کہ اب ہمیں اپنی توجہ سونالی کے انڈے کے حصول کی  
طرف ہی کرنی چاہیے۔“ میں نے جیسے اپنے آپ سے بات کرتے  
ہوئے کہا۔

”ہاں شاید۔۔۔“ سیڈھانے انداز میں ابھی تک مایوسی تھی۔  
”تم سونالی کے بارے میں کیا جانتے ہو؟“ میں نے پوچھا۔  
”کچھ زیادہ نہیں۔ بس ایک پرندہ ہے جو زمین کی گہرائی میں ہوتا  
ہے۔ اسے اتنی زیادہ حدت کی ضرورت ہوتی ہے کہ جو صرف وہی پر



ممکن ہے۔ اگر وہ اوپر زمین پر آنے کی کوشش کرے تو اپنی جان سے

جائے گا۔“ سیڈھانے اپنی یادداشت کو ٹٹولتے ہوئے کہا۔

”پرندہ تو اڑتا ہے۔ وہ زمین کی اتنی گہرائی میں کیسے اڑ سکتا ہوگا؟“

میں نے حیرت سے پوچھا

”زمین کی بہت سے تہیں ہیں۔ میں نے سنا ہے کہ جس تہہ میں وہ

رہتا ہے وہاں پر بہت بڑا خلاء ہے۔ وہ اسی خلاء میں اڑتا ہے۔ بس

یہ بھی سنی سنائی باتیں ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ کسی نے آج تک اسے

نہیں دیکھا۔ اور نہ ہی وہاں تک جاسکا ہے۔ اگر کوئی گیا بھی ہوگا تو

کچھ بتانے کے لیے واپس نہیں آسکا۔“ سیڈھانے کچھ سوچتے

ہوئے جواب دیا۔

”میں شاید اپنی روحانی پرواز سے زمین کے اندر جاسکوں۔ ابھی تک

ایسا تجربہ میں نے کیا تو نہیں مگر کوشش کرنے میں کیا ہرج ہے؟“ میں

نے مسکراتے ہوئے کہا۔ مقصد یہی تھا کہ ان باتوں سے سیڈھا کا  
دھیان جوشو سے ہٹ سکے۔ اور میں کافی حد تک کامیاب بھی ہوا تھا  
کیونکہ اب سیڈھا کے چہرے پر بھی مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔  
میں نے ایک لمحے کے لیے آنکھیں بند کیں اور پھر روحانی پرواز سے  
آج پہلی بار زمین کے اندر کی طرف گیا۔ مگر سوائے اندھیرے کے  
۔۔۔ کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ ظاہری بات ہے کہ زمیں کی تہوں میں  
مٹی اور نامعلوم کتنی اقسام کی دھاتیں ہوتی ہیں۔ ان کے اندر جا کر  
آپ کو کیا نظر آ سکتا ہے؟ اس سے مایوس ہو کر میں اپنی روحانی پرواز  
ختم کر دی۔

”کچھ بھی نہیں۔ بس اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔“ میں نے مسکراتے  
ہوئے کہا۔

”ہمیں جوالا جی سے مدد مانگنی چاہیے۔“ اچانک سیڈھا نے کہا۔

”تمہارا کیا خیال ہے۔ اگر وہ کچھ جانتے تو ہمیں نہ بتاتے؟“ میں نے الٹا سوال کر دیا۔

”ہم نے پوچھا ہی نہیں۔“ سیڈھانے سیدھا سا جواب دیا۔

”میں نے پوچھا تو تھا کہ یہ کہاں ملے گا؟“ میں نے اسے یاد دلایا۔

”ہاں!۔۔۔ یہ تو وہ نہیں جانتے مگر زمین کے اندر کس طرف جانا ہے

اور وہ کونسے راستے ہیں جہاں سے ہم زمین کی اس تہہ تک پہنچ سکتے

ہیں جہاں پروہ پرندہ رہتا ہے۔“ سیڈھانے اصرار کرتے ہوئے

کہا۔

”ٹھیک ہے پوچھ لیتے ہیں۔ مگر کیسے؟“ میں نے اس بار اس کی بات

مانتے ہوئے کہا۔ اور کوئی چارہ بھی تو نہ تھا۔

”آؤ!۔۔۔ ان سے بات کرتے ہیں۔“ سیڈھانے کہا اور پھر مجھے

ساتھ لے کر جھونپڑی سے باہر آ گیا۔ تھوڑی دیر میں وہ اسی جگہ موجود

تھا جہاں اس نے پہلے بھی ایک بار جواا پر وہت سے بات کی تھی۔  
سیڈھانے وہی عمل دوہرایا تو جواا پر وہت کی تصویر سامنے تھی۔  
”حضور!۔۔۔ تکلیف دہی کی معذرت!۔۔۔ ہمیں سونالی کے  
انڈے کے حصول کے لیے آپ کی مدد درکار ہے۔“ سیڈھانے  
مودبانہ لہجے میں کہا۔

”تم لوگوں نے جوشو کے بارے میں میرا حکم مان کر اپنی قدر میرے  
دل میں اور بھی بڑھالی ہے۔ اس لیے میں تم سے بہت خوش ہوں۔  
بولوں کیا مدد چاہیے؟“ جواا پر وہت نے خوشی سے بھرپور لہجے میں  
کہا۔ شاید وہ ہم سے اس بات کی توقع کر رہا تھا کہ ہم اس سے تفرار  
کریں گے اور جوشو کو واپس مانگنے کی کوشش کریں گے۔

”حضور!۔۔۔ ہم اتے بھول چلیں ہیں۔ آپ ہماری راہنمائی  
فرمائیں کہ ہم زمین کے اندر کس طرح داخل ہوں اور کس راستے سے



اس تہہ تک جا سکیں جہاں سونالی پرندہ رہتا ہے۔“ سیڈھانے اسی طرح مودبانہ انداز میں کہا۔ وہ شاید اپنے آپ کو سنبھال چکا تھا۔

”شاباش!۔۔۔۔۔ جہاں تک زمین میں جانے کی بات ہے۔ ویسے تو بہت سے راستے جاتے ہیں مگر ایک راستہ جو میں جانتا ہوں وہاں سے جانا کسی قدر آسان تو ہے مگر آگے چل کر کیا ہوگا، میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔

اور سلیمان!۔۔۔ ایک بات تمہیں بھی بتاتا چلوں کہ زمین کے اندر تمہارا علم زوجیلا تمہاری کچھ زیادہ مدد نہیں کر سکے گا۔ کیونکہ وہاں بہت زیادہ گرمی ہوگی۔ یہ علم تمہیں اس گرمی سے نہیں بچا سکتا۔ اسی طرح وہاں پر بہت اندھیرا ہوگا۔ تمہارا یہ علم تمہیں وہاں روشنی نہیں دے سکتا۔“ جواا پر وہت نے اپنی دانست میں مجھے ڈراتے ہوئے بتایا۔

”پھر ہم کیسے اس سفر کی تیاری کریں۔۔۔ کوئی تو طریقہ ہوگا۔“ میں نے اپنے لہجے میں بیچارگی پیدا کرتے ہوئے پوچھا۔

گا۔ وہ تمہیں وہ تمام چیزیں سیکھائے گا جو تمہیں راستے میں میری سمجھ  
و بوجھ کے مطابق کام آئیں گیں۔ جیسے پتھروں سے روشنی پیدا کرنا  
اور اپنے آپ کو بہت زیادہ گرمی اور سردی دونوں سے بچانا وغیرہ۔  
پھر وہ تم کو اس راستے پر بھی چھوڑ کر آئے گا جہاں سے تم اپنے زمینی سفر  
کا آغاز کر سکو گے۔۔۔۔۔ بس اس سے زیادہ میں تمہاری کوئی مدد کرنا  
بھی چاہوں تو نہیں کر سکتا۔“ جو والا پروہت نے بڑی سنجیدگی سے  
تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

”حضور یہ بھی بہت ہے۔“ سیڈھانے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے  
کہا۔ میں بھی خوش تھا کہ اس طرح ہماری ابتدائی مشکلات یقیناً  
آسان ہو جائیں گیں۔

پھر ہم جو والا پروہت سے اجازت لے کر واپس جھونپڑے میں آ گئے۔

اگلے دن ایک ادھیڑ عمر مگر کمزور سا ایک شخص ہمارے پاس آیا اور اس نے بتایا کہ اسے جواا پر وہت نے بھیجا ہے۔ پھر اس نے دو دن تک ہماری تربیت کی۔ اس نے ہمیں وہ علوم سکھائیں جن کی مدد سے ہم کسی بھی پتھر سے توانائی حاصل کر کے اس سے روشنی پیدا کر سکتے تھے۔ پھر اس نے ایک منتر سکھایا جس کے پڑھنے سے چوبیس گھنٹوں تک ہمارے جسم کے گرد ایک ~~حقل~~ قائم ہو جاتا ہے جو ہمیں تیز گرمی اور سردی سے بچاتا تھا۔ اس کے علاوہ اس نے ہمیں کچھ جڑی بوٹیوں کے بارے میں بھی بتایا جو انسانی جلد پر مختلف قسم کے اثرات کا مقابلہ کرنے میں مدد فراہم کرتی تھیں۔ اس نے بتایا کہ زمین کے بہت سے حصوں میں کچھ ایسی گیسیں پائی جاتیں ہیں جو انسانی جسم کے لیے بہت خطرناک ہیں اور ان کے اثرات سے جسم گلنا سڑنا شروع ہو جاتا ہے یا پھر تیز جلنے کی سی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔

بہر حال دودن کی تربیت کے بعد اس نے ہمیں اس سفر کے لیے جانے کی تیاری کرنے کا کہہ دیا۔ تیاری ہم نے کیا کرنی تھی۔ بس کچھ ضروری ضروری سامان لے کر ہم اس کے ساتھ چل پڑے۔ ایک پہاڑی چوٹی سے ہم توڑ چھا پرندے پر سوار ہو کر نامعلوم مقام کی طرف چل پڑے۔ معلوم نہیں وہ زمین کا کونسا حصہ تھا کہ جہاں پر زمین کے اندر کسی نے بہت بڑا سوراخ کیا ہوا تھا۔ یوں لگتا تھا کہ جیسے کچھ لوگوں نے بہت جدید سامان کے ساتھ زمین میں سرنگ بنائی تھی۔

”یہ وہ جگہ ہے جہاں دوسو لوگوں نے زمین کے اندر جانے کی کوشش کی تھی۔ وہ زمین کے اندر دو میل تک جانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ انہوں نے بہت سی دھاتوں کے نمونے بھی اکٹھے کیے تھے مگر پھر کوئی پراسرار واقعہ رونما ہو گیا جس میں زیادہ تر لوگ اپنی جان



سے گئے اور باقی نے اس مشن سے توبہ کی اور یہاں سے بھاگ گئے۔ اس وقت سے یہ سرنگ ایسی ہی ہے اور اس وقت عظیم جوالا جی کی معلومات کے مطابق اس سے زیادہ آسان طریقہ زمین کے اندر دو میل تک جانے کا اور کوئی نہیں ہے۔ ہاں۔۔۔ یہ صرف آغاز ہی ہے۔ اس کے بعد کم از کم تم لوگوں کو آٹھ میل کا سفر مزید طے کرنا ہے۔ اور اس سفر کے بارے میں ہم میں سے کسی کو بھی کچھ علم نہیں ہے۔“

جوالا پروہت کے چیلے نے ہمیں یہ سب کچھ بتایا اور پھر اسی توڑ چھا پرندے پر بیٹھ کر واپس چلا گیا جس پر بیٹھ کر ہم آئے تھے۔

”سیڈھا!۔۔۔ میں تم سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں“ اس کے جاتے ہی میں نے سیڈھا کو روکتے ہوئے کہا۔

”کیا؟“ سیڈھا نے حیرت سے پوچھا

”دیکھو!۔۔۔ اس مشن میں بہت خطرہ ہے بلکہ میں یہ کہنا چاہتا ہوں

کہ کامیابی کی امید نہ ہونے کے برابر ہے۔ میری تو خیر زندگی کا مقصد ہی کچھ ایسا ہے کہ مجھے قدم قدم پر ایسے ہی خطرات کا سامنا ہے مگر میں جان بوجھ کر اپنے کسی دوست کو ایسی خطرناک مہم پر ساتھ نہیں لے جا سکتا۔ تمہارے سامنے ابھی پوری زندگی ہے۔ تم بہت اچھی زندگی گزار سکتے ہو۔ اور ابھی تمہارا انتقام بھی پورا نہیں ہوا۔“ میں نے پر زور لہجے میں کہا۔

”سلیمان!۔۔۔ مجھے میری اپنی نظروں میں مت گراؤ۔ یہ زندگی تمہاری ہی دی ہوئی ہے۔ ورنہ میں نے تو اسے اسی دن ختم کر دیا تھا جس دن میں اپنی طاقت کے نشے میں جوشو سے جا ٹکرایا تھا۔ اگر تم مجھے نہ بچاتے تو شاید وہ دن میری زندگی کا آخری دن ہوتا۔ تم نے میری زندگی بچا کر مجھے ایک نئے جذبے سے روشناس کروایا ہے۔ اور وہ جذبہ ہے دوستی کا۔ اگر تم اپنی دوستی کی خاطر میری جان بچا سکتے

ہو تو میں تمہارے ساتھ اس خطرناک مہم پر کیوں نہ جاؤں؟ ویسے بھی مجھے اندازہ ہے کہ اگر جواا پر وہت جی ہی جوشو کے محافظ ہیں تو میں شاید کبھی بھی اس سے اپنا بدلہ نہیں لے سکتا۔ اس لیے اب میری زندگی کا مقصد انتقام نہیں بالکل تمہارے ساتھ دوستی کو نبھانا ہے۔ اور اگر تمہاری ہی بچائی ہوئی جان اس مقصد میں چلی بھی گئی تو کچھ خاص نہیں۔ یہ تمہاری ہی تو ہے۔“ سیڈھا نے مسکراتے ہوئے کہا اور میں حیران رہ گیا کہ اس کی سوچ کتنی گہری اور عظیم تھی۔

”پھر بھی۔۔۔ میں سمجھتا ہوں کہ۔۔۔“ میں نے کچھ کہنا چاہا مگر سیڈھا نے میری بات کو ٹوکتے ہوئے فوراً ہی کہا۔

”بس۔۔۔ بس۔۔۔ اب زیادہ ضد نہیں۔ ورنہ میں تمہیں بھی جانے نہیں دوں گا۔ اب یہ زندگی تمہارے ہی ساتھ ہوگی۔۔۔ زمین کے اندر یا باہر۔“ سیڈھا نے دو ٹوک لہجے میں فیصلہ سنا دیا۔ مجھے مجبوراً

اس کے سامنے ہتھیار پھینکنے پڑے۔

ہم لوگ اس سرنگ کے دھانے پر پہنچ گئے۔ بہت سے بانس اور تختے لگا کر انہوں نے ایک لفٹ کی طرح ٹرائی بنائی ہوئی تھی۔ اس ٹرائی کی دائیں طرف ایک موٹر تھی جسے ایک جنریٹر کی مدد سے چلایا جاتا تھا۔ مجھے چونکہ جنریٹر کی کچھ شد بد تھی سو میں نے کوشش کر کے اس کو چلا لیا۔ پھر ہم اس ٹرائی میں بیٹھ گئے اور میں نے ارتکا کا توجہ سے لیور دبا دیا۔ ٹرائی ایک جھٹکے سے اندر جانے لگی۔ یہ سرنگ تھوڑی سے ڈھلوان کی طرف جاتے جاتے ایک دم سے عمودی رخ اختیار کر گئی۔ ٹرائی کے چاروں طرف رستے بندھے ہوئے تھے۔ بس ہم کو اپنا بیلنس قائم رکھنے میں پر اہم ہو رہی تھی ورنہ یہ ایک مضبوط اور محفوظ سفر تھا۔ سرنگ میں کہیں کہیں بلب لگا کر روشنی کی گئی تھی۔ جو دور سے ہی نظر آنے لگتا تھا۔ تقریباً پانچ منٹ کے سفر کے بعد ایک سٹاپ آ گیا۔ یہاں سے



ہمیں ایک اور لیور دانا پڑا جس سے یہ ٹرالی اس سے آگے روانہ ہو گئی۔ شاید ان لوگوں نے یہ سٹاپ کسی فنی خرابی کو دور کرنے میں آسانی کے لیے بنایا تھا۔ کیونکہ یہاں بہت سے اوزار اور ایک چھوٹا سے جنریٹر بھی پڑا تھا۔ بہر حال اس سٹاپ کے بعد ایک اور سٹاپ تھا اور پھر اس کے بعد ہم اس سرنگ کے اختتام پر جا پہنچے۔ اس سے آگے ٹرالی کا رستہ نہیں تھا مگر سرنگ کے کو جاتی صاف نظر آرہی تھی۔ ہم ٹرالی سے اتر آئے اور پھر ہم نے آگے کا سفر پیدل ہی شروع کر دیا۔ یہاں پر اندھیرا تھا اس لیے سیڈھانے ایک پتھر کو روشن کر کے پکڑ لیا۔ اس پتھر کی روشنی تقریباً ۱۰۰ واٹ کے بلب کے برابر ہو گئی تھی۔ اس روشنی میں ہم با آسانی مناسب فاصلے تک دیکھ پارہے تھے۔ سرنگ آہستہ آہستہ تنگ ہوتی جا رہی تھی اور پھر ایک جگہ پہنچ کر وہ دو شاخہ ہو گئی۔

”کدھر کو چلیں؟“ سیڈھا نے میری طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”مجھے نہیں معلوم۔۔۔ ٹھہرو!۔۔۔ میں آگے چل کر دیکھ کر آتا

ہوں۔“ میں نے اسے کہا اور ایک پتھر روشن کر کے زمین پر رکھ دیا۔

پھر آنکھیں بند کر کے اس روشن پتھر کو اپنی روحانی آنکھ سے ارتکا زتوجہ

کی قوت کے ذریعے اٹھایا اور تیزی سے ایک طرف والے راستے پر

چل دیا۔ چند ہی لمحوں میں میں اس کے اختتام پر تھا اور یہ مکمل طور پر

بند تھی۔ وہاں پر ایک چھوٹا سا بورڈ بھی لگا ہوا تھا جس پر صاف لکھا تھا

Dead End۔ میں سمجھ گیا کہ ادھر آگے کوئی رستہ نہیں ہے۔ پھر

روحانی پرواز ختم کر کے میں سیڈھا کے ساتھ دوسرے راستے پر چل

پڑا۔ تقریباً دو سو میٹر چل کر وہ راستہ بھی ختم ہو گیا مگر یہاں ایک

چھوٹا سا سوراخ نظر آ رہا تھا۔ یہ سوراخ اتنا ضرور تھا کہ ایک آدمی

آسانی سے اس کے اندر داخل ہو سکتا تھا۔ میں نے ایک بار پھر اپنی

روحانی پرواز سے اس کے اندر جا کر دیکھا۔ دوسری طرف ایک کریک کی ابتداء تھی۔ جواڑھا ترچھا ہو کر کسی طرف کو جا رہا تھا۔ میں اپنی روحانی پرواز کے ذریعے اس پر چلتا گیا۔ میں اگر چاہتا تو ان چٹانوں کے نیچے وینچ بھی گھس سکتا تھا مگر مجھے وہ راستہ دیکھنا تھا جس پر میرا جسم آسانی سے سفر کر سکے۔ کچھ لمحوں میں میں اس کے احتتام پر پہنچ گیا۔ یہاں پر ایک بہت بڑا غلط سا تھا۔ جیسے دو تین پہاڑیوں کے درمیان وادی سی بن جاتی ہے مگر یہاں آسمان کی جگہ بھی چٹان ہی تھی مگر بہت اونچی۔ یہ سب کچھ دیکھ کر میں نے روحانی پرواز ختم کی۔ اور سیڈھا کو اس کے بارے میں بتانے لگا۔ پھر ہم دونوں ایک ایک کر کے اسی سوراخ سے اس کریک میں داخل ہو گئے۔ ابھی ہم نے آدھا کریک ہی کر اس کیا تھا کہ اچانک بڑی تیز چیختی ہوئی آواز سنائی دی۔ ہم اسے سمجھ نہیں پا رہے تھے کہ اچانک ہمیں اپنے سر پر حرکت کا

احساس ہوا۔ ہم نے فوراً اوپر کی جانب دیکھا۔ کیا دیکھتے ہیں کہ بہت ساری مکڑیاں جو سائز میں ایک کبوتر کے سائز کی تھیں بہت تیزی سے ہمارے اوپر آکھنی ہو رہی ہیں اور کچھ نے جالا بھی بننا شروع کر دیا تاکہ ہم تک پہنچ سکیں۔ ان کے دیکھتے ہی سیڈھا بوا۔

”یہ آدم خور مکڑیاں ہیں۔ میں ان کے بارے میں جانتا ہوں۔“ اس کے لہجہ میں خوف سے زیادہ العجانی خوشی تھی۔ ”ٹھہرو۔۔۔ میں ان کا بندوبست کرتا ہوں۔“

یہ کہتے ہی اس نے کوئی منتر پڑھا اور پھر ایک دم سے جیسے ان مکڑیوں پر کوئی قیامت ٹوٹ پڑی ہو۔ میں نے جلدی سے اپنی روحانی آنکھ سے دیکھا کہ ڈوسائی کے کوئی ایک درجن کے قریب بیروہاں ان مکڑیوں کو تیزی سے چٹ کر رہے تھے۔ پھر میں نے دیکھا کہ ایک بیر چند مکڑیوں کو ایک عجیب سے دھاگے سے جکڑ رہا تھا۔ اور پھر وہ ان کو



باندھ کر اپنے ساتھ کہیں لے گیا۔ میں نے جلدی سے آنکھیں کھول کر سیڈھا کی طرف دیکھا۔

”یہ بہت نایاب مکڑیاں ہیں۔ میں نے چند ایک کو پکڑا ہے تاکہ اس کی افزائش نسل کر کے اپنے بیروں کی فوج میں ان کو بھی داخل کر سکوں“ سیڈھا نے ہنستے ہوئے کہا۔ ”کچھ جگہوں پر اس قسم کی چیزوں کی ضرورت پڑ جاتی ہے۔“

www.define.pk

پھر ہم دونوں اپنا سفر جاری رکھتے ہوئے اسی خلاء میں پہنچ گئے جس جگہ کو میں نے اپنی روحانی پرواز سے دیکھا تھا۔ یہاں پر گھٹن کا احساس تھا شاید آکسیجن وافر مقدار میں نہ ہونے کے وجہ سے۔ ہم نے روشن پتھروں کی روشنی میں چل پھر کر ادھر ادھر دیکھا مگر یہاں سے آگے جانے کا کوئی راستہ نظر نہ آیا۔

”اب کیا کریں؟“ میں نے سیڈھا کی طرف دیکھا۔

”ہمیں مزید گہرائی میں جانا ہے۔“ سیڈھانے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

”کیا تمہارے کوئی بیران پتھروں میں سوراخ نہیں کر سکتے“ میں نے اچانک کسی سوچ کے تحت پوچھا۔

”نہیں۔۔۔ ان میں اتنی عقل نہیں ہوتی۔“ سیڈھانے ہنستے ہوئے جواب دیا۔ ”ہاں۔۔۔ ان سے بوسے بڑے پتھراٹھائے جاسکتے ہیں۔“

”مگر یہاں تو ہمیں زمین میں سوراخ کرنا ہے۔“ میں نے پریشان نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

”ضروری نہیں کہ نیچے جانے کے لیے سوراخ ہی کریں۔“ سیڈھا نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ”کیا تم مجھے بتا سکتے ہو کہ ان پتھروں کے پیچھے کیا ہے؟“

میں نے فوراً روحانی پرواز کی اور چاروں طرف ان پتھروں میں گھس گیا۔ بائیں نکر میں مجھے ایک اور خلاء کا احساس ہوا۔ ایسا لگتا تھا کہ جیسے ایک بہت بڑی چٹان نے ان دو خلاؤں کو آپس میں ملنے سے روکا ہوا ہو۔ میں نے سیڑھا کو اس کے بارے میں بتایا۔ اس نے فوراً اپنے بیرطلب کیے اور ان بیروں نے مل کر زور لگایا اور اس چٹان کو با مشکل چند فٹ تک کھسکا سکے۔ مگر اتنا بھی فاصلہ ہمارے گزرنے کے لیے بہت تھا۔ چٹان کے کھسکتے ہی وہاں ایک ناگوار سی بو پھیل گئی۔ ہم نے فوراً کچھ جڑیوں بوٹیوں سے تیار ایک مرہم اپنے جسم پر ملنا شروع کر دیا۔ تاہم کسی قسم کے جلدی اثرات مرتب نہیں ہوئے۔ پھر ہم روشن پتھر لے کر اس خلاء میں گھس گئے۔ وہاں پر بہت سی ہڈیاں بکھری پڑی تھیں۔ یوں لگتا تھا کہ جیسے یہاں بہت سے مردار جانور ڈال دیے گئے ہوں جو اب وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ

ہڈیوں کی شکل میں باقی رہ گئے تھے۔ اچانک ہم نے ایک انسان نما  
لاش دیکھی۔ وہی ایک طرف ایک پتھر سے ٹیک لگائے ہوئے تھی۔  
اور پھر ایک چھناکے سے میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ کہیں یہ ان  
انسانوں کی ہڈیاں تو نہیں جن کو کوئی حادثہ پیش آ گیا تھا جس کی وجہ  
سے ان لوگوں نے یہ کام بند کر دیا تھا۔ میں نے اپنا یہ خدشا سیڈھا کو  
بھی بتایا۔

”یقیناً یہی وہ جگہ ہے۔ اور اب اندازہ ہو رہا ہے کہ شاید اس بڑھی  
چٹان نے انہیں یہاں قید کر دیا جس کو انہوں نے ایک پراسرار واقعہ  
قرار دے کر بھاگنے میں عافیت سمجھی اور یہ بیچارے بھوک پیاس سے  
اپنی جان سے گئے۔“ سیڈھا نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

”شاید ایسا ہی ہوا تھا۔“ میں نے افسردہ لہجے میں کہا۔

پھر ہم اس سے آگے بڑھ گئے۔ یہ خلاء کافی بڑا تھا اور ایک طرف کو



جاتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ ہم بھی اس کے پیچھے چل دیے۔ تقریباً  
دس منٹ چلنے کے بعد ہمیں یہ بند ہوتا ہوا دکھائی دیا۔ ہم نے ادھر  
ادھر گھوم پھر کر کوئی راستہ تلاش کرنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہیں ہو  
سکے۔ میں نے پھر اپنی روحانی پرواز کو آزما یا مگر اس بار میں چاروں  
طرف کچھ بھی تلاش نہ کر سکا۔ ہر طرف چٹانیں ہی چٹانیں تھیں۔  
ہم تھک کر وہیں پتھریلی زمین پر بیٹھ گئے۔ کچھ دیر آرام کرنے کے  
بعد ہم پھر کسی راستے کی تلاش میں جت گئے۔ اچانک سیڈھا کو ایک  
خیال آیا۔

”کیوں نہ میں چاڑی سے مدد لوں؟“ سیڈھا نے تیز آواز میں  
پوچھا۔

”یہ چاڑی کون ہے؟“ میں نے حیران ہو کر پوچھا۔

”اوہ!۔۔۔ تم اسے نہیں جانتے؟۔۔۔ وہ ایک جادوگر نی ہے جو بڑا

عقل مند سمجھی جاتی ہے۔ میں وہ عمل جانتا ہوں جس سے اس سے بات چیت کی جاسکتی ہے۔ مگر یہ اس کی مرضی ہے کہ وہ کسی کو جواب دے یا نہ۔ عموماً وہ سب کو جاہل اور کم عقل سمجھ کر بات ہی نہیں کرتی۔“ سیڈھانے پر جوش لہجے میں تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

”چلو کوشش کراؤ۔“ میں نے ایک مبہم امید کے سہارے اس کو کہا۔

سیڈھانے ایک طرف اتنی پالشی ماری اور کسی عمل میں مصروف ہو گیا۔

پندرہ منٹ کی کوشش کے بعد بلا آخر وہ کامیاب ہو ہی گیا۔ ایک طرف ایک بڑے سے پتھر پر ایک تصویر نمایاں ہوئی۔

”کیا بات ہے۔۔۔ کیوں بوڑھی جان کو تنگ کرتے ہو؟“ ایک چیختی ہوئی آواز اس خاموشی میں کچھ زیادہ ہی تیکھی لگی۔

”اے چاڑی جادو گر نی!۔۔۔ اے عقل کی داعی!۔۔۔ ہمیں تمہارے مدد کی ضرورت ہے۔“ سیڈھانے خوشامدانہ انداز میں سوال کیا۔

”کیسی مدد؟“ چاڑی نے ایک دم پوچھا۔ صاف لگ رہا تھا کہ سیڈھا کی خوشامد کا اس پر اثر ہوا تھا۔

”ہم زمین میں نیچے جانا چاہتے ہیں۔ اور ایک جگہ پر پھنس گئے ہیں۔“ سیڈھا نے جلدی سے کہا۔ ”یہاں سے ہم کس طرف کو جائیں؟“

”تم زمین میں کیوں اور کہاں جا رہے ہو؟“ چاڑی نے ایک اور سوال کر دیا۔

”دراصل۔۔۔ ہم سونالی کا انڈہ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔“ سیڈھا جواب دیا۔

”بے وقوف ہو تم لوگ۔۔۔ بہت بڑے بیوقوف۔۔۔ جاؤ۔۔“

واپس چلے جاؤ۔۔۔ اسی میں تمہاری عافیت ہے۔“ چاڑی نے

چلاتی ہوئی آواز میں کہا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ وہ اب مزید بات نہیں کر

سکتی کیونکہ اس کے چہرے پر بے زاری کے آثار صاف نمایاں تھے۔  
اس سے پہلے کے وہ رابطہ منقطع کر دیتی ایک خیال تیزی سے میرے  
دماغ میں آیا اور میں نے ایک پتہ پھینکا۔

”چھوڑو سیڈھا!۔۔۔ تم تو کہتے تھے کہ چارپڑی بہت عقلمند ہے اور  
اس کو ہر بات کی خبر ہے۔ یہ بے چاری تو بوڑھیا ہے جس کو کچھ بھی پتہ  
نہیں۔“ میں نے جان بوجھ کر چپٹانے والے انداز میں کہا۔  
”تم۔۔۔ تم کون۔۔۔ تم کون۔۔۔“ اچانک چارپڑی نے چونک کر  
پوچھا۔

”یہ۔۔۔ میرا دوست ہے۔۔۔ سلیمان۔۔۔ میں ابھی اس کے سامنے  
تمہاری بہت تعریفیں کر رہا تھا مگر۔۔۔“ سیڈھا نے بھی میرا ڈرامہ  
سمجھتے ہوئے پورا پورا ساتھ دیا۔

”سلیمان!۔۔۔ ہوں۔۔۔ ہوں۔۔۔ تو یہ چکر ہے۔۔۔“



چاپڑی نے کسی سوچ میں پڑتے ہوئے کہا۔

”کیا چکر ہے؟“ میں نے بے اختیار پوچھا۔

”تم ہادی ہو۔۔۔۔ اور جوالا پروہت کے چکر میں اپنی جان سے

جانے والے ہو۔۔۔۔ طالش سرکار اور جوالا پروہت اپنی اس کامیابی

کی خوشی میں آج جشن منارہے ہیں۔“ چاپڑی نے معنی خیز لہجے میں

کہا۔

”کیا۔۔۔ کیا۔۔۔ مطلب۔۔۔ تم کیا کہنے چاہتی ہو۔“ میں نے

حیرت کے سمندر میں غوطے اگاتے ہوئے پوچھا۔

”کیا تمہیں یہ کام جوالا پروہت نے ہی دیا ہے؟“ چاپڑی نے پھر

ایک بار سوال کر دیا۔

”ہاں۔۔۔ سیڈھانے فوراً جواب دیا۔

”ہوں۔۔۔ میں تمہیں بتاتی ہوں کہ چاپڑی کس چیز کا نام ہے۔۔۔

تم نے مجھے چیلنج کیا تھا۔۔۔۔۔ سنو!۔۔۔۔۔ جوااا پروہت تمہیں دیکھتے  
ہی پہچان گیا تھا۔ اور اس نے جان بوجھ کر تم کو سونالی کا انڈہ لانے کو کہا  
ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ یہ ناممکن ہے۔ کوئی انسان ایسا نہیں کر سکتا۔  
اس لیے پہلا امکان تو یہ ہے کہ تم اپنی جان سے جاؤ گے۔ اگر معجزانہ  
طور پر بچ بھی گئے تو یہ انڈہ حاصل کر کے سیدھے جوااا پروہت کے  
پاس جاؤ گے۔ اس انڈے کو پا کر جوااا پروہت ایک عظیم قوت حاصل  
کر لے گا اور بقول اس کے وہ اافانی ہو جائے گا۔ اس پر وقت کا اثر  
ختم ہو جائے گا۔ اور اسے کوئی بھی ہلاک نہیں کر سکے گا۔ چونکہ تم ہادی  
ہو اور وقت کے بادشاہ کے خلاف ہو اس لیے اگر جوااا پروہت  
تمہارے مقابلے پر آجائے گا تو تم اس کا مقابلہ نہیں کر سکو گے۔ اس  
طرح بھی تم اپنے ابدی مشن میں ناکام ہو جاؤ گے کیونکہ جوااا پروہت  
تو اافانی بن چکا ہوگا۔۔۔۔۔ جوااا پروہت نے بڑے فخر سے آج سب

کے سامنے یہ کہا کہ اس نے قدرت ہی کی ایک چال کو قدرت پر ہی  
الٹ دیا ہے۔۔۔۔۔ اب میں سمجھی اس بات کی گہرائی کہاں تک  
ہے۔“ چا پڑی نے پوری تفصیل بتاتے ہوئے کہا اور مجھے اپنے دماغ  
کی چولیس بلتی محسوس ہوئیں۔ اتنی گہری سازش۔ اچانک مجھے ایک  
خیال آیا۔

”مگر چا پڑی۔۔۔۔۔ یہ تو بتاؤ۔۔۔۔۔ تمہیں سب کچھ کیسے جانتی ہو اور مجھے یہ  
سب کیوں بتا رہی ہو؟“ میں نے سوال کیا۔

”کیونکہ۔۔۔۔۔ میں۔۔۔۔۔ جواا پر وہت کی خاص مشیر ہوں۔ وہ  
بہت سے کام کرنے سے پہلے مجھ سے مشورہ ضرور کرتا ہے۔ اس کام  
کے سلسلے میں اس نے مجھے نہیں بلایا تھا مگر آج جب طالب سرکار اس  
سے ملنے آئے تو ان دونوں نے مجھ سمیت خاص خاص مشیروں کو  
مطلب کر کے ایک دو ضروری کام سونپے۔ اسی دوران جواا پر وہت کی

طرف سے دعوت کا اہتمام تھا اور پھر غیر رسمی گفتگو کرتے ہوئے انہوں نے یہ انکشافات کیے مگر بڑے مبہم۔ مگر تمہیں یہاں دیکھ کر مجھے سب سمجھ آ گئی۔۔۔۔ اور جہاں تک تمہارا سوال کہ میں تمہیں یہ کیوں بتا رہی ہوں تو وہ اس لیے کہ۔۔۔۔ شاید۔۔۔۔ میں بھی وہی چاہتی ہوں جس کے لیے تم اس دنیا میں آئے ہو۔۔۔۔“ چاٹری نے کچھ دیر سوچنے کے بعد جواب دیا۔ آخر میں اس کے لہجے میں صدیوں کی اداسی بھرا آئی تھی۔

”پھر اب ہمیں کیا کرنا چاہیے۔“ سیڈھانے ہونکوں کے طرح ادھر ادھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”واپس چلو۔۔۔۔ جلدی سے واپس چلو۔۔۔۔ اسی میں تمہاری بچت ہے۔“ چاٹری نے تیز لہجے میں جواب دیا۔ ”اور خبردار!۔۔۔۔ جوااا! پروہت سے کوئی رابطہ کرنے کی کوشش نہ کرنا۔ بس بھاگ چلو۔۔۔۔“



افریقہ سے دور۔۔“

میں سوچ میں ڈوب گیا۔ اگر وہ سہی کہہ رہی ہے تو جوالا پر وہت مجھے  
کبھی بھی کوئی علم نہیں سیکھائے گا۔ بلکہ اس طرح ناکام واپس لوٹنے پر  
پکڑ کر طالش جن کے حوالے کر دے گا۔۔۔ یا پھر۔۔۔ خود مار دے  
گا۔۔۔ دونوں صورتوں میں جیت اس کی ہی ہے۔ وہ بہت طاقتور  
ہے اس لیے میں اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکوں گا۔ تاہم اگر میں کسی طرح  
یہ سونالی کا انڈہ حاصل کر لوں۔۔۔ تو پھر جوالا پر وہت کی اس خواہش  
کو استعمال کرتے ہوئے میں اسے اس بات پر مجبور کر سکتا ہوں کہ وہ  
مجھے وہ علوم سیکھائے جن کی مجھے ضرورت ہے۔ باقی اگر مجھے واقعی اللہ  
تعالیٰ نے ہادی بنایا ہے تو میری حفاظت کا ذمہ تو اس اللہ تعالیٰ کے  
اپنے ذمے ہے۔ جس ذات نے اب تک اپنی حفاظت میں رکھا ہے  
وہ آگے بھی مدد کرے گی۔ یہ سوچ کر میں نے فیصلہ کر لیا کہ مجھے یہ

انڈہ تو ہر صورت میں حاصل کرنا ہے۔

”نہیں۔۔۔ میں سونالی کا انڈہ ضرور حاصل کروں گا۔۔۔ اگر تم اس

سلسلے میں کچھ مدد کر سکو تو میں مشکور ہوں گا۔“ میں نے فیصلہ کن

انداز میں چاٹری کی جواب دیا۔

”تم پاگل ہو گئے ہو۔۔۔ تم جانتے ہو۔۔۔ تم کیا کہہ رہے ہو؟“

چاٹری نے حیرت سے پوچھا۔  
”چاٹری جادو گر نی۔۔۔ میں تمہارے خلوص کی قدر کرتا ہوں۔ مگر

میرے پاس اس کے علاوہ چارہ بھی کوئی نہیں ہے۔ تم جانتی ہو کہ میری

زندگی کا مقصد ہی تلاش سرکار کی موت ہے۔ اور اس کے لیے مجھے

طاقت ور بننا ہے۔ تلاش سرکار کی ٹکر کا اس وقت صرف ایک ہی جادو

گر ہے اور وہ خود جواالا پر وہت ہے۔ اس لیے مجھے اس سے ہی کچھ

سیکھنا ہے اور اس کے لیے میں اس کی خواہش کو ہی استعمال کروں

گا۔“ میں نے وضاحت سے اپنا منصوبہ بتایا۔

”یہ پاگل پن ہے۔۔۔ اول تو تم یہ انڈہ حاصل کر نہیں سکتے۔۔۔ اگر

کسی طرح۔۔۔ کر بھی لیا تو۔۔۔ تمہارا کیا خیال ہے کہ جواا پر وہت

اتنی جلدی تمہارے جال میں پھنس جائے گا۔ وہ زبردستی بھی تو اس کو تم

سے حاصل کر سکتا ہے۔“ چاڑی نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔

”کوئی اور راستہ ہے تو بتاؤ؟“ میں نے سنجیدگی سے پوچھا۔ ”اگر ان

کے بس میں سب کچھ ہوتا تو شاید آج میں زندہ بھی نہ ہوتا۔ میں ان کی

نظروں سے بھاگ سکتا ہوں مگر۔۔۔ کیا ساری زندگی بھاگتا ہی

رہوں گا؟ کیا وہ لوگ جو مجھے ہادی سمجھتے ہیں ساری زندگی میری مدد

ہی کرتے رہے گے؟ میں کب ان کی مدد کر سکوں گا۔ جواا پر وہت

کے بعد کون ایسا ہے جو مجھے اس قابل بنا سکے کہ میں طالش سرکار سے

ٹکرائے سکوں؟“ میں نے ایک ہی سانس میں بہت سارے سوال

کر دیے۔

چاپڑی میرے سوالوں کے جواب میں پریشان ہو گئی۔ بہت دیر سوچنے کے بعد بولی۔

”تم شاید ٹھیک کہتے ہو۔۔۔ اگر ہم درست سوچ سکتے تو شاید اب تک اس ظلم کے بادلوں سے نجات حاصل کر چکے ہوتے۔“ چاپڑی ایسے بول رہی تھی جیسے کسی ٹرانس میں ہوا اور الفاظ خود بخود اس کے منہ سے پھسل رہے ہوں۔ ”یقیناً کچھ مختلف سوچنا پڑے گا۔ میں تمہاری ہر ممکن مدد کروں گی اے ہادی!۔۔۔ بتاؤ تمہیں مجھ سے کیا چاہیے۔“

”فی الحال۔۔۔ یہ بتاؤ کہ زمین کی تہہ میں کس طرح جائیں۔“ میں نے سوال کیا۔

”زمین کی سات تہیں ہیں۔ خشکی، پانی، نمک، لوہا، آگ، ادا اور پاتال۔ تم ابھی خشکی پر ہی ہو۔ اس کے بعد پانی کی تہہ آئے گی،



اس کے بعد نمک کی چٹانیں اور اس کے بعد لوہے کے پہاڑ۔ جب  
لوہے کے پہاڑ ختم ہو رہے ہونگے تو آگ کی تہہ سے پہلے ایک وادی  
آئے گی جو سونالی پرندوں کا مسکن ہے۔ سونالی پرندوں کو بہت زیادہ  
گرمی کی ضرورت ہوتی ہے اس لیے وہ آگ اور لوہے کے درمیان  
رہتے ہیں۔ وہاں کا درجہ حرارت اتنا ہوتا ہے کہ انسان تو انسان، لوہا  
بھی پگھل جائے۔“ چاڑی نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

”ہوں۔۔۔ تو اب ہمیں پانی کی تہہ میں جانا ہے۔“ میں نے

پر خیال انداز میں پوچھا۔

”ہاں۔۔۔ پانی کو تلاش کرو۔۔۔ پانی۔۔۔ جوں میں جاتا ہو۔“

چاڑی نے جلدی سے کہا۔

”ٹھیک ہے۔۔۔ ہم ابھی تلاش کرتے ہیں۔“ میں نے جلدی سے

کہا۔

”پھر میری ضرورت پڑے تو بلا لینا۔ میں ہر ممکن مدد کروں گی۔“  
چاپڑی نے بڑے خلوص سے کہا اور اس کی تصویر اس بڑے پتھر پر  
سے تحلیل ہو گئی۔

”یہ سب کیا چکر ہے“ سیڈھانے فوراً سوال کر دیا۔  
میں نے جواب میں مختصراً اپنی رام کہانی اسے سنا دی۔  
”یہ تو میری خوش قسمتی ہے کہ میں وقت کے ہادی کے ساتھ سفر کر رہا  
ہوں“ سیڈھانے پر جوش لہجے میں کہا۔

”اچھا۔۔۔ اچھا۔۔۔ اب پانی تلاش کرو۔“ میں نے مسکراتے  
ہوئے کہا۔

ہم دونوں نے پانی کی تلاش میں گھومنا شروع کر دیا۔ میں نے اپنی  
روحانی پرواز کو ایک بار پھر آزمایا۔ پانی اور خشکی میں تفریق کرنا آسان  
کام تھا۔ اس لیے میں بہت دور دور تک پرواز کرنے لگا۔ پانی نظر تو

آیا مگر چھوٹے چھوٹے تلاب۔ پھر میں نے زمین میں نیچے کی طرف  
چھلانگ لگائی۔ اگلے ہی لمحے میں پانی میں تھا۔ پھر میں نے اپنی  
روحانی پرواز سے اندازہ لگایا کہ جس جگہ ہم موجود تھے وہاں سے  
تقریباً دس فٹ نیچے پانی کی تہہ شروع ہو جاتی تھی۔ پھر میں نے  
ایک خیال کے تحت پانی میں مزید گہرائی میں چھلانگ لگائی۔ وہ پانی  
بہت زیادہ تھا۔ شاید چھ سے سات میل کی مزید گہرائی میں۔ پھر  
چٹانیں آگئی۔ شاید وہ نمک تھا۔ اب نکلا ہی تھا تو میں مزید نیچے چلا  
گیا۔ کچھ دیر گہرائی میں پرواز کرنے کے بعد مجھے لوہے کی چٹانیں اور  
پہاڑ محسوس ہوئے اور پھر مزید سفر کے بعد آگ۔ ہر طرف آگ ہی  
آگ۔ میری روح کو بھی بڑے سخت بے چینی لگ گئی اور میں فوراً  
واپس حاضر ہو گیا۔

”کچھ ملا؟“ سیڈھانے میرے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے

پوچھا۔ شاید اس نے میرے چہرے سے کچھ جانچ لیا تھا۔

”ہاں!۔۔۔ یہاں سے ٹھیک دس فٹ نیچے پانی کی تہہ کی ابتداء ہو جاتی ہے“ میں نے پر جوش آواز میں اسے بتایا۔

”زبردست“۔۔۔ سیڈھا بھی پر جوش ہو گیا۔

”مگر پانچ سے چھ میل پانی کی تہہ میں ہم سفر کیسے کریں گے؟“ میں

نے سوال کیا۔ اور وہ سوچ میں پڑ گیا۔

کچھ دیر سوچنے کے بعد میرے ذہن میں ایک ترکیب آئی۔ اگر میں

اپنی روحانی پرواز سے باہر کی دنیا سے کوئی سے دو تیراکی کے لباس

منگوا لوں تو یقیناً ہم ایک سوراخ کر کے پانی میں اتر سکتے ہیں۔ پھر یہ

سوچ کر میں نے ایک اور پرواز کی اور اس بار میں نے سمندری

علاقوں میں تلاش شروع کی۔ تھوڑی سی کوشش سے ہی میں ایک ایسی

انچ میں پہنچ گیا جہاں کوئی تحقیقاتی ادارہ پانی میں تحقیق کر رہا تھا۔ وہ



آپس میں انگریزی میں بات چیت کر رہے تھے۔ ان کی باتوں سے مجھے اتنا اندازہ ہوا کہ ان کے پاس جو سرخ کلرواے اسلنڈر ہیں ان میں چوبیس گھنٹوں کے استعمال جتنی آکسیجن بھری ہوئی تھی۔ وہ کوئی ایسی ٹیکنالوجی کی بات کر رہے تھے جس میں آکسیجن کو مائع کی شکل میں اسلنڈروں میں بھرا جاتا تھا۔ بہر حال میں نے ان میں سے دو لباس اور اسلنڈر ارتکا زتوجہ سے اٹھائے اور نو دو گیارہ ہو گیا۔ اس بار مجھے یہ پرابلم ضرور پیش آئی کہ وہ چیزیں میری روت کی طرح مادی اشیاء میں سے نہیں اُتر سکتی تھیں اس لیے مجھے انہیں اسی راستے سے انا پڑا جس راستے سے ہم لوگ زمین کے اندر اس جگہ تک آئے تھے۔ مگر یہ بہت جلد ہو گیا کیونکہ روت کی پرواز بہت تیز ہوتی ہے۔ سیڈھا یہ سامان دیکھ کر حیران رہ گیا۔

”اگر تم یہ سب سامان لا سکتے ہو تو وہ انڈہ کیوں نہیں؟ ہمارا وہاں جانا

کیوں ضروری ہے؟“ سیڈھانے سوال کیا اور میں نے چونک کر اس کے طرف دیکھا۔ بات تو سیدھی سی تھی مگر ابھی تک میرے ذہن میں نہیں آئی تھی۔ مگر اچانک مجھے یاد آیا کہ میری روح تو مادی اشیاء سے گزر سکتی ہے مگر میں کوئی مادی چیز اپنے ساتھ ارتکا ز توجہ سے دوسری مادی اشیاء میں سے گزرا نہیں سکتا۔

”دراصل۔۔۔ یہ سامان یا وہ ~~www.pdfbooksfree.pk~~ دھاتوں میں سے نہیں گزر سکتا۔ پہلی بات تو یہ کہ زمین میں سونالی پرندے کو تلاش کرنا مشکل ہے اور اگر میں کربھی لوں تو اس کا پیچھا کر کے انڈہ تلاش کرنا مشکل ہے۔ اگر وہ بھی کراؤں تو اس انڈے کو لے کر اوپر کیسے آؤں۔ مجھے راستہ چاہیے۔ اس راستے کے بغیر میں خود تو آ سکتا ہوں مگر اپنے ساتھ کوئی چیز نہیں آ سکتا۔ جیسے اگر میں نے اوپر زمین پر جانا ہے تو میں ایک سیکنڈ میں پہنچ جاؤں گا۔ مگر وہاں سے کچھ لے کر آنا ہے جیسے یہ سامان تو مجھے اسی

راستے سے آنا پڑے گا جس راستے سے ہم یہاں پہنچے ہیں۔ تاکہ یہ سامان بھی آسکے۔“ میں نے تفصیل سے اسے بتاتے ہوئے کہا۔ وہ تو مطمئن ہو گیا مگر خود میرے دل میں ایک خیال پیدا ہو گیا۔ اگر میں کسی آرام دہ جگہ پر بیٹھ کر اپنی روحانی پرواز سے یہ سفر جاری رکھوں تو یقیناً کچھ عرصے میں واپسی کا راستہ بھی تلاش کر ہی لوں گا۔ یہ سوچ کر میں نے ایک اور فیصلہ کیا۔

”سیڈھا!۔۔۔ اب تمہارے لیے ایک کام ہے۔ ایک دس فٹ کا سوراخ بناؤ تاکہ ہم لوگ یہ لباس پہن کر پانی میں جاسکیں۔ میں اتنی دیر تک آرام کرنا چاہتا ہوں۔“ میں نے کہا اور وہ سوچ میں پڑ گیا کہ یہ کیسے کرے۔ جبکہ میں جواب سے بغیر ہی ایک طرف یوں لیٹ گیا جیسے سونے لگا ہوں مگر دراصل اپنی پرواز کا سلسلہ شروع کرنے لگا تھا۔

میں چشم زدن میں زمین کی اس تہہ میں تھا جہاں آگ ہی آگ تھی۔  
پھر میں نے اس تہہ اور لوہے کی تہہ کے سرحدی علاقوں کی تلاش شروع  
کی۔ یہ ایک مشکل کام تھا کیونکہ میری روح بھی اس گرمی کی حدت کو  
برداشت نہیں کر پا رہی تھی۔ میں دو تین بار وہاں سے نکل آیا تا کہ اپنی  
روح کو آرام دے سکوں۔ آخر کار ایک بار مجھے وہ جگہ مل گئی جہاں کچھ  
پرندے اڑ رہے تھے۔ مگر وہ پرندے سائز میں بہت بڑے تھے۔ شاید  
انہیں کو سونالی کہا جاتا تھا۔ میں نے غور سے ان کے خدو خال پر توجہ دی  
تو محسوس کیا کہ ان کے جسم تانبے کی طرح دھکتے رنگ کے تھے۔ شاید  
اسی لیے ان کو سونالی کہہ جاتا تھا۔ پھر میں نے ان کے گھر ڈھونڈنے  
شروع کیے۔ مگر یہ بہت مشکل کام ثابت ہوا تھا۔ بہت زیادہ محنت کے  
بعد مجھے معلوم ہوا کہ وہ اپنے گھر آگ میں بناتے تھے کیونکہ ان کے  
انڈوں اور بچوں کو شدید گرمی کی ضرورت ہوتی تھی۔ آگ میں



نے کچھ گھرتايش کیے اور دیکھا کہ وہ انڈے سائز میں چھتے آٹھ  
فٹ کے تھے اور سب سے بڑی بات یہ کہ وہ لاوے کی طرح دھک  
رہے تھے۔ ان کو ہاتھ لگانا ناممکن تھا۔ ابھی میں اس کو نکالنے کے  
طریقوں پر غور ہی کر رہا تھا کہ اچانک مجھے اپنی جگہ پر حاضر ہونا پڑا۔  
سیڈھا مجھے اٹھا رہا تھا۔

”سلیمان!۔۔۔ اٹھو بھئی۔۔۔ لگتا ہے بہت زیادہ تھک گئے تھے۔“  
سیڈھا نے طنز کرتے ہوئے کہا۔

”ہاں۔۔۔ شاید۔۔۔“ میں نے آنکھیں ملاتے ہوئے اداکاری  
کی۔ ”کیا وہ سوراخ ہو گیا؟“

”نہیں مگر ہو جائے گا۔ میں کچھ بیرے لگا دیے ہیں اس کام پر۔“  
سیڈھا نے مسکراتے ہوئے کہا۔ میں نے غور سے دیکھا تو کچھ بالچل  
محسوس ہوئی۔ اپنی آنکھیں بند کر کے روحانی آنکھوں سے دیکھا تو

چار عدد بیرے پتھروں کو اپنے تیز اور نو کیلے دانتوں سے توڑ رہے تھے۔ پتھر ٹوٹ تو رہے تھے مگر صاف لگ رہا تھا کہ انہیں بارہ سے چودہ گھنٹے تو کم از کم لگ ہی جائیں گے۔

”ان کو تو بہت وقت لگ جائے گا۔۔۔“ میں نے پریشانی سے پوچھا۔

”ہاں!۔۔۔ مگر اور کوئی راہ کبھی تو نہیں ہے۔“ سیڈھانے جواب دیا۔

”اچھا!۔۔۔ چلو میں اتنی دیر تک زمین کی سیر ہی کرتا ہوں“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر الٹی پالٹی مار کر آنکھیں بند کر کے روحانی پرواز شروع کر دی۔

اس بار میں نے سونالی کے انڈے کو اپنی ارتکا زتوجہ سے اٹھانے کی کوشش کی۔ میں نے اسے اٹھا تو لیا مگر ایک تو میری روت کی تکلیف

اور زیادہ بڑھ گئی اور دوسرا جیسے ہی انڈہ کچھ اپنی جگہ سے آگے بڑھا  
ایک دم سے چند سونالی پرندے ادھر ادھر چکرانے لگے۔ ابھی میں  
اس صورتحال کا جائزہ ہی لے رہا تھا کہ مجھے اپنی روت کا وجود ہوا میں  
تحلیل ہوتا ہوا محسوس ہوا۔ تکلیف تو بہت زیادہ تھی جیسے میری روت  
آگ میں جل رہی ہو مگر اس نئی مصیبت میں مجھے سونالی کے انڈے کو  
اٹھائے رکھنا ناممکن ہو گیا تھا۔ میں نے فوراً اسے چھوڑا اور اپنی جگہ  
پر حاضر ہو گیا۔ جیسے ہی میں نے آنکھیں کھولیں۔۔۔ میرا سر بری طرح  
چکرایا۔ میں زمین پر اتنی پالتی مارے بیٹھا تھا مگر پھر بھی اس چکرانے  
کی وجہ سے ایک طرف کوڑھک گیا۔ پھر مجھے ہوش نہیں رہا۔  
دوبارہ ہوش آیا تو میں نے دیکھا کہ سیڈھا میرے اوپر جھکا ہوا تھا اور  
پریشانی اس کے چہرے سے عیاں تھی۔ وہ شاید میرے ہاتھ سہا رہا  
تھا۔ مجھے ہوش میں آتا دیکھ کر وہ چونک پڑا اور پھر میں اس کے

سہارے اٹھ کر بیٹھ گیا۔

”سلیمان!۔۔۔ کیا ہوا تھا؟“ سیڈھانے بیتابی سے پوچھا۔  
”شاید۔۔۔ میری روح گرمی کی شدت برداشت نہیں کر سکی۔“ میں  
نے پھینکی سی مسکراہٹ سے جواب دیا۔

”ہوں۔۔۔ تمہیں کچھ دیر آرام کرنا چاہیے۔“ سیڈھانے بڑے  
خلوص بھرے لہجے میں کہا۔ ”ابھی سب بھول جاؤ۔ اور کچھ دیر آرام کر  
لو۔۔۔“

”تم ٹھیک کہتے ہو۔۔۔“ میں نے جواب دیا۔ میں بہت تھکن محسوس  
کر رہا تھا۔ اس لیے وہی نیم دراز ہو گیا اور آنکھیں بند کر لیں۔ میں  
تکلیف تو بہت برداشت کی تھی مگر شاید میں یہ سمجھا تھا کہ میری روح  
لافانی ہے اس لیے اس پر کچھ اثر نہیں ہوگا۔ بس مجھے یہ تکلیف ہی  
برداشت کرنی تھی۔ مگر ایسا نہیں تھا۔ شاید میں وہاں سے نہ نکلتا تو



میری روت کبھی واپس اس جسم میں نہیں آ سکتی تھی۔ یہ سب کچھ میرے لیے بہت عجیب اور سبق آموز تھا۔ مجھے یاد آیا کہ ایسے چوٹیشن میرے ساتھ پہلے بھی ایک بار ہوئی تھی جب میں شق کر رہا تھا اور آخری دور میں میرا حوصلہ جواب دے گیا تھا اور اس وقت میرے ماں باپ کی روحوں نے میری مدد کی تھی۔ یقیناً روت کی بھی کچھ حدود ہوتی ہیں۔ صرف اللہ کی ذات ہی الامحدود ہے۔ سوچتے سوچتے پتہ نہیں کب میری آنکھ لگ گئی۔

آنکھ کھلی تو دیکھا کہ سیڈھا میرے پاس بیٹھا ہے۔ اس کے ارد گرد کچھ پھل اور دوسری کھانے کی چیزیں پڑی ہوئیں تھیں۔ مجھے آنکھیں کھولتے دیکھتے ہی وہ بولا۔

”اب کیسا محسوس کر رہے ہو؟“ اس کے لہجہ میں تشویش نمایاں تھی۔

”لو۔۔۔ کچھ کھا پی لو۔۔۔“

پوچھا۔

”اپنے بیروں سے۔۔“ اس نے کندھے اچکاتے ہوئے جواب

دیا۔ ”یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے ان بیروں کے لیے۔“

وہ صبح کبہ رہا تھا۔ میں جانتا تھا کہ اس کے قبضے میں بھانت بھانت

کے بیر تھے اور ان کے لیے اس طرح کا کام کرنا کوئی بڑی بات نہیں  
www.defma.pk  
تھی۔

”میں اب کافی بہتر ہوں۔“ میں نے اس کے تسلی دی۔ میں واقعی

کافی بہتر محسوس کر رہا تھا۔ اور کچھ بھوک بھی محسوس کر رہا تھا۔ اس لیے

میں نے پھلوں کے ساتھ خوب انصاف برتا۔

سیڈھا مجھے کھاتا دیکھتا رہا۔ وہ شاید پہلے ہی کچھ کھا چکا تھا۔ بہر حال

میں نے جب کھانا ختم کیا تو وہ بوا۔

”سلیمان!۔۔ میرا خیال ہے کہ کچھ دیر کے لیے ہمیں واپس چلے جانا چاہیے۔ شاید ہمیں اور زیادہ تیاری کی ضرورت ہے۔“ سیڈھا کے لہجے میں سنجیدگی تھی۔

”ہاں!۔۔۔ تم شاید ٹھیک کہتے ہو۔ مگر میں ایک بار پھر کوشش کروں گا۔ اگر اب کی بار ناکام رہا تو۔۔۔ وعدہ رہا کہ وہی کچھ کروں گا جو تم کہو گے۔“ میں نے مسکرائے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

در اصل میں ناکام واپس لوٹنا نہیں چاہتا تھا۔ یہ بات مجھے اندر ہی اندر کھائے جا رہی تھی کہ میں ناکام ہو گیا ہوں۔ اتنی جلدی ہار مان لینا شاید میری سرشت میں ہی نہیں تھا۔

”جیسے تمہاری مرضی!“ سیڈھا نے بھی مسکراتے ہوئے کہا۔ شاید وہ سمجھ گیا تھا کہ میں ابھی ہار ماننے کی لیے آمادہ نہیں ہوں۔

پھر کچھ دیر ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد میں نے اس سے اجازت

اے کر پھر روحانی پرواز شروع کر دی۔ اس بار میں انڈوں کے پاس  
نہیں گیا بلکہ سونالی پرندوں کی عادات پر غور کرنے لگا۔ وہ آگ میں  
حرکت کرتے ہوئے آگ ہی کا حصہ معلوم ہوتے تھے۔ اچانک مجھے  
خیال آیا کہ دیکھوں تو سہی کہ وہ کھاتے کیا ہے۔ یہ سوچ کر میں ایک  
سونالی پرندے کے پیچھے لگ گیا۔ مگر کوئی آدھے گھنٹے تک اس کا پیچھا  
کرنے کے باوجود میں نے اس کو نہ کچھ کھاتے دیکھا نہ پیتے۔ کیا وہ  
کچھ بھی نہیں کھاتے تھے؟ میں نے اپنے آپ سے سوال کیا۔ مگر ایسا  
ممکن نہیں تھا۔ بہر حال اب میرے لیے روح کی تکلیف برداشت  
کرنا مشکل سے مشکل ہوتا جا رہا تھا اس لیے میں نے واپسی میں ہی  
عافیت جانی۔ جیسے ہی میں نے آنکھیں کھولیں۔ سیڑھا کو اپنی طرف  
متوجہ پایا۔

”کچھ کامیابی ملی؟“ اس نے پوچھا۔



میں نے تفصیل سے ابھی تک حاصل کی گئی ساری معلومات اس کے سامنے رکھ دیں۔

”یہ تو ناممکن ہے۔۔۔۔ اگر تم وہ انڈیا کسی طرح حاصل کر بھی لو۔۔ تو کب تک اپنی جان پر ظلم کرتے ہوئے اس کو اٹھا سکو گے؟“ اس کے لہجے میں تشویش نمایاں تھی۔

”ناممکن کچھ نہیں ہوتا۔“ میں نے اس کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ ”ہمیں کوئی نہ کوئی راستہ تلاش کرنا ہوگا۔ آخر وہ پرندے کچھ تو کھاتے پیتے ہوں گے۔ ان کی کچھ تو کمزوری ہوگی۔ مجھے بس کچھ وقت چاہیے۔ تم بتاؤ۔۔۔ وہ سوراخ کہاں تک پہنچا؟“

”وہ تو کافی دیر پہلے ہی تیار ہو چکا تھا۔ مگر تمہاری حالت ایسی ہو گئی کہ میں تمہیں اس کے بارے میں بتا ہی نہ سکا۔“ سیڈھانے چونکتے ہوئے بتایا۔

میں نے سیڈھا کے ساتھ جا کر وہ سوراخ دیکھا۔ وہ اتنا تھا کہ ہم دونوں ایک ایک کر کے اس میں اتر کر پانی میں پہنچ سکتے تھے۔ مگر سوال یہ تھا کہ اس کے بعد کیا کریں؟

”دیکھو سلیمان!۔۔۔ ہم نے اس سوراخ میں سے گزر کر پانی میں جو تلاش کرنا ہے وہ تم یہاں سے بھی کر سکتے ہو۔ پھر اپنے آپکو اس طرح پانی میں گرا کر مناسب معلوم نہیں ہوتا۔“ سیڈھا نے پر خیال انداز میں کہا۔

”تم ٹھیک کہتے ہو۔۔۔ مگر یہاں بیٹھ کر بھی ہم کیا کر لیں گے؟“ میں نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔ ”چلو۔۔۔ آؤ تھوڑی دیر پانی کی سیر ہی کر آئیں۔“

اتنا کہہ کر میں نے تیرا کی کالباس پہننا شروع کر دیا۔ سیڈھا نے بھی میرے دیکھا دیکھی۔۔۔ میری پیروی کی۔ پھر اس نے ایک رسی کو

ایک قریبی چٹان سے باندھ کر سوراخ کے اندر لٹکا دیا۔ ہم دونوں اس رقی کی مدد سے نیچے اترنے لگے۔ پانی میں اتر کر میں نے ادھر ادھر ہاتھ مارنے شروع کر دیے۔ سیڈھا بھی میری طرف تیرا کی کچھ زیادہ شد بد نہیں رکھتا تھا۔ ہم دونوں تقریباً آدھ گھنٹہ کی مسلسل کوشش کر کے کسی حد تک تیرا کی میں عبور حاصل کر پائے تھے۔ مگر ہاتھ پاؤں شیل ہو گئے تھے۔ اس لیے واپسی کا فیصلہ کیا۔ اٹکے ہوئے رستے کی نشانی کی وجہ سے ہمیں وہ سوراخ تلاش کرنے میں زیادہ دشواری نہ ہوئی۔ واپس پہنچ کر ہم لوگوں نے کچھ دیر آرام کیا اور پھر اگلے سفر کی پلاننگ کرنے لگے۔ پانی میں سمتوں کا تعین بہت مشکل تھا۔ کچھ گہرائی میں جا کر تو یہ بھی سمجھ نہیں آتا تھا کہ ہم نیچے جا رہے ہیں یا پھر ادھر ادھر ہی گھوم رہے ہیں۔ سیڈھا نے ایک اچھا مشورہ دیا کہ ہم ایک بہت بڑا پتھر پانی میں پھینکے اور پھر اس کا پیچھا کریں۔

ابھی ہم یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ اچانک ہمارے ارد گرد زمین اور  
چٹانیں ملنے لگیں۔ ہم ابھی کچھ سمجھ بھی نہ پائے تھے کہا اوپری چٹانی  
چھت سے پتھر اُترنے لگے۔ یہ بہت خطرناک ماحول تھا۔ ایک بھی  
پتھر اُتر ہمارے اوپر گر پڑتا تو ہمارا خاتمہ کرنے کے لیے کافی تھا۔ ہم  
نے فوراً تیراکی کے لباس اٹھائے اور سوراخ میں کھود پڑے۔ میں  
نے سوراخ میں داخل ہوتے ہی ایک قریبی پتھر ارتکا زتوجہ سے سوراخ  
کے داہنے پر کھسکا دیا تا کہ کوئی پتھر اس سوراخ سے نیچے نہ آئے۔  
سیڈھا نے اتنی دیر میں ایک پتھر سے روشنی پیدا کر لی تھی اور پھر ہم پانی  
میں اتر گئے۔ تھوڑی دیر ادھر ادھر تیرنے کے بعد ہمیں ایک ایسی جگہ  
مل گئی جہاں ایک کرک تھا اور بڑے بڑے پتھر وہاں پھنسے ہوئے  
پڑے تھے۔ ہم نے ان میں سے ایک پتھر کرک سے باہر نکالا اور  
پانی میں چھوڑ دیا۔ وہ پتھر تیزی سے پانی میں نیچے کی طرف جانے لگا۔



ہم نے فوراً اس کا تعاقب شروع کر دیا۔ کوئی ایک گھنٹہ مسلسل نیچے کی طرف تیرنے سے ہم اس کے پینڈے میں پہنچ گئے۔ ہمارے ہاتھ پاؤں شیل ہوئے پڑے تھے مگر آرام کرنے کے لیے کوئی جگہ بھی تلاش کرنے ضروری تھا۔ ہم نے پینڈے کے ساتھ ساتھ سفر کرنا شروع کر دیا۔ بہت سے عجیب و غریب پودے اگے ہوئے تھے۔ زمین بھی بہت ناہموار تھی۔ بہت سے آبی جانور بھی ادھر ادھر تیر رہے تھے مگر کسی نے بھی ہماری طرف توجہ نہیں کی تھی۔ تقریباً آدھا گھنٹہ کی تلاش کے بعد کچھ اس طرح کا علاقہ آیا جہاں زمین پر بڑے بڑے کریک پڑے ہوئے تھے۔ میں نے سیڈھا کو اشارے سے ہاتھ پکڑنے کو کہا اور پھر جیسے ہی اس نے میرا ہاتھ پکڑا میں نے آنکھیں بند کر کے روحانی پرواز سے تیزی کے ساتھ راستہ تلاش کرنا شروع کر دیا۔ کچھ دیر کی تلاش کے بعد مجھے قریب ترین خلاء مل گیا جہاں پر پانی نہیں تھا مگر اس

کے لیے راستہ بنانا بھی ضروری تھا۔ چند ایک کر یک تھے جو اس کی طرف جاتے تھے مگر پھر آگے راستہ بند تھا۔ اگر ہم زبردستی راستہ بنانے کی کوشش کرتے تو پانی بھی اس خلاء تک پہنچ جاتا۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد ایک خیال آیا اور میں نے چند کریکوں میں سے ایک کر یک کا انتخاب کیا اور پھر ارتکا زتوجہ سے اس کو بڑا کرنے کے کوشش کی۔ مگر وہ ٹس سے مس تک نہیں ہوا۔ یقیناً اس کو بڑا کرنے کے لیے بہت زیادہ قوت کی ضرورت تھی۔ میں نے روحانی پرواز ختم کی تو دیکھا کہ سیڈھانے مجھے دونوں ہاتھوں سے تھاما ہوا تھا۔ کیونکہ میں روحانی طور پر کہیں اور تھا اس لیے میرا جسم تقریباً مردہ حالت میں ہی تھا۔ اسی لیے میں نے سیڈھا کو اپنا ہاتھ تھامنے کا کہا تھا تا کہ وہ مجھے سنبھال سکے۔

میں نے اشارے سے اس سمت جانے کا کہا جہاں وہ کر یک

تھا۔ وہ کریک تقریباً دس فٹ گہرا تھا۔ میں نے اس کے اندر جا کر اشارے سے سیڈھا کو سمجھایا کہ اس کے پیچھے کچھ خلاء ہے جہاں ہم آرام کر سکتے ہیں مگر اس کریک سے وہاں کے لیے راستہ بنانا ہو گا۔ معلوم نہیں میری بات وہ کہاں تک سمجھا تھا مگر اتنا وہ جان گیا تھا کہ اب اسے ہی کچھ کرنا ہے۔ اس نے کچھ پڑھ کر پھونکا اور پھر میں نے دیکھا کہ دائیں طرف کچھ فاصلے پر ایک کریک کا اوپری حصہ ٹوٹ کر ہمارے والے کریک کے داہنے پر آگیا۔ اس طرح ہمارا کریک ایک دس فٹ لمبا اور تین سے چار فٹ چوڑا بند کمرہ سا بن گیا۔ پھر اس نے ایک بار پھر پڑھ کر پھونکا اور اس بار اس کمرے کا پانی خود بخود ہی ختم ہونے لگا۔ اور بلا آخر ہم دونوں اس کریک میں کھڑے رہ گئے۔ کریک کا داہنہ اس طرح بند تھا کہ مزید پانی داخل نہیں ہو پا رہا تھا۔ اس طرح ہم نے ایک مناسب خشکی کی جگہ حاصل

کر لی تھی۔ ہم نے جلدی سے اپنا تیراکی کا ہیلیمٹ اتارا۔۔۔ مگر دوسرا لمحہ ہمارے لیے اور زیادہ حیرت ناک تھا کیونکہ ہیلیمٹ اتارتے ہی ہمیں یوں محسوس ہوا کہ جیسے کسی نے ہمارا گالا پکڑ کر دبا لیا ہو۔ سانس مکمل طور پر بند ہو گیا تھا۔ سیڈھا نے فوراً ہیلیمٹ کو دوبارہ پہن لیا۔ اس کی حالت بہتر ہوتے دیکھ کر میں نے بھی ایسا ہی کیا۔ غور کرنے پر احساس ہوا کہ یہاں آکسیجن موجود نہیں ہے۔ اور آکسیجن کے بغیر ہم سانس نہیں لے سکتے۔ یہ تجربہ ہمارے لیے بہت سے خطرات کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ اپنی غیر مرنی قوتوں کے ساتھ شاید ہم زمین کے اور نیچے بھی جاسکتے تھے مگر آکسیجن کی غیر موجودگی میں ہم زندہ نہیں رہ سکتے تھے۔ مجھے اندازہ تھا کہ ہمارے آکسیجن کے سلنڈر چوبیس گھنٹے کے لیے کارآمد تھے اور ابھی تک شاید ہم نے دو تین گھنٹے ہی انہیں استعمال کیا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ ہمارے پاس بیس سے



زاند گھنٹے ابھی باقی تھے۔ میرا دماغ تیزی سے اس صورتحال کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ سیڈھانے اشارے سے مجھے واپس چلنے کا کہا۔ میں نے کچھ دیر سوچنے کے بعد ہتھیار ڈالنے کا تکلیف دہ فیصلہ کیا۔ نارمل حالات میں ہمارا جسم ہی ہماری قوت ہوتا ہے مگر یہاں پر ہمارا جسم ہمارے لیے کمزوری بنا ہوا تھا۔

ہم دونوں وہیں کر یک میں <sup>www.demne.pk</sup> ~~بے~~ لیٹ گئے۔ کوئی ایک گھنٹہ کے آرام کے بعد ہمیں محسوس ہوا کہ جیسے ہم دوبارہ سفر کرنے کی پوزیشن میں ہیں۔ سیڈھانے اپنے بیروں کی مدد سے اس کر یک کا داہنا خالی کروایا اور پھر ہم نے واپسی کا سفر شروع کر دیا۔ اوپر اٹھنے کا سفر نسبتاً آسان تھا۔ ہمارے سلنڈروں میں بھری آکسیجن گیس جیسے پراگا کر ہمیں اوپر اٹھا رہی تھی۔ ہمیں صرف اپنے پاؤں کو چپوؤں کی طرح ہلانا پڑ رہا تھا۔ واپسی کا سفر جلدی طے ہو گیا۔ مگر اس سوراخ کو تلاش کرنے میں

بہت وقت لگ گیا جہاں سے ہم نیچے اترے تھے۔ لٹکتی ہوئی رسی نے ہمارے راہنمائی کی مگر ہم اس مقام سے کافی دور پہنچ چکے تھے اس لیے وہاں تک واپس آنے میں کئی گھنٹے لگ گئے۔ بہر حال رسی پکڑ کر اوپر چڑھتے ہوئے میں نے ایک بار پھر سیڈھا کو اپنے آپ کو سنبھالنے کا کہا اور تیزی سے روحانی پرواز کر کے اوپر کا حال معلوم کیا۔ زلزلے کے جھٹکوں سے کافی پتھر گرے تھا اور واپسی کر راستہ بھی دوبارہ بند ہو چکا تھا مگر یہ ہمارے لیے زیادہ پریشانی کی بات نہیں تھی۔ تاہم یہ خوش آئند بات تھی کہ زلزلہ اب ختم چکا تھا۔ میں نے ارتکا کا توجہ سے سوراخ کے داہنے پر رکھا پتھر سرکایا۔ اس کے ارد گرد کچھ اور بھی پتھر آکھٹے ہو گئے تھے اس لیے کچھ اور پتھروں کو بھی کھسکانا پڑا۔ مگر جلدی ہی سوراخ کا داہنہ کھل چکا تھا۔ میں نے فوراً روحانی پرواز ختم کی اور سیڈھا کو اوپر چلنے کا اشارہ کیا۔ ہم رستے کی مدد سے واپس اسی جگہ پر

آموجود ہوئے۔ سیڈھا کے ہاتھ میں روشن پتھر تھا۔ اس کی روشنی میں ہم نے دیکھا کہ واپسی کا راستہ پتھروں سے بھرا ہوا تھا۔ ہم نے احتیاط سے تیراکی کے لباس اتارے۔ یہاں آکسیجن موجود تھی۔ ہم نے خدا کا شکر ادا کیا اور ایک طرف ڈھیر ہو گئے۔ نامعلوم کتنی دیر ہم یونہی بے حس و حرکت لیٹے رہے۔ پھر سیڈھا نے اپنے بیروں کی مدد سے کچھ پھل وغیرہ کھانے کے لیے منگوائے۔ کھانے کو دیکھتے ہی میری بھی بھوک چمک اٹھی۔ ہم نے خوب سیر ہو کر کھانا کھایا اور پھر نیند نے ہم پر غلبہ حاصل کر لیا۔ ہم دونوں وہیں پر دیر تک سوتے رہے۔

نیند شاید اور طویل ہو جاتی مگر آکسیجن کی کمی نے ہمیں جلدی اٹھنے پر مجبور کر دیا۔ ہمیں سانس لینے میں دشواری کا سامنا تھا۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے ہمیں سانس چڑھا ہوا ہے۔ چونکہ واپسی کا راستہ بند ہو چکا

تھا اس لیے اس بند حصے میں آکسیجن کی کمی ہو گئی تھی۔ جتنی مقدار میں آکسیجن موجود تھی وہ ہم پہلے ہی استعمال کر چکے تھے۔ سیڈھانے اپنے بیروں کی مدد سے واپسی کا راستہ صاف کروایا۔ اور ہم بہت تیزی سے واپسی کا سفر کرتے ہوئے اس مقام پر پہنچ گئے جہاں سے سرنگ شروع ہوتی تھی۔ یہاں پہنچ کر مجھے اس احساس نے جکڑ لیا کہ ہم ناکام ہو گئے۔ میں وہی ایک دیوانہ سی ٹیک اگا کر بیٹھ گیا۔ سیڈھابھی میرے ساتھ اسی حالت میں بیٹھ گیا۔

”کیا سوچ رہے ہو؟“ سیڈھانے سوال کیا۔

”کچھ نہیں۔۔۔ شاید یہ کام واقعی ناممکن ہے۔ مجھے تو اندازہ ہی نہیں

تھا کہ زمین کے اندر جتنا ہم اندر کو جاتے جائیں گئے اتنا ہی آکسیجن

ختم ہوتی جائے گی۔“ میں نے افسردہ لہجے میں جواب دیا۔

”تم ٹھیک کہتے ہو۔ مجھے بھی اس بات کا اندازہ نہیں تھا۔“ سیڈھا



نے سر ہلاتے ہوئے تلقید کی۔ تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد وہ بولا۔

”ضروری نہیں کہ انسان جو سوچے وہ کر بھی سکے۔“

”ہاں شاید۔۔۔“ میں مزید افسردہ ہو گیا۔ ”پتہ نہیں کیوں مجھے لگتا تھا کہ ہم یہ کام کر سکتے ہیں۔“

”اچھا یہ بتاؤ۔۔۔ اگر تم اس انڈے کو حاصل کر لیتے تو جواا جی سے اس کو کیسے چھپاتے؟“ سیڈھانے شاید موضوع کی تبدیلی کے لیے پوچھا۔

”پتہ نہیں“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”سوچا تھا کہ پہلے انڈہ حاصل کر لیں پھر سوچیں گے کہ اس کو کس طرح جواا پر وہت سے محفوظ رکھا جاسکتا ہے۔“

سیڈھا کی آنکھوں میں ایک دم تیز چمک پیدا ہو گئی۔ وہ کچھ دیر سوچتا رہا

اور پھر بوا۔

”یقیناً۔۔۔ ہمیں اس کو ایسی جگہ چھپانا پڑتا جہاں سے وہ اسے حاصل نہ کر سکے۔ حتیٰ کہ وہ ہم سے زبردستی بھی کرے تو بھی نہ پہنچ سکے۔۔۔ ٹھیک کہانا میں نے؟“ آخر میں اس نے مجھ پر ایک سوال داغ دیا۔

”ہاں۔۔۔ مگر تم کیا سوچ رہے ہو۔“ میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”دیکھو!۔۔۔ میرے ذہن میں ایک پلان آیا ہے۔ ہم یہاں سے واپس چلتے ہیں اور سیدھے جوالا جی کے پاس چلتے ہیں۔ ہم ان کو بتاتے ہیں کہ ہم نے یہ انڈہ ڈھونڈ لیا ہے مگر اس کے حاصل کرنے کے لیے ہمیں مزید طاقتور ہونا پڑے گا۔ لہذا ہم واپس آگئے ہیں اور اب اگر جوالا جی تمہیں مزید قوتیں دے دیں تو تم یقیناً دوسری

کوشش میں اسے حاصل کر سکتے ہو۔“ سیڈھانے اپنا پلان بتاتے ہوئے کہا۔

”مگر وہ ہماری بات پر یقین کیوں کرے گا؟“ اور چاڑی کی باتیں سن کر تو مجھے لگتا ہے کہ وہ ہمیں ناکام سمجھ کر فوراً طالش سرکار کے حوالے کر دے گا۔

”ہاں۔۔۔ یہ بھی ہو سکتا ہے۔“ سیڈھانے سر ہلاتے ہوئے کہا۔  
”مگر تم ایسے کیوں نہیں سوچتے کہ تم نے انڈہ حاصل کر لیا ہے۔ اور اس لیے وہاں سے لے کر نہیں آئے کہ کہیں جوالا جی زبردستی تم سے اسے حاصل کر کے تمہیں طالش سرکار کے حوالے نہ کر دیں۔“  
”کیا مطلب؟“ میں نے چونکتے ہوئے پوچھا۔

”بھئی سامنے کی بات ہے۔۔۔ تم نے سونالی کا انڈہ حاصل کر لیا ہے مگر تمہیں شک ہے کہ جوالا جی اپنا وعدہ پورا نہیں کریں گے۔ اس لیے

تم اسے ساتھ نہیں لے کر آئے۔ اب اگر جوالا جی اپنا وعدہ پورا کریں اور تم کو وہ سیکھائے جس کی تم کو ضرورت ہے تو تم وہ انڈہ لا کر ان کے حوالے کر سکتے ہو۔“ سیڈھا نے پر جوش انداز میں کہا۔

”زبردست!۔۔۔ مگر اس میں دو مشکلیں ہیں۔“ میں نے کہا۔ ”ایک تو یہ کہ مجھ سے جھوٹ نہیں بولا جائے گا اور وہ بھی اتنا بڑا۔ دوسرا یہ کہ جوالا پروہت ٹیلی پیتھی جانتا ہوگا اور وہ ہمارے ذہنوں سے معلوم کر سکتا ہے کہ ہم جھوٹ بول رہے ہیں۔“

میری بات سنتے ہی سیڈھا کا سارے کا سارا جوش رفو چکر ہو گیا۔ مگر اس کی بات سے مجھے ایک اور خیال آیا۔

”تاہم اگر میں کسی طرح وہ سونالی کا انڈہ ان سونالی پرندوں سے حاصل کر لوں۔ تو یقیناً ہم اسے استعمال کر سکتے ہیں۔ اگر میں اسے زمین میں کسی اور جگہ پر چھپالوں تو یقیناً وہ میرا ہی شمار ہوگا اور میں کچھ



عرصے کی کوشش سے اسے زمین کے اوپر بھی اسکوں گا اور اسی حالت میں وہ جوالا پروہت کے لیے بھی ناقابل دسترس ہوگا۔“ میں نے اپنا خیال سیڈھا کو بتایا۔

”مگر سوال تو وہی ہے نہ کہ اسے تم حاصل کیسے کرو گے؟“ سیڈھانے برا سامنہ بناتے ہوئے کہا۔

اس سوال کا جواب میرے پاس نہیں تھا اس لیے میں خاموش رہا۔ کچھ دیر تک ہم دونوں اسی طرح خاموش بیٹھے رہے۔ پھر سیڈھا ہی بولا۔

”اگر تم کہو تو میں چا پڑی سے مدد لوں؟ شاید وہ ہماری کچھ اور مدد کر سکے؟“

”ہاں۔۔۔ شاید اس کے علم میں ہو کہ ہم انڈے کو کس طرح ان سونالی پرندوں سے حاصل کر سکتے ہیں۔“ میں نے ایک مبہم امید کے تحت اس کی تائید کی۔

سیڈھانے اسی عمل کے ذریعے جسے وہ پہلے بھی کر چکا تھا، ایک بار پھر چاڑی جادوگرنی کے ساتھ رابطہ کیا۔

”اے عقلمند جادوگرنی!۔۔۔ ہمیں تیری مدد کی ضرورت ہے۔“ رابطہ ہوتے ہی سیڈھانے پھر خوشامدانہ انداز اختیار کیا۔

”بولو!۔۔۔ بولو!۔۔۔ مجھ سے جو ہو سکا۔۔۔ کروں گی۔“ چاڑی نے تیز لہجے میں کہا۔ اور جواب میں سیڈھانے میری طرف دیکھا۔ میں نے آگے بڑھ کر چاڑی کو ساری چھوٹیشن بتائی۔

”یہ تو کوئی مشکل کام نہیں ہے۔“ چاڑی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”دیکھو اگر تم کوئی گرم چیز ہاتھ سے نہیں اٹھا سکتے تو کیا کرتے ہو؟“ ”اسے کسی کیڑے یا پھر کسی اور چیز سے اٹھاتے ہیں تاکہ ہاتھ نہ

جلے“ سیڈھابے ساختہ بول پڑا۔ اور اس کے جواب پر ہم دونوں نے ایک دوسرے کے طرف دیکھا۔ یہ تو واقعی سامنے کے بات تھی۔

”دیکھو!۔۔۔ علم زو جیلا میں جب تم ارتکا ز توجہ کو استعمال کرتے ہو تو متوجہ چیز کو تم اپنے اوپر حاوی کر لیتے ہو۔ اور اس طرح اس چیز کی گرمی یا سردی تمہاری قوت مدافعت سے ٹکراتی ہے۔ جب تک تم اسے برداشت کر سکو۔۔۔ تم اس کو اٹھا سکتے ہو۔ اگر وہ انڈہ بہت گرم ہے اور تمہاری قوت مدافعت اسے برداشت نہیں کر پارہی تو تم کسی دوسری ایسی چیز سے اسے اٹھا سکتے ہو جسے تمہاری قوت مدافعت برداشت کر سکے۔“ چا پڑی جادوگر نی نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

”تم ٹھیک کہتی ہو۔۔۔ میرا ذہن تو اس طرف گیا ہی نہیں۔“ میں نے شرمندہ ہوتے ہوئے اقرار کیا۔

”میں سمجھ سکتی ہوں کیونکہ تم لوگ اس وقت غیر معمولی حالات میں ہو۔۔۔ اس لیے ایسا ہو جاتا ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ میں تمہارے کسی کام آئی۔“ چا پڑی نے خوشی سے جواب دیا۔ ”ویسے زمین کی تہہ

میں اس انڈے کو تلاش کر لینا بہت مشکل کام تھا۔ میں نے اس علم کے اور بھی ماہر دیکھیں ہیں مگر اب میں کہہ سکتی ہوں کہ تم میں کچھ خاص بات ضرور ہے۔“

”حوصلہ افزائی کا شکریہ“ اس بار میں نے مسکراتے ہوئے تہہ دل سے اس کا شکریہ ادا کیا۔ اس وقت واقعی اس نے بہت بڑی مشکل حل کر دی تھی۔

پھر سیڈھانے اس سے اجازت لے کر رابطہ منقطع کر دیا۔

میں نے فوراً ایک مناسب جگہ تلاش کی اور الٹی پالٹی مار کر اپنی روحانی پرواز شروع کر دی۔ اس بار میری کوشش تھی کہ میں آگ اور لوہے کی تہہ کے سنگم پر کسی ایسی چیز کو تلاش کر سکوں جس پر آگ کا اثر نہ ہوتا ہو۔ کچھ غور کرنے پر مجھے احساس ہوا کہ لوہے کی تہہ کی شروعات میں ایک عجیب سے کائی جمی ہوئی تھی۔ آگ کی تپش اس کائی پر پڑ رہی تھی



مگر اس پر اس کا کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا بلکہ وہ اس کی تپش کو لوہے پر اثر انداز ہونے سے بھی روک رہی تھی۔ میں نے ایک تجربہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ ایک ایسا لوہے کی چٹان تلاش کی جس سے نو کیلے ٹکڑے نیچے کو نکلے ہوئے تھے۔ ایک مناسب ٹکڑے پر میں نے ارتکا ز توجہ سے زور آزمائی کی تو وہ اکھڑ گیا۔ پھر میں نے اس ٹکڑے کو اچھی طرح اس کائی میں لتھیرا اور اس کو آگ میں لے گیا۔ میں نے دیکھا کہ اس کائی کی وجہ سے اس لوہے کے ٹکڑے نے آگ کی تپش قبول نہیں کی اور مجھے بھی اسے اٹھائے پھرنے میں کوئی زیادہ تکلیف کا سامنا نہ تھا بس اتنا ہی تھا جتنا اگر میں بغیر کوئی چیز اٹھائے آگ میں گھومتا تھا تو برداشت کرنا پڑتا تھا۔ اس کامیابی پر میں نے فوراً روحانی پرواز بند کی اور سیڈھا کو خوشی خوشی سب کچھ بتانے لگا۔

”بہت خوب!۔۔۔ مگر اب تمہارا پلان کیا ہے؟“ سیڈھا نے مجھ

سے پوچھا۔

”مجھے سب سے پہلے اس انڈے کو محفوظ رکھنے کے لیے کسی مناسب جگہ کا انتظام کرنا ہے اور پھر اسی طرح ایک بڑے سائز کے لوہے کے ٹکڑے پر اس انڈے کو رکھ کر وہاں تک پہنچانا ہے۔“ میں نے اپنا منصوبہ بتاتے ہوئے کہا۔

”یہ تو اتنا مشکل کام نہیں ہے“ سیڈھانے جوشیلے لہجے میں کہا۔ اس کا چہرہ خوشی سے چمک رہا تھا۔

”ہاں!۔۔۔ تم ٹھیک کہتے ہو۔۔۔ بس میں یہ بتانے ہی آیا تھا۔ ابھی جا کر اس کا انتظام بھی کرتا ہوں۔“ میں اس کو بتاتے ہوئے اپنی روحانی پرواز دوبارہ شروع کر دی۔

لوہے اور آگ کی تہوں کے درمیان کچھ زیادہ فاصلہ نہ تھا۔ لیکن لوہے کی تہہ دراصل بہت ناہموار تھی۔ بہت سی جگہوں پر کرکے بنے ہوئے

تھے اور کچھ جگہوں پر اوہ ہے کی چٹانیں باہر کو نکلی ہوئی تھیں۔ میں نے کافی تک و دو کے بعد ایک ایسا کر یک تلاش کر لیا جو ٹیڑھا میٹر تھا ہو کر ایک نسبتاً بڑے سے خلاء پر ختم ہوتا تھا۔ اس خلاء میں مجھے ایسی جگہ نظر آئی جہاں انڈہ رکھا جاسکتا تھا اور وہاں تک سونالی پرندے کے پہنچنے کا امکان بھی نہ ہونے کے برابر تھا۔ پھر میں نے سونالی کے انڈے کو اٹھانے کے لیے ایک چبوترے نما لوہے کے ٹکڑے کے لیے تلاش شروع کی۔ کچھ دیر کی تلاش کے بعد میں اسے بھی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ پھر ایک چھوٹے کر یک کو کائی سے بھر کر میں نے وہ چبوترے نما لوہے کے ٹکڑے کو اس کر یک میں گھسیٹ دیا۔ اس سے وہ چبوترہ مکمل طور پر کائی میں لپٹ گیا۔ پھر میں اسے لیے ہوئے تیزی سے سونالی کے ایک گھونسلے میں گیا۔ سونالی پرندے کہیں قریب نظر نہیں آرہے تھے۔ میں نے فوراً اس چبوترے کو انڈوں کے پاس رکھا

اور ایک انڈے کو ارتکا زتوجہ سے اس چبوترے پر رکھ دیا۔ اس میں مجھے تکلیف کا سامنا تو کرنا پڑا مگر اتنی زیادہ نہیں کہ برداشت نہ ہو۔ اور کامیابی کی خوشی نے ویسے بھی میری قوت برداشت بڑھادی تھی۔ پھر میں نے فوری طور پر چبوترے کو ارتکا زتوجہ کی قوت سے اٹھایا اور اپنی منتخب مقام کی طرف لیجانے لگا۔ مگر ابھی میں انڈوں کے گھونسلے سے کچھ ہی دور گیا تھا کہ تیز چنگاڑی <sup>www.define.pk</sup> آوازوں کے ساتھ پتہ نہیں کہاں سے دو سونالی پرندے نمودار ہوئے اور انہوں میں سے ایک پرندے نے انڈے کو اچک لیا جبکہ دوسرے نے چبوترے پر حملہ کر دیا۔ آن کی آن میں وہ چبوترہ لوہے کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں بٹانچے کی طرف جا رہا تھا اور میں ہکا بکا ان پرندوں کی کارستانی دیکھ رہا تھا۔ کامیابی کو اتنے قریب دیکھ کر نا کام ہوتے ہوئے دیکھنا بڑا مشکل کام تھا۔ مجھے ایک دم سے تھکاوٹ کا احساس ہونے لگا اور میں نے



روحانی پرواز ختم کر دی۔

”کیا ہوا؟“ سیڈھا جو بے چینی سے میرا انتظار کر رہا تھا نے مجھے آنکھیں کھولتے دیکھ کر فوراً ہی سوال جڑ دیا۔

میں نے کچھ دیر خاموش رہ کر اپنے آپ کو سنبھالا اور پھر اسے ساری تفصیل بتانے لگا۔

”کوئی بات نہیں۔۔۔ اس کا بھی کوئی حل نکل آئے گا۔ اصل بات تو یہ ہے کہ ہم کامیابی کے بہت نزدیک ہیں“ سیڈھا نے ہنستے ہوئے میرا حوصلہ بڑھایا۔ اور یہ سچ ہے کہ اس کی ہنسی نے ایک دم سے مجھ میں جیسے کوئی نئی روت پھونک دی۔ اور میں بھی ہنس دیا۔

”یہ سونالی پرندے میرے اندازے سے زیادہ چالاک اور ہوشیار نکلے۔“ میں نے سیڈھا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”ظاہری بات ہے۔۔۔ کوئی بھی پرندہ اپنے انڈوں کو اس طرح

آسانی سے تو نہیں جانے دیگا۔“ سیڈھانے سر ہلاتے ہوئے کہا۔  
”تم ٹھیک کہتے ہو۔۔۔ مجھے ان کی حرکات کو بغور مطالعہ کرنا چاہیے۔  
کبھی نہ کبھی تو ایسا ضرور ہوتا ہوگا کہ وہ ان انڈوں سے غافل ہوں  
جیسے کہ نیند میں وغیرہ وغیرہ۔“ میں نے سوچتے ہوئے کہا۔  
”ہاں۔۔۔ یہ اچھا خیال ہے۔“ سیڈھانے فوراً تائید کی۔  
میں کچھ دیر اسی طرح سیڈھانے باتیں کرنے کے بعد ایک بار پھر اپنی  
روحانی پرواز پر آگیا۔ اس بار میں نے کئی گھنٹے سونالی پرندے کی  
حرکات و سکنات کا مشاہدہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ ایک عجیب سے مخلوق  
بنائی تھی۔ نہ یہ کچھ کھاتی تھی اور نہ ہی سوتی تھی۔ آگ ہی ان کے لیے  
سب کچھ تھا۔ آگ ہی سے ان کو توانائی ملتی تھی اور آگ ہی میں وہ  
ایک خاص انداز میں پر پھیلا کر آرام بھی کرتے تھے۔ اور میں نے یہ  
بھی نوٹ کیا کہ جس گھونسلے پر میری نظر تھی اس کے گرد وہی دو

سونالی نظر آتے تھے جنہوں نے میرے چبوترے پر حملہ کیا تھا۔ شاید یہ انڈے اسی جوڑے کے تھے۔

کوئی دو روز تک مسلسل ان کی نگرانی کرنے کے بعد میں نے انڈہ حاصل کرنے کا ایک پروگرام ترتیب دیا۔ اس پروگرام کا دار و مدار میری روحانی پرواز کی رفتار پر تھا۔ چونکہ میری روحانی پرواز کی رفتار ان سونالی پرندوں کے اڑنے کی رفتار سے نسبتاً تیز تھی اس لیے میں نے یہ پروگرام ترتیب دیا تھا۔ اس پر عمل کرنے کا فیصلہ میں نے اس وقت کیا جب وہ پرندے اپنی آرام دہ پرواز میں محو تھے۔ میں نے اپنے پلان کے مطابق دو لوہے کے چبوترے تیار کئے اور ان کو اچھی طرح کائی میں لتھیڑ کر ان انڈوں کے پاس پہنچ گیا۔ ایک نسبتاً بڑے چبوترے پر میں نے دو انڈوں کو رکھا اور دوسرے چبوترے پر ایک انڈہ۔ پھر خدا کا نام لے کر میں نے دو انڈے والے چبوترے کو اٹھایا

اور بجائے اوپر کی طرف (اوپر کی پٹانوں) کی طرف پرواز کرنے کے میں نے نیچے کی طرف پرواز شروع کر دی۔ ابھی کچھ دور ہی گیا تھا کہ دونوں سونالی چیختے چنگاڑتے نمودار ہوئے۔ ان کی آواز سنتے ہی میں نے اپنی رفتار تیز کر دی۔ مگر وہ بھی بہت تیز تھے۔ جب مجھے احساس ہوا کہ اب وہ مجھ تک پہنچنے ہی والے ہیں تو میں نے فوراً چبوترے کو الٹ دیا۔ چبوترے کے اٹتے ہی دونوں انڈے تیزی سے نیچے کی طرف گرنے لگے اور دونوں سونالی تیزی سے اس کے پیچھے بھاگے۔ اب میری رفتار کا امتحان تھا۔ میں فوراً اس چبوترے کو چھوڑ کر واپس گھونسلے میں بھاگا۔ اور دوسرے چبوترے کو اٹھا کر جتنی جلدی بھی ہو سکتا تھا بھاگم بھاگ اپنے منتخب مقام پر پہنچنے کی کوشش کرنے لگا۔ میرا منصوبہ کامیاب رہا۔ دونوں سونالی میرے پیچھے نہیں آئے اور میں آسانی سے آگ کی تہہ سے نکل آیا۔ اور پھر احتیاط سے



میں نے اس چبوترے کو انڈے سمیت اسی کر یک سے اُزار کر خلاء  
میں پہنچا دیا۔ اب وہ انڈہ محفوظ تھا۔ مگر میں نے ایک بات نوٹ کی کہ  
وہ انڈہ آگ سے نکلتے ہی جیسے بجھ سا گیا تھا۔ اس کی اوپری سطح نے  
ایک خول کی شکل اختیار کر لی تھی۔ بہر حال میں اس کو وہاں چھوڑ کر  
احتیاط کے طور پر دوبارہ ان سونالی پرندوں کے گھونسلے کی طرف گیا تو  
میں نے دیکھا کہ وہ اسی طرح چمکتے چنگاڑتے ادھر ادھر اڑ رہے تھے۔  
شاید ان کو ایک انڈے کی گمشدگی کا علم ہو گیا تھا۔ کچھ دیر ان کی حرکات  
کا مطالعہ کر کے مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہ اس انڈے تک کسی بھی  
طرح نہیں پہنچ سکتے۔ اس تسلی کے بعد میں اپنی جگہ واپس حاضر ہو گیا۔  
سیڈھا کو جیسے ہی میں نے یہ خوشخبری سنائی، وہ خوشی سے ناچنے لگا۔  
ہم کچھ دیر تک یوں ہی خوشی مناتے رہے اور پھر بیٹھ کر مستقبل کا منصوبہ  
تیار کرنے لگے۔ طے یہی پایا کہ ابھی انڈے کو وہاں سے نکالنا

مناسب نہیں اور اب ہمیں جوالا پروہت کے پاس پہنچ کر اسے کچھ  
سیکھانے پر آمادہ کرنا تھا۔ مگر ایک اور مسئلہ بھی تھا۔ ہم اس کو کیا  
سیکھانے کا مطالبہ کرتے۔ سیڈھا کا خیال تھا کہ مجھے زیادہ سے  
زیادہ بیرے حاصل کرنے کا عمل سیکھنا چاہیے۔ جبکہ مجھے اس عمل سے  
ہی نفرت تھی۔ بہر حال ہم نے ایک بار پھر چاڑی سے مشورہ کرنا  
مناسب سمجھا۔ سیڈھا نے اس عمل کے ذریعے چاڑی سے رابطہ قائم  
کیا۔

”مجھے یقین نہیں آ رہا کہ کوئی انسان سونالی کے انڈے کو حاصل کر سکتا  
ہے۔“ چاڑی نے حیرت زدہ ہوتے ہوئے کہا۔

”حقیقت تو یہ ہے کہ ابھی وہ مکمل طور پر ہماری گرفت میں نہیں ہے۔

ابھی مجھے اس کے لیے راستہ تلاش کرنا ہے تاکہ میں اس اوپر لا

سکوں۔ مگر ہمیں ڈر ہے کہ اگر ہم نے یہ راستہ پہلے تلاش کر لیا تو

یقیناً جواا! پروہت انڈہ زبردستی حاصل کر کے ہمیں طالش سرکار کے حوالے کر دے گا۔“ میں نے اپنا خدشا ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

”تم سو فیصد صحیح سوچ رہے ہو۔“ چا پڑی نے تائید کی۔ اور پھر کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد سوال کیا۔ ”اب تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟“

”میرا یہ سب کچھ کرنے کا مقصد۔۔۔ جواا! پروہت سے کچھ سیکھنا تھا۔ پہلے تو میں ان کا دل جیت لے کر اسے سیکھنا چاہتا تھا مگر اب حالات کچھ ایسے ہو گئے ہیں کہ مجھے نہیں لگتا کہ میں ان کا دل جیت سکوں گا۔ اس لیے اب میں ان کو بلیک میل کروں گا۔ اگر وہ مجھے کچھ سیکھائے گے تو ہی، میں اس انڈے کو زمین پر لانے کے لیے تگ و دو کروں گا۔ مگر مسئلہ یہ ہے کہ میں اس سے کیا سیکھنے کا تقاضا کروں۔ تم مجھے بتاؤ کہ وہ ایسا کونسا علم ہے جس کے سیکھنے سے میں اتنی طاقت حاصل کر لوں کہ طالش سرکار سے ٹکرے سکوں۔“ میں نے اپنا مدعا بیان

کرتے ہوئے پوچھا۔

”ہوں۔۔۔ تو یہ بات ہے۔۔۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ جواا پر وہت سے اس کی مرضی کے بغیر کچھ سیکھنا ناممکن نہیں تو بہت ہی مشکل کام ہے۔ مگر چونکہ تم ناممکن کاموں کو کرنے کا حوصلہ رکھتے ہو تو میں یہ فرض کر لیتی ہوں کہ وہ تمہاری شرطوں پر آمادہ ہو گیا ہے۔ ایسی صورت میں بھی کوئی ایک علم ایسا نہیں ہے جو سب پہ بھاری ہو۔“ چا پڑی نے سوچ میں ڈوبے ہوئے جواب دیا۔

”کچھ تو ہوگا۔۔۔ جس طرح میں کام کرنا چاہتا ہوں۔۔۔ اس طرح مجھے ہی کسی خاص علم کا مطالبہ کرنا ہے۔“ میں نے زور دیتے ہوئے کہا۔

”میں یقین سے تو نہیں کہہ سکتی مگر ایک علم ایسا ہے جو بہت ریاضت کے بعد حاصل ہوتا ہے۔۔۔ اور شاید اسے سیکھ کر تم اس قابل ہو سکو



کہ ان کے مقابلے پر آسکو۔“ چا پڑی نے کسی خاص خیال کے آتے ہی فوراً کہا۔ اس کی آنکھوں میں ایک چمک سی تھی۔

”وہ کیا؟“ میں اور سیڈھا دونوں ہی یک زبان ہو کر بول پڑے۔  
”علم سوہان۔۔۔۔۔ یہ ایک ایسا علم ہے جسی میں مختلف جانداروں کی تخلیق پر غور کیا جاتا اور آخر کار اس کا عالم اس قابل ہو جاتا ہے کہ وہ خود بھی کسی جاندار شے کو تخلیق کر سکے۔ جیسے کوئی بہت ہی زبردست جانور۔۔۔ یا پھر۔۔۔ جادوئی بیر۔۔۔“ چا پڑی نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

”کیا مطلب۔۔۔ کیا انسان کسی جاندار کو تخلیق کر سکتا ہے؟ یہ تو صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔“ میں نے حیرت کے سمندر میں غوطہ اگاتے ہوئے کہا۔

”مجھے اس کا علم نہیں کہ انسان کیا کر سکتا ہے۔ مگر خود جواا پر وہت اور

طالش سرکار دونوں اس علم کے ماہر ہیں اور اپنے لیے ایسے ایسے  
بیرے تخلیق کرتے ہیں کہ ہمیں ان کی طاقتوں کو پوری طرح سمجھنے میں  
بھی کئی مہینے لگ جاتے ہیں۔ شاید تم اس علم کو سیکھ کر کوئی ایسا بیرا  
تخلیق کر سکو۔ جو ان سب پر بھاری ہو۔“ چا پڑی نے بہت ہی  
سنجیدہ انداز میں جواب دیا۔

میرا لیے یہ سب بھضم کرنا بہت مشکل تھا۔ ظاہری بات ہے کہ میں ایک  
مسلمان تھا اور بحیثیت مسلمان میرا یہ ایمان تھا کہ ہر چیز کا خالق خدا  
ہی ہے۔ اور وہی تخلیق کا عمل جانتا ہے۔ مگر چا پڑی بڑے اعتماد کے  
ساتھ بتا رہی تھی کہ طالش سرکار اور جواا پر وہت دونوں ہی اس کے  
ماہر تھے۔ میرے دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ مجھے اپنا  
ایمان ڈولتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ سیڈھانے شاید میرے چہرے سے  
میری اس کیفیت کا اندازہ لگا لیا۔ اس لیے اس نے جلدی سے آگے

بڑھ کر چاڑی کا شکریہ ادا کر کے رابطہ منقطع کر دیا۔

”سلیمان!۔۔۔ اپنے آپ کو سنبھالو۔۔۔ چاڑی نے وہی کچھ بتایا

ہے جو وہ جانتی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ وہ سچ نہ ہو۔۔۔ مگر یہ دنیا عجائب کا

گھر ہے یہاں کچھ بھی ہو سکتا ہے۔“ سیڈھا نے مجھے سمجھاتے ہوئے

کہا۔ مگر میں اپنی ہی دنیا میں مگن تھا۔ کچھ دیر تک اپنے آپ سے الجھنے

کے بعد میں نے اس سوال کو کہ لیا انسان واقعی کوئی تخلیق کر سکتا ہے

آنے والے وقت پر ڈال دیا۔

”میرا خیال ہے کہ ہمیں اب واپس چلنا چاہیے۔“ میں نے سیڈھا

کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ یہ بات سنتے ہی سیڈھا کے چہرے پر

رونق لوٹ آئی۔

واپسی کا سارا انتظام سیڈھا نے ہی کیا۔ پہلے اس کے کچھ بیروں

نے ہمیں سرنگ سے باہر نکالا اور پھر اس کے غلام پرندے توڑ چھانے

ہمیں اپنے پروں پر بیٹھا کر اس جزیرے تک پہنچایا جہاں پرسیدھا کی جھونپڑی تھی۔ جھونپڑی میں پہنچ کر ہم نے فیصلہ کیا کہ ہمیں ایک دن آرام کر کے جوالا پروہت سے ملنا چاہیے۔ اور پھر ہم لوگ کھانا کھانے لگے۔ کھانے سے فارغ ہو کر سیدھا جنگل کی طرف نکل گیا۔ بقول اس کے، جنگل کے ماحول کو دیکھ کر اور اس میں رہ کر اس کی صلاحیتیں نہر آتی تھیں غار غ بیٹھنے سے میرے اندر پھر سے وہی خیالی جنگ شروع ہو گئی کہ کیا انسان واقعی تخلیق کا عمل کر سکتا ہے۔ سوچتے سوچتے میرا سر چکرانے لگا۔ اچانک مجھے خیال آیا کہ کیوں نہ میں عظیم شوالہ کی روت سے اس بارے میں پوچھوں۔ اس خیال کے آتے ہی میں اپنے آپ کو نہ روک سکا اور میں نے فوراً وضو کیا اور روحوں کو بلانے والا عمل شروع کر دیا۔ مگر کافی دیر آوازیں دینے کے باوجود عظیم شوالہ کی روت سے حاضر نہیں ہوئی۔ مجھے معلوم تھا کہ اس



عمل میں صرف اسی صورت میں مطلوبہ روت آتی ہے اگر اس کی اپنی بھی خواہش ہو۔ شاید عظیم شوالہ کی روت مجھ سے ملنا نہیں چاہتی تھی۔ یہ سوچ کر مجھے مزید مایوسی کے اندھیروں نے جکڑ لیا۔ شاید میں ان کی توقعات پر پورا نہیں اتراتا تھا اس لیے انہوں نے مجھ سے سارے رابطے اور تعلق توڑ دیے تھے۔ اس سوچ سے ہی میں نڈھال ہو کر زمین پر سیدھا لیٹ گیا۔ معلوم نہیں کتنی دیر تک میں اسی حالت میں بے حس و حرکت زمین پر لیٹا رہا تھا کہ مجھے نیند نے آ لیا۔

اگلی صبح سیڈھانے مجھے بیدار کیا اور پھر ناشتہ بھی کروایا۔ ناشتے کے بعد کچھ دیر تک ہم بیٹھے باتیں کرتے رہے اور پھر میں نے اسے جواا! پروہت کے پاس چلنے کو کہا۔ میرے ذہن میں ابھی تک اس بات کا اثر تھا کہ عظیم شوالہ کی روت نے میری پکار پر میری مدد نہیں کی۔ اس سوچ نے مجھے بے چین کر دیا تھا۔ یقیناً میں نے ان کو مایوس کیا تھا

اور اب وقت آگیا تھا کہ مجھے کچھ کرنا پڑنا تھا۔

سیڈھا کے ساتھ اسی رات سے ہم جواا! پروہت کے محل کے سامنے پہنچ گئے جس رات سے ایک بار پہلے بھی گزرے تھے۔ اس محل کے اندر کے مناظر ویسے ہی تھے۔ حسین اڑکیاں ٹولیوں کی صورت میں ادھر سے ادھر کھیلتی پھر رہی تھیں۔ ہم جیسے ہی اس کمرے میں پہنچے جس میں پہلی بار جواا! پروہت سے ملاقات ہوئی تھی تو ایک طرف کے دروازے سے فوراً ہی ایک خادمہ نمودار ہوئی اور اس نے وہی مشروب ہمیں پیش کیا جو پہلے بھی پی چکے تھے۔ سیڈھا نے تو اسے پینا شروع کر دیا جبکہ میرا دل نہیں چاہ رہا تھا۔ اس لیے میں نے اسے سامنے ایک پتھریلی قیمتی میز پر رکھ دیا۔ ابھی ہمیں بیٹھے چند لمحے ہی ہوئے تھے کہ میں نے سیڈھا کو ایک طرف اڑکھتے دیکھا۔ میں نے جلدی سے اٹھ کر اس کو سنبھالنا چاہا۔ مگر وہ زمین پر گر چکا تھا۔ جب

میں اس کے قریب گیا تو اسے بے ہوش پایا۔ یقیناً اس مشروب میں  
بے ہوشی کی کوئی دوا ملی ہوئی تھی۔ ابھی میں اس کی حالت پر غور ہی کر  
رہا تھا کہ اندر کا دروازہ ایک جھٹکے سے پھر کھلا اور اندر آنے والے  
دوسرے آدمی کو دیکھ میں اچھل پڑا۔ ان میں ایک تو جوالا پروہت ہی  
تھا مگر دوسرا طالش تھا۔ میرے اچھلنے کی وجہ طالش کا یوں، انسانی  
روپ میں، ظاہر ہونا تھا۔

”آؤ۔۔۔ آؤ بھئی ہادی!۔۔۔ پتہ نہیں کیوں تمہیں دیکھ کر مجھے  
ہمیشہ افسوس اور مایوسی ہی ہوتی ہے۔ تم تو ایک بے ضرر چوہے ہو جسے  
میں جب چاہوں کچل دوں۔“ طالش سرکار نے اپنے مخصوص  
مغرورانہ لہجے میں کیا۔

میں ابھی تک اس کی اس اچانک آمد پر سنبھل نہیں پایا تھا اس لیے  
فوری طور پر کوئی جواب نہیں دے سکا۔

”ہاں بھی سلیمان!۔۔۔ تم تو سونالی کا انڈہ لینے گئے تھے۔“ جواا!

پروہت نے مکارانہ انداز میں سوال کیا۔ اب وہ دونوں میرے

سامنے صوفے پر بیٹھ گئے تھے۔ میں ان کے سامنے کچھ اس طرح

سے کھڑا تھا کہ جیسے کوئی مجرم یا خادم اپنے آقاؤں کے سامنے کھڑا ہوتا

ہے۔ اس بات کا احساس ہوتے ہی میں فوراً بیٹھ گیا۔ اور پھر میرے

اندر کا سرکش انسان جاگ اٹھا۔ میں نے بھی تلاش کی طرح ٹانگ

کے اوپر ٹانگ رکھ لی۔ میری اس حرکت پر تلاش کا چہرہ غصے سے سرخ

ہو گیا۔

”مجھے امید نہ تھی کہ تم دونوں یوں سامنے آ جاؤ گے۔ مگر یہ اچھا ہی ہوا

جواا! پروہت، کہ تم نے اپنے اوپر سے مکاری کا یہ لبادہ خود ہی اتار

پھینکا۔“ میں نے اپنی آواز کو لر جدار بناتے ہوئے ان دونوں کی

آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے جواب دیا۔



”واہ۔۔۔ بھی۔۔۔ خوب۔۔۔“ جوااا پروہت نے باقاعدہ تالی بجائی۔ ”تم واقعی نڈر انسان ہو۔۔۔ ورنہ یوں موت کے منہ میں بیٹھ کر اتنی بے خوفی سے بات، کوئی عام انسان نہیں کر سکتا۔“

”جوااا پروہت!۔۔۔ میں نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ سونالی کا انڈہ میرے پاس ہے مگر اب میں وہ تمہیں نہیں دوں گا۔“ میں نے جوااا پروہت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے کہا۔ میری بات سن کر دونوں کو ایک جھٹکا لگا۔

”تم جھوٹ بول رہے ہو۔“ جوااا پروہت نے بے اختیار کہا۔

”میں نے اچھی طرح تمہاری تلاشی لی ہے۔ اور وہ انڈہ سیڈھا کی چھونپڑی تو کیا پورے جزیرے میں بھی کہیں نہیں ہے۔“

”ہا۔۔۔ ہا۔۔۔ ہا“ اب ان کا مزاق اڑانے کی باری میری تھی۔

”تم نے مجھے اتنا ہی بے وقوف سمجھ رکھا ہے کہ میں وہ تمہیں یہاں پر

پلیٹ میں ڈال کر پیش کرنے آ جاؤں گا۔“ میں نے مزہ لیتے ہوئے کہا۔

”تم کہنا کیا چاہتے ہو؟“ جواا پر وہت کی آنکھوں میں حیرت نمایاں تھی۔

”میں ایک آفر لے کر آیا تھا جو طالش سرکار کو دیکھتے ہی خود بخود ختم ہو گئی۔“ میں نے سخت لہجے میں جواب دیا۔ ”میں چاہتا تھا کہ تم سے کوئی ڈیل کر کے کسی طرح یہ انڈہ تمہارے حوالے کر دوں مگر اب نہیں۔“

”وہ انڈہ کہاں ہے؟“ اس بار طالش نے براہ راست پوچھا۔  
”یہاں سے بہت دور۔۔۔ زمین کی تہوں میں جہاں سے صرف اور صرف میں ہی اسے نکال سکتا ہوں۔“ میں نے ٹھوس لہجے میں جواب دیا۔

”مجھے لگتا ہے یہ جھوٹ بول رہا ہے۔“ طالش نے جوالا پروہت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”ٹھہرو۔۔۔ میں اس سیڈھا سے معلوم کرتا ہوں۔“ جوالا پروہت نے کہا اور پھر کچھ دیر کے لیے آنکھیں بند کر کے مراقبے کی حالت میں چلا گیا۔ چند لمحوں کے بعد ہی اس نے آنکھیں کھول دیں۔ اس کے آنکھوں میں حیرت نمایاں تھی۔

”یہ سچ کہہ رہا ہے۔“ جوالا پروہت نے عجیب سے لہجے میں کہا اور طالش نے مجھے یوں دیکھا جیسے میرے سر پر سینگ اگ آئے ہوں۔

”یہ ناممکن ہے۔۔۔۔۔ سونالی کا انڈہ آج تک کوئی انسان یا جن حاصل نہیں کر سکا۔“ طالش جن نے بیجانی سی کیفیت میں چیخ کر کہا۔

”یہ عام انسان نہیں ہے۔۔۔۔۔ طالش سرکار!“ جوالا پروہت نے

آہستہ سے کہا۔ اور طالش نے مڑ کر تیز نظروں سے اسے گھورا۔ اور پھر ایک دم سے اچھل کر ہوا میں بلند ہو گیا۔ وہ زمین سے تقریباً چار فٹ بلند تھا۔

”بس ہادی!۔۔۔ اب تمہارا کھیل ختم۔۔۔ اب مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔“ اس نے تیز نظروں سے کہا اور جلدی سے کچھ پڑھنا شروع کر دیا۔ مگر اس سے پہلے وہ اپنا عمل مکمل کرتا۔ جواا پر وہ تیزی سے اٹھ کر اس کے سامنے جھک گیا۔

”طالش سرکار!۔۔۔ مجھے ایک موقع دیجئے۔ سونالی کے انڈے کے لیے میں نے بہت ریاضت کی ہے۔۔۔ صرف ایک موقع۔“

”تم کیا چاہتے ہو؟“ طالش کی آنکھوں میں غیض و غضب نمایاں تھا۔

”اس کو میرے حوالے کر دیجئے۔ پہلے میں اس سے وہ انڈہ حاصل



کروں گا اور پھر اپنے ہاتھوں سے اس ختم کر دوں گا۔“ جواا پر وہت  
نے باقاعدہ طور پر ہاتھ جوڑ دیے۔

ٹالش سرکار کے چہرے پر تذبذب کے آثار نمایاں ہو گئے۔ پھر اس  
نے ادھر ادھر اڑنا شروع کر دیا۔ چند لمحے اسی طرح ادھر ادھر جھومنے  
کے بعد وہ بولا۔

”ٹھیک ہے۔۔۔ میں اسے تمہا سے حوالے کرتا ہوں۔ مگر یاد رکھو  
۔۔۔ یہ ہادی ہے۔۔۔ اور اسے زیادہ مہلت دینا بہت مہنگا بھی پڑ  
سکتا ہے۔“ ٹالش سرکار نے تیز لہجے میں کہا۔ اور پھر جیسے بجلی چمکتی  
ہے اسی طرح ایک تیز چمک کے ساتھ وہ غائب ہو گیا۔

جواا پر وہت تیزی سے اٹھا اور پھر میری طرف منہ کرتے ہوئے  
بولا۔

”ہاں!۔۔۔ اب تم مجھے سونالی کا انڈہ دیتے ہو یا پھر میں تمہیں تکلیف

پہنچانے کا سامان کروں؟“

”بڑے شوق سے۔۔۔ مگر یاد رکھو۔۔۔ وہ انڈہ صرف میں ہی

حاصل کر سکتا ہو۔۔۔ کوئی اور نہیں۔ اور میں تمہیں ایسے ہرگز نہیں دوں

گا۔“ میں نے بڑے پر اعتماد لہجے میں جواب دیا۔

”ابھی دیکھ لیتے ہیں۔“ جوالا پروہت نے مکاری سے جواب دیا اور

پھر کچھ پڑھ کر ہوا میں پھونکا۔ میں ایک دم اس کا حملہ روکنے کے لیے

تیار ہو گیا مگر جو ہوا وہ بہت ہی عجیب تھا۔ جوالا پروہت کی پھونک

سے ایک چھوٹی سی مکھی نمودار ہوئی۔ اور ادھر ادھر اڑنے لگی۔ اس نے

مجھ پر حملہ کرنے کی ذرہ سی بھی کوشش نہیں کی۔ کچھ دیر تو میں بڑے محتاط

انداز میں اس کی طرف دیکھتا رہا اور جب اس نے کافی دیر تک حملہ نہیں

کیا تو بے اختیار ہنس دیا۔

”یہ کیا مذاق ہے۔۔۔ جوالا پروہت!۔۔۔ میں تو تمہیں بہت توپ چیز

سمجھا تھا۔“ میں نے اس کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا۔ مگر اگلے ہی لمحے وہ مکھی گولی کی سی رفتار سے میرے پر حملہ آور ہوئی اور اس سے پہلے کہ میں اس کو روک پاتا۔۔۔ اس نے تیزی سے میری گردن پر اپنا ڈنگ مارا اور دوبارہ ہوا میں بلند ہو گئی۔ ایک تیز چبھن نے مجھے آلیا۔ اس کے ساتھ ہی میرا سر چکرایا اور میں بے اختیار اپنی گردن پر ہاتھ رکھ کر بیٹھتا چلا گیا۔ اتنی دیر میں مکھی نے دو تین بار مزید ڈنگ مارا۔ اور پھر تو ڈنگ مارنے کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا۔ ہر ڈنگ سے میری تکلیف میں اضافہ ہو رہا تھا اور میں اسے روکنے میں ناکام تھا کیونکہ وہ بہت تیز رفتار تھی۔ میرے جسم کا رواں رواں جیسے پھوڑے کی مانند دکھ رہا تھا۔ میں نے آنکھیں بند کر کے روحانی پرواز کرنے کے کی کوشش کی مگر تکلیف کی شدت سے میں اپنی توجہ کو مرکوز نہ کر سکا۔ اور پھر میرے حلق سے بے اختیار چیخیں نکلتی شروع ہو گئی۔

جہاں جہاں وہ مکھی ڈنگ مار رہی تھی۔۔۔ وہاں کالے رنگ کے  
بڑے بڑے دھبے بن رہے تھے اور ان دھبوں سے اتنی شدید تکلیف  
ہو رہی تھی کہ میرے بیان سے باہر تھی۔ مکھی بار بار حملہ کر رہی تھی اور  
میرا جسم ان دھبوں سے بھر رہا تھا۔ پھر اچانک جواا پر وہت نے کچھ  
پڑھ کر پھونکا اور وہ مکھی غائب ہو گئی۔ میرا تکلیف سے بہت برا حال  
تھا۔ میں تقریباً نیم مردہ سا زمین پر بیٹھا ہوا تھا۔ اب تو چیخنے کی بھی  
طاقت باقی نہیں رہی تھی۔

”اب بھی وقت ہے سلیمان!۔۔۔ مجھے اس انڈے کے بارے  
میں بتا دو۔۔۔ ورنہ ساری زندگی یہ عذاب جھیلو گے۔“ جواا پر وہت  
نے۔ غاگانہ انداز میں پھنکارتے ہوئے کہا۔

”کبھی نہیں۔۔۔ کبھی نہیں۔۔۔“ تکلیف کی شدت کے باوجود میری

زبان سے یہی نکلا۔



”تمہاری مرضی۔“ جواا پر وہت نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا اور پھر اس نے زور سے تالی بجائی۔ ایک دروازے سے وہی خادمہ نمودار ہوئی جو ہمارے لیے مشروب لائی تھی اور جس کو پینے سے سیڑھا ابھی تک بے ہوش تھا۔

”اس کو اٹھا کر کالے کمرے میں لے چلو۔“ جواا پر وہت نے اسے حکم دیتے ہوئے کہا۔

اس خادمہ نے میری طرف دیکھا اور آگے بڑھ کر مجھے یوں دونوں ہاتھوں میں اٹھالیا جیسے میرا وجود روئی کا بنا ہوا ہو۔ اس کے چہرے سے ذرہ برابر بھی یہ احساس نہ تھا کہ اس نے اٹھارہ بیس سالہ نوجوان کو اٹھایا ہوا ہو۔ پھر وہ مجھے لیے ہوئے چند دروازوں سے گزرتی ہوئی ایک دروازے کے سامنے رک گئی۔ پھر اس نے کچھ پڑھ کر دروازے پر پھونکا اور دروازہ ایک جھٹکے سے کھل گیا۔ اس نے بے

دردی سے مجھے دروازے سے ہی اندر کی طرف اچھا ل دیا۔ میں زور سے نیچے گرا اور اس طرح گرنے سے میری تکلیف دو چند ہو گئی۔ مجھے اپنے پیچھے دروازہ بند ہونے کی آواز سنائی دی۔ یہ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا جس میں نہ ہونے کے برابر روشنی تھی۔ شاید اسی لیے اس کا نام کالا کمرہ رکھا ہوا تھا۔ اس کی دیواروں کا رنگ بھی کالا ہی تھا جو اس کی بیتنا کی میں اضافہ کر رہا تھا۔ اول سے مزید تاریک بنا رہا تھا۔ میرا جسم کسی پھوڑے کی طرح دکھ رہا تھا۔ اور اس تکلیف میں یہ کالا کمرہ مجھے بہت ہی ڈارونا لگ رہا تھا۔ اتنے میں مجھے جواا پر وہت کی آواز سنائی دی۔

”تم اس وقت تک یہاں رہو گے۔۔۔ جب تک تم مجھے اس انڈے کے بارے میں بتانے پر رضامند نہیں ہو جاتے۔ اب یہ تمہاری مرضی ہے کہ تم فوراً تیار ہو جاؤ۔۔۔ یا پھر۔۔۔ ساری زندگی اسی طرح

ایڑیاں رگڑ رگڑ کر اپنے جان دے دو۔۔۔۔۔ ایک بات یاد رکھو۔  
۔۔ اس کمرے میں تم میری مرضی کے بغیر مر بھی نہیں سکتے۔“ جوااا!  
پروہت نے بڑے۔۔ غا کا نہ انداز میں کہا اور پھر اس کے قبقبے گونجنے  
شروع ہو گئے۔ مجھے اس کے قبقبے اپنی سماعت سے گزر کر دماغ میں  
گھستے ہوئے محسوس ہوئے۔ میں نے محسوس کیا کہ جہاں جہاں پر اس  
مکھی نے ڈسہ تھا وہاں پر موجود سیاح وہجے بہت آہستہ آہستہ سائز میں  
بڑے ہوتے جا رہے تھے اور اسی رفتار سے ان کی تکلیف میں اضافہ  
بھی ہوتا جا رہا تھا۔ میں اس تکلیف کو برداشت کرنے کی اپنی پوری  
کوشش کر رہا تھا مگر یہ تھی کہ بڑھے جا رہی تھی اور میں مسلسل تڑپ رہا  
تھا۔ پھر پتہ نہیں کب قدرت کو مجھ پر رحم آ گیا کہ میں بے ہوش ہو گیا۔  
مجھے دوبارہ ہوش میں لانے والی چیز بھی وہی تکلیف ہی تھی۔ شاید  
میری قوت مدافعت جواب دے گئی تھی مگر کچھ دیر کی بے ہوشی کے بعد

مجھے پھر ہوش آگئی اور میری قوت مدافعت نے دوبارہ اس تکلیف سے اڑنا شروع کر دیا۔ یہ تکلیف مجھے ہلکان کیے جا رہی تھی۔ اتنی شدید جسمانی تکلیف میں نے اپنے جسم کے جلنے میں بھی محسوس نہ کی تھی۔ پتہ نہیں کتنی دیر تک میں اپنے آپ سے اڑتا رہا اور پھر میرے اعصاب جواب دینے لگے۔ میں نے بیجانی انداز میں چیخنا شروع کر دیا اور بس ایک ہی بات دوہراے جا رہا تھا۔

”میں تمہیں سب کچھ بتانے کے لیے تیار ہوں۔۔۔ خدا کے واسطے مجھے موت دے دو۔۔۔ یا اس تکلیف سے نجات دلا دو۔“

مگر دوسری طرف سے کوئی جواب نہ آیا اور پھر مجھ پر دوبارہ غنودگی چھا گئی۔ دوسری بار ہوش آیا تو میں نے اپنے آپ کو ایک کمرے میں پایا۔ یہ کمرہ اس کالے کمرے سے مختلف تھا۔ اس کی دیواروں پر سفید پینٹ تھا۔ اور حیرتناک بات یہ تھی کہ میری تکلیف ختم تو نہیں ہوئی تھی مگر



بہت حد تک کم ہو گئی تھی۔ میرے جسم پر وہ کالے دھبے جوں کے توں  
موجود تھے بلکہ مجھے کچھ اور بڑے محسوس ہو رہے تھے۔ اب نے  
دھبوں سے صرف ٹھیسیں اٹھ رہی تھیں۔ میں نے فوری طور پر روحانی  
پرواز کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ پھر ارتکاز توجہ سے سامنے پڑی میز کو  
ہلانے کی کوشش کی مگر اس میں بھی ناکام رہا۔۔۔ میری تمام قوتیں  
سلب ہو چکی تھیں۔ میری آنکھوں سے بے اختیار آنسو نکل آئے۔ پھر  
اچانک مجھے آیت کریمہ یاد آ گئی۔ ایک دم سے مجھے ایسا لگا جیسے  
تپتے صحرا میں دور پانی نظر آ گیا ہو۔ میں نے بڑے خشوع خضوع  
سے آیت کریمہ کا ورد شروع کیا۔ ابھی پہلی بار ہی آیت مکمل کی تھی کہ  
ایک تیز درد کی لہر نے مجھے ہلا دیا۔ ان کالے دھبوں سے پھر ویسی ہی  
تکلیف شروع ہو گئی تھی اور میرے منہ سے چیخیں نکھنا شروع ہو گئی۔  
اسی وقت اس کمرے کا اکلوتا دروازہ کھلا اور جوالا پروہت نمودار ہوا۔

اس نے میری حالت کو دیکھتے ہوئے فوری طور پر کچھ پڑھ کر مجھ پر پھونکا اور جیسے مجھے قرار آ گیا۔ درد ایک دم کھتم گیا اور پھر میں اسی مقام پر پہنچ گیا جس حالت میں میں نے آیت کریمہ کا ورد شروع کیا تھا۔ اس بار آیت کریمہ پڑھنے سے معاملہ الٹا ہو گیا تھا۔

”تم ہزار بار کوشش کر لو۔۔۔ اس درد سے نجات ممکن نہیں۔“ جوااا  
پروہت نے سفاکی سے قبقبہ لگاتے ہوئے فاتحانہ انداز میں کہا۔  
”تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ تم مجھے سونالی کے انڈے کا پتہ بتا دو۔“

میرے اعصاب چٹنے والے تھے۔ میں نے سچ بتانے کا فیصلہ کر لیا۔  
”وہ۔۔۔ وہ۔۔۔ زمین کی چوٹھی تہہ میں لوہے کی چٹانوں میں چھپایا ہے  
میں نے۔“ میں نے جلدی سے جواب دیا۔

”اس کو اوپر زمین پر لانے کے کیا طریقہ ہے؟“ جوااا پروہت نے

جلدی سے پوچھا۔

”مجھے نہیں پتہ۔“ میں نے سچ بولا

”دیکھو۔۔۔۔۔ اب اگر تم نے جھوٹ بولا یا پھر کوئی مکاری کی تو پھر

تمہیں واپس کالے کمرے میں ڈال کر میں بھول جاؤں گا۔“ جوااا

پروہت نے دھمکی آمیز لہجے میں کہا اور مجھے اپنے جسم میں جھرجھری

سے محسوس ہوئی۔ میں واقعی کمرے اور اس تکلیف سے بہت

خوفزدہ ہو گیا تھا۔

”خدا کے لیے۔۔۔ میری بات کا یقین کرو۔۔۔ میں سچ کہہ رہا

ہوں۔ ہم نے یہی فیصلہ کیا تھا کہ اس کو وہاں اس لیے رکھے گے

تا کہ تم اگر کسی طرح جان بھی جاؤ تو میری مدد کے بغیر اسے وہاں

سے نکال نہ سکو۔ یقین جانو۔۔۔ میں نے ابھی تک خود اس کو نکالنے

کا راستہ نہیں ڈھونڈا۔“ میں نے بے چارگی کے عالم میں التجاء

کرنے والے انداز میں کہا۔

”یہ تو بہت مشکل ہوگئی۔۔۔ جوااا پر وہت کے چہرے پر پریشانی

کے آثار نمودار ہو گئے۔“ کیا تم مجھے نقشہ بنا کر اس کے بارے میں

سمجھا سکتے ہو؟“ کچھ دیر سوچنے کے بعد اس نے اگلہ سوال کیا۔

”کیسا نقشہ۔۔۔ میں تو اپنی روحانی پرواز سے فوراً وہاں پہنچ جاتا

ہوں۔ مجھے اس کا اندازہ ہے مگر کوئی خاص رستہ وہاں نہیں جاتا۔“

میں بے چارگی سے جواب دیا۔ پھر بڑے خلوص سے بولا۔

”تم مجھے اس مصیبت سے نجات دلا دو۔۔۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ

چند دنوں میں ہی اسے واپس لے آؤں گا۔“ میں نے ان دھبوں کی

طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”یہی تو اصل مسئلہ ہے۔۔۔ جوااا پر وہت نے مٹھیاں پیختے ہوئے

کہنا شروع کیا ”اب تم کبھی بھی۔۔۔ میرا مطلب ہے۔۔۔ بقیہ کی



ساری زندگی۔۔ علم زوجیلہ استعمال نہیں کر سکتے۔ یہ مکھی میری ہی  
تخلیق کردہ مخلوق ہے جو ایک بار کاٹ لے تو سب سے پہلے انسانی  
دماغ کا وہ حصہ ختم کرتی ہے جس کا تعلق روحانی علوم سے ہے اور پھر  
آہستہ آہستہ بقیہ حصہ ختم ہوتا چلا جاتا ہے۔ اس کا ڈسہ زیادہ سے زیادہ  
تین ماہ تک زندہ رہ سکتا ہے اور وہ بھی اگر اس کو عارضی علاج ملتا رہے  
جو اس تکلیف کو ختم تو نہیں کرتا مگر مختصر وقت کے لیے کم کر دیتا ہے۔  
جیسا کہ میں نے ابھی تمہارے سے کیا ہے۔ یہ تکلیف وہ موت اب  
تمہارا مقدر بن چکی ہے۔۔۔ کاش۔۔۔ کاش۔۔۔ تم مجھے یہ تفصیل  
پہلے بتا دیتے تو میں شاید تم پر کوئی اور طریقہ استعمال کرتا۔“  
یہ تفصیل سن کر میرے دماغ میں گھنٹیاں بجنے لگیں۔ مجھے اپنا دل اور  
دماغ دونوں ڈوبتے محسوس ہونے لگے۔ اس ڈوبتے ذہن میں  
جواا پر وہت کے یہ فقرے پگھلائے ہوئے سیسے کی طرح اترتے

چلے گئے۔

”مجھے اب سونالی کے انڈے کو بھولنا ہوگا۔۔۔ اور تمہارے لیے بہتر  
اب یہی ہے کہ تم ہمیشہ کی نیند سو جاؤ۔۔۔ اور میں جانتا ہوں کہ تم  
میرا یہ احسان عالم ارواح میں بھی یاد رکھو گے۔“



**PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY**  
**[www.pdfbooksfree.pk](http://www.pdfbooksfree.pk)**

مجھے زندگی سے کبھی اتنا پیار نہیں رہا تھا۔ مگر اتنے سارے لوگ مجھے  
ہادی سمجھتے تھے تو مجھے بھی خود بخود اپنے آپ سے توقعات وابستہ ہو  
گئی تھیں۔ میرے بے ہوش ہونے میں سب سے زیادہ کردار اس خبر  
کا تھا کہ میں اب کبھی بھی روحانی پرواز نہ کر سکوں گا۔ میں تو یہاں نئے  
علوم سیکھنے آیا تھا مگر یہاں تو بچھلے علوم اور غیر مرئی قوتیں بھی کھو بیٹھا  
تھا۔ یہ صدمہ اس قدر شدید تھا کہ مہر از بن سن ہو گیا اور آخر کار میرے  
بے ہوش ہونے کا سبب بھی بنا۔ میں نے شاید ضرورت سے زیادہ ہی  
خود پہ اعتماد کرنا شروع کر دیا تھا ورنہ چا پڑ کی جادوگر نی نے تو مجھے  
شروع سے ہی خبردار کر دیا تھا کہ یہ سب کچھ جواا پر وہت کی چال  
ہے۔ وہ کسی بھی حالت میں مجھے وہ علوم نہیں سیکھائے گا جو خود اس کی  
اور طالش سرکار کی شکست یا موت کا باعث بن سکے۔ مگر مجھے خود پر  
ضرورت سے زیادہ ہی اعتماد تھا جو میں نے سوچا کہ میں جواا پر وہت

جیسے جادوگر کو اپنی بات ماننے پر مجبور کر دوں گا۔ میرا اندازہ غلط نکلا اور اس کے نتیجے میں میری حالت یہ ہو گئی کہ میں تمام روحانی قوتوں سے محروم کر دیا گیا۔ بقول جوالا پروہت میری موت میں زیادہ سے زیادہ تین ماہ کی مہلت مل سکتی ہے۔ اور وہ بھی ان تکالیف دہ دھبے نما زخموں کے ساتھ جو مجھے کسی بھی پل سانس نہیں لینے دیتے۔ میرے لیے یہ سب عمر کے اس حصے میں ہو رہا تھا جب کہ عام نو جوان کھیل کود میں مصروف ہوتے ہیں۔ شاید میرے اعصاب اتنے مضبوط نہ تھے کہ یہ سب کچھ آسانی سے سہہ جاتے۔

مجھے ہوش آیا تو میں پھر اسی کالے کمرے میں موجود تھا۔ جی ہاں!۔۔۔ میں زندہ تھا اور نہ کسی مردہ آدمی کو ہوش کب آتا ہے؟ میرا جسم تکالیف کی اس کیفیت کو محسوس کر رہا تھا کہ جو بیان سے باہر تھی۔ میرے جسم پر موجود دھبے نما زخم اب جسامت میں دو گئے ہو چکے



تھے۔ اتنی مناسبت کے ساتھ ان کی تکلیف بھی دوگنی ہو چکی تھی۔ مجھ میں چیخنے کی ہمت باقی نہ تھی۔ بس میرا جسم تڑپ رہا تھا۔ جھٹکے کھا رہا تھا اور میرے منہ سے جیسے جھاگ سی نکل رہی تھی۔ میرا جی شدت سے چاہ رہا تھا کہ مجھے بے شک موت آجائے بس کسی طرح اس تکلیف سے چھٹکارہ حاصل ہو جائے۔ مجھے موت اپنے زخموں کا علاج کے طور پر نظر آ رہی تھی۔ اس لیے اس کی شدت سے خواہش بھی پیدا ہو رہی تھی مگر عجب بے بسی تھی کہ میں مر بھی نہیں رہا تھا۔

پتہ نہیں کتنی صدیاں ایسے ہی گزر گئیں۔ میرے لیے ہر پل ایک صدی کے برابر تھا۔ اچانک کسی کو مجھ پر رحم آ گیا اور ایک دروازہ کھلا۔ پتہ نہیں کون آیا تھا۔ اس نے مجھے اٹھایا اور باہر نکال لایا۔ میں روشنی کی تاب نہیں لاسکا اس لیے فوراً آنکھیں بند کر لیں۔ مگر روشنی میری بند آنکھوں سے بھی اندر گھسی جا رہی تھی اور میرے دماغ کو چھلنی گئے

دے رہی تھی۔ پھر میری سماعت سے اس منحوس جوالا پروہت کی آواز ٹکرائی۔

”سلیمان!۔۔۔ میں تمہاری زندگی بچانے کی ایک کوشش کر سکتا ہوں مگر شرط یہ ہے کہ تم مجھے کسی طرح سونالی کے انڈے کا محل وقوع سمجھا دو۔ کچھ ایسی نشانیاں جن سے میں روحانی پرواز کرتا ہوا وہاں تک پہنچ سکوں۔ جیسے ہی میں وہاں پہنچ گیا۔ میں اپنی پوری کوشش کروں گا کہ تم کو دوبارہ صحت یاب کر سکوں۔“ جوالا پروہت کی آواز ہمیشہ کی طرح مکاری سے بھرپور تھی۔

مجھ میں جواب دینے کی ہمت نہ تھی۔ بس میں نے بے بس آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا۔ اس نے کمال مہربانی سے میرے اوپر کچھ پڑھ کر پھونکا اور میری جان اس تکلیف سے کچھ دیر کے لیے چھوٹ گئی۔ مجھے ایسے لگا جیسے میں گرمیوں کی سخت دھوپ میں اچانک ایک

گھنے درخت کی چھاؤں میں آگیا ہوں۔ میرے دل کی یہ شدید  
خواہش تھی کہ میری یہی حالت رہے اور میں دوبارہ کبھی اس تکلیف کو  
نہ چکھ سکوں جس کے بارے میں سوچنے سے بھی مجھے جھرجھریاں  
آنے لگتی تھیں۔ مگر یہ سب میرے بس میں نہیں تھا۔

”جواا! پروہت!۔۔۔ میں تمہیں تمام حقیقت واضح الفاظ میں بتا چکا  
ہوں۔ اگر تم کسی طرح میری لاش جانی پرواز واپس لوٹا سکو۔ تو میں تمہیں  
وہاں لے جاسکتا ہوں۔ مگر میرے پاس اس کی کوئی نشانی نہیں ہے۔  
اور تم نے مجھے قتل کیوں نہیں کیا۔ تم تو مجھ پر احسان کرنے والے  
تھے؟“ میں نے بڑے تلخ سے لہجے میں پوچھا۔

”تم ٹھیک کہتے ہو۔۔۔ مگر جیسا کہ تم جانتے ہو کہ وہ مکھی بھی میری ہی  
تخلیق ہے اس لیے میں اگر میں چاہوں تو اس کا علاج بھی ڈھونڈ سکتا  
ہوں۔ یہ بھی سچ ہے کہ ابھی تک اس کا کوئی علاج میرے پاس نہیں



ہے مگر میں کوشش کر کے کوئی نہ کوئی علاج ڈھونڈ لوں گا۔ مگر شرط یہی ہے کہ تم مجھے کسی نہ کسی طرح سونالی کے انڈے تک پہنچا دو۔“ جوااا پر وہت کے لہجے میں دھمکی سے زیادہ التجا تھی۔

”نہیں۔۔۔۔ تم مجھے بس موت دے دو۔“ میں نے دو ٹوک لہجے میں جواب دیا۔

”تمہاری یہ خواہش اتنی جلدی پوری نہیں ہوگئی۔“۔۔۔ جوااا پر وہت نے جل کر کہا۔ ”میں دیکھتا ہوں۔۔۔ تم کب تک مجھے سونالی کے انڈے تک نہیں پہنچاتے۔ ابھی تو اس تکلیف کا صرف آغاز ہے۔ آگے آگے دیکھو۔۔۔ تمہیں نانی یاد نہ آگئی تو مجھے جوااا پر وہت مت کہنا۔“

وہ اب دھمکیوں پر اتر آیا تھا۔ مگر جلد ہی اسے احساس ہو گیا کہ شاید اس طرح سے اسے کبھی بھی اس کا مطلوب نہیں مل سکتا۔



”دیکھو!۔۔۔ میں تمہیں ایک آسان موت دے سکتا ہوں۔۔۔ مگر

شرط یہی ہے کہ مجھے کسی طرح سونالی کے انڈے تک پہنچا دو۔“ جوااا!

پروہت نے پھر مکاری سے مجھے لالچ دیا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ اس وقت

مجھے شاید صحت مندی سے زیادہ موت کی خواہش تھی۔

”تم جو مرضی کہو یا کرو۔۔۔ میں نے سچ پہلے ہی تمہیں بتا دیا ہے۔

اب مزید بتانے کے لیے میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔“ میں نے

بے بسی سے کہا۔ اس کی باتوں سے مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کا میرا

علاج کرنے کا کوئی ارادہ نہیں بلکہ وہ صرف اور صرف سونالی کے

انڈے میں دلچسپی رکھتا تھا۔ اور شاید میرے ابھی تک زندہ رہنے کی

وجہ بھی یہی تھی ورنہ وہ شاید کب کا مجھے مار چکا ہوتا۔

”جیسے تمہاری مرضی۔“۔۔۔۔ جوااا! پروہت نے۔ غا کی سے کہا اور

زور سے تالی بجائی۔ وہی خادمہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی جو

پہلے بھی ایک بار مجھے اس کالے کمرے میں پھینک کر آئی تھی۔  
”اتے۔۔۔ اس کے خاص کمرے میں پہنچا دو۔“ جوالا پروہت نے  
طنز یہ انداز میں کہا۔ اور اس خادمہ نے پھر اسی طرح مجھے یوں اٹھالیا  
جیسے میں کوئی موم کا گڑا ہوں۔ تاہم اس بار اس نے مجھے اتنی بے  
دردی سے نہیں پھینکا۔ بلکہ جھک کر مجھے کالے کمرے کے فرش پر لٹا  
دیا۔ پھر وہ تیزی سے مڑی اور کمرے سے باہر چلی گئی۔ ایک جھٹکے سے  
کمرے کا اکلوتا دروازہ بند ہو گیا۔

میری تکلیف ابھی دھیمی ہی تھی۔ شاید جوالا پروہت کے عمل کا اثر ختم  
نہیں ہوا تھا۔ میں نے غور سے اپنے جسم کا جائزہ لیا۔ میرا جسم کوڑھ  
زدہ محسوس ہو رہا تھا۔ جسم پر موجود زیادہ تر گوشت گلنے کے عمل سے  
گزر رہا تھا۔ اور اس گلنے کی اکلوتی وجہ وہ کالے زخم تھے جو اب  
دھبوں سے زیادہ زخم کی شکل اختیار کرتے جا رہے تھے۔ پتہ نہیں وہ

کیسا زہر تھا جو اس چھوٹی سی مکھی نے میرے جسم میں داخل کر دیا تھا۔ مجھے اپنی حالت پر خود ہی رحم آرہا تھا۔ بے بسی کی انتہاء تھی کہ میں باوجود خواہش کے مر بھی نہیں سکتا تھا۔ مجھے قطعاً اندازہ نہیں تھا کہ کسی دشمن سے ٹکرانے کا انجام یہ بھی ہو سکتا ہے۔ لڑائی میں اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھنا مجھے کبھی اتنا مشکل کام نہیں لگا تھا مگر اب اس تکلیف نے میرے کل پرزے ہلا کر رکھ دیے تھے۔

میں انہی سوچوں میں غرطاں تھا کہ میری تکلیف دوبارہ شروع ہو گئی۔ شروع شروع میں تو میں نے کراہنا شروع کیا اور پھر باقاعدہ چیخنے لگا مگر کچھ ہی دیر میں میری چیخنے کی ہمت بھی نہ رہی۔ بس میرا جسم جھٹکے کھارہا تھا اور میرے منہ سے جھاگ سی نکلنے لگ گئی تھی۔ اس دردناک عذاب نے پھر سے میرے گرد پخے گاڑ لیے تھے۔ وقت پل پل کر کے گزرنے لگا مگر یہ میرے لیے صدیوں سے کم نہیں تھا۔ معلوم نہیں



کب تک میں نے یہ تکلیف برداشت کی اور پھر جیسے تکلیف اتنی زیادہ  
بڑھ گئی کہ میرے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت بھی مجھ سے چھن گئی۔ اور  
شاید اچھا ہی ہوا۔ مجھے اب کچھ سوچنے کی ضرورت نہ تھا بس تکلیف تھی  
اور میں۔ اور موت کا انتظار۔۔۔۔۔ جو نہیں آئی۔

جی ہاں!۔۔۔ مجھے پھر ایک بار ہوش آیا اور اس بار میں نے اپنے گرد  
چاپڑکی اور سیڈھا کود لکھا۔  
”سلیمان!۔۔۔ تم کیسے ہو۔۔۔ خدا کے لیے کچھ تو بولو۔“ سیڈھا  
نے رو دینے والے لہجے میں کہا۔

”ہوں۔۔۔ ہوں۔۔۔ ہوں۔۔۔“ میرے منہ سے بس اتنا ہی نکل  
سکا۔

”اس کی حالت بالکل ٹھیک نہیں ہے۔۔۔۔۔ سلیمان!۔۔۔ اپنے  
آپ کو سنبھالو۔۔۔ ہم جوااا پر وہت کی قید سے تمہیں چھڑاااے ہیں



مگر زندہ رہنے کے لیے تمہیں اپنے آپ سے اڑنا ہوگا۔ اپنے آپ کو  
سنجھا لو۔۔۔“ یہ آواز چاڑی جادوگرنی کی تھی جو مجھ پر جھکی ہوئی تھی۔  
اس کی آنکھوں میں عجیب سا ایک کرب تھا۔

ایک لمحے کے لیے مجھے حوصلہ سا ہوا کہ چلو میں کسی طرح جوالا پروہت  
کی قید سے بچ گیا۔ مگر پھر جیسے اس زخموں نے مجھے یاد دلایا کہ۔۔۔  
اب اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔۔۔ میرا مرض الاعلاج ہے۔ اگر اس  
کا علاج جوالا پروہت کے پاس نہیں تو یہ بے چارے اس کے شاگرد  
میری کیا مدد کر سکتے ہیں۔ اس خیال نے جیسے میری ہمت توڑ دی۔  
میں پھر سے اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھا۔

اور پھر جیسے اندھیری رات میں سورج کی کرن داخل ہوتی ہے یا جیسے  
سخت گرمی میں اچانک ایک بادل کا ٹکڑا سورج کے سامنے آ جاتا  
ہے۔۔۔ بالکل اسی طرح میری آنکھ کھلی اور میری تکلیف بھی بس

برائے نام ہی تھی۔ اور۔۔۔ اور۔۔۔ میرے سامنے۔۔۔ بالکل  
سامنے۔۔۔ ثانی بیٹھی تھی۔ جی ہاں!۔۔۔ وہی ثانی۔۔۔ جس نے  
میرے دل کی گہرائی کو چھولیا تھا۔۔۔ اس کے پیچھے سیڈھا اور چاڑی  
جادوگر بیٹھی تھی۔

میں نے دونوں ہاتھوں سے اپنی آنکھیں زور زور سے ملنا شروع  
کر دیں۔ مجھے لگ رہا تھا کہ شاید میں کوئی خواب دیکھ رہا ہوں۔ ورنہ  
ثانی۔۔۔ اور۔۔۔ یہاں۔

”تم اب کیسے ہو سلیمان!“ ثانی نے پوچھا۔ مگر پتہ نہیں کیوں مجھے  
اس کی آواز خالی خالی سے لگی۔ مگر میں اس پر توجہ نہ دے سکا کیونکہ  
مجھے یہ حیرت کھائے جا رہی تھی کہ وہ یہاں۔۔۔ افریقہ میں کہاں  
سے آگئی۔

”تم۔۔۔ تم۔۔۔ ثانی۔۔۔ تم یہاں کیسے؟“ میں نے حیرت کے

سمندر میں غوطہ زن ہوتے ہوئے پوچھا۔

”یہ لوگ مجھے یہاں لے کر آئے۔ انہوں نے مجھے تمہارا یہ حال بتایا

اور میں ان کے ساتھ چلی آئی۔“ ثانی نے سیڈھا اور چاڑی کی

طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

وہ لوگ ہماری زبان سے واقف نہ تھے اس لیے کچھ سمجھ نہ پا رہے تھے

کہ ہم آپس میں کیا باتیں کر رہے ہیں۔

”تم لوگوں کو ثانی کا پتہ کیسے چلا؟ میں نے کسی کو بھی ثانی کے

بارے میں نہیں بتایا۔۔۔ حتیٰ کہ سیڈھا تم کو بھی نہیں۔“ اب جیسے

میرے حواس کچھ بحال ہو گئے تھے اس لیے جتنا بھی سوچ رہا تھا مزید

حیران ہو رہا تھا۔

”تم ٹھیک کہتے ہو۔۔۔“ چاڑی نے آگے بڑھ کر جواب دیا۔

”تم اپنی جینے کی خواہش چھوڑ چکے ہو۔ ایسے میں تمہارا علاج ناممکن



ہے۔ میں نے اپنی عمل کے ذریعے تمہارے دماغ کی یادداشت کو ٹوٹا دیا۔  
تو مجھے ثانی ہی ایک ایسی ہستی محسوس ہوئی جو تمہارے اندر جینے کی  
خواہش پھر سے پیدا کر سکتی تھی۔ اس لیے میں نے تمہاری یادداشت  
کے سہارے ہی اس کا پتہ تلاش کیا۔ اور پھر سیڈھا اس کو یہاں لے  
آیا۔“ چاٹری نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔ اور میں حیرت کا بت بنا  
اس کو تکی جا رہا تھا۔

”دیکھو سلیمان!۔۔۔ ہمارے پاس وقت بہت کم ہے۔ میں نے بڑی  
مشکل سے یہ عمل معلوم کیا ہے جس سے میں تمہیں تھوڑی دیر کے لیے  
اس تکلیف سے چھٹکارا دلا سکتی ہوں۔ تم حوصلہ مت چھوڑو۔۔۔ ہم  
یقیناً اس کا کوئی نہ کوئی علاج نکال ہی لیں گے۔ مگر تمہاری ہمت بہت  
ضروری ہے۔“ چاٹری نے خلوص بھرے لہجے میں کہا۔

”مگر تم لوگ مجھے جوااا پر وہت کی قید سے کیسے نکالائے؟“ میں



ابھی تک حیرت زدہ تھا۔

”بہت لمبی کہانی ہے۔۔۔ بس یوں سمجھ لو کہ جوااا پر ویت کو ابھی تک

یہ معلوم نہیں ہو سکا ہے کہ میں (پاپڑی) تمہارا ساتھ دے رہی

ہوں۔ میں نے چکر چلا کر اسے تم کو مارنے سے روک رکھا ورنہ شاید

وہ بھی کا تمہیں ختم کر چکا ہوتا۔ اور پھر موقع تلاش کر کے میں تمہیں

وہاں سے لے اڑی۔“ پاپڑی نے مبہمی تفصیل بتاتے ہوئے

جواب دیا۔

”مسئلہ یہ نہیں ہے۔۔۔ مسئلہ اب یہ ہے کہ آگے کیا کریں۔ تمہاری

اس بیماری کا علاج کیسے ہو سکتا ہے۔“ سید خانے ابھکے ہوئے لہجے

میں ٹوکتے ہوئے کہا۔

”میری معلومات کے مطابق اس کا کوئی علاج نہیں ہے۔“ میں نے

یک دم بجھے ہوئے لہجے میں کہا۔

”تم ٹھیک کہتے ہو۔۔۔۔۔ یہ سولکھی مکھی کی کاٹ ہے جو بچھاڑو کا زہر خود بناتی ہے۔ اس زہر کی خاصیت ہی یہ ہے کہ اس کا علاج ابھی تک کسی کے پاس نہیں ہے۔ یہ آہستہ آہستہ انسانی جسم کو کھا جاتا ہے۔ شاید عام حالات میں۔۔۔۔۔ میں بھی اس کے علاج کا نہ سوچتی۔۔۔۔۔ مگر تم ہادی ہے۔۔۔۔۔ تم وہ ہو۔۔۔۔۔ جس نے سونالی کا انڈہ ڈھونڈ نکالا۔۔۔۔۔ تم اس کا علاج ضرور دے سکتے ہو“۔۔۔۔۔ چا پڑی نے پر جوش انداز میں کہا۔

”میں۔۔۔۔۔ میں۔۔۔۔۔ اس کا علاج کیسے کروں گا؟“ میں ایک دم چونک پڑا۔

”پتہ نہیں کیسے۔۔۔۔۔ لیکن میرا دل کہتا ہے کہ تم اس کا علاج نکال سکتے ہو۔۔۔۔۔ سوچو۔۔۔۔۔ اور وہ صلاحیتیں استعمال کرو۔۔۔۔۔ جن کی وجہ سے تم ہادی ہو۔“ چا پڑی نے الجھے ہوئے لہجے میں کہا۔

”تم کو شاید معلوم نہیں ہے۔۔۔ کہ میری تمام غیر مرئی قوتیں ختم ہو چکی ہیں۔ اب میں روحانی پرواز نہیں کر سکتا۔ ارتکاز توجہ سے کسی چیز کو نہیں اٹھا سکتا۔۔۔ ایسے میں اپنا علاج کیسے ڈھونڈو“۔۔۔ ایک بار پھر میرے لہجے میں مایوسی لوٹ آئی اور اس کے ساتھ ہی سیدھا اور چا پڑی کا چہرہ بجھ سا گیا۔

کچھ دیر ہم یونہی سر جھکائے افسردہ گی کا عالم میں بیٹھے رہے۔ اور پھر مجھے ثانی کا خیال آیا جو ہونکوں کے طرے ہماری طرف دیکھ رہی تھی۔ ظاہر ہے وہ افریقی زبان سے بے بہرہ تھی اس لیے سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ ہم کیا باتیں کر رہے تھے۔

”ثنائی!۔۔۔ چلو اچھا ہوا۔ تم سے ملاقات ہو گئی۔ مرنے سے

پہلے تم سے دو باتیں ہی کر سکوں گا۔“ میں نے مایوسی بھرے لہجے میں ثانی کو مخاطب کیا۔

”سلیمان!۔۔۔ کیا تم مسلمان ہو؟“ اچانک ثانی نے اونچی آواز میں سول کیا۔

میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ ثانی کی آنکھوں میں عجیب سا جوش تھا۔

”الحمد للہ۔۔۔ میں مسلمان ہوں۔۔۔ اور مرتے دم تک رہوں گا۔“

میں نے ٹھوس لہجے میں جواب دیا۔  
”تو۔۔۔ تمہارا یہ ایمان ہے۔۔۔ کہ مایوسی گناہ ہے؟۔۔۔ تمام بیماریاں خدا کی طرف سے ہوتی ہیں اور ان سے شفا بھی صرف خدا ہی دے سکتا ہے؟۔۔۔ بولو۔۔۔ جواب دو۔“ ثانی نے اسی طرح

پر جوش لہجے میں کہا اور میں چونک پڑا۔

ثانی نے ایک ایک لفظ سچ کہا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر مصیبت اور آرام، ہر دکھ اور ہر خوشی، ہر مرض اور اس کی شفاء۔۔۔



صرف خدا ہی کی طرف سے ہوتی ہے۔ انسان یا دوسرے جاندار تو صرف ایک وسیلہ ہوتے ہیں۔ اس لیے مایوسی کو گناہ قرار دیا گیا ہے۔ اگر اس خدا نے بیماری پیدا کی ہے تو اس کا علاج بھی ضرور ہوگا۔ اگر ہم خدا کے حضور گڑگڑا کر دعا کریں تو وہ یقیناً ہماری دعا سن سکتا ہے اور شفا بھی دے سکتا ہے۔ میرے اندر جیسے ایک نئی روح حلول کر گئی۔ میں ایک دم جیسا دوبارہ زندہ ہو گیا۔

”شانی!۔۔۔ تم ٹھیک کہتی ہو۔۔۔ میں واقعی گناہ کا مرتکب ہوا ہوں۔ مجھے مایوس نہیں ہونا چاہیے بلکہ اس خدا پر یقین رکھنا چاہیے جس نے یہ بیماری بھیجی ہے۔ وہ اگر چاہے تو اس کا علاج بھی کر سکتا ہے۔ خدا مجھے معاف کرے۔“ میں نے مضبوط لہجے میں کہا۔

میری یہ حالت دیکھ کر سیدھا اور پاپڑی کا چہرہ بھی کھل اٹھا۔ شانی کی آنکھوں میں بھی اس کی مخصوص شوخی جھلک آئی۔ پاپڑی کو شاید

میرے چہرے نے میرے دل کا حال بتا دیا۔

”مجھے خوشی ہے کہ تم نے اپنے آپ کو سنبھال لیا ہے۔ اب یقیناً تم اس

کا کوئی علاج بھی ڈھونڈ نکالو گے۔ میں اپنی طرف سے ہر ممکن مدد

کروں گی۔ ابھی کچھ دیر میں تمہاری تکلیف دوبارہ شروع ہو جائے

گی۔ تمہیں حوصلے سے کام لینا ہے۔ یہ عمل جو وقتی طور پر تمہاری

تکلیف کو ختم کرتا ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ اسے کم از کم دو گھنٹے

کے وقفے کے بعد کیا جائے ورنہ یہ بھی اپنی تاثیر کھو بیٹھے گا۔“ چا پڑی

نے خوش ہوتے ہوئے مجھے مزید تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

میں اپنے آپ میں گم تھا۔ اچانک مجھے اپنے بہت سے گناہ یاد آنے

لگ گئے تھے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ میں مسلمان ہوتے ہوئے غیر

مسلموں کے در پر سوالی بنا پھر رہا تھا۔ جب ایمان کی قوت میرے

پاس ہے اور مجھے معلوم ہے کہ ہر چیز خدا کی ہی طرف سے ہوتی ہے تو

مجھے صرف اسی سے مانگنا چاہیے۔ جبکہ میں کبھی سیڈھا اور کبھی جوااا!  
پروہت کے سامنے ہاتھ پھیلا رہا تھا۔ اچانک مجھے احساس ہوا کہ میرا  
ایمان بہت کمزور ہو چکا تھا اور ایسے میں ثانی ایک فرشتہ بن کر سامنے  
آئی تھی۔ بے اختیار میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اور میں نے تشکر  
آمیز لہجے میں ثانی کو مخاطب کیا۔

”ثانی!۔۔۔ میں تمہارا شکر یہ ادا کرنا چاہتا ہوں کہ تم نے اس نازک  
وقت پر جبکہ میں موت کے دابنے پر بیٹھا ہوں میرا ایمان بچانے میں  
میری مدد کی۔۔۔ اور میں خدا کا بھی شکر ادا کرنا چاہتا ہوں جس نے  
تمہارے ذریعے میرے ایمان کی دولت کو مجھ سے چھننے سے بچایا۔“  
میں نے جذباتی ہوتے ہوئے کہا۔ ”کیا مجھے جائے نماز مل سکتا ہے۔  
میں اس تکلیف کے شروع ہونے سے پہلے دو نفل شکرانے کے پڑھنا  
چاہتا ہوں۔ کیا پتہ پھر وقت ملے یا نہ“

یہ ایک جھونپڑی تھی اور ظاہری بات ہے کہ یہاں کوئی مسلمان نہیں رہتا تھا۔ اس لیے ثانی نے اٹھ کر ایک نسبتاً صاف چادر تلاش کی اور میری طرف بڑھا دی۔

”اگر آپ لوگوں کو تکلیف نہ ہو تو مجھے میرے رب کے ساتھ تھوڑی دیر کے لیے اکیلا چھوڑ دیں۔“ میں نے عاجزی سے درخواست کی۔ اور سب لوگ جھونپڑی سے باہر چلے گئے۔

میں نے ایک طرف پڑے ہوئے پانی کے گھڑے سے وضو کیا۔ پانی نے جیسے ہی میرے زخموں کو چھوا۔۔۔ وہ ظالم درد بھی جاگ اٹھا۔ مگر اب میں وہ سلیمان نہیں تھا جو فوری ہمت ہار دیتا۔ وضو کرنے کے بعد میں نے اندازے سے قبلہ رخ چادر بچھائی اور دو نفل کی نیت کر کے نماز میں کھڑا ہو گیا۔ آنکھیں بند کیں، دل ہی دل میں نماز پڑھنی شروع کی اور بالکل غیر شعوری طور پر قبلہ شریف کا تصور اپنے دماغ



میں جمانے لگا۔ تھوڑی سی کوشش کے بعد ہی قبلہ میرے سامنے تھا  
اور۔۔۔۔۔ پھر میری آنکھیں بھیک گئی۔ ٹپ ٹپ آنسو میری آنکھوں  
سے میری گالوں پر ٹپکنے لگے۔ میری تکلیف تیزی سے دوبارہ زور  
پکڑتی جا رہی تھی مگر مجھے جیسے اب اپنے جسم کی بھی ہوش نہیں تھی۔ بس  
خدا کا گھر میری آنکھوں کے سامنے تھا اور ندامت کے آنسو میری  
آنکھوں سے رواں تھے۔ یہ حالت ہی ایسی تھی کہ مجھے کسی بھی چیز کا  
ہوش نہیں تھا۔ اور شاید یہ اس حالت کا کمال تھا کہ مجھے اپنی تکلیف  
بہت کم محسوس ہو رہی تھی۔ میں نے اسی حالت میں دو نفل مکمل کیے۔  
اور سلام پھیرتے ہی تکلیف کی ایک تیز لہر میرے دل و دماغ کو  
چیرنے لگی۔ میں نڈھال سا سجدے کی حالت میں گر پڑا اور رو رو  
کر۔۔۔ خدا کا شکر ادا کرنے لگا کہ اس نے مجھے موت سے پہلے ایک  
گناہ سے بچا لیا۔ اور توبہ کا بھی موقع دے دیا۔ میں نے رو رو کر

اپنے لیے شفاء کی دعا مانگی۔ میں نے مانگا کہ اے خدا!۔۔۔ تو ہی  
تکلیف بھینے والا اور پھر شفاء دینے والا ہے۔ مجھے کسی جواا پر وہت  
کے پاس نہیں جانا۔۔۔ مجھے کسی اور جادوگر کے پاس نہیں جانا۔۔۔  
مجھے بس تیرے پاس آنا ہے۔۔۔ تو ہی مجھے شفاء دے۔۔۔ اور قوت  
دے کہ میں تیرا سونپا ہوا کام تیری ہی مدد کے ساتھ سرانجام دے  
سکوں۔ میرا تصور بندھا ہوا تھا کہ جیسے میرے سامنے میرا خدا ہے اور  
میں اس کے سامنے سجدے میں آرا یہ دعا مانگ رہا ہوں۔ اس تصور  
میں اتنا لطف تھا کہ میں اپنی ساری تکلیف بھول گیا۔ ایک لمحے کو یوں  
لگا جیسے میں نے روحانی پرواز کی ہو اور اپنا جسم چھوڑ دیا ہو اس لیے  
مجھے اپنے جسم کی تکلیف سے بھی نجات مل گئی اور ایک دم سے میرا  
رواں رواں سکون کی دولت سے مالا مال ہو گیا۔ اور دوسرے ہی لمحے  
ایک جھماکا ہوا۔

میں ایک سرسبز باغ میں کھڑا تھا اور میرے سامنے ایک بارش  
بزرگ سفید رنگ کے لباس میں ملبوس کھڑے تھے۔ ان کے چہرے  
پر عجیب سا نور تھا۔ ان کو دیکھنے سے ہی آنکھوں کو فرحت کا احساس ہو  
رہا تھا۔ اور میرے دل میں ایک عجیب سا احساس پیدا ہوا۔۔۔ جیسے  
۔۔۔ جیسے۔۔۔ میرا دل بھی خدا کو یاد کر رہا ہو۔

”سلیمان بیٹا!۔۔۔ تم بھٹک گئے تھے۔ دیکھو۔۔۔ کیسے خدا نے  
تمہاری راہنمائی فرمائی۔ دیکھو۔۔۔ وہ خدا کتنا رحیم ہے۔ خود ہی  
تمہیں ہدایت بخش دی۔ مگر یاد رکھو۔۔۔ وہ بڑا بے نیاز بھی ہے۔  
ضروری نہیں کہ ہر بار ایسا ہی ہو۔ تمہیں اب سنبھلنا ہوگا۔ خدا نے تمہیں  
وہ سب کچھ دیا ہے جس کی تمہیں اس دنیا میں ضرورت ہے۔ بس  
تمہیں اسے اپنی اندر تلاش کرنا ہے۔۔۔ یاد رکھو۔۔۔ اپنے اندر  
تلاش کرنا ہے۔۔۔ کسی جادوگر کے پاس نہیں۔۔۔ کسی جن وانس



کے پاس نہیں۔۔۔ اپنے اندر تلاش کرو۔۔۔ تمہیں خدا نے پیدائشی طور پر ارتکاز خیال کی وقوت عطاء کی ہے جو اس زمین پر پہلے کسی کو بھی نہیں ملی۔ بس اس کو استعمال کرنا سیکھو۔“ ان بزرگوں نے بڑے میٹھے لہجے میں مجھے مخاطب کرتے ہوئے نصیحت کی۔

میرا دل چاہ رہا تھا کہ میں بس انہیں تکتا رہوں۔۔۔ مگر مجھے احساس تھا کہ شاید یہ لمحات بہت قیمتی ہیں۔ اس لیے میں نے اپنے ذہن کو قابو میں کیا اور فوراً۔۔۔ سوالات سوچنے لگا۔ پہلا سوال جو میرے ذہن میں آیا وہ میری تکلیف کے بارے میں تھا۔

”بزرگ محترم!۔۔۔ میں اپنی جسمانی بیماری سے نجات کیسے حاصل کر سکتا ہوں؟ کیا اس کی کوئی دوا ہے؟“

بزرگ میری طرف دیکھ کر مسکرائے اور مجھے یوں لگا جیسے میرے سارے مسائل حل ہو گئے ہوں۔



”بیٹا!۔۔۔ اس کا علاج بھی انشاء اللہ تعالیٰ تم خود ہی کرو گے۔۔۔ ادھر

دیکھو میں تمہیں کچھ اشارہ دیتا ہوں“ انہوں نے مجھے ایک طرف

دیکھنے کا کہا۔ میرے لیے یہ بہت مشکل کام تھا میرا دل نہیں چاہ رہا تھا

کہ ان سے نظر ہٹاؤں مگر اس ڈر سے کہ کہیں وہ ناراض نہ ہو جائیں

میں نے بادل نخواستہ اس طرف دیکھا جدھر انہوں نے اشارہ کیا تھا

اور بے اختیار چونک پڑا۔ وہاں میں اپنے آپ کو دیکھ رہا تھا۔ میں

زمین پر پڑا ٹرپ رہا تھا۔ میرا جسم کالے دھبوں سے بھرا پڑا تھا اور

میں تکلیف کی شدت سے جھٹکے کھا رہا تھا۔

”ان زخموں پر غور کرو“۔۔۔ مجھے ان بزرگوں کی آواز ٹھنڈک بن کر

اپنے ذہن میں اترتی ہوئی محسوس ہوئی۔

میں نے غور سے ایک کالے دھبے کو دیکھا تو دوسرے ہی لمحے، میں

جیسے اس زخم کے اندر گھستا جا رہا تھا۔ میری نظر خوردبین بن گئی تھی اور

مجھے بہت سے کالے کالے جراثیم تیزی سے جسم کے خلیوں کو کھاتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔

”بیٹا!۔۔۔ اب ذرا اپنی ارتکاز کی قوت کو استعمال کرو۔۔۔ ان کو اس عمل سے منع کرو“ پھر وہی ٹھنڈی آواز میرے دماغ میں راحت کا احساس پیدا کر گئی۔ میں نے اپنی توجہ سے ان کالے جراثیموں کو ان خلیوں کو کھانے سے روکنا چاہا اور دوسرا لمحہ میرے لیے بھی حیرت بھرا تھا۔ وہ جراثیم باوجود کوشش کے میرے جسم کے خلیوں کو کھا نہیں پا رہے تھے۔ میں نے مزید آگے بڑھتے ہوئے ان کو جانے کی کوشش کی اور جتنے بھی کالے جراثیم میری توجہ میں تھے سب کے سب جل کر راکھ ہو گئے۔ میں ایک دم خوشی سے کھل اٹھا۔ پھر میں نے تیزی سے ان بزرگوں کی طرف دیکھا۔ وہ کھڑے محبت سے مسکرا رہے تھے۔ اچانک میرے ذہن میں یہ خیال پیدا ہوا کہ یہ بزرگ کون ہیں۔

”میں آپکا بہت شکر گزار ہو کہ آپ نے مجھے اس قوت سے روشناس کیا کہ میں کس طرح اپنا علاج کر سکتا ہوں۔ کیا میں جاننے کی سعادت حاصل کر سکتا ہوں کہ میں کن سے مخاطب ہوں؟“ میں نے بڑے ادب سے درخواست کی۔ ان کے چہرے پر ویسے ہی محبت بھری مسکراہٹ تھی اور پھر ان کا جسم ہوا میں تحلیل ہونے لگا اور اس کے ساتھ ہی ان کی آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔

”کیسے امتی ہو۔۔۔ جس کا کلمہ پڑھتے ہو۔۔۔ اے نہیں پہچانتے؟“

ایک تیز روشنی کا جھماکا ہوا اور میرا یہ تصور ٹوٹ گیا۔ میں اسی چادر پر گرا پڑا تھا۔ میرا جسم شدید تکلیف میں تھا مگر میرا دماغ کسی اور ہی حالت میں تھا۔ مجھے ایک ایسی بستی سے ملاقات کی سعادت حاصل ہوئی تھی کہ جس کا کلمہ کروڑوں مسلمان پڑھتے تھے۔ پیارے نبیؐ سے ملاقات



-- اتنا بڑا اعزاز مجھ خاکسار اور گناہ گار کے لیے۔۔۔ ایک

بہت بڑا احسان تھا۔ میری اوقات سے بہت بڑھ کر۔

بہت دیر تک میں اس لطیف کیفیت میں گھرا رہا۔ پتہ نہیں کیوں

مگر۔۔ اب مجھے اپنی تکلیف کا بالکل بھی احساس نہیں ہو رہا تھا۔ بس

دماغ جیسے بادلوں میں اڑ رہا تھا۔ اتنا بڑا اعزاز ملا تھا کہ مجھے سمجھ نہیں

آ رہی تھی کہ اپنے آپ کو سنبھالوں کیسے۔ کاش کہ یہ لمحات ختم نہ ہوتے

مگر مجھے واپس حقیقت کی دنیا میں آنا پڑا۔ جھونپڑی کا درازہ ایک بلکے

سے جھٹکنے سے کھلا تھا۔ اور ثانی اندر داخل ہو رہی تھی۔

اسی لمحے میں کسی خواب سے جاگ اٹھا۔ جسمانی تکلیف اتنی

شدت سے محسوس ہوئی کہ میری حلق سے بے اختیار پچھیں نکلنے لگیں۔

ثانی میری اس حالت پر ایک دم گھبرا گئی اور واپس باہر کو بھاگ پڑی۔

میرے جسم کی تکلیف میری برادشت سے باہر تھی یہی وجہ تھی کہ میں



اشعوری طور پر چیخنے پر مجبور تھا مگر یہ بھی ایک حقیقت تھی کہ ابھی کچھ دیر پہلے میں ایک ایسی کیفیت میں بیٹھا تھا کہ جس میں مجھے اپنی تکلیف کا احساس تک نہیں تھا۔ یہ سب کیا تھا۔ کیا حضورؐ کی خصوصی نظر نے کچھ دیر کے لیے مجھے اس تکلیف سے نجات دلائی تھی۔ مگر انہوں نے تو مجھے یہ بتایا تھا کہ میں اپنا علاج خود کر سکتا ہوں۔ مگر۔۔۔ کیسے۔۔۔ یہ تکلیف تو میری برداشت سے باہر تھی۔ میں اس سے کیسے نجات حاصل کروں کہ اپنے علاج پر توجہ دے سکوں۔ دراصل یہ تکلیف میرے خیالات کو مرکوز کرنے میں سب سے بڑی رکاوٹ تھی۔ اس کی موجودگی میں ارتکاز توجہ ناممکن محسوس ہوتی تھی اور بغیر ارتکاز توجہ کے میں نہ تو اپنی روحانی پرواز کر سکتا تھا اور نہ ہی اپنا علاج۔

پھر جیسے ٹھنڈی ہوا چلتی ہے۔ اسی طرح سے میرے دماغ میں ایک خیال آیا۔ شاید مجھے اسی امتحان سے گزرنا ہے۔ مجھے اسی تکلیف کی

موجودگی میں ارتکاز توجہ حاصل کرنا ہے۔ یہ ناممکن لگتا ہے مگر ہے نہیں  
کیونکہ میں نے ابھی ابھی اس کا عملی تجربہ کیا تھا اور میرے پیارے نبیؐ  
نے بھی مجھے یہی بتایا تھا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے خصوصی صلاحیتوں سے  
نوازا ہے جن کی مدد سے میں غیر معمولی ارتکاز توجہ حاصل کر سکتا  
ہوں۔

اس سوچ کے آتے ہی میں نے اپنی انتہائی کوشش سے اپنے ذہن میں  
قبلہ شریف کا تصور جمایا۔۔۔۔۔ کچھ ہی لمحوں میں مجھے قبلہ شریف  
بالکل سامنے نظر آنے لگا۔ پھر میں نے کوشش کی اور گنبد حضرا کا تصور  
تاکم کیا۔ جیسے ہی مجھے گنبد حضرا سامنے نظر آیا۔ میری آنکھیں اس  
احسان کو یاد کر کے چھلک پڑی کہ آقاؐ نے اس حال میں بھی مجھ گناہ  
گار کو یاد رکھا اور میری مدد کی۔ ان آنسوؤں نے میرے تصور کو اور  
مزید گہرائی دی اور تب مجھے احساس ہوا کہ میری جسمانی تکلیف بہت

ہی کم ہو گئی ہے۔ اب میں اسے برداشت کر پا رہا تھا۔ پھر میں نے روحانی پرواز کرنے کے کوشش کی مگر کوئی کامیابی نہیں مل سکی۔

کچھ دیر یونہی گنبد خضرا کے تصور باندھے ہوئے میں نے پھر ایک اور کوشش کی اور اس بار مجھے کامیابی نصیب ہوئی۔ ایک دم میری جسمانی تکلیف ختم ہو گئی اور میں اپنی روحانی آنکھ سے اپنے جسم کو دیکھ رہا تھا۔ میں نے وقت ضائع کیے بغیر فوری طور پر اپنے جسم پر موجود ایک زخم پر توجہ مرکوز کی اور اس کے ساتھ ہی میری نگاہ خوردبین کی طرح اس زخم کے اندر گھستی چلی گئی۔ پھر میں نے اپنی ارتکاز توجہ سے ان کالے جراثیموں کو جانا شروع کر دیا۔ پتہ نہیں کتنی دیر تک میں اس ایک زخم پر توجہ مرکوز کیے ان کو جلاتا رہا اور پھر میری ارتکاز توجہ منتشر ہو گئی۔ ایک جھٹکے سے میری آنکھ کھل گئی۔

درد کی تیز لہر نے مجھے ہلا ڈالا۔ میں اپنی انتہائی قوت برداشت کو استعمال



کرتے ہوئے اپنے آپ کو چیخنے سے روک رہا تھا۔ میرے بالکل  
سامنے ثانی بیٹھی تھی اور شاید کسی کپڑے سے میرا چہرہ صاف کر رہی  
تھی۔ تب ہی مجھ پر انکشاف ہوا کہ میرا سارے کا سارا جسم پسینے میں  
شرا بور تھا۔ شاید جس شدید ذہنی مشقت سے میں گزرا تھا اس کا اثر  
میرے جسم پر بھی ہوا تھا۔ اور تب مجھے احساس ہوا کہ میری ارتکاز توجہ  
میں خلل ڈالنے والی چیز یہی ثانی کا کپڑا تھا جس نے جب میرے جسم  
کو مس کیا تو میرا ارتکاز ٹوٹ گیا۔

”بس کرو۔۔۔ میں ٹھیک ہوں۔“ میں نے ہونٹ کاٹتے ہوئے ثانی  
کو منع کیا۔ اور پھر جیسے ہی میری توجہ پاس کھڑے سیڈھا پر پڑی تو  
میں چونک پڑا۔ وہ آنکھیں پھاڑے میری ٹانگ کی طرف دیکھ رہا  
تھا۔ میں نے اس کی نظروں کا پیچھا کیا تو یہ دیکھ کر اچھل پڑا کہ میری  
ٹانگ کا ایک زخم آدھے سے زیادہ بھر چکا تھا۔ اور یہ آدھا زخم باقی



زخموں میں کافی نمایاں ہو گیا تھا۔ خوشی کی ایک لہر میرے رگ و روپ میں دھوڑ گئی۔

ثانی پیچھے ہٹ گئی تھی اور سیڈھانے باہر کی طرف قدم بڑھا دیے تھے۔ جبکہ میں نے پھر آنکھیں بند کر کے گنبد حضرا کا تصور قائم کرنا شروع کر دیا۔ کچھ ہی لمحوں کے بعد میں جیسے حضورؐ کے روضہ اقدس کے سامنے کھڑا تھا۔ اور پھر میں نے اپنے آپ کو روضہ مبارک کی جالیوں سے مس ہوتے ہوئے محسوس کیا۔ یہ تصور اتنا خوش کن تھا کہ میں اپنی جسمانی تکالیف مکمل طور پر بھول گیا۔

کچھ دیر بعد مجھے اپنے علاج کا خیال آیا اور پھر میں نے روحانی پرواز کی۔ اس بار میں پہلی ہی کوشش میں کامیاب رہا اور میں اسی آدھے بھرے زخم پر توجہ گاڑ دی۔ کچھ دیر مسلسل ان کالے جراثیموں کو جانے کے بعد وہ زخم ان کالے جراثیموں سے پاک ہو چکا تھا۔ اب میرے

جسمانی خلیے تیزی سے تعمیر کا کام کر رہے تھے۔ اور باقی کا آدھا زخم بھی تیزی سے بھر رہا تھا۔ اتنے میں، میں نے ایک اور زخم کو ٹارگٹ بنالیا۔ کچھ دیر کے بعد وہ زخم بھی ان کالے جراثیموں سے پاک ہو چکا تھا۔ اسی طرح میں نے اپنی دائیں ٹانگ پر موجود سارے کے سارے زخموں کو ان جراثیموں سے پاک کروا لیا۔ پھر تھکاوٹ کے احساس کی وجہ سے میں نے فہم سانس لینے کا ارادہ کیا اور اپنی پرواز ختم کر دی۔

جیسے ہی میں نے آنکھیں کھولیں۔۔۔ میرے بالکل سامنے چاڑی اور سیڈھا بیٹھے بغور میری ٹانگ کو دیکھ رہے تھے۔ مجھے آنکھیں کھولتے دیکھ کر وہ ایک دم چونک پڑے۔ میں نے محسوس کیا کہ میری جسمانی تکلیف میں کسی حد تک کمی واقع ہوئی تھی۔ ابھی میں جسمانی تکلیف کو برداشت کرتے ہوئے بات کرنے کا حوصلہ پیدا کر رہی رہا تھا کہ

چاپڑی نے کچھ پڑھ کر مجھ پر پھونکا اور ایک دم تکلیف بہت کم ہو گئی۔ شاید اس نے وہی عمل کیا تھا جس سے کچھ دیر کے لئے اس تکلیف سے نجات مل سکتی تھی۔

”یہ۔۔۔۔۔ یہ۔۔۔۔۔ تم نے کیسے کیا؟“ چاپڑی نے حیرت ناک لہجے میں پوچھا۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹنے کے قریب تھیں۔ ”میں نے اپنی ساری زندگی میں ایسا منظر نہیں دیکھا“

”بس یہ میرے خدا کا احسان ہے اور حضورؐ کی نگاہ کرم۔“ میں نے عاجزی سے جواب دیا اور وہ ہونکوں کی طرح مجھے دیکھنے لگے۔

”میں کچھ سمجھی نہیں۔“ چاپڑی نے الجھے ہوئے لہجے میں کہا

پھر میں نے ان کو بتایا کہ کس طرح میرے پیارے نبیؐ نے مجھے ملاقات کا شرف بخشا اور مجھے ان زخموں کے علاج کا طریقہ سمجھایا۔

”یہ تمہارے نبیؐ تو بہت طاقتور انسان ہیں۔ میں نے آج تک



کسی انسان کو اس زہر کا توڑ کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔“ چاڑی ابھی بھی حیرت زدہ تھی۔ ”مجھے ان کے بارے میں اور بھی کچھ بتاؤ۔“ میں نے اسے پیارے نبیؐ اور اسلام کے بارے میں بتایا۔ وہ اور سیڑھا دونوں ہی بہت مرعوب لگ رہے تھے۔

”تم بہت ہی خوش قسمت ہو۔۔۔ اور اب مجھے یقین ہو چلا ہے کہ زبام بادشاہ کے آخری دن قریب ہیں۔“ چاڑی نے پر جوش لہجے میں کہا۔

میں کم و بیش ایک ہفتہ تک اپنا علاج اسی طرح کیا۔ شروع کے دنوں میں جب تکایف بہت زیادہ تھی، مجھے ارتکاز توجہ کے لیے روضہ، رسول یا پھر قبلہ شریف کا تصور قائم کرنا پڑتا تھا مگر جیسے جیسے مجھے اس مرض سے نجات مل رہی تھی میری ارتکاز توجہ کی قوت میں بھی اضافہ ہو رہا تھا۔ اور چند دنوں میں ہی فوری طور پر اس پر اپنی توجہ مرکوز



کرنے میں کامیاب ہو جاتا تھا۔ الغرض ایک ہفتہ میں مکمل صحت  
یاب ہو چکا تھا۔ اور میری روحانی پرواز کی صلاحیت بھی لوٹ آئی تھی۔  
چاپڑی ہمارے پاس زیادہ نہیں آتی تھی کیونکہ اسے شک تھا کہ جواا  
پروہت کہیں اس پر شک نہ کرنے لگے۔ اس نے یہ جھونپڑی جو سیڈھا  
کی تھی پر کوئی عمل کیا تھا جس سے یہ جواا پروہت اور اس کے دوسرے  
شیطانوں کی نظروں سے اوجھل تھی۔ بقول اس کے، جب بھی کوئی  
اس طرف رخ کرے گا تو اسے یوں ہی نظر آئے گا کہ جیسے یہ جھونپڑی  
ہفتوں سے خالی پڑی ہوئی ہے۔ ویسے بھی جواا پروہت یہ سوچ بھی  
نہیں سکتا تھا کہ اس سے چھپنے کے لیے سیڈھا اور میں اسی جھونپڑی  
میں پناہ لیں گے۔

مجھے معلوم تھا کہ ایسا زیادہ دنوں تک نہیں چل سکے گا اس لیے میں نے  
اپنی مکمل توجہ اپنے علاج پر ہی رکھی تھی۔ اور اب جب کہ مجھے اللہ تعالیٰ

نے صحت عطاء کی تھی تو اب میں اور باتوں کی طرف سوچنے لگا تھا۔  
جیسے یہ کہ حضورؐ نے فرمایا تھا کہ مجھے اپنی طاقتوں کو اپنے اندر ہی تلاش  
کرنا ہے۔ اس کا مطلب تھا کہ مجھے کسی کے پیچھے جانے کی ضرورت  
نہیں تھی۔ کوئی مجھے وہ کچھ ہی سیکھا سکتا تھا جو وہ جانتا تھا مگر وہ قوتیں  
جو مجھے خدا نے خصوصی طور پر عطاء کیں تھیں۔۔۔ وہ صرف مجھے ہی  
تلاش کرنی تھی اور وہ بھی اپنے آپ میں۔

اسی اثناء میں، میں نے ثانی کو واپس بجھوا دیا تھا۔ کیونکہ یہ مناسب  
نہیں تھا کہ وہ یہاں رہتی۔ میرے اندر ایک اور نمایاں تبدیلی یہ آئی  
تھی کہ میں نے پھر سے نماز کی پابندی شروع کر دی تھی۔

اب میرا زیادہ تر وقت سوچنے میں اور روحانی پرواز سے کائنات  
کے مشاہدے میں گزر رہا تھا۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ جس طرح  
میں نے اپنے علاج کے لیے اپنے زخموں پر توجہ مرکوز کی تھی اگر اسی

طرح میں کائنات میں موجود کسی بھی چیز پر توجہ مرکوز کرتا تھا تو میری آنکھیں بہت کچھ دکھا دیتی تھیں جن میں سے اکثر کی مجھے سمجھ نہیں آتی تھی۔ جیسے ایک دن میں نے خلاء میں اپنی زمین پر بہت غور سے دیکھا تو مجھے بہت سی روشنیاں آسمان سے نکل کر زمین پر جاتیں ہوئی محسوس ہوئیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ جیسے وہ روشنیاں ہی وجود زندگی کا باعث ہیں کیونکہ انسان اور دیگر جاندار ان روشنیوں کو اپنے اندر جذب کر رہے تھے۔ میں نے یہ بھی محسوس کیا کہ انسان کے گرد بھی روشنی کے مختلف ہالے بنے ہوئے ہوتے ہیں۔ اکثر انسانوں کے گرد نارنجی رنگ کی روشنیوں کا ہالہ تھا مگر کچھ کے گرد نیلی اور گلابی روشنیوں کے ہالے بھی دیکھے۔ مزید غور کرنے پر مجھ پر انکشاف ہوا کہ وہ انسان جن کے پاس روحانی طاقتیں ہوتی ہیں ان کے گرد عموماً نیلی روشنی کا ہالہ ہی نظر آتا ہے جیسے خود میرے جسم کے



گُرد، چا پڑ کی اور سیڈھا کے جسموں پر بھی یہ ہی حالہ نمایاں تھا۔ میں انہیں مشاہدوں میں مصروف تھا کہ ایک دن چا پڑ کی پریشانی کے عالم میں میرے پاس آئی۔

”سلیمان!۔۔۔ اب تمہیں یہاں سے نکلنا ہوگا۔ کیونکہ ہولو کا انتخاب شروع ہونے والا ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ اس بار ہولو کہیں اس طرف نہ نکل آئے۔“ چا پڑ کی نے سخت پریشانی کے عالم میں کہا۔

”یہ تم کیا کہہ رہی ہو۔۔۔ یہ ہولو کون ہے اور یہ کس چیز کا انتخاب شروع ہونے والا ہے؟“ میں نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے اس سے پوچھا۔

”تم ہولو کو نہیں جانتے؟“ چا پڑ کی نے عجیب سے لہجے میں مجھے سے پوچھا۔ ”ہولو ایک جن ہے جو طالش سرکار کا رشتہ دار ہے۔ طالش سرکار نے اسے ژبام بادشاہ کے ہاں نئے جادوئی علوم



کی تحقیق کے شعبہ کا انچارج مقرر کیا ہوا ہے۔ اور وہ ہر دو سال کے بعد ساری دنیا کا چکر لگا کر اپنے پسند کی جگہوں کا انتخاب کرتا ہے۔ اور پھر سرکاری فوج ان جگہوں پر قابض ہو جاتی ہے۔ اگر وہاں کوئی آبادی ہو تو انہیں یا تو مار دیا جاتا ہے یا پھر بھگا دیا جاتا ہے۔ عموماً ہولو جن کو ویرانے ہی پسند آتے ہیں جیسے یہ چھوٹا سا جزیرہ اور یہ جھونپڑی۔“

”اچھا۔۔۔ تو یہ بات ہے۔۔۔ مگر وہ اگر یہاں آ بھی گیا تو۔۔۔“ اسے تو یہ جھونپڑی خالی ہی نظر آئے گی۔“ میں نے الجھے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

”نہیں۔۔۔ ایسا نہیں ہے۔۔۔ اس کے ساتھ جادوگر انسانوں کی ایک مکمل جماعت ہوتی ہے جو ہر اس جگہ کی مکمل چھان بین کرتی جس پر ہولو جن ایک نگاہ بھی ڈال لے۔ اور ان جادوگر انسانوں سے یہ

نظر بندی چھپ نہیں سکتی۔ کیونکہ وہ سب سے پہلے اسی نظر بندی کا ہی  
توڑ کرتے ہیں۔“ چا پڑی نے اسی طرح پریشان لہجے میں کہا۔  
”ہوں۔۔۔۔۔ ٹھیک ہے۔۔۔ میں یہاں سے چلنا چاہیے۔۔۔۔۔  
ویسے بھی۔۔۔ مجھے اب یہاں رہنے کی ضرورت نہیں ہے۔۔۔“  
میں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا اور پھر ایک خیال سے چونک پڑا۔  
”تم نے بتایا۔۔۔ کہ یہ بولو جن جس جگہ کو پسند کرتا ہے وہاں سے  
آبادی کو یا تو بھگا دیا جاتا ہے یا پھر مار دیا جاتا ہے۔۔۔۔۔ کیا کبھی ایسا  
بھی ہوا ہے کہ اس نے عام انسانوں کی بستی کو پسند کیا ہو؟“ میں نے  
سوال کیا۔

”ہاں!۔۔۔ ہر بار کم از کم ایک انسانوں کی بستی ضرور اس کی نگاہ  
انتخاب کے زیر اثر آتی ہے۔“ چا پڑی نے سکون کا سانس لیتے  
ہوئے کہا۔ اسے شاید میرا یہاں سے جانے کا فیصلہ اچھا لگا تھا۔

”پھر۔۔۔۔ وہاں سے انسانوں کو وہ کیسے بھگاتا ہے۔۔۔۔ مجھے تو یاد نہیں کہ میں نے کبھی سنا ہو کہ کسی شہر یا گاؤں پر جنات یا جادوگروں نے قبضہ کر لیا ہو“ میں نے چونک کر پوچھا۔

”ایسے صورت میں۔۔۔ وہ جادوگر انسانوں کی جماعت وہاں پر قدرتی آفات پیدا کر دیتی ہے۔ جیسے طوفان، زلزلہ، یا پھر کوئی جان لیوا وباء۔ اس طرح وہاں موجود انسانوں کو یا تو ختم کر دیا جاتا ہے یا پھر نقل مکانی پر مجبور کر دیا جاتا ہے۔“ چاڑی نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

”مگر یہ تو ظلم ہے۔“ میں نے بے چینی سے کہا۔  
”ہاں۔۔۔ یہ ظلم ہے۔۔۔ مگر تم ابھی ثبام شہنشاہ کو جانتے ہی کہا ہو۔۔۔ یہ تو اس کے لیے بہت ہی معمولی بات ہے۔“ چاڑی نے افسردہ لہجے میں جواب دیا۔

”ہوں۔۔۔ میں اس کے بارے میں مزید جاننا چاہتا ہوں۔“ میں

نے قدرے بے چینی سے مزید معلومات کے لیے اصرار کیا۔

”تم اگر اس کے ظلم کا تماشا دیکھنا چاہتے ہو۔۔۔ تو اس بار اس کی

سالگرہ کی تقریب کا حال ضرور جاننے کی کوشش کرنا۔۔۔ وہ ایک سو

بے گناہ انسانوں کو اپنے ہاتھ سے قتل کر کے ان کے خون سے غسل

کرتا ہے۔ اس کے بقول یہ عمل اس کے اقتدار کو ایک سال مزید بڑھا

دیتا ہے۔ اور طالش سرکار ان انسانوں کا انتخاب اپنے ایک خاص

عمل سے کرتا ہے جس میں ان افراد کی نشاندہی کی جاتی ہے جن کی

قربانی ثبام شہنشاہ کے اقتدار کو تقویت دینے کے کام آ سکتی ہے۔

“ چا پڑی جادوگر نے تفصیل بتاتے ہوئے بتایا۔

”یہ تو بہت ظلم کی بات ہے۔۔۔ مگر کوئی اسے روکتا نہیں ہے؟ میرا

خیال ہے کہ اس کی حکومت میں اچھے اور برے سب ہی لوگ ہوں



گے۔ کیا اچھے لوگ اس کو اچھے مشورے نہیں دیتے؟ اور وہ لوگ جن کے ساتھ ظلم ہوتا ہے وہ اس کے خلاف اٹھ کھڑے کیوں نہیں ہوتے؟“ میں نے کچھ سوچ کر پوچھا۔

”تم کو تو ریاست سولومن کے بارے میں بہت ہی کم معلومات ہیں۔“ چاٹری نے اس بار قدرے حیرت سے کہا۔ ”تھام بادشاہ نے اپنے اقتدار کو قائم رکھنے کے لیے کچھ اصول بنائے ہوئے ہیں۔ ان میں سب سے پہلا یہ ہے کہ کوئی بھی جن وانس بادشاہ وقت کے خلاف بات نہیں کر سکتا۔ حکومتی جاسوس ہر طرف بکھرے پڑے ہیں۔ اگر کوئی بھی بادشاہ یا حکومت وقت کے خلاف بات کرتا ہے تو چند دنوں بعد ہی اس کے مرنے کی خبر آرہی ہوتی ہے۔ اس طرح تمام بڑی طاقتوں کے حامل جن وانس خصوصی طور پر ان جاسوسوں کی نگرانی میں ہوتے ہیں۔ کیونکہ یہ حکومت بازور

طاقت قائم ہوتی ہے اس لیے اس کے اختتام کے لیے بھی طاقتور  
جن و انس کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لیے زبام شہنشاہ نے طالش  
سرکار کی مدد سے ایک ایسا جاسوسی کا نظام ترتیب دیا ہے جو ایسے تمام  
انسانوں اور جنوں کی نگرانی کرتا ہے جو کسی بھی طرح اتنی طاقت  
حاصل کر لیتے ہیں کہ حکومت کے لیے خطرے کا باعث بن سکیں۔“  
”کیا۔۔۔ کوئی تمہاری نگرانی نہیں کرتا؟“ میں نے ایک خیال کے  
تحت پوچھ لیا۔

چاپڑی جادوگر نی مسکرائی۔۔۔ پھر کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد  
بولی۔

”میں اس نظام میں۔۔۔ جنوبی سواوسن کی انچارج ہوں۔“  
”کیا؟“۔۔۔ میں اچھل پڑا۔

”بس۔۔۔ اب بہت باتیں ہو گئیں ہیں۔۔۔ تم مجھے بتاؤ۔۔۔ تم

کہاں جانا چاہتے ہو۔۔۔ میں تمہیں وہاں پہنچانے کا انتظام کر دیتی ہوں۔“ چاٹری نے جلدی سے موضوع تبدیل کر دیا۔  
میں جواب بھی تک چاٹری کی حقیقت پر حیران ہو رہا۔۔۔ اس کے  
نئے سوال پر چونک پڑا۔

مجھے کہاں جانا چاہیے؟۔۔۔ یقیناً اب یہاں رہنا بلکہ افریقہ میں بھی  
رہنا بے کار تھا۔۔۔ پھر اچانک مجھے یاد آیا کہ ایک تعویذ جو میرے  
بازو پر بندھا ہوتا تھا۔۔۔ وہ اب میرے پاس نہیں تھا۔ شاید جواا!  
پروہت نے اسے اتار لیا تھا۔ اس کے بغیر تلاش جن آسانی سے  
مجھے تلاش کر سکتا تھا۔ مجھے کہاں جانا تھا۔۔۔ یہ میرے لیے اتنا اہم  
سوال نہیں تھا جتنا اہم یہ سوال کہ مجھے وہ تعویذ کہاں سے ملے گا۔  
”چاٹری!۔۔۔ تم میرے جانے کے فکر نہ کرو۔۔۔ میں خود چلا  
جاؤں گا۔۔۔ بس اگر ہو سکے تو میرا ایک کام کر دو۔۔۔ ایک تعویذ



تھا میرے بازو پر۔۔۔ مجھے شک ہے کہ جواا پر وہت نے وہ اتار لیا ہے۔ مجھے اس کی اشد ضرورت ہے۔ اگر ہو سکے تو وہ کسی طرح حاصل کر کے مجھے دلا دو۔“ میں نے کچھ سوچ کر چاڑی کو اس کے بارے میں بتانا ہی مناسب سمجھا۔ اگر وہ مجھے جواا پر وہت کی قید سے نکال سکتی تھی تو یقیناً اس تعویذ کو بھی نکال سکتی تھی۔

”وہ تعویذ۔۔۔ جواا پر وہت نے نہیں۔۔۔ میں نے اتارا تھا۔۔۔ کیونکہ اس کی موجودگی میں۔۔۔ میرا نظر بندی کا عمل کام نہیں کر رہا تھا۔“ چاڑی کے جواب نے مجھے ایک بار پھر چونکنے پر مجبور کر دیا۔

”یہ تو اچھا ہوا۔۔۔ وہ تعویذ کہاں ہے؟“ میں نے خوش ہوتے ہوئے پوچھا۔

”سیڈھا کے پاس۔۔۔ میں اس کے ہاتھ بھیجتی ہو۔۔۔ تم شام سے پہلے ہی نکل جانا۔۔۔ میری معلومات کے مطابق۔۔۔ ہو لو



جن نے آج رات کو ٹھکنا ہے اور اس نے ابتداء جنوبی سولومن یعنی  
افریقہ سے ہی کرنی ہے۔“ چا پڑی نے اٹھتے ہوئے کہا۔ اور پھر وہ  
باہر کو چل پڑی۔ میں نے پہلی بار غور کیا کہ اس کی چال میں بڑھا پے  
کا کوئی عنصر تک نہ تھا۔ وہ نوجوان عورتوں کی طرح چست و چوکنا تھی  
مگر اس کا چہرہ اس پر بیتے ہوئے سالوں کا حال سناتا تھا۔ اچانک  
مجھے وہ عورت یاد آگئی جس نے آخری مرتبہ مجھے اس کالے کمرے  
میں چھوڑا تھا۔ اس کی چال اور چا پڑی کی چال میں بہت مماثلت  
تھی۔

دروازے پر پہنچ کر اس نے اچانک کسی خیال سے چونکتے ہوئے مڑ  
کر کہا۔

”تمہارے لیے ایک اچھی خبر ہے۔“ اس کے لہجہ میں خوشی تھی  
”جوا! پروہت اب تمہارے راستے میں روکاوٹ نہیں بن سکتا“



میں نے جلدی سے وہ تعویذ اپنے بازو پر باندھ لیا۔

”مجھے اب افریقہ چھوڑنا ہو گا دوست۔۔۔“ میں نے اس کو اپنے

پر وگرام سے آگاہ کیا۔

”تمہیں۔۔۔ یا ہمیں؟“ سیڈھانے چونک کر پوچھا اور میں بھی

چونک پڑا۔

”دیکھو سیڈھا۔۔۔ میری زندگی مشکلات سے پر ہے۔۔۔ تم پہلے

ہی بہت مشکلات کا شکار ہو چکے ہو۔۔۔ میں مزید تمہیں مشکلات کا

شکار نہیں کرنا چاہتا۔“ میں نے نرمی سے اسے سمجھایا۔

”پتہ نہیں تم ایسی باتیں کیوں کرتے ہو۔ میں اب جو الابی کی نظروں

میں تمہارا ساتھی ہوں۔۔۔ تم سے جدا ہو کر بھی مجھے ان کی پناہ نہیں

مل سکتی۔ ویسے بھی وہ خود بھی طالش سرکار کے غضب کا شکار ہو چکے

ہیں۔ میری زندگی کا اب ایک ہی مقصد ہے۔ اور وہ ہے جوشو کی



موت!۔ اور اتنی سی بات میں بھی سمجھتا ہوں کہ وہ تمہاری مدد کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ اس لیے میں اب سائے کی طرح تمہارے ساتھ رہوں گا اور جب کبھی بھی ممکن ہوا۔ اس جوشو سے بدلہ لوں گا۔ میں تمہیں ابھی ایسا کرنے کو نہیں کہتا۔۔۔ کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ تمہارے سامنے بھی ایک عظیم مقصد ہے اور تمہارا ہر قدم اسی طرف اٹھ رہا ہے۔ اگر ممکن ہو تو مجھے اپنے سے جدا مت کرو۔۔۔“ سیڈھا نے تقریباً التجا کرتے ہوئے کہا۔

میں اس کی بات سن کر سوچ میں پڑ گیا۔ اس کو اپنے ساتھ رکھنے کا مطلب یہ تھا کہ میں اس کی بھی ذمہ داری اٹھاؤں اور ابھی میں خود اپنی ذمہ داری اٹھانے کے قابل نہیں تھا۔

”اگر تم مجھے ساتھ نہ لے گئے تو ہو سکتا ہے کہ کسی دن جوشو یا اس کا کوئی چیاہ مجھے تلاش کر کے مار ڈالے۔۔۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ ہم



ساتھ رہیں۔ اب اگر تم مجھے چھوڑنا بھی چاہو۔۔ تو میں تمہیں چھوڑنے والا نہیں۔“ سیڈھانے بڑے سنجیدہ لہجے میں اپنا فیصلہ سنایا۔

میں نے اس کی طرف دیکھا۔ بہر حال جو بھی تھا وہ ایک اچھا دوست تھا۔ اور اس نے زمینی سفر میں میرا بھرپور ساتھ دیا تھا۔ یہ سوچ کر میں فیصلے پر پہنچ گیا۔

”اچھا!۔۔۔ چلو ٹھیک ہے۔۔۔ ہم واپس پاکستان چلیں گے۔۔۔“  
مجھے بابا سے ملے ہوئے کافی دیر گزر چکی ہے اور ویسے بھی ایک وہی گھر میرا اپنا ہے۔“ میں نے کچھ دیر سوچنے کے بعد اسے اپنا پلان بتایا۔

”ٹھیک ہے!۔۔۔ میں ابھی توڑ چھا پرندے کو بلاتا ہوں۔ اب ہماری جھونپڑی پر نظر بندی کا عمل نہیں ہے اس لیے ہمیں فوراً یہاں سے نکل لینا چاہیے۔“ سیڈھانے تیز لہجے میں کہا اور پھر جھونپڑی

سے باہر چل پڑا۔ میں بھی اس کے پیچھے ہی باہر نکل آیا۔ کافی دنوں بعد کھلے آسمان کو دیکھ کر عجیب سے لگا۔ جیسے میں کسی قید سے رہا ہو گیا ہوں۔

سیڈھانے کچھ پڑھ کر ایک طرف کو پھونکا اور تیز پھڑ پھڑاہٹ کے ساتھ ہی توڑ چھا پرندہ حاضر ہو گیا۔ ہم دونوں اس پر سوار ہوئے اور اس نے اس پرندے کے سر چھو ہاتھ رکھ کر کچھ کہا۔ توڑ چھا پرندہ ایک چھلانگ لگا کر ہوا میں بلند ہوا اور پھر ایک طرف کو محور پرواز ہو گیا۔ اس پرندے کی پرواز کا تجربہ میں پہلے بھی کئی بار کر چکا تھا اس لیے اب کی بار اس سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ یہ عجیب و غریب جانور بہت تیز اڑتا تھا۔ آبادی کے علاقے نظر آنے لگے تو سیڈھانے ایک منتر پڑھ کر ہم دونوں اور توڑ چھا پرندے کو انسانی نظروں سے اوجھل کر دیا۔ پھر کچھ ہی دیر کے بعد مجھے کراچی کی دیکھی بھالی فضاؤں نے

محسور کر دیا۔ کچھ دیر اس عجیب سے احساس سے لطف اندوز ہونے کے بعد میں نے سیڈھا کو اپنے گھر کا راستہ دکھایا۔ اس وقت دن تھا اور یقیناً بابا اس وقت دوکان پر ہونگے۔ اور گھر کو یقیناً انہوں نے تالہ لگا دیا ہوگا۔ مگر مجھے اپنے گھر میں جانے کے لیے کسی چابی کی ضرورت نہ تھی۔ چند ہی لمحوں میں ہم گھر کے آنگن میں اتر رہے تھے۔ وہاں اترتے ہی سیڈھا نے توڑ چھاکو جانے کا اشارہ کیا اور ہم اندر کی طرف چل دیے۔ میں نے اسے ڈرائنگ روم میں بیٹھنے کا کہا اور خود اپنے کمرے کی راہ لی۔ اس کمرے میں داخل ہوتے ہی جو سب سے پہلا خیال میرا دماغ میں آیا وہ اماں کا تھا۔ میری ماں اسی کمرے میں میری آنکھوں کے سامنے جل مری تھی۔ میری آنکھیں اشکبار ہو گئی۔ کچھ دیر تک میں اسی جذباتی تلاطم میں اسیر رہا اور پھر یہ سوچ کر واش روم کی طرف چل دیا کہ اماں کی قبر پر فاتحہ پڑھنے جانا چاہیے۔ واش بیسن



میں جیسے ہی میری نظر آئینے پر پڑی تو میں چونک پڑا۔ میرا حال عجب  
ہوا ہوا تھا۔ داڑھی بے تحاشا بڑھی ہوئی تھی یہی حال سر کے بالوں کا  
تھا۔ اگر میں اسی حالت میں بابا کے سامنے چلا جاتا تو شاید وہ مجھے  
پہچان ہی نہ پاتے۔

میں نے نہانے سے پہلے شیو بنائی اور اندازے سے اپنے بال بھی کسی  
حد تک تراش لیے۔ پھر نہادھوکہ مار نکل آیا۔  
سیڈھا مجھے دیکھ کر چونک پڑا۔ پہلے وہ مجھے پہچان نہ سکا مگر پھر جب  
پہچان گیا تو ہنس دیا۔

”سیڈھا!۔۔۔ ہم مہذب انسانوں کی بستی میں ہے۔۔۔ ہمیں یہ روپ  
ہی بنانا ہوگا۔ تم بھی اپنے آپ کو سنوار لو۔“ میں نے بھی ہنستے ہوئے  
اسے سمجھایا۔ اور پھر اس کی شیو خود ہی بنا ڈالی۔ اس نے تھوڑا بہت  
احتجاج ضرور کیا مگر میری مرضی کے آگے اسے ہتھیار ڈالنے ہی



پڑے۔

چند گھنٹوں میں ہی ہم لوگ مہذب انسانوں کا روپ دھار چکے تھے۔

پھر میں قبرستان جانے کا قصد کیا۔ سیڈھا کواکیلا چھوڑنا بھی

مناسب نہ تھا اس لیے اتے بھی ساتھ لے لیا۔

چونکہ یہ میرا محلہ تھا اس لیے بہت سے لوگوں نے مجھے پہچان لیا اور

روک کر حال احوال پوچھتے رہے۔ میں ان کو یہی بتاتا رہا کہ میں اپنے

ایک رشتہ دار کے پاس افریقہ گیا تھا اور سیڈھا کوا بھی اپنے رشتہ دار ہی

کے طور پر متعارف کرواتا رہا۔ بلا آخر ہم قبرستان پہنچ گئے۔ میں نے

اشکبار آنکھوں سے اپنی اماں کی قبر پر فاتحہ پڑھی اور پھر کچھ دیر وہاں

گزار کر واپس ہو لیا۔ واپسی میں، میں نے اپنا رخ بابا کی دوکان

کی طرف کر دیا۔

دوکان پر دور ہی سے بابا کام میں مشغول نظر آ رہے تھے۔ وہ کچھ کمزور

ہو گئے تھے۔ مگر کام میں ان کی مشغولیت کمال کی تھی۔ آگے بڑھ بڑھ کر وہ لوگوں کو ان کی مانگی ہوئی چیز دے رہے تھے اور پھر انتہائی خوش اخلاقی سے پیسے لے رہے تھے۔ میں اور سیڈھا ایک طرف کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے شاید ہمیں نہیں دیکھا تھا۔ اس لیے وہ بدستور اپنے کام میں مگن تھے۔ میں نے بھی ان کے فارغ ہونے کا انتظار کیا۔ ویسے بھی ان کو دیکھے کافی دیر ہو گئی تھی اس لیے میں بس محویت سے انہیں ہی دیکھے جا رہا تھا۔ پھر ابھی ایک دو گاہک باقی ہی تھے کہ بابا کی نظر ہم پر پڑ گئی۔ ایک بار تو وہ چونکے مگر پھر مسکرا کر دوبارہ اپنے کام میں مگن ہو گئے۔ شاید وہ یہی سمجھے تھے کہ ان کی نظروں کو دھوکہ ہوا ہے مگر چند لمحوں کے بعد پھر دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر پھر میری طرف دیکھا اور اس بار میری آنکھوں میں پانی دیکھ کر انہیں یقین ہو گیا کہ یہ میں ہی ہوں۔ ایک دم سے ان کے ہونٹ کپکپائے۔۔۔ پھر وہ ایک

دم سے بھاگم بھاگ دوکان سے نکلے۔ میں بھی بے اختیار ان کی طرف بڑھا۔ اور پھر ہم دونوں بغل گیر ہو گئے۔ ہم دونوں کی آنکھیں اشکبار تھیں اور وہ بار بار مجھے ہاتھوں سے چھو رہے تھے۔ پیار کر رہے تھے۔ شاید وہ اپنے آپ کو یقین دلا رہے تھے کہ یہ میں ہی ہوں۔ ہمارے ارد گرد بھی کافی لوگ جمع ہو گئے تھے۔ کچھ دیر یونہی جذبات میں ڈوبے رہنے کے بعد ہم لوگ دوکان میں چلے گئے۔ میں سیڈھا کاتعارف بابا سے ایک دوست کی حیثیت سے ہی کرایا۔ سیڈھا ہماری زبان نہ سمجھنے کے باعث بس اندازے سے ہی سمجھ رہا تھا کہ ہم باپ بیٹا کافی دیر کے بعد ملے ہیں۔ پھر بابا نے دوکان جلدی بند کی اور ہم گھر کی طرف چل دیے۔

گھر پہنچ کر بابا کے اصرار پر میں نے اپنے پریتے واقعات مختصراً سنائے۔ میری بیماری کا سن کر وہ بہت پریشان ہوئے تاہم انہوں



نے میری صحت یابی پر اللہ کا شکر بھی ادا کیا۔

”بیٹا!۔۔۔ تم خوش قسمت ہو کہ خدا نے تمہیں اس نیک کام کے لیے

منتخب فرمایا ہے۔ بس میری دعا ہے کہ تم ثابت قدم رہو اور یونہی ہر

مشکل کا مردانہ وار مقابلہ کرو۔“ بابا نے آبدیدہ ہوتے ہوئے دعا

دی۔

”بابا!۔۔۔ یہ سب تو ٹھیک ہے مگر مجھے آج بڑی شدت سے احساس

ہوا کہ مجھے آپ کی خدمت کرنی چاہیے تھی۔ یوں آپ کو اکیلا چھوڑ کر

میں نے اچھا نہیں کیا۔ دیکھیں آپ کتنا کمزور ہو گئے ہیں۔ یقیناً باہر

کے کھانے کھا کھا کر آپ کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں رہتی ہوگی۔“ میں

نے فکر مند ہوتے ہوئے کہا۔

”میری فکر چھوڑو بیٹا!۔۔۔ میں اپنے حال پر خوش ہوں۔۔۔ زندگی

کے باقی جو دن ہیں وہ تو پورے کرنے ہی ہیں۔“ بابا نے افسردگی



اور دکھ بھرے لہجے میں جواب دیا۔

”بس بابا!۔۔۔ اب میں آپ کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گا۔“ میں نے آگے بڑھ کر انہیں گلے سے لگالیا۔ اور ہم پھر جذبات کی رو میں بہہ نکلے۔ جب خوب دل بھر گیا تو پھر وہ الگ ہو کر بوئے۔

”ٹھہرو۔۔۔ میں تم لوگوں کے کھانے کے لیے کچھ لے کر آتا ہوں۔“

وہ جلدی سے اٹھ کھڑے ہوئے مگر میں نے ان کا بازو پکڑ لیا۔

”بابا۔۔۔ میں لے کر آتا ہوں۔ آپ آرام کریں۔“ میں نے ادب سے ان کو بیٹھایا۔ پھر اس سے پہلے کے میں باہر جاتا ایک دم سے مجھے

خیال آیا کہ میرے پاس تو پیسے ہی نہیں ہیں۔ میری غیر مرنی قوتوں

کے سامنے یہ سب بے معنی چیزیں تھیں مگر میرے بابا حلال روزی پر

یقین رکھتے تھے اس لیے میں نے ان سے ہی پیسے مانگے اور پھر قریبی

ہوٹل سے کھانا لے آیا۔

بہت عرصے بعد بابا کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا۔ اور خوب کھایا۔ پھر ہم باپ بیٹا باتوں میں مگن ہو گئے۔ سیڈھا اس دوران خوب بورہور ہاتھا مگر پھر وہ ڈرائنگ روم میں جا کر اپنے کسی عمل میں مصروف ہو گیا۔ باتیں کرتے کرتے پتہ نہیں کب ہماری آنکھ لگ گئی۔

اگلی صبح ہمارے ناشتے کا انتظام سیڈھا نے کیا تھا اور وہ بھی انفریقی پھلوں کے ساتھ۔ بابا نے بہت لطف اُکر وہ ناشتہ کیا اور پھر باوجود میرے بے حد اصرار کے وہ دوکان پر چل دیے۔

”میں تمہاری یہ زبان سیکھنا چاہتا ہوں۔“ بابا کے جانے کے فوراً بعد ہی سیڈھا بول پڑا۔ ”تم لوگ جو باتیں کرتے ہو تو میں بالکل سمجھ نہیں پاتا ہوں۔ اور ویسے بھی یہاں رہنا ہے تو یہ زبان سیکھنی ہی ہوگئی۔“

”ٹھیک ہے میں تمہیں سیکھاؤں گا۔“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ پھر اسے کچھ عام معمول کے الفاظ سیکھانے لگا۔ اتنے میں

سیڈھانے مجھے سے مذہب اسلام کے بارے میں جاننے کی خواہش کا اظہار کیا۔ مجھے اندازہ تھا کہ وہ میری صحت یابی کے بعد سے اسلام سے بہت مرعوب ہو گیا تھا۔ لہذا اب کی بار میں نے بڑی تفصیل سے اسے اسلامی تصورات اور عقائد کے بارے میں اس بتایا۔

”کیا میں تم جیسا بن سکتا ہوں؟ میرا مطلب ہے۔۔۔ اسلام کو اپنا مذہب بنا سکتا ہوں؟“ سیڈھانے اشتیاق اور امید کے ملے جلے انداز میں سوال کیا۔

”کیوں نہیں۔۔۔ سبحان اللہ“ میں نے خوشی سے جھومتے ہوئے کہا اور پھر اسے وضو کروا کر کلمہ پڑھایا۔ اسی دوران ظہر کی نماز کا وقت ہو گیا تھا۔ میں نے اسے نماز کا طریقہ کار سمجھایا اور پھر ہم نے ایک قریبی مسجد میں جا کر نماز پڑھی۔ اسے نماز پڑھنی نہیں آتی تھی۔ اس لیے اس نے میری نقل میں نماز پڑھی۔ جیسے میں کر رہا تھا ویسے ویسے



ہی وہ بھی کر رہا تھا۔

واپس گھر آ کر میں نے اسے نماز یاد کرنے میں اس کے مدد کی۔ وہ بڑی محنت سے نماز یاد کر رہا تھا۔ اور یہ اس کی لگن ہی تھی کہ چند گھنٹوں میں ہی وہ نماز مکمل طور پر یاد کر چکا تھا۔ اتنے میں نماز عصر کا وقت ہو گیا اور مجھے شدت سے شاہ جی کی یاد آنے لگی۔ پھر میں نے وضو کیا اور قریبی مسجد میں نماز پڑھ کر سیڈھا کے ساتھ ہی شاہ جی کے مدرسے کی طرف چل پڑا۔ شاہ جی مجھے اتنے عرصے بعد دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور بڑے خلوص سے ملے۔

”شاہ جی!۔۔۔ یہ میرا دوست ہے سیڈھا!۔۔۔ اور خوشی کی بات یہ ہے کہ اس نے آج ہی اسلام قبول کیا ہے۔“ میں نے سیڈھا کا تعارف کروایا۔

”ماشاء اللہ!۔۔۔ آپ کو ایمان مبارک ہو۔“ شاہ جی نے اسے



مبارک باد دی اور میں نے مترجم کا فرض ادا کرتے ہوئے سیڈھا کو  
شاہ جی کی مبارک باد پہنچائی۔

”مگر یہ سیڈھا کیا نام ہوا؟“ شاہ جی نے چونکتے ہوئے پوچھا۔

”شاہ جی۔۔۔ یہ افریقی ہے اور وہاں اسی طرح کے نام ہی ہوتے  
ہیں“ میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

”اچھا۔۔۔ مگر اب چونکہ یہ مسلمان لے آیا ہے اور ہمارے پیارے  
نبیؐ کا یہ عمل ہوتا تھا کہ وہ ہر نو مسلم کو ایک نیا نام دیا کرتے تھے تو کیوں  
نہ ہم تمہارے دوست کو بھی ایک نیا نام دے دیں؟“ شاہ جی نے  
تجویز دی۔ میں نے یہ تجویز سیڈھا کے سامنے رکھی۔ اس نے کوئی  
اعتراض نہ کیا۔

”شاہ جی!۔۔۔ آپ ہی کوئی اچھا سے نام تجویز کر دیں“ میں نے  
سیڈھا سے مشورہ کرنے کے بعد ان سے درخواست کی۔

”میری مانو۔۔۔ تو اس کا نام۔۔۔ بالال رکھو۔“ شاہ جی نے جلدی سے تجویز دی۔ ”حضرت بالالؑ ایک جلیل القدر صحابی تھے اور وہ بھی ایک جہشی تھے۔“

میں نے یہ نام سیڈھا کو بتایا اور اس نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ لہذا اس نام کو فائنل کر دیا گیا۔

پھر شاہ جی نے بالال کو اسلام کی افادیت اور اس کے ضروری ضروری احکامات کے سلسلے میں تفصیلات سے آگاہ کیا۔ میں نے مترجم کے فرائض باخوبی ادا کیے۔ انہیں باتوں میں مغرب کی اذان کا وقت ہو گیا۔ اور پھر ہم مغرب کی نماز پڑھنے لگے۔ نماز کے بعد میں نے اجازت طلب کی اور پھر ہم گھر واپس آ گئے۔

گھر میں بابا ہم سے پہلے موجود تھے اور انہوں نے کھانے کا اچھا خاصہ انتظام کیا ہوا تھا۔ میں نے انہیں سیڈھا کے بالال بننے کی

خوشخبری سنائی۔ وہ بھی بہت خوش ہوئے۔ اور پھر ہم کھانا کھانے لگے۔

کچھ دن اسی طرح سے خاموشی سے گزر گئے۔ مگر جلد ہی لوگوں کو ”چھوٹی سرکار“ کی واپسی کی خبر پہنچ گئی۔ لہذا لوگ پھر سے اپنے مسئلے مسائل لے کر میرے گھر آنے لگے۔ مگر میری اب ان میں دلچسپی نہیں تھی تاہم بالکل کبھی کبھی جوش میں آ کر کسی نہ کسی کی مدد کر دیا کرتا تھا۔ اور کبھی کبھی مجھے بھی زبردستی کسی نہ کسی معاملے میں گھسیٹ لیتا تھا۔

میں نے باقاعدگی سے نماز پڑھنے کے ساتھ ساتھ بابا کے ساتھ انکی دوکان میں بھی ہاتھ بٹانا شروع کر دیا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ میں نے صبح شام دو، دو گھنٹے مسلسل روحانی پرواز کے ذریعے کائنات کے راز سمجھنے پر بھی لگا لگا۔ مگر حقیقت یہ تھی میں جتنا زیادہ ان



رازوں کو سمجھنے کی کوشش کرتا وہ اتنا ہی الجھتے جاتے۔ مگر میں بھی اپنی دھن میں لگا ہوا تھا۔

ایک دن بابا دوکان پر مجھے بٹھا کر جلدی گھر آ گئے۔ اس دن میں بہت دیر تک دوکان پر کام کرتا رہا اور تقریباً رات گیارہ بجے دوکان بند کر کے گھر جا رہا تھا کہ میں نے ایک سنسان گلی میں عجیب سی چیز دیکھی۔ میں اسے ٹھیک طرح سے دیکھ رہا تھا کیونکہ وہ تو میری طرف ہی متوجہ تھا یا تھی مگر جیسے ہی میں نے اسے دیکھا وہ ایک دم سے غائب ہو گیا۔ وہ کوئی بندر سے مشابہ چیز تھی مگر اس کی آنکھیں بلا کی چمکدار تھیں۔ اور اس کی شکل بھی بندروں سے مختلف تھی۔ وہ مجھے ہی دیکھ رہا تھا مگر جیسے ہی میں نے اسے دیکھا وہ اپنے دائیں طرف موجود ایک ڈیڑھ فٹ گول سوراخ میں گھس گیا جو شاید کسی دوکان کے اندر جاتا تھا۔ پہلے تو میں نے اس کا پیچھا کرنے کا سوچا مگر پھر اسے اپنا وہم سمجھ



کر میں آگے بڑھ گیا۔ مگر جلد ہی میری چھٹی حس نے مجھے خبردار کر دیا کہ کوئی میرا پیچھا کر رہا ہے۔ میں ہوشیار ہو گیا مگر کسی نے مجھ پر حملہ نہیں کیا اور میں اسی طرح چوکنا۔۔۔ چلتے چلتے گھر پہنچ گیا۔ گھر میں بابا اور بلال میرا انتظار کر رہے تھے۔ ہم نے مل کر کھانا کھایا اور پھر بابا سونے کے لیے چلے گئے جبکہ بلال مجھے اپنے دن کا احوال سنانے لگا۔ بلال کو اب کسی حد تک اردو آتی جا رہی تھی۔ کچھ دیر باتیں کرنے کے بعد ہم سونے کے لیے چل دیے۔ یہ گرمیوں کے دن تھے اور میں ہمیشہ گرمیوں میں چھت پر سونا پسند کرتا تھا جبکہ بلال اور بابا کمروں میں سوتے تھے۔ بابا کو تو اپنے مخصوص کمرے میں سونے کی عادت تھی جبکہ بلال چھت پر سونے سے خائف تھا۔ اس کے خیال میں رات کے وقت آسمان پر بڑی عجیب و غریب مخلوقات سفر کرتی تھیں اور کوئی بھی ہم پر سوتے میں حملہ کر سکتی تھی۔ بہر حال میں ان سب خطروں کو

پشت پر ڈال کر چھت پر ہی سوتا تھا۔ مگر آج کا دن کچھ خاص تھا۔  
چھت پر آکر میں نے حسب معمول وضو کیا اور دو نفل پڑھ کر اپنی  
روحانی مشق کا آغاز کر دیا۔ آج میری پرواز خلاء کی طرف تھی اور  
دوسرے سیاروں کی تحقیق میرا مقصود تھا۔ مگر تھوڑی ہی دیر میں مجھے  
اپنی پرواز بند کرنا پڑی کیونکہ میرے جسم نے معمول سے ہٹ کر کوئی  
آہٹ سنی تھی۔ میں نے فوراً آنکھیں کھول دیں۔ میرا سامنے وہی  
عجیب سی چیز کھڑی تھی جسے میں نے راتے میں دیکھا تھا۔ وہ کوئی دو  
فٹ قد کا بندر نما کوئی جانور تھا۔ مگر اس کے کان بہت لمبے اور پردے  
کی طرح اٹکے ہوئے تھے۔ اس کی آنکھیں بھی بالکل گول اور بہت تیز  
چمک والی تھیں۔ اس کا سر مکمل طور پر گنجا تھا اور اس کا گنچ رات کی  
چاندنی میں بھی چمک رہا تھا۔

”سگاپی پیغام آیا ہے۔۔۔ سن لو۔“ اس مخلوق نے تیز چیختی ہوئی

آواز میں کہا۔ مگر آواز اتنی اونچی نہ تھی کہ آس پاس کے گھروں میں  
سوئے ہوئے لوگوں تک جا پاتی۔

”کون سگا پی؟“ میں نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا۔

اس نے تیزی سے آنکھیں جھپکیں۔۔۔ پھر کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد پھر بوا۔

”سگاپی۔۔۔ محفوظ ترین۔۔۔ پیغام رساں“ اس نے کچھ دیر کے لیے پھر آنکھیں جھپکیں۔۔۔ ”کیا پیغام سناؤ؟“

اب مجھے اندازہ ہوا کہ وہ اپنی بات کر رہا ہے۔ شاید یہ خود سگاپی ہے مگر اس کا انداز مخاطب ہٹ کر تھا۔

”ہاں۔۔۔ کس کا پیغام ہے؟“ میں تیزی سے پوچھا۔

”ہشام ساپوتری جن کا۔۔۔۔۔ ملنے کا وقت مانگا ہے اس نے۔“

سگاپی نے جلدی سے کہا۔ پھر دو تین بار آنکھیں جھپک کر بولا ”کیا



”یہ ہشام سا پوتری جن کون ہے؟“ میں نے حیرانی سے پوچھا۔

”مجھے سے کیوں ملنا چاہتا ہے؟“

”سگاپی۔۔۔۔۔ صرف پیغام پہنچاتا ہے۔ حفاظت سے اور پوری احتیاط سے۔۔۔“ اس نے پھر تیزی سے کہا۔۔۔ اور پھر آنکھیں جھپکنے لگا۔ ”کیا وقت بتاؤ؟“

میں الجھ کر رہ گیا۔ پتہ نہیں کون سا جن مجھ ملنا چاہ رہا تھا اور پتہ نہیں کیوں وہ وقت مانگ رہا تھا حالانکہ جنوں کو تو ملنے کے لیے وقت مانگنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ کافی دیر الجھنے کے بعد میں نے فوری طور پر اس سے ملنے کا فیصلہ کیا تاکہ تجسس دور ہو سکے۔



”میں ابھی ملنا چاہتا ہوں۔۔۔ تمہارے ہشام جن سے“ میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

”سگاپی تم کو لے جائے گا۔۔۔ مگر اندھا کر کے۔۔۔ بولو منظور؟“

سگاپی نے اسی طرح تیز چیختے ہوئے لہجے میں کہا اور آنکھیں جھپکنے لگا۔

”اندھا کیوں؟“ میں بری طرح چونک پڑا۔

”سگاپی حفاظت کرتا ہے پیغام بھجنے والے کی بھی اور اس کے پیغام کی بھی۔“ اس نے جواب دیا۔

”مگر تم نے اندھا کر دیا تو میں اس سے ملوں گا کیسے؟“ میں نے اسی طرح الجھے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ مجھے اس کی بات سمجھ نہیں آرہی تھی۔

”سگاپی تم کو ٹھیک کر دے گا اس کے پاس پہنچ کر“ اس نے اسی طرح دوبارہ آنکھیں جھپک کر کہا۔ میں نے نوٹ کیا کہ وہ صرف اسی وقت

آنکھیں جھپکتا تھا جب بات کرتے ہوئے وقفہ دیتا تھا۔ ورنہ اس کی  
آنکھیں ہمیشہ کھلی رہتی تھیں۔

”نہیں۔۔۔ مجھے کھلی آنکھوں کے ساتھ ہی جانا ہے۔“ میں نے  
جلدی سے اس کی بات رد کر دی۔ ”اپنے ہشام جن کو بولو۔۔۔ مجھے  
سے ملنا ہے تو خود آئے۔۔۔ ورنہ مجھے کھلی آنکھوں سے بلائے۔“  
”سگاپی کو اس کے پیغام کا جواب مل گیا۔“ سگاپی نے جلدی سے کہا  
اور اگلے ہی لمحے وہ تیزی سے دھواں بن کر ہوا میں تحلیل ہو گیا۔

میں ہکا بکا اس کو ہوا میں تحلیل ہوتا دیکھتا رہا اور پھر کچھ دیر تک اسی طرح  
وہاں خالی الذہن بیٹھا رہا مگر پھر کچھ نہ ہوا۔ میں تھوڑی دیر تک اس کا  
انتظار کرتا رہا مگر وہ واپس نہیں آیا۔ میں نے روحانی پرواز دوبارہ  
شروع کی مگر اس واقعہ کی وجہ سے دماغ کام نہیں کر رہا تھا۔ لہذا میں  
نے جلد ہی پرواز ختم کر کے سونے کا ارادہ کیا۔ مگر میرا ذہن مسلسل اس

نام میں الجھا ہوا تھا۔ اور۔۔۔ اور۔۔۔ پھر مجھے یاد آ گیا کہ یہ نام میں کہاں پر سنا تھا۔۔۔ ہشام ساپوٹری جن۔۔۔ کا نام میں نے سولومن کے ایک اخبار میں پڑھا تھا۔۔۔ یہ ان دنوں کی بات تھی جب میں ثانی کے پاس کچھ عرصے تک زخمی حالت میں رہا تھا۔

ہشام ساپوٹری جن۔۔۔ طالوت جن کا نائب تھا۔ طالوت ثبام شہنشاہ کے خلاف جنوں کی ایک تحریک کا قائد تھا مگر اسے ثبام شہنشاہ نے پکڑ کر سنگ مور کی جیل میں قید کیا ہوا تھا۔

اب بات کچھ سمجھ میں آرہی تھی۔ شاید اس ہشام کو کسی طرح میری بھنک پڑ گئی تھی۔ لہذا وہ شہنشاہ کے خلاف مجھ سے ملنا چاہتا تھا۔ مگر حیرت کی بات یہ تھی کہ اسے میرے بارے میں کہاں سے پتہ چلا۔ ابھی میں اس کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک مجھے آیان کا خیال آ گیا۔ اس سے بات کئے کافی دیر ہو گئی تھی۔ اور ہو سکتا تھا کہ وہ



اس سلسلے میں میری کوئی مدد کر سکتا۔ میں فوری طور پر سورۃ جن پڑھ کر اسے آوازیں دیں۔ تیسری ہی آواز پر وہ نمودار ہوا۔

”جی آقا!۔۔۔ مجھے کیسے یاد کیا۔“ آیان نے مودبانہ لہجے میں کہا۔

”آیان۔۔۔ کیا تم سگاپی کے بارے میں جانتے ہو؟“ میں نے

بغیر تمہید کے بات شروع کرنا ہی مناسب سمجھا۔

”جی آقا!۔۔۔ یہ جنات کا راجہ ہے پیغامبر ہے۔ جب کسی قبیلے کے

سربراہ کو کوئی بہت ہی خفیہ پیغام بھیجنا مقصود ہو تو وہ ہمیشہ سگاپی کا ہی

انتخاب کرتے ہیں کیونکہ آج تک۔۔۔ سگاپی کا پیغام کبھی بھی غلط

ہاتھوں میں نہیں پڑا۔ مگر آپ کیوں پوچھ رہے ہیں“ آیان نے

تفصیل بتاتے ہوئے سوال کیا۔

”وہ میرے پاس آیا تھا۔ ہشام ساپوتری جن کا پیغام لے کر۔“ میں

نے اسے بتایا۔ ”کیا تم ہشام ساپوتری جن کو جانتے ہو؟“



”ان کو کون نہیں جانتا؟“ آیان نے بڑی تعظیم سے کہا۔ ”آج کے ظالم بادشاہ کے خلاف وہی تو ہماری ایک امید کی کرن ہے۔“

”ہوں۔۔۔۔۔ مگر اتنے میرے بارے میں کیسے معلوم ہوا؟“ میں نے اگلے سوال کر دیا۔

”پتہ نہیں۔۔۔۔۔ مگر میری درخواست ہے کہ اس سے ضرور مل لیں۔ یقیناً کوئی خاص بات ہوگی۔“

میں نے اس تعظیم سے بھرے لہجے میں کہا۔ ”ویسے آپ کی ذات سلطنت سولومن میں کافی مشہور ہو چکی ہے۔ خاص طور پر آپ کا؛ جنوبی سولومن کے صوبیدار اور طالش سرکار کے جاسوسی کے محکمے کے انچارج، جو ااپروہت کی قید سے فرار۔۔۔ اور پھر خود جو ااپروہت پر طالش سرکار کا عتاب۔۔۔۔۔ یہ سب کافی گرم خبریں تھیں۔“

”کیا مطلب۔۔۔۔۔ تم یہ سب کیسے جانتے ہو؟“ میں نے حیرت سے

پوچھا۔

”سولومن کا تقریباً ہر شہری یہ جانتا ہے۔“ آیان نے مسکرا کر کہا۔“  
سلطنت سولومن میں خبر بہت تیزی سے پھیلتی ہے۔ ویسے بھی اس پر تو  
خبریں۔۔۔ سولومن کے سرکاری اخبار میں بھی چھپی ہیں۔ تاہم وہ آپکو  
ایک باغی کے نام سے پکارتے ہیں۔ مگر سب جان چکے ہیں کہ آپ  
کون ہیں۔“ آیان نے معنی خیز لہجے میں تفصیل بتائی۔  
”ہوں۔۔۔ تو یہ بات ہے۔۔۔“ میں نے کچھ سوچتے ہوئے

پوچھا۔

”آقا۔۔۔ کوئی اور بات نہ ہو تو مجھے اجازت؟“ آیان نے التجا  
کرنے والے انداز میں پوچھا۔ ”در اصل میرے رشتے کی بات چل  
رہی ہے اور عین وقت پر آپ نے بلا لیا۔۔۔ میں آپ کے احترام کی  
وجہ سے آگیا مگر مجھے جلدی واپس جانا ہے۔“

”ہاں۔۔۔ ضرور۔۔۔ ضرور۔۔۔ میں معذرت خواہ ہوں کہ تم کو

ناحق تنگ کیا“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”آپ ایسا نہ کہیں۔۔۔ آپ کے لیے تو ہماری جان بھی حاضر ہے۔“

آیان نے مودبانہ لہجے میں جواب دیا اور فوراً بھاگ گیا۔

”اب چونکہ کچھ کچھ حالات میری سمجھ میں آگئے تھے اس لیے میں نے

اطمینان کا ایک سانس لیا اور سلاخے کے لیے بستر پر لیٹ کر آنکھیں بند کر لیں۔

اگلے دن معمول کے مطابق ہی گزر گیا مگر اگلی رات کو جیسے ہی میں اپنی

روحانی پرواز ختم کر کے سونے کا ارادہ کیا، ایک دم سے گہرا سبز رنگ

کا دھواں کہیں سے نمودار ہونے لگا۔ میں ہوشیار ہو گیا۔ چند ہی لمحوں

میں وہ دھواں ایک خوفناک جن کی شکل اختیار کر گیا۔

”اے ہادی۔۔۔ ہشام جن کا عازانہ سلام قبول کرو۔“ اس جن

نے کھڑکھڑاتی آواز میں کہا۔

”وعلیکم اسلام“ میں نے سوال کا جواب دیا۔

”ہشام جن!۔۔۔ تم مجھے کیسے جانتے ہو؟“ میں نے فوری طور پر وہ

سوال کر دیا جو کل سے میرے دماغ میں کھلبلی مچا رہا تھا۔

”اے ہادی!۔۔۔ میں اس کا نام تو نہیں لوں گا۔۔۔ جاسوسی کا خطرہ

ہے۔۔۔۔۔ بس یوں سمجھ لو۔۔۔۔۔ جنوبی سولوسن میں تمہارے ایک محسن

نے ہمیں اطلاع کی ہے۔“ ہشام نے مبہم سے جواب دیا اور میں

چونک پڑا۔ میں سمجھ گیا کہ وہ چا پڑی جادوگرنی کی بات کر رہا تھا۔

”اچھا۔۔۔ اچھا۔۔۔ میں سمجھ گیا۔“ میں نے جلدی جلدی کہا۔ ”تم

مجھے سے کیوں ملنا چاہتے تھے؟“

”اے ہادی!۔۔۔۔۔ ثبام شہنشاہ کے ظلم، کوئی ڈھکی چھپی بات

نہیں ہے۔ مگر اس بار طالش سرکار نے جن انسانوں کا انتخاب اس کی



سالگرہ پر قربانی کے لیے کیا ہے، وہ ہمارے تحریک کے بہت بڑے  
محسن ہیں۔ اور ہم ہر قیمت پر ان کو بچانا چاہتے ہیں۔ مگر طالش سرکار  
سے ٹکر لینا ہمارے بس کی بات نہیں ہے۔ میں اسی لیے جناب ہادی  
کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں کہ آپ کو خدا نے جس کام پر مامور کیا  
ہے۔۔۔ خدا را اس میں ہماری مدد کریں۔ ہمارے ان محسنوں کی  
جان بچالیں۔“ ہشام جن کا لہجہ آخری فقرہ بولتے ہوئے التجایا ہو  
گیا۔

”ہشام جن!۔۔۔ میں آپ کی تحریک سے واقف ہوں۔۔۔ اور آپ کی  
قدر کرتا ہوں۔۔۔ مگر شاید میں ابھی اس قابل نہیں ہوں کہ کھل کر  
شہنشاہ کے خلاف کوئی قدم اٹھا سکوں۔۔۔ میری روحانی قوتیں ابھی  
اپنے ابتدائی مراحل میں ہیں۔ مجھے ابھی بہت کچھ سیکھنا ہے۔ اور جیسے  
ہی میں اس قابل ہوا کہ آپ لوگوں کی کچھ مدد کر سکا۔۔۔۔۔ میں

ضرور کروں گا۔۔۔ مگر ابھی۔۔۔ میں چاہوں بھی تو۔۔۔ کچھ نہیں کر سکتا۔“ میں نے صاف گوئی سے کام لیا۔ میں انہیں کوئی امید نہیں دلا نا چاہتا تھا۔ مگر اس کے ساتھ ہی میرے دل میں ایک آہ سے ابھری۔ کاش میں ان کے لیے کچھ کر سکتا۔

”اے ہادی!۔۔۔ مجھے مایوس مت لوٹا۔۔۔ میں اور میرے ساتھی بڑی امید لگا چلیں ہیں مجھے۔۔۔ کیا تجھے خدا نے ہادی نہیں بنایا؟ اگر بنایا ہے تو۔۔۔ تو ہماری مدد کیوں نہیں کر رہا؟“ ہشام جن نے اصرار کرتے ہوئے پوچھا۔

”ہشام!۔۔۔ کاش۔۔۔ کاش۔۔۔ میں تمہارے لیے کچھ کر سکتا۔۔۔ میرے دل کی سب سے بڑی خواہش یہی ہے۔۔۔ کہ میں کچھ کر سکوں۔۔۔ مگر۔۔۔ میں کیا کر سکتا ہوں؟“ میں نے اس بار آتشکبار آنکھوں سے اسے جواب دیا۔ وہ میری کیفیت سے کافی متاثر

ہوا۔

”اے ہادی!۔۔۔ مجھے کچھ کچھ اندازہ ہے۔۔۔ مگر میں اپنے  
ساتھی جنات کے پاس کیسے جاؤں؟ جو یہ امید لگا چکے ہیں کہ اب کی  
بار ہادی ہمیں بچانے کے لیے آگیا ہے۔ وہ ہادی۔۔۔ جس نے  
گوپی کشن کو اس کے انجام تک پہنچایا۔۔۔ اور جو جواا! پر وہت کی  
قید توڑ نکالا۔۔۔ اور جو۔۔۔ جاڑوں کے زہر سے بھی بچ گیا۔۔۔  
۔۔۔ وہ ہماری مدد کیسے نہیں کر سکتا؟“ ہشام جن نے بے چارگی سے  
جواب دیا۔

میں نے سر جھکا لیا۔۔۔ میرے پاس اس کے اس سوال کا جواب  
نہیں تھا۔

”اے ہادی!۔۔۔ کوئی راستہ نکال۔۔۔ ابھی ہمارے پاس ایک ہفتے  
کا وقت ہے۔۔۔ میں اپنے ساتھی جنات کو اس طرح صاف جواب

نہیں دے سکتا۔۔۔ مجھے امید کا ایک سہارا چاہیے۔“ ہشام نے  
اصرار کرتے ہوئے کہا۔

اس کی بات سن کر میں اندر سے ٹوٹ کر رہ گیا۔ پتہ نہیں کیوں مگر۔۔۔  
بے اختیار میرا دل چاہا کہ اس کو تسلی دوں۔۔۔ اور۔۔۔ کم از کم ابھی  
کے لیے اس کی مدد کی حامی بھر لو۔۔۔ پھر جو ہو گا دیکھا جائے گا۔۔۔  
جس خدا نے مجھے ہادی بنایا۔۔۔ اتنی مشکلات میں بھی میری مدد  
کی۔۔۔ وہ یہاں پر بھی میری مدد کرے گا۔ بس یہ سوچ کر میں نے کہا۔  
”ٹھیک ہے ہشام!۔۔۔ تم اپنے لوگوں کو بتا دو۔۔۔ میں مدد کرنے  
لیے تیار ہوں۔۔۔ مجھ سے جو کچھ بھی ہو سکا میں کروں گا۔“ میں نے  
ٹھوس لہجے میں جواب دیا۔

”اے ہادی۔۔۔ تو عظیم ہے۔۔۔ تو نے ہماری لاج رکھ لی۔۔۔ خدا  
تجھے اس نیک کام میں کامیاب کرے۔“ ہشام نے ایک دم خوش



ہوتے ہوئے کہا اور فوراً سبز رنگ کے دھواں کی شکل اختیار کر کے ہوا میں تحلیل ہو گیا۔

وہ تو چلا گیا۔۔۔ مگر مجھے سوچوں کے کھنور میں ڈوبنے کے لیے اکیلا چھوڑ گیا۔ میں تو خود ابھی طالش سرکار سے چھپتا پھر رہا تھا اور یہ لوگ مجھے اس کے مقابلے پر لانے پر تلے ہوئے ہیں۔ میری حیثیت طالش جن کے سامنے ایک نولائندہ بچے سے زیادہ کی نہیں تھی۔ اور میں اسے کس طرح اس قربانی سے روک سکتا تھا۔ میں سوچتا گیا اور اپنے اندر ہی اندر الجھتا گیا۔ پتہ نہیں کب نیند کی وادی میں گم ہو گیا۔ اور خواب میں بھی طالش جن کے خلاف مختلف منصوبے بناتا رہا۔ اگلے دو دن۔۔۔ اسی کشمکش میں گزر گئے۔۔۔ جیسے جیسے وقت گزرتا جا رہا تھا۔۔۔ میری بے چینی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔۔۔ اور پھر تیسرے دن ایک عجیب واقعہ ہوا۔

ہوا یوں۔۔ کہ بالال نے رات کو مجھے بتایا کہ وہ ایک مریض کا علاج کر رہا تھا اور اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ اچانک ایک نیم پاگل ملنگ وہاں پہنچ گیا۔ اس نے مجھے پاس بلا کر میرے کان میں کہا۔ کہ وہ میری مدد کے لیے آیا ہے۔۔ سب لوگوں کو باہر بھیج دو۔۔۔ صرف مریض کو یہاں رہنے دو۔۔۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ اور پھر اس نے دو بار ”حق اللہ“ کی صدا بلند کی۔۔۔ اور وہ مریض ایک دم جیسے ہوش میں آ گیا۔ وہ مکمل طور پر صحت یاب ہو چکا تھا۔ میں دم بخود رہ گیا۔ میں نے بڑی کوشش کی کہ اس ملنگ سے کوئی اور بات کروں۔۔۔ مگر وہ عجیب سی پاگلوں جیسی بات کر رہا تھا جو میری سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔

”عجیب بات۔۔۔ کیا عجیب بات؟“ میں نے تجسس سے پوچھا۔

”کہہ رہا تھا۔۔۔ ہر سال بکریاں کام آ جاتی ہیں۔۔۔ اس بار اچھی نسل کے گھوڑے ہاتھ آ گئے ہیں۔۔۔ دیکھو۔۔۔ کوئی ان کو بچاتا

ہے یا نہیں۔۔۔ ایک مرد ہے تو سب ہجڑوں میں۔۔۔ مگر پتہ  
نہیں وہ ہمت کرے گا کہ نہیں۔۔۔ بس اتنی طرح کی بے معنی سی  
باتیں۔۔۔“ بلال نے منہ بنا کر کہا اور مگر میرے کان کھڑے ہو  
گئے۔ میری چھٹی حس نے مجھے کچھ سنگنل دینے شروع کر دیے تھے۔  
”اچھا چلو۔۔۔ کل مجھے اس سے ملاؤ۔“ میں نے بلال کے کندھے  
پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

www.define.pk

”ضرور۔۔۔ ضرور۔۔۔“ بلال نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

اگلے روز میں بابا سے اجازت لے کر دوکان پر جانے کی بجائے بلال  
کے ساتھ اس کے ڈیرے پر چلا گیا۔ بلال کے جانے سے پہلے ہی  
وہاں اچھا خاصا رش لگ گیا تھا۔ ہم دونوں ہی ان کی خدمت میں لگ  
گئے مگر شام تک وہ ملنگ نظر نہیں آیا۔

”بلال۔۔۔ وہ تو نہیں آیا۔“ میں نے پریشانی سے پوچھا۔



”میرا خیال تو تھا کہ وہ آئے گا۔ ٹھہرو۔۔ میں پتہ کرتا ہوں۔۔“

بالا نے جلدی سے کہا اور پھر اپنے کسی بیرے کو اسے تلاش کرنے کا کام سونپ دیا۔ کچھ دیر میں ہی اس بیرے نے واپس آ کر بالا کو کوئی جواب دیا۔۔ اور بالا نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ پھر حیرت بھری آواز میں بولا۔

”وہ ملنگ۔۔۔ اس وقت۔۔ پوری دنیا میں کہیں نہیں ہے۔“ اس کی آواز بہت دور سے آتی ہوئی معلوم ہو رہی تھی۔

”یہ کیسے ہو سکتا ہے؟“ میں نے چونک کر پوچھا۔

”پتہ نہیں۔۔۔ مگر کچھ ایسا ہی ہے۔۔۔“ بالا خود بھی الجھا ہوا تھا۔

میں اگر اس سے ملا ہوتا تو شاید اپنی روحانی پرواز سے اس کو تلاش کر لیتا مگر چونکہ میں اس کے بارے کچھ نہیں جانتا تھا اس لیے اپنی روحانی پرواز سے بھی کوئی مدد حاصل نہ کر سکا۔



ہم اس دن اندھیرا چھانے تک لوگوں کے مسائل حل کرنے میں جتے  
رہے اور پھر تھک ہار کر۔۔۔۔۔ باقی لوگوں کو صبح کا وقت دے کر گھر  
لوٹ آئے۔

اب صرف دو دن رہ گئے تھے۔۔۔ اور میں کچھ بھی نہ کر سکا تھا۔  
بہر حال۔۔۔ اس رات میں نے کچھ جاسوسی کرنے کا ارادہ کیا۔ پھر  
آیان کو بلا کر میں نے ثبام شہنشاہ کے دربار اور اس جگہ کے بارے  
میں معلومات حاصل کیں جہاں اس نے اپنی سالگرہ منانا تھی۔ وہ جگہ  
کوہ ہمالیہ کے دامن میں بظاہر ایک ویرانہ تھا۔ مگر میں نے اپنی روحانی  
پرواز سے وہاں پوری ایک بستی آباد دیکھی۔ بقول آیان کے۔۔۔۔۔  
وہ سب شہنشاہ کے انتہائی وفادار جنات اور انسانوں کی بستی تھی۔ اس  
بستی کا نام شہنشاہ نے اپنی ایک بیٹی کے نام پر چھپا پی رکھا ہوا تھا۔  
شہنشاہ کا دربار سوئزرلینڈ کی ایک بڑی اونچی پہاڑی پر تھا اس

پہاڑی کا نام واٹر بارن تھا۔ یہ چوٹی دور سے ہی آسمان سے باتیں کرتی معلوم ہوتی تھی۔ شہنشاہ نے بہت ہی زبردست حفاظتی حصار میں وہاں ایک عظیم واثان دربار بنایا ہوا تھا۔ اور وہی پر ہی اس کی مستقل رہائش تھی۔ مگر کبھی کبھار وہ چھپاپلی بھی آجاتا تھا۔ تاہم یہاں پر وہ باقاعدگی سے اپنی سالگرہ ضرور مناتا تھا۔

آیان نے مجھے بتایا کہ سالگرہ کے دن، چھپاپلی میں جشن کا سماں ہوتا ہے۔ اور سخت حفاظتی حصار بھی قائم کیا جاتا ہے۔ کوئی جن یا انس ۔۔۔ طالش سرکار کی اجازت کے بغیر چھپاپلی میں داخل بھی نہیں ہو سکتا۔

میں تقریباً۔۔۔ نصف رات تک اس علاقے کا جائزہ لیتا رہا اور مختلف منصوبوں پر سوچتا رہا مگر میری سمجھ میں کوئی بھی قابل عمل منصوبہ نہ آسکا۔

اگلے دن میں نے اس ملنگ سے ملنے کی بجائے دوکان پر جانا  
مناسب سمجھا۔ ہاں بلال کو سمجھا دیا کہ اگر وہ پھر آئے تو مجھے ضرور بلا  
لے۔

ظہر کی نماز کے تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد ہی مجھے بلال کے ایک  
بیرے نے بلال کا پیغام پہنچایا کہ وہ ملنگ آج آ گیا ہے۔ میں نے  
فوراً بابا سے اجازت طلب کی اور پھر دوکان سے باہر نکل آیا۔ ایک  
نسبتاً سنسنان گلی میں گھستے ہی میں نے اپنی روحانی پرواز کی اور اپنے  
جسم کو ارتکاز توجہ سے اٹھا کر اگلے ہی لمحے بلال کے ڈیرے کے باہر جا  
موجود ہوا۔

ریش آج بھی حسب معمول تھا۔ مگر مجھے دیکھتے ہی سب لوگوں نے  
راستہ دے دیا۔ اور میں اندر داخل ہو گیا۔ اندر کا منظر یہ تھا کہ بلال  
ایک طرف عقیدت مندانہ انداز میں کھڑا تھا جبکہ اس کی سیٹ پر ایک



ملنگ ٹائپ کا بابا بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے سارے بال سفید تھا اور چہرے پر سے ہوتے ہوئے گردن سے بھی نیچے تک جا رہے تھے۔ وہ وجد میں ”حق اللہ“ کی صدا لگا رہا تھا۔ اس کے سامنے ایک سائل لیٹا تھا۔ شاید وہ بے ہوش تھا۔

میں چند لمحے یہ سب دیکھتا رہا۔ اور پھر ملنگ بابا کو سلام کرنے کی نیت سے بولنا ہی چاہتا تھا کہ اچانک اس نے گھور کر مجھے دیکھا۔

”آگئے ہو تم۔۔۔ مجھے پتہ تھا۔۔۔ تم ضرور آؤ گے۔۔۔“ ملنگ

بابا نے بڑے معنی خیز لہجے میں کہا اور پھر ایک دم سے۔۔۔ ایک ہی فقرے کی تقرر شروع کر دی۔۔۔ ”ضرور آؤ گے۔۔۔“ ”ضرور آؤ گے۔۔۔“

ایک لمحے کو تو مجھے لگا کہ وہ میرے دل کی بات جانتا ہے مگر پھر اس کی تقرر سے لگا جیسے اس کا دماغ شاید درست نہیں ہے۔ پھر میں نے



ایک لمحے کے لیے آنکھیں بند کر کے اپنی روحانی پرواز سے اس کا جائزہ لیا۔ اور مزید حیران ہو گیا۔ اس کا جسم گہری نیلی روشنی میں گھرا ہوا تھا جو اس کے روحانی حیثیت کا ثبوت تھا۔ مگر حیرت کی بات یہ تھی کہ اس پر ایک اور گہرے براؤن رنگ کی روشنیوں کی بھی ایک تہہ تھی جو آج تک میں نے کسی اور شخص کے گرد نہیں دیکھی تھی۔

”بند آنکھوں سے کیوں جھانکتا ہے؟ کیا میں اندھا ہوں؟“

اچانک اس ملنگ بابا نے غضب ناک انداز میں مجھے گھور کر کہا۔

”معاف کرنا بابا۔۔۔ گستاخی ہو گئی۔“ میں نے فوری طور پر معافی

مانگتے ہوئے مودبانہ لہجے میں کہا۔

”تو اچھا لڑکا ہے۔۔۔۔ بادشاہ بنے گا۔۔۔ ایک دن۔۔۔ بادشاہ

بنے گا۔۔۔ ہاں۔۔۔ بس کہہ دیا۔۔۔ تو ایک دن بادشاہ بنے گا

۔۔۔ ہاں۔۔۔ بنے گا۔۔۔ بنے گا۔۔۔“ ملنگ بابا نے

پھر تقرر شروع کر دی۔ میرے لیے یہ ایک مشکل صورتحال تھی۔ بہر حال میں نے کچھ سوچ کر پوچھا۔

”بابا۔۔۔ تم چند دن پہلے اچھی نسل کے گھوڑوں کی بات کر رہے

تھے۔ کس کے ہاتھ لگ گئے وہ؟“ میں نے بات شروع کی۔

”کون سے گھوڑے؟“ ملنگ بابا نے گھور کر مجھے پوچھا۔ اور میں

گڑبڑا گیا۔ بے اختیار میں نے بلال کی طرف دیکھا۔

”باباجی۔۔۔ وہ جو آپ بکریوں کی اور گھوڑوں کی بات کر رہے تھے“

بلال نے جیسے اسے یاد دلاتے ہوئے کہا۔

”یہ آ تو گیا ہے۔۔۔ ان کو بچانے۔“ ملنگ بابا نے میری طرف انگلی

کرتے ہوئے ایسے کہا جیسے اب کوئی بات ہی نہ ہو۔

”وہ تو ٹھیک ہے۔۔۔ مگر ان گھوڑوں کو بچا نہیں کس طرح؟“ میں

نے الجھ کر پوچھا۔

”کوئی کہانی سناؤ“۔۔۔ ”کوئی کہانی سناؤ“ ملنگ بابا نے بجائے میری بات کا جواب دینے کہ پھر سے ایک نئی تقرار شروع کر دی۔ ”کوئی کہانی“ میں نے اس بار کسی قدر جھلائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

میرے لہجے سے شاید وہ ناراض ہو گئے۔ کیونکہ انہوں نے فوراً تقرار بند کر دی۔ پھر تھوڑی دیر یونہی ”حق اللہ۔۔ حق اللہ“ کی صدا انہیں لگانے کے بعد بولے۔

”اچھا میں سناتا ہوں۔۔۔“ ان کے لہجے میں عجیب سے رعب تھا۔ ”ایک شہزادہ تھا مگر بہت ہی موٹا۔۔۔ اتنا موٹا کہ۔۔۔ اس سے چلا بھی بڑی مشکل سے جاتا تھا۔۔۔ پھر اس کے دشمن نے اس کو ایک مرغی پکڑنے کا کہا۔۔۔ بابا بابا۔۔۔ وہ موٹا شہزادہ۔۔۔ اور مرغی پکڑے۔۔۔ واور ہے خدا۔۔۔ کیا تیری شان۔۔۔ تیری

شان سب سے جدا۔۔۔ اور تو عظیم۔۔۔ حق اللہ۔۔۔ حق اللہ۔۔۔“  
ملنگ بابا پھر حق اللہ کی تفرار میں گم ہو گئے۔

”پھر بابا“ میں نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے پوچھا۔

”پھر کیا۔۔۔ اس موٹے شہزادے نے عجب کیا۔۔۔ اس مرغی کے

سامنے لمبا لیٹ گیا۔۔۔ اور اپنے موٹے پیٹ پر مرغی کو دانہ ڈال

دیا۔۔۔ مرغی جھجکتی ہوئی دانہ کھانے لگی۔۔۔ اور۔۔۔ پیچھے سے

شہزادے کے سپاہیوں نے مرغی کے سارے انڈے چرا لیے۔۔۔۔

بابا بابا۔۔۔ بابا بابا۔۔۔ سارے انڈے چرا لیے۔۔۔ بابا بابا۔۔۔ کیسا

کھیل کھیل!۔۔۔ اس موٹے شہزادے نے۔۔۔ دیکھ خدا کی شان

۔۔۔ خدا کس سے۔۔۔ کیا کیا۔۔۔ کرواتا ہے۔۔۔ حق اللہ۔۔۔ حق

اللہ۔۔۔“ ملنگ بابا نے پھر تفرار شروع کر دیا اور میرے دماغ میں

چھناکے ہونے لگے۔ مجھے کچھ کچھ سمجھ آ رہی تھی۔ اگر میں اپنے آپ کو



موٹا شہزادہ مان لوں۔۔۔ اور طاش سرکار کو دشمن۔۔۔ مرغی کا رول  
اگر شہنشاہ کو دے دیا جائے تو مجھے کسی طرح اسے دانہ ڈال کر الجھانا  
ہے اور پیچھے سے میرے سپاہی یعنی میرے ساتھی۔۔۔ ان قیدیوں کو  
چھڑائے جائے گے۔ کچھ کچھ واضح تھا مگر ابھی بہت کچھ سمجھ میں نہیں  
آیا۔ پھر کچھ سوچ کر میں نے سوال کیا۔

”ملنگ بابا۔۔۔ اس موٹے شہزادے کو وہ دانہ کہاں سے ملا“  
ملنگ بابا نے پھر گھور کر مجھے دیکھا۔

”موٹا شہزادہ۔۔۔ خود ایک دانہ تھا۔۔۔ بابا بابا۔۔۔ خود ایک دانہ  
تھا۔۔۔ بابا بابا۔۔۔ وہ تو خود ہی دانہ تھا۔“ ملنگ بابا نے پھر تقرر  
شروع کر دی۔ اور میرا سر چکرا گیا۔ یعنی میں خود اپنے آپ کو دانہ بنا  
کر پیش کروں۔۔۔ مگر پھر۔۔۔ یہ تو ایک خودکشی ہوگئی۔

”بہت خوب بابا۔۔۔ اگر وہ موٹا شہزادہ خود ایک دانہ تھا۔۔۔ تو پھر

مرغی نے تو اس کو کھالیا۔۔۔ موٹا شہزادہ تو ہار گیا۔۔۔ وہ بادشاہ نہیں بنا  
نا؟“ میں نے سوال کیا۔

”بابا بابا۔۔۔ بابا بابا۔۔۔ کڑوا دانہ۔۔۔ کیا مرغی کڑوا دانہ کھاتی

ہے؟“ ملنگ بابا نے الٹا مجھے سے سوال کر دیا۔

”نہیں۔۔۔ مگر کڑوا دانہ کہاں سے آگیا؟“ میں نے بری طرح الجھ  
کر پوچھا۔

”وہ موٹا شہزادہ۔۔۔ بڑا عقلمند تھا۔۔۔ اس نے اپنے پیٹ پر کڑوا

دانہ رکھا تھا۔۔۔ جب مرغی اس کو کھانے آئی۔۔۔ تو اس کو پتہ چلا کہ

یہ تو ایک کڑوا دانہ ہے۔۔۔ وہ اس کو چھوڑ گئی۔“ ملنگ بابا نے اس بار

قدرے صاف لہجے میں آہستہ سے کہا۔

”اب تو پوچھے گا۔۔۔ دانہ کڑوا کیسے ہوتا ہے؟۔۔۔ پوچھ۔۔۔ پوچھ

۔۔۔ پوچھتا کیوں نہیں؟“ ملنگ بابا نے تیز لہجے میں پوچھا۔

”دانہ کڑوا کیسے ہوتا ہے؟“ میں نے اسی کی بات دہرا دی۔

”موٹا شہزادہ۔۔۔ موٹا کیسے ہوا؟ کسی کو نہیں پتہ۔۔۔ لیکن مجھے پتہ ہے۔۔۔۔۔ وہ موٹا ہوا۔۔۔۔۔ کیونکہ اس کو پتلا کرنے کی ایک کتاب اس کے پاس تھی۔۔۔ مگر اس نے اس کو کبھی پڑھا ہی نہیں۔۔۔ اس کی بات ہی نہ مانی۔۔۔۔۔ بس وہ موٹا ہو گیا۔۔۔ اس کتاب میں۔۔۔ دانہ بنانے کی ترکیب تھی۔۔۔ اس نے دیکھ لیا کہ دانہ کیسے بنتا ہے۔۔۔ کیسے چلتا ہے۔۔۔ کیسے بولتا ہے۔۔۔۔۔ بس پھر اس نے۔۔۔ اس کتاب میں سے۔۔۔ چند ترکیبوں کو استعمال کیا۔ اور پھر جب چاہا کڑوا دانہ بنا ڈالا۔۔۔ کڑوا۔۔۔ بنا ڈالا۔۔۔ بنا ڈالا۔۔۔“ ملنگ بابا نے پھر تقرر شروع کر دی۔

میرے دماغ میں گھنٹیاں بج رہی تھیں۔ مجھے سمجھ آرہی تھی۔ یہ سب میرے لیے اشارے تھے مگر۔۔۔ مجھے ڈر لگ رہا تھا کہ کہیں میں کسی

اشارے کو غلط نہ سمجھ لوں۔

”موٹے شہزادے کے پاس تو بہت سی کتابیں تھیں۔۔۔ وہ والی کتاب  
کوئی تھی؟“ میں نے پوچھا۔

”سب کے پاس ایک ہی کتاب ہے۔۔۔ سب کے پاس ایک ہی  
کتاب ہوتی ہے۔۔۔ کتاب تو ایک ہی ہے۔۔۔ کتاب تو ایک ہی  
ہے۔“ ملنگ بابا نے پھر سے تقریر شروع کر دی۔ پھر ایک دم جھٹکے سے  
اٹھ کھڑا ہوا۔ اور پھر حق اللہ کی صدا لگاتے ہوئے ایک طرف کوچل  
دیے۔

”بابا جی۔۔۔ کچھ اور تو بتائے اس شہزادے کے بارے میں؟“ میں  
نے جلدی سے پوچھا۔ مگر انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ بس حق اللہ کی  
صدا بلند کرتے ہوئے میرے قریب سے گزرنے لگے تو پتہ نہیں کیسے  
میری زبان سے نکل گیا۔



”اور وہ شہزادہ دبلا پتلا کیسے ہوا؟“

ملنگ بابا نے ایک دم رک کر مجھے گھورا۔۔۔

”دانہ جو کھاتا تھا۔۔۔۔۔ جو بھی دانہ کھائے گا۔۔۔۔۔ وہ موٹا تو ہو

گا۔۔۔۔۔ حق اللہ۔۔۔۔۔ حق اللہ“ ملنگ بابا نے پھر سے صدا بلند کرنا شروع

کی اور باہر نکل گئے۔ میں کچھ دیر یوں ہی کھڑا ان کی باتوں پر غور کرتا رہا

اور پھر ایک دم جیسے ہوش میں آ گیا۔ فوراً ان کے پیچھے باہر کو لپکا۔۔۔

مگر یہ کیا۔۔۔۔۔ باہر ان کا نام و نشان تک نہ تھا۔ دور دور تک وہ مجھے

کہیں نظر نہ آئے۔ میں نے وہاں کھڑے لوگوں سے پوچھا۔ کوئی

ایک طرف اشارہ کر رہا تھا تو دوسرا۔۔۔ دوسری طرف۔ مگر کوئی بھی نہ

بتا سکا کہ دراصل وہ کدھر کو گئے۔ کچھ دیر ان کو تلاش کر کے میں واپس

آ گیا۔

”یہ سب کیا تھا۔۔۔۔۔ مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آیا؟“ بالال نے ہنستے ہوئے

پوچھا۔

”مجھے کچھ سمجھ آیا۔۔۔ اور بہت کچھ نہیں۔۔۔“ میں نے بھی ہنستے

ہوئے کہا۔ ”اور وہ بابا جی بھی گم ہو گئے ہیں۔“

اچانک مجھے اپنی روحانی پرواز کا خیال آیا۔ میں نے فوراً وہی بیٹھ کر

الٹی پالتی ماری اور روحانی پرواز کی چھلانگ لگائی۔ آسمان پر پہنچ کر

میں نے ایک ہی نظر میں ان کو ڈھونڈ لیا۔ وہ ایک صحرا میں تھے۔۔۔

جی ہاں۔۔۔ اتنی تھوڑی سی دیر میں وہ وہاں کیسے پہنچے۔۔۔ میں نہیں

جانتا مگر وہ وہاں پر تھے۔ یہاں سے ہزاروں میل دور۔۔۔ میں فوراً

ان کے پاس پہنچ گیا۔ انہوں نے بھی میری روح کو دیکھ لیا۔

”بس بیٹا!۔۔۔ اب مزید کچھ نہ پوچھنا۔۔۔ جو بھی اذن خداوندی تھا

۔۔۔ میں تمہیں پہلے ہی بتا چکا ہوں۔۔۔ اب اس سے زیادہ بتانے

کے لیے میرے پاس کچھ نہیں ہے۔۔۔ تم واپس چلے جاؤ۔۔۔ اور

اپنے خدا پر بھروسہ رکھو۔“ اس بار انہوں نے واضح اور صاف الفاظ میں جواب دیا۔ اب نہ تو وہ بھکی ہوئی باتیں کر رہے تھے اور نہ ہی اشاروں کی زبان استعمال کر رہے تھے۔

”باباجی۔۔ اگر مجھے آپ سے راہنمائی کے لیے پھر ملنا ہو تو؟“ میں نے ہوا میں آواز کا ارتعاش پیدا کیا۔

”تمہاری خواہش سے کچھ نہیں ہوتا۔۔۔۔ خدا کی مرضی ہوئی تو پھر ملے گے۔ اب تم جاؤ۔“ انہوں نے جلدی سے کہا اور پھر ایک سمت کو چل دیے۔ میں کچھ دیر ان کو دیکھتا رہا۔۔ اور پھر واپس اپنی جگہ حاضر ہو گیا۔

”کیا وہ با با مل گیا؟“ مجھے آنکھیں کھولتے دیکھ کر بالال نے جلدی سے پوچھا۔

”ہاں!۔۔ مگر انہوں نے مجھے واپس بھیج دیا۔ کہتے ہیں۔۔۔ جو کہنا



تھا کہہ دیا۔ بس۔۔۔ اور کچھ نہیں۔“ میں نے جواب دیا۔۔۔ اور  
پھر خاموشی سے اٹھ کر باہر نکل آیا۔

کچھ دیر بعد ہی میں دوکان پر تھا۔ شام تک وہاں کام کیا مگر دماغ  
مسلسل اس موٹے شہزادے کی کہانی میں الجھا رہا۔ کچھ کچھ اڑیاں مل  
رہی تھیں۔ مجھے اپنے آپ کو چارے کے طور پر شہنشاہ کے سامنے پیش  
کرنا تھا۔ اور پھر جب میں شہنشاہ اور طالش سرکار کو الجھاتا۔۔۔ کسی  
اور کو ان قیدیوں کو لے کر نکلتا تھا۔۔۔ اور پھر مجھے بھی بچنا تھا۔ یعنی  
میری جگہ بھی کوئی اور ہوگا۔ مگر کون۔۔۔ اور کیسے۔۔۔ یہ سب کچھ سمجھ  
میں نہیں آ رہا تھا۔ یہ سب کیسے ہوگا۔ پھر یہ بھی سمجھ میں آ رہا تھا کہ مجھے  
انہوں نے موٹا شہزادہ کہا۔۔۔ جس سے مراد یہ تھی کہ میں بہت سست  
ہوں۔ شاید اس سے مراد۔۔۔ میرا روحانی علوم سیکھنے میں سستی تھا  
۔۔۔ مگر میں تو اپنی پوری کوشش کر رہا ہوں۔ اور پھر دانہ کھانا میرے



موٹاپے کا سبب بن گئے۔ کیا اس کا مطلب یہ تھا کہ مجھے اپنی خوراک کم کرنا چاہیے تھی۔ یا بالکل کچھ نہ کھاؤ۔۔۔ مگر میں تو پہلے ہی ضرورت کے مطابق کھاتا تھا۔ اور بظاہر میں ایک دبلا پتلا نوجوان ہی تھا۔ اگر اتنا بھی چھوڑ دوں گا تو بستر پر جالگوں گا۔ مجھے کھانے میں ویسے بھی کوئی رغبت محسوس نہیں ہوتی تھی۔ بس ضرورت کے مطابق ہی کھایا کرتا تھا۔ ایک اور بات جو سمجھ میں آرہی تھی وہ یہ تھی کہ یہ ساری باتیں اور چیزوں کے نام تو جہی تھے۔ موٹے شہزادے سے مراد۔۔ ایک ایسے جادوگر سے تھی جو اپنی قوتوں میں کمزور تھا۔ اسی طرح دانہ سے مراد۔۔۔ وہ شہزادہ خود تھا۔ خوراک نہیں۔ یعنی دانہ سے مراد انسان۔۔۔ مگر وہ شہزادہ موٹا بھی دانہ کھانے سے ہوا۔ میں انسان تو نہیں کھاتا۔۔۔۔۔ یہ سب کچھ الجھتا جا رہا تھا۔

بہر حال۔۔۔ شام تک الجھتے رہنے کے بعد میں بابا کے ساتھ ہی دوکان

بند کر کے واپس آ رہا تھا اور بابا مجھے سیاستدانوں کا حال بتا رہے تھے۔

”یہ جو ہمارے لیڈر ہیں۔۔۔ یہ تو جونکوں کی طرح عوام کو چمٹے ہوئے ہیں۔۔۔ اور ہمارا ہی خون پیئے جا رہے ہیں۔ بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو کھائے جا رہی ہے۔۔۔“ بابا بتا رہے تھے اور اس فقرے پر میں چونک پڑا۔

”بابا!۔۔۔ بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو کیسے کھا رہی ہے؟“ میں نے سوال کیا۔

”بیٹا!۔۔۔ یہاں مچھلی سے مراد۔۔۔ امیر لوگ ہیں بڑی مچھلی ہیں اور چھوٹی مچھلی سے مراد غریب لوگ ہیں۔“ بابا نے جواب دیا۔

”تو بڑے امیر غریب لوگوں کو کیسے کھا رہے ہیں؟“ میں نے الجھ کر پوچھا۔ بات تو سامنے کی تھی مگر میں دراصل اسے اس شہزادے والی کہانی سے ملاتا تھا۔

”دیکھو بیٹا!۔۔۔۔۔ جب امیر لوگ طاقت کے نشے میں بدست ہاتھی کی طرح کاروبار کرتے ہیں تو بے چارے بہت سے چھوٹے تاجر اور عزت کی روٹی کھانے والوں کے کاروبار چوپٹ کر دیتے ہیں۔ ان کو روزی سے محروم کرنے کا مطلب ایک طرح سے ان کو مارنا ہی ہے۔ یعنی اصطلاح اگر امیر آدمی غریب آدمی کو روزی تنگ کر کے مرنے پر مجبور کر رہا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ وہ اس کو کھا رہا ہے۔“ بابا نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا اور میرے دماغ میں کچھ نئے درتے کھل گئے۔

میں ایک موٹا شہزادہ تھا اور میری خوراک دانے ہیں۔ ایک دانے سے مراد۔۔ ایک انسان تھی۔ اس کا مطلب ہے کہ میں اگر دانے کھا کر موٹا ہو رہا ہوں۔۔۔ یعنی۔۔۔ انسانوں کو مار رہا ہوں۔ اور اگر مجھے ٹھیک ہونا ہے۔۔ یعنی دبلا پتلا ہونا ہے۔۔ تو مجھے کھانا چھوڑنا ہوگا



۔۔ یعنی لوگوں کو مارنا چھوڑنا ہوگا۔

میں اپنی گتھی سلجھاتا رہا۔۔۔ اور بابا مجھے سیاست کے اوتار چڑھاؤ بتاتے رہے۔ ہم جیسے ہی گھر پہنچے۔ دیکھا کہ بلاال صحن میں بیٹھا قرآن شریف کی تلاوت کر رہا ہے۔ اس کو دیکھ کر بابا بڑے خوش ہوئے اور میرے دماغ میں کچھ درتے چمکے مزید کھل گئے۔ ”وہ کتاب جو ایک ہی ہے اور سب کے پاس ہے۔“ وہ صرف قرآن ہی ہو سکتی تھی۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ سب ترکیبیں اسی قرآن میں ہے جن کو استعمال کر کے میں جس انسان (دانہ) کو چاہوں اپنی مرضی کے مطابق چلا (کڑوا) سکتا ہوں۔

”اب یہی دیکھ لو بیٹا!۔۔۔ یہ قرآن شریف اللہ کی کتاب ہے۔۔۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس میں تمام کائنات کے مسائل کا حل ہے۔ مگر ہم میں سے کتنے ہیں جو اپنے مسائل کا حل اس میں تلاش کرتے



ہیں؟ شاید بہت ہی کم۔۔“ بابا نے افسردہ لہجے میں کہا اور اندرونی  
کمرے کی طرف چل دیے۔ جبکہ میرے منہ سے بے اختیار نکل گیا  
”بے شک۔“

میں بلال کے پاس بیٹھ گیا۔ اور پھر پہلی بار میں نے اپنی روحانی آنکھ  
سے بلال کے قرآن پڑھنے کا بغور مطالعہ کیا۔ بظاہر تو اس کے منہ سے  
الفاظ کا ارتعاش پیدا ہو رہا تھا مگر جب میں نے غور کیا تو یوں محسوس ہوا  
کہ جیسے ہر لفظ ایک روشنی پیدا کر رہا ہے۔ اور وہ روشنی بلال کے ارد گرد  
پھیل رہی ہے۔ مگر آہستہ آہستہ وہ ہوا میں تحلیل بھی ہوتی جا رہی تھی۔  
پھر شاید بلال نے پڑھنے کی رفتار تیز کر دی تو اسی طرح روشنی کا پیدا  
ہونا اور پھر ہوا میں تحلیل ہونے کا عمل بھی تیز ہو گیا۔ میں ابھی اس عمل  
کو سمجھنے کی کوشش ہی کر رہا تھا کہ اچانک بلال نے قرآن شریف کو  
پڑھنا بند کر کے ایک طرف پڑے میز پر رکھ دیا۔ اور مجھے بھی اپنی

روحانی پرواز ختم کرنا پڑی۔

”کیا بات ہے سلیمان!۔۔۔ کچھ الجھے الجھے لگ رہے ہو۔“ بلال نے بغور مجھے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”کچھ خاص نہیں۔۔۔ آجکل میں ایک عمل سیکھنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ بس شاید اسی لیے تم کو ایسا محسوس ہو رہا ہے۔“ میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ ”چلو۔۔۔ آؤ کھانا کھائیں۔“

”ہاں۔۔۔ مجھے بھی خوب بھوک لگی ہے۔“ بلال نے جلدی سے کہا۔ شاید اس کو خوب بھوک لگی ہوئی تھی۔

ہم نے بابا کے ساتھ مل کر کھانا کھایا۔ اور پھر کچھ دیر ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد سونے کے لیے اپنے اپنے بستر پر چلے گئے۔ میں چھت پر چلا گیا۔ مگر اس بار میں اپنے ساتھ قرآن شریف لے آیا تھا اور ایک ٹیبل لیمپ بھی۔ میں نے بستر کے پاس ہی لیمپ روشن کر لیا

اور پھر قرآن شریف کے الفاظ پر غور کرنے لگا۔ میرا طریقہ کار کچھ یوں تھا کہ میں چند آیات کو ذہن نشین کر کے روحانی پرواز کے دوران ان الفاظ کی آواز کا ارتعاش پیدا کرتا اور پھر اس پر غور کرتا۔

میں نے دیکھا کہ قرآن شریف کا تقریباً ہر لفظ ایک خاص قسم کی روشنی پیدا کرتا تھا۔ تاہم وہ روشنی اتنی کم مقدار میں ہوتی تھی کہ بہت جلد ہی ہوا میں تحلیل ہو جاتی تھی۔ میں تقریباً ساری رات ہی قرآن شریف کی آیات پر غور کرتا رہا اور ان کے معانی کے ساتھ ساتھ ان سے پیدا ہونے والی روشنی کو سمجھنے کی کوشش کرتا رہا۔ فجر کی آذان پر میں چونکا۔

پھر دوبارہ وضو کر کے نماز کے لیے کھڑا ہو گیا۔ آج نماز کا لطف ہی کچھ اور تھا۔ میں آہستہ آہستہ نماز کے الفاظ ادا کر رہا تھا اور اپنی روحانی آنکھ سے اس سے پیدا ہونے والی روشنیوں کو دیکھ رہا تھا۔ جب میں نماز سے فارغ ہوا تو میرے گرد ایک نارنجی رنگ کی روشنی ہلکا سا احاطہ



کیے ہوئے تھی۔ پھر میں کچھ دیر سونے کی نیت سے لیٹ گیا مگر نیند  
میری آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ میں ان روشنیوں کے درمیان تعلق  
پر غور کرتا رہا۔ اسی اثناء میں مجھے نیچے کچھ بل چل محسوس ہوئی۔ شاید  
لال اور بابا اٹھ گئے تھے۔ میں نے جلدی سے بستر سمیٹا اور پھر قرآن  
شریف اٹھا کر سیڑھیوں کی طرف چل دیا۔

بابا نماز پڑھ رہے تھے جبکہ لال آنکھیں ملتا ہوا وضو کرنے جا رہا تھا۔  
مجھے دیکھ کر وہ رک گیا۔

”کیا بات ہے؟ آج جلدی اٹھ گئے؟“ لال نے حیرت سے  
پوچھا۔

”ہاں۔۔۔ رات بھر سو نہیں سکا۔ اب جگہ تلاش کر رہا ہوں“ میں نے  
مسکراتے ہوئے کہا اور جلدی سے اپنے کمرے کی طرف بھاگ پڑا۔  
میرے کمرے میں بابا نماز پڑھ رہے تھے۔ میں آہستگی سے ایک



طرف پڑے ہوئے اپنے بستر پر لیٹ گیا۔ نیند تو نہ آئی تاہم میں بابا کو دیکھتا رہا۔ اور پھر میں نے انہیں نماز کے بعد کچھ پڑھ کر اپنے پر پھونکتے دیکھا۔ تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر میں نے روحانی آنکھ سے دیکھا کہ اس پھونک کا کیا اثر ہوا تو میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ بابا کے گرد ایک گہرے مالے رنگ کی روشنیوں نے احاطہ کیا ہوا تھا۔ یہ روشنیاں عموماً کسی انسان کے گہرے نظر نہیں آتی تھیں۔ میں فوراً روحانی پرواز ختم کر کے بابا سے پوچھا کہ انہوں نے ابھی کیا پڑھ کر اپنے پر پھونکا تھا اور کیوں؟

”بیٹا!۔۔۔ میری عادت ہے کہ میں روزانہ فجر کی نماز کے بعد ایک بار آیت الکرسی اور چاروں قل شریف پڑھ کر اپنے اوپر پھونکتا ہوں۔ شاہ جی بتاتے ہیں کہ ایسا کرنے سے انسان ہزاروں بلاؤں اور خصوصاً جادو ٹونے سے محفوظ رہتا ہے۔“ بابا نے بڑے پیار سے

مجھے بتایا۔ میں ان کی بات سن کر حیران ہونے کے ساتھ ساتھ تھوڑا سا  
پر جوش بھی ہوا۔ اور پھر میں نے ایک تجربہ کرنے کا فیصلہ کیا۔  
میں بابا کے لیے ہوئے باہر نکلا۔ بلال دوبارہ سونے کی تیاری کر رہا  
تھا۔ میں نے اس کو ہلایا اور کہا۔

”بلال۔۔ مجھے ایک تجربے کے لیے تمہاری ضرورت ہے۔ میں چاہتا  
ہوں کہ تم اپنی کسی بیرے کی مدد سے بابا پر حملہ کرو۔“ میں نے جلدی  
سے کہا۔

”تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے؟“ بلال میری بات سن کر اچھل پڑا۔  
”ہاں!۔۔ ٹھیک ہے۔۔ اچھایوں کرو کہ بس اپنے بیرے کو یہ حکم دو کہ  
وہ بابا کو تھوڑی دیر کے لیے ہوا میں بند کرے۔“ میں نے سنبھاتے  
ہوئے کہا۔

بلال نے اثبات میں سر ہلایا اور پھر اس نے اپنے ایک بیرے کو بلایا۔

میں نے بابا کو تسلی دی اور خود روحانی پرواز شروع کر دی۔ بلال نے اپنے بیرے کو بابا کو اٹھانے کا حکم دیا۔ مگر بیرے نے جیسے ہی بابا کو اٹھانے کے لیے انہیں چھونے کی کوشش کی اسے ایک تیز کرنٹ لگا۔ وہ کرنٹ اتنا تیز تھا کہ وہ بیرا اچھل کر دور جا گرا۔ بلال چونکہ اپنے بیرے کو دیکھ سکتا تھا اس لیے وہ بھی حیران رہ گیا کہ یہ کیسے ہو گیا۔

”ٹھیک ہے بلال۔۔۔ اب تم سو جاؤ۔۔“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ پھر بابا کو ساتھ لے کر باہر آ گیا۔

بابا نے مجھے سے کچھ نہیں پوچھا۔ شاید ان کو بھی سمجھ آ گئی تھی کہ میں نے اس کلام کی طاقت کا کرشمہ دیکھا ہے۔ بہر حال اس واقعے نے میرے سوچنے کے لیے بہت سے راستے کھول دیے۔

ہم سب اپنی اپنی روٹین میں مصروف ہو گئے۔ مگر جب بابا دوکان پر جانے لگے تو میں نے ان کو بتا دیا کہ آج میں نہیں آ سکوں گا۔ مجھے شاہ



صاحب سے ملنا ہے۔ انہوں نے حسب معمول کوئی اعتراض نہیں کیا۔ میں نے چند گھنٹوں کی نیند لی۔ اور پھر شاہ جی سے ملنے چلا گیا۔ شاہ جی مجھے دیکھ کر حسب معمول خوش بھی ہوئے اور حیران بھی۔ بہر حال میں نے دعا سلام کے بعد اپنا مدعا ان کے سامنے رکھ دیا۔ ”شاہ جی!۔۔۔ مجھے ایسے عملیات کی تفصیل چاہیے جو جادو ٹونے کے خلاف استعمال کیے جاتے ہیں۔ جیسے ایک عمل میرے بابا، آپ کے حکم پر ہر روز فجر کی نماز کے بعد کرتے ہیں۔ آیت الکرسی اور چاروں قل شریف پڑھ کر۔“ میں نے احترام بھرے لہجے میں سوال کیا۔

”بیٹا!۔۔۔ ویسے تو ایسی بہت سے کتابیں ہیں جن میں ایسے بے شمار عملیات درج ہیں۔ مگر میرا اعتقاد اپنے پیرومرشد کی کتاب پر زیادہ ہے۔ اگر کہو تو وہ تمہیں دکھا سکتا ہوں۔“ شاہ جی نے محبت



بھرے لہجے میں جواب دیا۔

”ضرور شاہ جی!۔۔۔ میں مشلور ہوں گا۔“ میں نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

شاہ جی اٹھ کر ایک الماری کے پاس گئے اور پھر کچھ دیر ڈھونڈنے کے بعد وہ ایک موٹی اور کافی ضعیف کتاب اٹھا لائے۔ مجھے اسے دیکھ کر ہی محسوس ہو گیا کہ اس کو پڑھنے کے لیے مجھے کافی وقت چاہیے ہوگا۔

”شاہ جی!۔۔۔ کیا میں یہ کتاب ایک دن کے لیے اپنے پاس رکھ سکتا ہوں؟“ میں نے سوال کیا۔

”ہوں۔۔۔ بیٹا!۔۔۔ یہ میرے پاس آخری نسخہ ہی ہے۔ اگر اس کو احتیاط اور مکمل حفاظت کے ساتھ پڑھنے کا وعدہ کرو۔۔۔ تو پھر میں دے سکتا ہوں۔“ شاہ جی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”ضرور!۔۔۔ میں انشاء اللہ آپ کو کل اسی حالت میں واپس

کروں گا۔“ میں نے وعدہ کرتے ہوئے کہا۔ اور پھر ان کی اجازت سے وہ کتاب لے کر واپس گھر آ گیا۔

صرف ایک گھنٹے کے مطالعے نے ہی میرے اوپر ایک نئی دنیا کے دروازے کھول دیے۔ میں نے ان میں درج عملیات کی تفصیل کے مطابق جب ان سے پھوٹنے والی روشنی کو جانچا تو مجھے ایک خاص ربط محسوس ہوا۔ جیسے مائلٹھ رنگ یا اس سے ملتے جلتے رنگ کی روشنیاں انسانوں کی حفاظت کے لیے استعمال ہوتی تھیں۔ روشنی جتنی گہری ہو، اتنا ہی اس کا اثر طاقتور اور لمبی مدت کے لیے رہتا تھا۔ اسی طرح میں نے وہ روشنیاں بھی دیکھیں جن کی مدد سے ہم کچھ روشنیوں کو فوراً تحلیل کر سکتے تھے۔ اور ان روشنیوں کے تغیر سے انسانی جسم پر مختلف اثرات بھی مرتب کئے جاسکتے تھے۔ جیسے ایک خاص قسم کی روشنی انسانی جسم کو گرہ پھیلا دی جائے تو وہ شخص اپنے جسم

پر بہت تیز حرارت محسوس کر سکتا تھا۔ بالکل ایسے جیسے اس کو جالایا جا رہا ہو۔ الغرض!۔۔۔ اس کتاب نے مجھے وہ بنیادی کلیے سمجھنے میں بڑی مدد کی جس کی مدد سے میں اب قرآن شریف کی دوسری آیات کی افادیت سے بھی واقف ہو سکتا تھا۔

اب مجھے ایک تجربہ گاہ کی ضرورت تھی۔ میں نے کچھ سوچ کر بالال کو بلانے کا فیصلہ کیا۔ میں روحانی سپرداز کرتے ہوئے بالال کے ڈیرے پر گیا۔ اور مناسب وقت دیکھ کر اس کے کان کے پاس اسے گھر آنے کا پیغام ہوا میں آواز کا ارتعاش پیدا کر کے پہنچا دیا۔ وہ چونکا تو ضرور مگر اس کے لیے اس طرح کی بات کوئی خاص نہیں تھی۔ بہر حال آدھے گھنٹے میں وہ گھر آ گیا۔

میں نے اسے بتایا کہ میں کچھ نئے عملیات پر تجربات کر رہا ہوں۔ اس لیے میں جیسے جیسے کہتا جاؤں۔۔۔ وہ کرتا جائے۔ اس نے حامی بھر



لی۔

سب سے پہلے میں نے مختلف عملیات کے ذریعے ایک حفاظتی نظام ترتیب دیا۔ اور پھر اس کو کہا کہ وہ اپنا ہر داؤ استعمال کر کے مجھے نقصان پہنچانے کی کوشش کریں۔ پہلے پہل تو اس نے جھجک میں ہلکے وار کیے مگر سب کو ہی ضائع جاتا دیکھ کر اس کی ہمت بڑھی اور پھر اس نے اپنے طور پر خطرناک سے خطرناک وار بھی کر لیا۔ مگر وہ مجھے چھو بھی نہ سکا۔ اس سے مطمئن ہو کر میں نے اس کے مختلف بیروں کے گرد موجود روشنیوں کا تجزیہ کیا اور پھر بالال کی اجازت سے کچھ عملیات ان پر آزمائے جن کا خاطر خواہ نتیجہ برآمد ہوا۔ اب میں اگر چاہتا تو صرف چند آیتوں کی مدد سے اس کے سارے بیروں کا قلع قمع کر سکتا تھا۔

ہم رات گئے تک اسی قسم کے تجربات میں مصروف رہے۔ اور پھر بابا



گھر آگئے۔ ان کے آنے پر میں بازار سے کھانا لے آیا اور پھر ہم سب نے مل کر کھانا کھایا۔ کھانا کھانے کے کچھ دیر بعد تک باتیں وغیرہ ہوتی رہیں اور پھر میں جلد ہی اجازت لے کر چھت پر چل دیا۔ میں نے اپنے ساتھ قرآن شریف، شاہ جی سے لائی ہوئی کتاب اور ٹیبل لیمپ بھی لے لیا تھا۔ ابھی میں نے پڑھنا شروع ہی کیا تھا کہ اچانک میرے گرد بھونگ کا دھواں نمودار ہونے لگا۔ میں چونک پڑا۔ ہشام جن وہاں موجود تھا۔

”اے ہادی!۔۔۔ تجھے ہشام ساپوٹری کا سلام!“ ہشام نے کھر درے سے لہجے میں کہا۔

”وعلیکم السلام!۔۔۔ ہشام کہو۔۔۔ کیسے آنا ہوا۔“ میں نے سلام کا جواب دیتے ہوئے پوچھا۔

”ہادی!۔۔۔ جنات میں بے چینی پھیل رہی ہے۔ وہ جاننا چاہتے

ہیں کہ ہادی ان کے لیے کیا کرنے والا ہے۔“ ہشام نے پوچھا۔  
”ہشام!۔۔۔ اللہ نے چاہا تو ہم ضرور اپنے ارادے میں کامیاب  
ہونگے۔ مجھے تم سے کچھ پوچھنا ہے۔ پھر میں تمہیں اپنا پروگرام بتاؤ  
گا۔“ میں نے کہا۔

”اے ہادی!۔۔۔ میں تیرے سوالوں کا منتظر ہوں۔“ ہشام نے  
جلدی سے کہا۔

”کیا تم اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ۔۔۔ شہنشاہ کی سالگرہ کی  
تقریب میں چھپ کر جا سکتے ہو؟“ میں نے سوال کیا۔  
”ناممکن تو نہیں۔۔۔ مگر بہت ہی مشکل ہے۔ مگر ہادی کیا چاہتا  
ہے؟“ ہشام کے چہرے پر تذبذب نمایاں تھا۔

”ہشام!۔۔۔ میں چاہتا ہوں کہ میں کچھ دیر کے لیے شہنشاہ، طالش  
اور سرکاری فوج کو اپنی طرف متوجہ کر لوں گا۔ ایسے میں تمہیں پھرتی

سے اپنے ساتھیوں سمیت قیدیوں کو آزاد کروا کر نکھنا ہوگا۔“ میں نے ملنگ بابا سے ملنے والا پلان بتاتے ہوئے کہا۔

”اے ہادی!۔۔۔ ایسا ناممکن ہے۔“ ہشام فوراً بول پڑا ”وہ

سب بہت ہی طاقتور ہیں اور پھر ان کے ساتھ جادوگروں کی ایک

بڑی فوج ہے۔ ہم ان سے جنگ کا سوچ بھی نہیں سکتے۔“

”تم کو ان سے جنگ نہیں کرنا۔“ میں نے جلدی سے کہا۔ ”اچھا!۔۔۔

یہ بتاؤ۔۔۔ وہاں کس قسم کے حفاظتی انتظام ہونگے“

”ہادی!۔۔۔ شہنشاہ اپنی سالگرہ چھپاپی میں مناتا ہے اور اس بستی

میں جانا اپنی موت کو آواز دینے کے برابر ہوتا ہے۔ ساری بستی شہنشاہ

کے گرد اکھٹی ہوتی ہے اور وہ سب کے سب شہنشاہ کے وفادار ہیں۔

ہمارے کچھ جاسوس وہاں پر موجود ہیں مگر وہ صرف معلومات کی حد

تک ہی ہماری مدد کر سکتے ہیں۔“ ہشام نے تفصیل بتاتے ہوئے



کہا۔ اور میں الجھ سا گیا۔ میرا خیال تھا کہ یہ بہت آسان ہوگا۔ مگر نظر آ رہا تھا کہ اس میں بہت پیچیدگیاں ابھی باقی تھیں۔

”اچھا ہشام!۔۔۔ مجھے تھوڑا وقت اور چاہیے۔ تم ایسا کرو۔۔۔ صبح فجر کی اذان کے وقت میرے پاس آنا۔ میں انشاء اللہ تمہیں سارا منصوبہ سمجھا دوں گا۔“ میں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

”ٹھیک ہے ہادی!۔۔۔ اب مجھے اجازت!“ ہشام نے جلدی سے کہا اور پھر میرے سر ہلانے پر تیزی سے سبز رنگ کے دھوئیں میں تبدیل ہو کر ہوا میں تحلیل ہو گیا۔

اس کے جانے کے بعد کچھ دیر میں یونہی بیٹھا سوچتا رہا۔ پھر الٹی پالٹی مار کر بیٹھا اور روحانی پرواز کرتا ہوا چھپاپی کے گرد چکر لگانے لگا۔ کچھ دیر اس کے گرد کے چکر لگانے کے بعد اچانک میری توجہ شمالی طرف کوہ ہمالیہ کے پہاڑی سلسلے کی طرف گئی۔ ایک قریبی چوٹی نے



چھپا پی بستی پر جیسے سایہ کیا ہوا تھا۔ میں نے اس چوٹی کے گرد ایک چکر لگایا۔ میرے ذہن میں فوراً ایک خیال آیا۔ تھا تو یہ بہت ہی عجیب سا خیال مگر میں اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ اگر کسی طرح ہم ایک سرنگ اس کے اندر ہی اندر نکال سکیں تو یقیناً قیدیوں کو لے کر بھاگنے میں آسانی رہے گی اور پہاڑی کی وجہ سے فوری طور پر تلاش یا کوئی اور جادوگر بھی ان کو تلاش نہیں کر سکے گا۔ مگر سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ اتنے مختصر سے وقت میں ایسا ممکن کیسے ہوگا۔ اور پھر میں نے اپنے زمینی سفر کے تجربے کو استعمال کرنے کا فیصلہ کیا۔ میں اپنی روحانی پرواز کی مدد سے اس پہاڑی کی جڑ میں چلا گیا اور پھر اس سے نیچے بھی اور وہاں مجھے زمین میں بڑے بڑے خلاء اور کریک صاف نظر آ رہے تھے۔ میں کچھ دیر تک ان کی ساخت اور حدود کا جائزہ لیتا رہا۔ اور بلا آخر ایک راستہ مجھے سب سے آسان لگا۔ اس راستے کو

قابل عمل بنانے کے لیے ہمیں کم از کم چھ جگہوں پر چھوٹی چھوٹی سرنگیں بنانا تھیں۔ میرے اندازے کے مطابق اگر جنوں کی ایک بڑی تعداد ہمارا ساتھ دے تو یہ کوئی بڑا مشکل کام نہ تھا۔ اور ہم ایک ہی وقت میں سب جگہوں پر کام شروع کروا کر اسے جلد سے جلد مکمل کر سکتے تھے۔ اس راستے کی ابتداء بہت اچھی جگہ سے تھی۔ یہ ایک قدرتی کر یک تھا۔ کوئی بھی اسے دیکھ کر اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ اس کی گہرائی کتنی ہوگی۔

میرے منصوبے کے مطابق ان قیدیوں کو کسی طرح اس کر یک سے گزار کر ہمالیہ سلسلے میں نسبتاً ایک چھوٹی پہاڑی تک پہنچانا تھا۔ پھر وہاں سے وہ نو دو گیارہ ہو سکتے تھے۔ کیونکہ طالش سرکار اور سرکاری فوج کبھی بھی اندازہ نہیں لگا سکتی تھی کہ بھاگنے والے قیدی آسمان پر پرواز کرنے کی بجائے زمینی راستے سے فرار ہوئے ہیں۔

اور عموماً علم زوجیلا کے ماہر بھی زمین کے اندر کم ہی کسی کو تلاش کرنے پر توجہ دیتے ہیں۔ لہذا اس منصوبے میں کامیابی کے چانس بہت زیادہ تھے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ ان قیدیوں کو تلاش اور سرکاری فوج کی گرفت سے آزاد کیسے کروایا جائے گا۔ یہ سوچتے ہوئے میں نے چھپاپی کے اوپر پھر ایک چکر لگایا اور اس بار میں نے اس چوٹی کے مخالف سمت کا جائزہ لیا۔ کچھ ہی دور ایک اور پہاڑی سلسلہ شروع ہو رہا تھا۔ میں نے جلدی سے اس کا بھی جائزہ لے ڈالا۔ اور پھر میں نے ایک پلان تیار کیا۔ اس پلان کے مطابق، مجھے شہنشاہ، طالش اور سرکاری فوج کو لکار کر اس قریبی پہاڑی سلسلے تک پہنچانا تھا۔ اور پھر کچھ دیروہاں پر الجھنا تھا۔ اتنے میں چھپاپی میں ہشام اور اس کے ساتھی حملہ کر کے قیدیوں کو چھڑا کر اس کریک کے راستے روپوش ہو سکتے تھے۔ اس سارے پلان میں سب سے زیادہ



خطرہ مجھے تھا۔ کیونکہ مجھے ابھی تک طالش سرکار اور سرکاری فوج کی طاقت کا اندازہ نہ تھا۔ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ وہ مجھے چٹکیوں میں کچل ڈالتے اور سارے کا سارا پلان دھرے کا دھرا رہ جاتا۔ مگر مجھے کچھ نہ کچھ تو کرنا تھا اور پھر ملنگ بابا سے ملے ہوئے اشاروں سے لگتا تھا کہ مجھے کچھ ایسا ہی پلان ترتیب دینا چاہیے تھا۔ بہر حال میں نے اس منصوبے کے بارے میں ہشام جن سے مشورہ لینے کا فیصلہ کیا۔ روحانی پرواز ختم کر کے میں نے سورہ جن پڑھ کر ہشام ساپوٹری کو آواز دی۔ دوسری ہی آواز پر وہ حاضر ہو گیا۔

”اے ہادی!۔۔۔ تو نے مجھے یاد کیا۔“ ہشام نے اپنے مخصوص لہجے میں کہا۔

”ہاں ہشام!۔۔۔ مجھے تم سے ایک رائے لینا ہے۔“ میں نے جلدی سے کہا اور پھر اسے اپنا سارا منصوبہ بتانے لگا۔ اس نے بڑے غور سے



سارا منصوبہ سنا۔ پھر کسی سوچ میں ڈوب گیا۔

”ہا دی!۔۔۔ یہ منصوبہ یوں تو قابل عمل ہے۔ وہ اس طرح کہ میں اور میرے ساتھی، شہنشاہ، طالش، اور اہم سرکاری عہدہ داروں کی غیر موجودگی میں با آسانی قیدیوں کو چھڑا سکتے ہیں مگر مجھے لگتا ہے کہ تم ان کی طاقت کا اندازہ لگانے میں سخت غلطی کر رہے ہو۔“ ہشام جن

نے تشویش بھرے لہجے میں کہا۔  
”تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔۔۔ مگر اس کے علاوہ کوئی اور راستہ بھی تو نہیں ہے۔“ میں نے بیچارگی سے کہا۔

”جیسے تمہاری مرضی۔“ ہشام نے کہا۔ ”چلو مجھے ان جگہوں کی نشان دہی کرا دو تاکہ میں سرنگ بنوانے کا کام شروع کروں۔“  
میں نے اسے ساتھ لے کر روحانی پرواز کرنا چاہی مگر وہ میری روت کو محسوس نہ کر سکا۔ اس کی راہنمائی کے لیے مجھے ارتکاز توجہ سے اپنے

جسم کو بھی وہاں لیجانا پڑا اور تب مجھے احساس ہوا کہ وہاں کتنی سردی تھی۔ میں ٹھنڈا پڑا جا رہا تھا۔ پھر میں نے اپنے لیے کافی موٹا سا اور کوٹ ایک قریبی بستی سے حاصل کیا اور پھر وہ جاہیں پہاڑی سلسلے میں ہشام جن کو دکھائی جن کے نیچے خلاء تھا۔ ہشام جن بھی زمین کے اندر محدود حد تک دیکھنے کی قدرت رکھتا تھا۔ اس نے چھ میں سے چار جاہیں اچھی طرح سمجھ لیں مگر باقی دو کے بارے میں اندازہ ہی لگایا۔ میں نے اسے کام شروع کرنے کا کہا اور وعدہ کیا کہ وقتاً فوقتاً میں آتا رہوں گا تا کہ ان کی راہنمائی کرتا رہوں۔ ہشام جن نے مجھے اندازے سے بتایا کہ وہ یہ کام چھ گھنٹوں میں مکمل کروا سکتا ہے۔ پھر میں اس کے وہاں چھوڑ کر واپس اپنے گھر کی چھت پر آ گیا۔ اب مجھے سب سے مشکل کام کرنا تھا اور وہ تھا اپنے آپ کو شہنشاہ اور طالش سرکار کے مقابلے کے لیے تیار کرنا۔ میں نے وہ عظیم کتاب خدا

کے ہی بابرکت نام لے کر کھولی، جس میں تمام مسائل کے حل موجود ہیں۔ کچھ دیر مختلف آیات پر غور کرتے کرتے ایک آیت پر میری نظریں ٹھہر گئی۔ اللہ تعالیٰ کن فیکون کا ذکر کر رہے تھے کہ کیسے ایک ”کن“ کہنے پر سب کچھ وجود میں آ گیا۔ مجھے یاد آیا کہ میں نے اپنی روحانی پرواز سے کئی بار اس بات کا مشاہدہ کیا کہ ساری دنیا ایک خاص قسم کی روشنی جذب کر رہی تھی اور وہ روشنی آسمان سے کہیں سے آرہی تھی۔ اچانک مجھے اس کا ماخذ تلاش کرنے کے بارے میں تجسس ہوا۔ اور پھر میں نے روحانی پرواز شروع کی۔ ”کن“ کے ارتعاش کو پیدا کر کے اس سے پھوٹنے والی روشنی کا اچھی طرح جائزہ لیا اور پھر آسمانوں کی طرف پرواز کر گیا۔ کچھ فاصلے سے زمین پر غور کرنے سے یہ بات عیاں ہوئی کہ واقعی وہ روشنی جو ”کن“ سے پھوٹی تھی، اسی سے ملتی جلتی ہی وہ روشنی تھی جس نے ساری دنیا کو



اپنے احاطے میں لیا ہوا تھا۔ میں نے اس کے ماخذ کا پیچھا کیا۔ اور بہت دور نکل آیا۔ اتنا دور میں کبھی پہلے نہیں آیا تھا۔ اور پھر اس کا ماخذ میں نے ڈھونڈ لیا۔ وہ ایک بہت ہی بڑا قرنہ تھا۔ جیسے عدسہ ہوتا ہے۔ اس عدسے سے وہ روشنی پھوٹ رہی تھی۔ جب میں نے اس کے گرد ایک چکر لگایا تو کیا دیکھا کہ اس عدسے کے دوسرے طرف قطعی طور پر وہی روشنی ایک بالائی دھار کی صورت میں پڑ رہی تھی جو میں نے ”کن“ کے لفظ سے پھوٹی دیکھی تھی۔ اب بات میری سمجھ میں آ گئی۔ اللہ تعالیٰ نے جب ”کن“ کہا تو وہ روشنی کی تیز دھار اس عدسہ پر پڑی اور اس عدسے نے وہ عکس بنایا جسے ہم دنیا کہتے ہیں۔ اور ایک چھنا کے سے میرے دماغ میں اس عدسے کا نام آ گیا۔ یہ ”لوح محفوظ“ تھی۔ میں کچھ دیر تک محویت سے لوح محفوظ کو دیکھتا رہا اور پھر غیر ارادی طور پر اس پر توجہ مرکوز کی تو وہ بھی میرے سامنے بڑا



ہوتا چلا گیا۔ اور پھر میرے سامنے وہ سارے تانے بانے آگئے جو زمین پر تغیر کا باعث بنتے تھے۔ حتیٰ کہ میں نے انسانی نفوس بھی دیکھے جن کی شکل، حجم، اعادات وغیرہ سب کچھ وہاں پروگرام کیا پڑا تھا۔ میں بہت دیر تک اس پر غور کرتا رہا اور پھر میں نے اپنے نفس پر توجہ مرکوز کی۔ میرے نفس کا پروگرام دوسرے نفوس سے مختلف تھا۔ باقی نفوس کے مستقبل قریب کے واقعات بھی ترتیب دیے گئے تھے مگر میرے نفس کے آگے ایک نورانی سی دھند تھی۔ اور پھر مجھے عظیم سوال کی بات یاد آگئی کہ انہوں نے مجھے بتایا تھا کہ میرا مستقبل لوں محفوظ پر بھی نمایاں نہیں تھا۔ ابھی میں اس پر غور کر ہی رہا تھا کہ اچانک غیر ارادی طور پر میں نے لوں محفوظ پر ارتکا ز توجہ سے ایک لکیر کھینچ دی۔ چند لمحوں بعد وہ لکیر خود بخود تحلیل ہو گئی۔ اور پھر ایک عجیب سا خیال میرے ذہن میں آیا۔ میں نے اپنے ہی نفس کے پروگرام کی

تفصیل اس کے برابر میں نقل کر دی۔ مگر اس کا محل وقوع تھوڑا سا بدل دیا۔ میں نے اس کو بلال کے کمرے کا محل وقوع دے دیا۔ اور پھر میں نے جلدی سے روحانی پرواز کی اور زمین پر آ گیا۔ تجسس سے بھرپور میری روح بلال کے کمرے میں داخل ہوئی اور میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ میں بلال کے کمرے میں ایک طرف زمین الٹی پالتی مارے بیٹھا تھا۔ یعنی میرا جسم وہاں موجود تھا۔ میں نے تیزی سے پرواز کی اور چھت پر پہنچا۔ وہاں بھی میرا جسم بستر پر الٹی مارے بیٹھا تھا۔ یہ سب کچھ مجھے چکرائے دے رہا تھا۔ میں نے فوری پرواز کی پھر لوح محفوظ پر پہنچ گیا۔ پھر جلدی سے اپنے نفس کے اس دوسرے جسم کا پروگرام تحلیل کر دیا۔ پھر تیزی سے واپس زمین پر آیا اور بلال کے کمرے میں جا کر دم لیا۔ اب وہاں میرا جسم موجود نہ تھا۔ یہ سب کیا تھا؟ میں نے روحانی پرواز ختم کی اور کافی دیر بیٹھا ہکا بکا اس پر سوچتا

رہا۔

کچھ دیر بعد میں نے اپنے آپ کو سنبھالا اور پھر دوبارہ ایک اور عمل کرنے کے لیے تیار ہو گیا۔ اب میرے ذہن میں کچھ تانے بانے بن رہے تھے۔ میں نے روحانی پرواز کی اور لوح محفوظ پر جا پہنچا۔ پھر میں نے اپنے نفس کے پروگرام کی ایک اور کاپی تیار کی۔ اور اس کا محل وقوع پھر سے بلال کا کمرہ بنایا۔ اب کی بار میں نے اسے الٹی پالٹی مارنے کی بجائے کھڑا بنایا۔ پھر جب میں روحانی پرواز کرتا ہوا بلال کے کمرے میں پہنچا تو دیکھا کہ میرا جسم وہاں کھڑا سانس لے رہا تھا۔ اسکی آنکھیں کھلی تھیں مگر وہ بے حس و حرکت کھڑا تھا۔ اچانک مجھے محسوس ہوا کہ جیسے میں اپنے اس جسم کے ساتھ تعلق قائم کر رہا ہوں۔ مجھے اس جسم کی دماغ کی سوچیں سنائی دے رہی تھیں۔ میرا جسم سوچ رہا تھا کہ میں یہاں کب اور کیسے آ گیا۔ یہ بڑا ہی عجیب سا احساس



تھا۔ ابھی میں اس تعلق پر غور ہی کر رہا تھا کہ اچانک بلال کی آنکھ کھل گئی۔

”سلیمان!۔۔۔ تم یہاں؟۔۔۔ خیریت تو ہے؟“ بلال نے نیند میں ڈوبی آواز میں پوچھا۔

میں نے چاہا کہ کہوں کہ ہاں۔۔۔ سب کچھ ٹھیک ہے اور میں ایک عمل کر رہا ہوں۔۔۔ اس لیے تم فکر نہ کرو اور سو جاؤ۔ دوسرے ہی لمحے میں نے اپنے جسم کو یہی الفاظ ادا کرتے ہوئے سنا۔ یوں لگ رہا تھا کہ میرا یہ دوسرا جسم ویسے ہی کر رہا تھا جیسے میں چاہ رہا تھا۔ میں نے چاہا کہ وہ دروازہ کھول کر باہر آ جائے۔ اور اس نے ایسا ہی کیا۔ باہر آ کر میں نے اسے ایک طرف کرسی پر بیٹھایا اور پرواز کرتا ہوا پھر لوٹ محفوظ پر پہنچ گیا۔ میں نے پھر اسے تحلیل کر دیا۔ اب مجھے اس کام میں مزہ آنے لگ گیا تھا۔ اچانک مجھے ایک عجیب سا خیال آیا۔ کیا میں



جس کسی کو چاہوں اس کے نفس کا پروگرام یہاں سے تحلیل کر سکتا ہوں؟ کیا وہ مرجائے گا؟ کیا ہوگا؟۔۔۔ تجسس سے مجبور ہو کر میں نے یونہی ایک اور نفس کے پروگرام کو تحلیل کرنے کی کوشش کی۔ مگر ناکام رہا۔ وہ ٹس سے مس نہیں ہوا۔ میں سمجھ گیا کہ میرا اختیار صرف اور صرف میرے اپنے نفس کے پروگرام کی حد تک ہی ہے۔ پھر میں نے اپنے نفس کے پروگرام کو بڑھانا شروع کیا۔ میں جتنا زیادہ اس پر توجہ مرکوز کرتا جا رہا تھا وہ اتنا گہرائی میں جا رہا تھا۔ ایک ایک چیز کی تفصیل اس پر درج تھی۔ ایک ایک اعضا، اس کی حرکات، جسامت، بڑھوتری کا عمل، وغیرہ وغیرہ۔۔۔ بہت ہی گہری معلومات تھیں۔ ابھی میں ان کو پڑھنے اور سمجھنے کی کوشش ہی کر رہا تھا کہ مجھے اپنے جسم کے گرد کچھ غیر معمولی بل چل محسوس ہوئی۔ میں نے فوراً روحانی پرواز ختم کی اور اپنی اصل جگہ یعنی چھت پر حاضر ہو گیا۔

میرے سامنے ہشام جن کھڑا مجھے پکار رہا تھا۔

”اے ہادی!۔۔۔ ہمیں تمہاری ضرورت ہے۔ چار سرنگے بن چکی

ہیں۔ مگر باقی دو کی سمجھ نہیں آرہی۔“ ہشام کہہ رہا تھا۔

”اچھا چلو میں چلتا ہوں۔“ میں نے کہا اور پھر روحانی پرواز کے

ذریعے اپنے جسم کو اٹھا کر اس کے ساتھ ہولیا۔

اس کو باقی دونوں سرنگوں کے محل وقوع سمجھاتے اور پھر ان کو اپنی نگرانی

میں کام کرواتے مجھے تقریباً ایک گھنٹہ لگ گیا۔ اس کے بعد میں نے

ان کو اس سرنگ کے دھانے پر کرک کے اندر ہی رہنے کا کہا۔ تاکہ وہ

موقع ملتے ہی چھپا پی پر حملہ کر سکیں۔ صبح ہونے والی تھی اور پھر چھپا پی

میں تیاریاں شروع ہو جاتی۔ میں نے ان کو بتا دیا کہ ہو سکتا ہے کہ میں

ان کو بتانے نہ آسکوں۔ اس لیے انہوں نے خود ہی اپنے جاسوسوں کی

مدد سے باخبر رہنا ہے اور موقع ملتے ہیں قیدیوں کو آزادی دلوا کر لے

جانا ہے۔ ان کو وہاں کر یک میں چھپا کر میں اپنے جسم کو اٹھا کر واپس اپنے چھت پر حاضر ہو گیا۔ فجر کی اذان ہو رہی تھی۔ میں نے اپنا بستر سمیٹا، اور پھر نیچے اتر آیا۔ وہاں بابا کے ساتھ وضو کیا اور ہم (میں اور بلال) نے بابا کی امامت میں باجماعت نماز ادا کی۔ نماز کے بعد میں نے دونوں کو بتایا کہ آج مجھے ایک بڑے کام کے لیے جانا ہے۔ مختصراً ان کو حالات بتا کر ان سے درخواست کی کہ وہ مجھے ایک کمرے میں ہی بند رہنے دیں۔ میں کچھ دیر تک مصروف رہوں گا۔ بلال نے اپنی مدد کی آفر کی مگر میں نے کہا کہ جب ضرورت ہوگی تو میں خود ہی کہہ دوں گا۔

پھر اپنے کمرے میں آ کر میں نے چند گھنٹے سونے کا ارادہ کیا۔ تاکہ فریش ہو کر اس بڑے معرکے میں حصہ لے سکوں۔ سونے سے پہلے میں نے روحانی پرواز کی۔ ایک چکر چھپا پی کے گرد لگایا اور پھر



ہشام جن اور اس کے ساتھیوں کی خیریت دریافت کی۔ اس کی طرف سے بے فکر ہو کر میں سو گیا۔ جب سے میں نے علم زوجیلہ پر عبور حاصل کیا تھا میرا دماغ بھی میرے قبضے میں آ گیا تھا۔ میں جب چاہتا تھا اٹھ جاتا تھا۔ لہذا اٹھیک تین گھنٹے کے بعد میں آنکھ کھل گئی۔ میں نے اٹھ کر منہ ہاتھ دھویا۔ پھر روحانی پرواز کی۔ سب کچھ ٹھیک تھا۔ ہشام اور اس کے ساتھی اسی طرح گھات لگائے بیٹھے تھے جبکہ چھپا پی میں تیاریاں شروع ہو چکی تھیں۔ بہت سے جن وانس مل کر ایک بہت ہی بڑا چبوترہ بنا رہے تھے۔ یہ ایک دلچسپ کام لگ رہا تھا۔ مگر پھر وہاں پر ایک قربان گاہ بنتی دیکھ کر مجھ پر سنجیدگی چھا گئی۔ اگر آج میں ناکام ہو گیا تو اپنی جان کے ساتھ ساتھ اور بہت سوں کو بھی مروانے جا رہا تھا۔

میں ان کی تیاریاں دیکھتا رہا۔ میرے سامنے انہوں نے اس



چبوترے کو ایک تخت اور دربار میں تبدیل کیا۔ اور پھر اچانک فضاء میں ایک تیز سی کی آواز گونجی۔ ایک بیست ناک جن ہمالیہ کے پہاڑوں کی طرف سے نمودار ہوا۔ وہ ہوا میں اڑتا ہوا چبوترے پر آیا۔ اسکے آتے ہی وہاں موجود جن وانس ایک دم سے مودب ہو گئے۔ اس نے اچھی طرح سے اس چبوترے کا جائزہ لیا۔ اور پھر عجیب سے زبان میں کچھ بڑبڑانے لگا۔ اگلے ہی لمحے کچھ فاصلے سے توڑ چھا پرندے آتے ہوئے نظر آنے لگے۔ ان پرندوں پر انسان سوار تھے۔ وہ سب چبوترے کے سامنے ہوا میں، زمین سے چند فٹ اونچے معلق صوفہ نما کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ ہر صوفے کے ساتھ ایک چھوٹی سی میز تھی جو خود بخود ہی رنگ برنگ کے مشروبات سے بھری جا رہی تھی۔ اور پھر ایک توڑ چھا پرندے پر مجھے چاڑی جادوگرنی بھی نظر آئی۔ وہ مجھے محسوس نہیں کر سکتی تھی۔ مگر میں اسے دیکھ سکتا تھا۔ ابھی

میں اسے ہی دیکھ رہا تھا کہ اچانک میں نے اپنی جیسی چند روحوں کو بھی دیکھا۔ وہ میری ہی طرح پرواز کرتے وہاں آئے تھے۔ میں نے ان کو اور انہوں نے مجھے بڑی حیرت سے دیکھا۔ مگر ہمارے درمیان کوئی گفتگو نہیں ہوئی۔ میرے لیے یہ چوینش غیر متوقع تھی۔ مگر کچھ ہی لمحوں کے بعد میں نے کچھ اور روحوں کو بھی وہاں آتے دیکھا۔ وہاں اب آہستہ آہستہ مجمع لگتا جا رہا تھا۔ چبوترے کے پاس نسبتاً بڑے صوفے تقریباً خالی ہی تھے۔ اس کے بعد دوسری قطار اور پھر اس کے بعد کی کرسیاں بڑی تیزی سے بھرتی جا رہی تھیں۔

کچھ دیر کے بعد وہ جگہ کچا کچ بھری ہوئی تھی۔ میرے جیسے بھی درجنوں انسان روت کی صورت میں وہاں موجود تھے اتنے میں ایک بڑا پرندہ ایک طرف سے نمودار ہوا۔ اس پرندے کی پشت پر ایک چھوٹی سے گبی بنی ہوئی تھی۔ اس پر چار لوگ بیٹھے تھے۔ ان میں سے تین انسان

جبکہ ایک جن تھا۔ وہ سیدھے چبوترے پر پہنچے اور پھر انہوں نے اتر کر وہاں موجود ہر جن و انس کو بغور دیکھنا شروع کر دیا۔ اب مجھے بے چینی ہوئی۔ کیونکہ ان میں ایک نے مجھے دیکھا تھا اور پھر چونک پڑا تھا۔ اس نے اپنے ساتھی سے کچھ بات کی۔ اس نے بھی چونک کر مجھے دیکھا۔ مجھے لگا کہ اب میرا یہاں رہنا مناسب نہیں۔ میں ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ ایک دم سے ایک طرف سے شورا اٹھا۔ سب لوگ اس طرف متوجہ ہو گئے۔ ایک بڑے اور ہیبت ناک پرندے پر طالش جن بیٹھاتیزی سے اس طرف کو آ رہا تھا۔ اس کو دیکھ کر مجھے کھسکنے میں ہی اپنی عافیت نظر آئی کیونکہ وہ مجھے اچھی طرح جانتا تھا۔ میں جلدی سے ہمالیہ کی بلند چوٹی کی اوٹ میں ہو گیا۔ یہاں سے میں تو سب کچھ دیکھ سکتا تھا مگر کوئی مجھے آسانی سے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ طالش جن نے چبوترے پر اترنے سے پہلے ہوا میں چھپاپی کے گرد ایک چکر



لگایا۔ وہ ایک حفاظتی حصار بنا رہا تھا۔ جب وہ چبوترے پر اتر اتو  
چبوترے اور اس کے گرد موجود بڑے چار صوفوں کے گرد کچھ محافظ  
جن نظر آ رہے تھے۔ وہ چاروں طرف نظر رکھے ہوئے تھے۔ طالش  
جن کے آنے کے بعد شور مچا دیا تھا۔ اور پھر طالش نے کچھ پڑھ کر  
ایک طرف کو پھونکا تو ایک اور بگی توڑ چھاپرندوں پر لدی ہمالیہ کی  
طرف سے نمودار ہوئی۔ یہ نسبتاً کافی بڑی بگی تھی اور اس کے گرد  
جادوئی جال بنا ہوا تھا۔ جب وہ میرے قریب سے گزری تو میں نے  
اس میں بہت سے قیدی دیکھے۔ اچانک میری نظر ایک قیدی پر پڑی  
اور میں بری طرح چونک پڑا۔ وہ میرے دادا بابا فتح محمد تھے۔ ایک دم  
سے میں جذباتی ہو گیا۔ اس ظالم طالش نے اوروں کے ساتھ میرے  
دادا کا بھی انتخاب کیا تھا آج کی قربانی کے لیے۔ میں نے دل ہی دل  
میں غزم کیا کہ جو بھی ہو، میں ہر صورت میں ان کو یہاں سے نکال



اے جاؤں گا۔ طالش نے اشارے سے قیدیوں کی بگی کو ایک طرف  
بنے قربان گاہ کی طرف جانے کا اشارہ کیا۔ اور وہ بگی جادوئی جال  
سمیت اس قربان گاہ میں داخل ہو گئی۔ طالش نے ایک طائرانہ نگاہ  
وہاں ڈالی۔ پھر اس نے چاڑی کو مخاطب کر کے کچھ کہا۔ اور چاروں  
طرف ایسی خاموشی چھا گئی کہ جیسے وہاں کوئی ذی شعور موجود ہی نہ  
ہو۔ پھر ایک دم سے ہمالیہ کے مخالف سمت سے، پہاڑی سلسلے کے  
اوپر، ایک گھٹائی اٹھی اور اس گھٹائے کے سائے میں ایک کارواں ادھر  
آنے لگا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ کارواں چھپاپی پہنچ گیا۔ تقریباً  
چالیس توڑ چھاپرندوں پر سوار محافظوں کے درمیان ایک عالی شان  
سواری میں ایک جن اپنے ساتھ چند جن زادیوں کے ساتھ بیٹھا تھا۔  
مجھے سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ یہی نژام شہنشاہ ہے۔ چالیس سواروں نے  
اڑتے ہوئے چبوترے کو گھیرے میں لے لیا۔ اور پھر شہنشاہ کی سواری

جبوترے پر اتر گئی۔

نہام شہنشاہ جن زادیوں کے جھرمٹ میں سواری سے اتر اور پھر

جبوترے پر موجود تخت پر براجمان ہو گیا۔ طالش جن شہنشاہ کے

سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا اور پھر اس نے اونچی آواز میں کچھ

الفاظ پڑھنے شروع کر دیے۔ میں نے محسوس کیا کہ ان القابات

نے شہنشاہ پر بڑا اثر چھوڑا۔ اس کے چہرے پر غرور چھا گیا۔

ان کی رسمی کاروائی شروع ہو چکی تھی۔ اور اب میرا وقت تھا۔ ایک

دھماکا خیز خبر۔۔۔ جو سلطنت سولومن کو ہلا دینے والی تھی۔ میں نے

لوٹ محفوظ کی طرف پرواز کی۔ وہاں پہنچ کر میں نے اپنے نفس کے

پر وگرام کو دیکھ اور پھر اس کی ہو بہو نقل بنا ڈالی مگر اس کا محل وقوع،

چھپاپی کے اندر نسبتاً ایک ویران کو نہ بنایا۔ پھر تیزی سے واپس زمین

پر اپنے اس دوسرے جسم کے پاس آیا۔ میرا جسم حیرت سے ادھر ادھر

دیکھ رہا تھا۔ اس کے پاس پہنچتے ہی میں نے اس کا کنٹرول سنبھال لیا۔  
سب سے پہلے میں نے اپنی منتخب کردہ آیات کی مدد سے اپنے  
دوسرے جسم کے گرد حفاظتی نظام قائم کیا۔ اور پھر میں نے اپنے جسم کو  
چبوترے کی جانب چلنے کو کہا۔ وہ تیزی سے مجمع کی طرف چل دیا۔  
ابھی میں کچھ دور ہی تھا کہ میں نے وہاں بل چل محسوس کی۔ بہت سے  
جن ہوا میں بلند ہوئے اور میرے طرف بڑھے۔ مگر میں نے  
غضبناک طریقے سے ان کو ارتکاز توجہ کا جھٹکا دیا۔ وہ اوندھے منہ  
زمین پر آگرے۔ اتنے میں چھپاپی کے ہجوم کے پاس پہنچ گیا۔  
چالیس توڑ چھا سواروں نے جلدی سے چبوترے کے آگے ڈھال  
بنالی۔

”ژبام شہنشاہ!۔۔۔ کیوں چھپتے ہو۔ کیا اتنا بھی دم نہیں کہ ہادی کا  
خود سامنا کر سکو؟“ میں نے اپنے جسم کے ذریعے بلند آواز میں



کہا۔ اور پھر خود روحانی طور پر اس آواز کے ارتعاش کو اتنا پھلا دیا کہ سارے کا سارا مجمع اس کو سن سکے۔

سارے مجمع پر ایک سکتا سا طاری ہو گیا۔ ایک تو میری گونجدار آواز اور پھر دوسرا ہادی کا دعویٰ۔۔۔ یہ سب کچھ دبشت ڈالنے کے لیے کافی تھا۔ اچانک توڑ چھا سواروں کے پیچھے سے طالش جن نمودار ہوا۔ اس نے گھور کر میرے جسم کو دیکھا اور پھر ایک دم سے سیدھا میری طرف (میری روت)۔ میں چونک پڑا۔

”آؤ ہادی۔۔۔۔۔ آؤ۔۔۔ میں نے پہلے ہی شہنشاہ کو کہہ دیا تھا کہ آج وہ اپنی شہنشاہت کو ایک ہادی کے خون سے تقویت دیں گے۔ لو۔۔ دیکھو۔۔ تم خود ہی آ گئے۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے اس بار

ننانوے قیدی منتخب کیے تھے۔“ طالش جن نے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔



”طالش!۔۔۔ میں موت سے نہیں ڈرتا۔ جس دن میرے خدا نے میری موت لکھی ہے، وہ آکر ہی رہے گی۔ مگر مجھے لگتا ہے کہ آج تم لوگوں کی موت میرے ہاتھ لکھی جا چکی ہے۔ بتاؤ۔۔۔ کہا پر مرنا پسند کرو گے۔“ میں نے اسی طرح گونجدار آواز میں کہا اور اپنی روحانی قوت سے اس کے ارتعاش کو اور زیادہ پھلادیا۔ عام جن وانس پر اس کا بڑا اثر ہو رہا تھا۔ اور وہ جب بھی میری آواز سنتے، ادھر ادھر خوفزدہ ہو کر دیکھنے لگ جاتے۔

”بابا بابا۔۔۔ بابا بابا۔۔۔ بابا بابا“ طالش جن نے قبہ لگایا۔

”ابھی دیکھتے ہیں کہ کس کی موت کس کے ہاتھ میں لکھی ہے۔“

طالش جن نے طنزیہ لہجے میں کہا اور توڑ چھا پرندے والوں کو کوئی اشارہ کیا۔ ایک دم سے جیسے بجلی کو دتی ہے، اسی طرح چار توڑ چھا سواروں نے اپنے ہاتھ بلند کیے اور ان کی طرف جادوئی جال لچھے

کی شکل میں میرے اوپر آگرا۔ یہ جال میری روت پر گرا تھا جسمانی وجود پر نہیں۔ میں بری طرت چونک پڑا۔ یہ میرے لیے غیر متوقع حملہ تھا۔ جبکہ مجھ پر جادوئی جال پھینکنے والوں نے تیزی سے جال کو واپس کھینچ لیا۔ اب میں جادوئی جال میں جکڑا ان کے درمیان تھا۔ جب کہ میرا جسم اسی طرت کچھ دور کھڑا ہکا بکا سب کچھ دیکھ رہا تھا۔

”ہاں بھئی ہادی!۔۔۔ تم کچھ کہہ رہے تھے“ ژبام شہنشاہ نے توڑ چھا سواروں کی ڈھال کے پیچھے سے نکلتے ہوئے کہا۔ اور سارا چھپاپی قہقہوں سے گونج اٹھا۔ مجھے لگ رہا تھا جیسے ہر کوئی میری اس بے وقوفی پر ہنس رہا تھا کہ میں کتنی آسانی سے ان کی گرفت میں مرنے کے لیے آگیا۔